فہرست مضامین

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد اول

خانقاہ ... لاہور

مضمون	صفحہ
مقدمہ	
(فن روایت)	
۱ — ۱۰۳	
سیرۃ النبی کی تالیف کی ضرورت	۱
پیغمبروں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخی فضیلت	۲
سیرۃ کی ضرورت علمی حیثیت سے	۵
علم کلام کی حیثیت سے سیرت کی ضرورت	۶
سیرت اور حدیث کا فرق	۸
فن سیرت کی ابتدا اور تحریری سرمایہ	۱۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی تحریریں	۱۵
مغازی	۱۷
تصنیف تالیف کی ابتدا حکومت کی طرف سے	۱۹
حضرت عائشہ کی روایتیں	۲۱
مغازی پر خاص توجہ	۲۱
امام زہری اور فن سیرت	"
امام زہری کے تلامذہ سیرت	۲۲
موسیٰ بن عقبہ اور سیرت	"
محمد بن اسحاق اور سیرت	۲۳
واقدی اور سیرت	"
ابن ہشام اور سیرت	۲۴
ابن سعد اور سیرت	۲۵
امام بخاری اور سیرت	۲۶
امام طبری اور سیرت	۲۷
فہرست متقدمین علمائے سیرت	۲۸
فہرست متاخرین علمائے سیرت	۳۵
صحت کا غذ	۳۷
اسلامی فن روایت کا پہلا اصول	۳۸
اسماء الرجال کی تدوین	"
اسماء الرجال کی پیش نظر کتابیں	۴۱
تحقیق روایت کا اصول قرآن و حدیث میں	"
دوسرا اصول	۴۱
درایت کی ابتدا	"
محدثین کے اصول درایت	۴۳
روایت کے اصول	۴۴
موضوع حدیثوں کی شناخت کے اصول	۴۵
فن سیرۃ پر تبصرہ	۴۸
امہات کتب سیرت	"
کتب حدیث و سیرت میں فرق	۴۹
فن سیرت میں محدثین کی مسامحت	۵۰
تصانیف سیرت میں کتب حدیث سے بے اعتنائی	۵۴
مصنفین سیرت کی غلطیاں	۵۵
اصول روایت سے ہر جگہ کام نہیں لیا گیا	۵۶
رواۃ کا اختلاف مراتب	"
تمام صحابہ کے عدول ہونے کی بحث	"
واقعات میں سلسلہ علت و معلول	۵۷
نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت	۵۹

139123

فہرست مضامین

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد اول

مضمون	صفحہ
مقدمہ	
(فن روایت)	
۱ — ۱۰۳	
سیرۃ النبی کی تالیف کی ضرورت	۱
پیغمبروں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخی فضیلت	۳
سیرۃ کی ضرورت علمی حیثیت سے	۵
علم کلام کی حیثیت سے سیرۃ کی ضرورت	۶
سیرت اور حدیث کا فرق	۸
فن سیرۃ کی ابتدا اور تحریری مراحل	۱۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی تحریریں	۱۵
مغازی	۱۷
تصنیف تالیف کی ابتدا حکومت کی طرف سے	۱۹
حضرت عائشہ کی تحریریں	۲۱
مغازی پر خاص توجہ	۲۱
امام زہری اور فن سیرت	"
امام زہری کے تلامذہ سیرت	۲۲
موسیٰ بن عقبہ اور سیرت	"
محمد بن اسحاق اور سیرت	۲۳
واقدی اور سیرت	"
ابن ہشام اور سیرت	۲۴
ابن سعد اور سیرت	۲۵
امام بخاری اور سیرت	۲۶
امام طبری اور سیرت	۲۷
فہرست متقدمین علمائے سیرت	۲۸
فہرست متاخرین علمائے سیرت	۳۵
صحت کا غذ	۳۷
اسلامی روایت کا پہلا اصول	۳۸
اسماء الرجال کی تدوین	"
اسماء الرجال کی پیش نظر کتابیں	۴۱
تحقیق روایت کا اصول قرآن	"
حدیث میں	"
دوسرا اصول	۴۱
درایت کی ابتدا	"
محدثین کے اصول درایت	۴۳
روایت کے اصول	۴۴
موضع حدیثوں کی شناخت کے اصول	۴۵
فن سیرۃ پر تبصرہ	۴۸
امہات کتب سیرت	"
کتب حدیث و سیرت میں فرق	۴۹
فن سیرت میں محدثین کی مسامحت	۵۰
تصانیف سیرت میں کتب حدیث سے بے اعتنائی	۵۴
مصنفین سیرت کی غلطیاں	۵۵
اصول روایت سے ہر جگہ کام نہیں لیا گیا	۵۶
رواۃ کا اختلاف مراتب	"
تمام صحابہ کے عدول ہونے کی بحث	"
واقعات میں سلسلہ علت و معلول	۵۷
نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت	۵۹

Marfat.com

مضمون	صفحہ
کا معیار	
کمسن راویوں کی روایت	۵۹
راویوں میں فقاہت کی شرط	۶۲
روایت میں راوی کے قیاس کو دخل	۶۴
فن روایت پر خارجی اسباب کا اثر	۶۶
قیاس و درایت	۶۹
صحابہ میں دو گروہ	۷۱
محدثین اور روایت حدیث	۷۴
روایت بالمعنی	۷۸
روایت احاد	۸۱
نتائج مباحث مذکورہ	۸۳
یورپین تصنیفات سیرت	۸۶
یورپ کی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے ابتدائی واقفیت	۸۷
سترہویں اور اٹھارہویں صدی	۸۸
اخیر اٹھارہویں صدی کی تصنیفات	۹۰
مصنفین یورپ کی تین قسمیں	۹۵
یورپین مصنفین کی غلط کاریوں کے اسباب	۹۷
یورپین تصنیفات کے اصول مشترکہ	۹۹
اس کتاب کی تصنیف و ترتیب کے اصول	۱۰۰

مضمون	صفحہ
کتاب کے حصے	۱۰۱
استناد اور حوالے	۱۰۳
مقدمہ	
تاریخ عرب قبل اسلام	
۱۰۴ — ۱۵۹	
عرب	۱۰۴
عرب کی وجہ تسمیہ	″
عرب کا جغرافیہ	″
عرب کی قدیم تاریخ کے ماخذ	۱۰۵
عرب کے اقوام و قبائل	۱۰۷
عرب کی قدیم حکومتیں	۱۱۰
تہذیب و تمدن	۱۱۴
عرب کے مذاہب	۱۱۸
اللہ کا اعتقاد	۱۲۱
نصرانیت، یہودیت اور مجوسیت	۱۲۳
مذہب حنیفی	۱۲۴
کیا عرب میں ان مذاہب نے کچھ اصلاح کی	۱۲۷
سلسلۂ اسماعیلی	۱۲۹
حضرت اسمٰعیل کہاں آباد ہوئے؟	۱۳۰

مضمون	صفحہ
ذبیح کون ہے؟	۱۳۴
مقام قربانی	۱۳۹
قربانی کی یادگار	۱۴۲
قربانی کی حقیقت	۱۴۵
مکہ معظمہ	۱۴۹
خانہ کعبہ کی تعمیر	۱۵۳
حضرت اسمٰعیل کی قربانی	۱۵۷
سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم	
(سلسلۂ نسب)	
۱۶۰ — ۱۶۹	
سلسلۂ نسب نبوی	۱۶۰
سلسلۂ نسب نبوی کی تحقیق	″
خاندان قریش	۱۶۲
قصی	۱۶۳
ہاشم	۱۶۵
عبدالمطلب	۱۶۷
عبداللہ	″
آمنہ	۱۶۸
ظہور قدسی	
۱۷۰ — ۱۹۸	
ولادت	۱۷۰
تاریخ ولادت	۱۷۱

آفتابِ رسالت کا طلوع

۹۹ - ۲۶۷

مضمون	صفحہ
رضاعت	۱۷۲
ثوبیہ	"
حضرت حلیمہ سعدیہؓ	۱۷۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے	"
رضاعی باپ، حضرت حارثؓ	
رضاعی بھائی بہن	۱۷۵
مدینہ کا سفر	"
حضرت آمنہ کی وفات	"
عبدالمطلب کی کفالت	۱۷۶
ابوطالب کی کفالت	۱۷۷
شام کا سفر	۱۷۸
بحیرا راہب کا قصہ	"
اس قصہ کی تنقید	۱۷۹
حرب فجار کی شرکت	۱۸۱
حلف الفضول میں شرکت	۱۸۲
تعمیر کعبہ	۱۸۳
شغل تجارت	۱۸۵
زوجیت خدیجہؓ	۱۸۷
چند چند واقعات (قبل نبوت)	۱۸۹
حسد سفر (قبل نبوت)	"
مراسم شرک سے اجتناب	۱۹۱
موحدین کی ملاقات	۱۹۳
قس بن ساعدہ کے قصہ کی تنقید	۱۹۴
احباب خاص (قبل نبوت)	۱۹۶
مراسم جاہلیت اور لہو ولعب سے	
فطری اجتناب	۱۹۹
غار حرا میں عبادت	۲۰۱
یہ عبادت کیا تھی؟	"
رؤیائے صادقہ سے نبوت	۲۰۲
کا آغاز	
فرشتہ کا پہلی بار نظر آنا	"
ورقہ بن نوفل کے پاس جانا اور	"
اس کا تسکین دینا	
وحی کا کچھ دن کے لئے رک	۲۰۳
جانا	"
ورقہ کی تسکین دینے کی روایت	
کی تنقید	
دعوت اسلام کا آغاز	۲۰۵
تین سال تک دعوت کا اخفاء	"
سب سے پہلے جو لوگ اسلام	"
لائے	
حضرت ابوبکرؓ کا اسلام	۲۰۶
ان کے اسلام لانے کا دیگر معززین	"
قریش پر اثر	
اسلام کیوں کر پھیلا	۲۰۷
پہلا سبب	۲۰۷
دوسرا سبب	۲۰۸
تیسرا سبب	"
دعوت کا اعلان	۲۱۰
قریش کے سامنے کوہ صفا پر آپ	"
کی سب سے پہلی تقریر	
قریش کی مخالفت اور اس کے اسباب	۲۱۲
پہلا سبب	۲۱۳
دوسرا سبب	۲۱۴
تیسرا سبب	۲۱۶
چوتھا سبب	"
پانچواں سبب	۲۱۷
مدت تک قریش کے تحمل کے	
اسباب	۲۱۹
ابوطالب کی نصیحت اور آنحضرت	
صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب	۲۲۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو	
ایذا رسانی	۲۲۱
عتبہ کی آپ سے درخواست	
اور آپ کا جواب	"
حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ	
کا اسلام	۲۲۳
تعذیب مسلمین	۲۲۷
مسلمانوں پر ظلم وستم کے طریقے	۲۲۸

Marfat.com

مضمون	صفحہ
ملاکشان اسلام	۲۲۰
مسلمانوں کے استقلال اور وفاداری کی تعریف ایک عیسائی کے قلم سے	۲۳۲
ہجرت حبش (۵ سنہ نبوی)	۲۳۳
اس ہجرت کا فائدہ	″
مہاجرین حبش	۲۳۴
قریش کی سفارت نجاشی کے پاس	۲۳۷
دربار میں حضرت جعفر کی تقریر اور اس کا اثر	″
مسلمانوں کی وفاداری نجاشی کے ساتھ	۲۳۹
مہاجرین حبش کی واپسی	۲۴۰
ملک الغرانیق العلی کی بحث	″
اہل مکہ کی ایذا رسانی	۲۴۳
حضرت ابوبکر کا ارادہ ہجرت	۲۴۴
شعب ابی طالب میں محصور ہونا (محرم ۷ سنہ نبوی)	۲۴۵
محاصرہ سے آزادی	۲۴۷
حضرت خدیجہ اور ابوطالب کی وفات	″
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غمزدہ ہونا اور قریش کی ایذا رسانی	۲۵۰

مضمون	صفحہ
طائف کا سفر اور واپسی	۲۵۰
مطعم کا آپ کو اپنی پناہ میں لینا	۲۵۱
قبائل کا دورہ	۲۵۲
قریش کی آپ کو ایذا رسانی	۲۵۴
مسلمانوں کا گھبرانا اور آپ کو تسلی دینا	۲۵۷
مدینہ منورہ اور انصار ۲۵۸ - ۲۶۷	
انصار کی قدیم تاریخ	۲۵۸
اہل مدینہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی ملاقات	۲۶۰
انصار کے اسلام کی ابتدا	۲۶۲
بیعت عقبہ اولیٰ ۱۱ سنہ نبوی	۲۶۴
بیعت عقبہ ثانیہ ۱۲ سنہ نبوی	″
نقبائے انصار	۲۶۵
صحابہ کی ہجرت مدینہ	۲۶۷
سنہ ۱ (ہجرت) ۲۶۸ - ۲۹۸	
ہجرت کی خدا کی طرف سے اجازت	۲۶۸

مضمون	صفحہ
آپ کے قتل کے مشورے	۲۶۹
حضرت علی کو امانتیں سپرد کرنا، اور ان کو بستر پر لٹانا	۲۷۰
کفار کا محاصرہ اور ناکامی	۲۷۱
ہجرت مدینہ	″
حضرت ابوبکر کی معیت	″
غار ثور میں چھپنا اور کفار کا تعاقب	″
بعض روایتوں کی تنقید	۲۷۲
مدینہ کی طرف کوچ اور راستہ کا حال	۲۷۳
قریش کا آپ کی گرفتاری کے لئے اشتہار	″
سراقہ بن جعشم کا واقعہ	″
آپ کی آمد کی خبر مدینہ میں پہنچنا	۲۷۴
اہل مدینہ کا جوش مسرت اور	۲۷۵
سامان استقبال	″
قبا میں نزول	″
حضرت علی کا آکر مل جانا	″
قبا میں مسجد کی تعمیر	۲۷۶
قبا میں داخلہ کی تاریخ	۲۷۷
مدینہ میں داخلہ	″
آپ کی پہلی نماز جمعہ اور پہلا خطبہ نماز	″

Marfat.com

مضمون	صفحہ
انصار کا ترانہ مسرت	۲۷۸
حضرت ابوایوب کے گھر اترنا	۲۷۹
اہل بیت کا مکہ سے بلوانا	۲۸۰
مسجد نبوی اور حجروں کی تعمیر	″
اذان کی ابتداء اور رکعات نماز	۲۸۳
مواخاۃ اور طریقہ مواخات	۲۸۴
انصار کا ایثار	۲۹۱
صفہ اور اصحاب صفہ	۲۹۲
مدینہ کے یہود اور ان سے معاہدہ	۲۹۴
سنہ ۱ھ کے واقعات متفرقہ	۲۹۶
حضرت کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات	″
حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ولادت	۲۹۸
چار رکعت کی فرضیت	″

سنہ ۲ھ

تحویل قبلہ و آغاز غزوات

۲۹۹ - ۳۶۸

مضمون	صفحہ
تحویل قبلہ (شعبان سنہ ۲ھ)	۲۹۹
اس کے اسباب	″

سلسلہ غزوات

مضمون	صفحہ
مدینہ کے مشکلات	۳۰۵
قریش کی برافروختگی	″
منافقین اور یہودیوں کی سازش	۳۰۶
مدینہ میں مسلمانوں کی بے سامانی	۳۰۷
سامان	۳۰۸
آیت جہاد کا نزول	۳۰۹
بدر سے پہلے کی مہمیں	۳۱۰
قبائل سے معاہدہ	″
حلفائے قریش کا حملہ	۳۱۲
سریہ ابن جحش	″
حضرمی کا مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل	۳۱۳

غزوہ بدر

مضمون	صفحہ
قریش کی مدینہ پر حملہ کی تیاری	″
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ سے نکلنا اور صحابہ سے مشورہ	۳۱۶
چاہ بدر پر قیام	۳۱۷
میدان جنگ	۳۱۸
قریش پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ترحم	۳۱۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ الٰہی میں مناجات	۳۲۱
لڑائی کا آغاز	۳۲۲
ابوجہل کا قتل	۳۲۵
امیہ کا قتل	۳۲۶
مسلمانوں کی فتح اور اس کے اسباب	۳۲۷
مقتولین بدر کی تدفین	۳۲۹
گرفتاران بدر اور ان کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک	۳۳۰
قیدیوں کی نسبت مشورہ	″
فدیہ لے کر آزاد کرنا، عتاب الٰہی کا نازل ہونا	۳۳۱
نزول عتاب کا سبب	″
حضرت عباس کی گرفتاری	۳۳۳
حضرت ابوالعاص کی گرفتاری	″
ان کی رہائی اور اسلام	۳۳۴
مقتولین بدر کا اثر قریش پر	″
عمیر بن وہب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے آنا اور اسلام لانا	۳۳۵
غزوہ بدر کا بیان قرآن مجید میں	۳۳۶

Marfat.com

مضمون	صفحہ
غزوہ بدر پر دوبارہ نظر	۳۳۶
غزوہ بدر کا اصلی سبب	"
قرآن مجید سے اس پر استدلال	۳۴۵
احادیث سے اس پر استدلال	۳۵۰
قرائن سے استدلال	۳۵۴
اول قرینہ	"
دوئم	۳۵۵
سوم	"
چہارم	۳۵۶
پنجم	۳۵۷
ششم	۳۵۸
ہفتم	۳۵۹
غزوہ بدر کا اصلی سبب	"
ایک ضروری نقطہ	۳۶۳
غزوہ بدر کے نتائج	۳۶۴
غزوہ سویق، ذی الحجہ ۲ھ	۳۶۵
حضرت فاطمہ زہرا کی شادی	۳۶۶
روزہ کی فرضیت	۳۶۸
دوگانہ عید	"
غزوہ بنی قینقاع	"
سنہ ۳ھ	
غزوہ احد	
۳۶۹ — ۳۸۷	

مضمون	صفحہ
غزوہ احد	۳۶۹
اس جنگ کے لئے قریش کا سامان	"
خواتین قریش کی شرکت	۳۷۰
حضرت عباس کا قریش کے ارادہ سے مطلع کرنا	۳۷۱
مسلمانوں کی مدافعت کے لئے تیاری	۳۷۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلع ہونا	"
مسلمان سپاہیوں کی جمعیت	"
۳۰۰ منافقین کی علیحدگی	"
مسلمان بچوں کی شرکت جنگ کے لئے بے قراری	۳۷۳
فریقین کی صف بندی	"
خاتونان قریش کا ترانہ جنگ	۳۷۴
آغاز جنگ	"
حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ کا نکلنا	۳۷۵
حضرت حمزہؓ کی شہادت	۳۷۶
علمبردار قریش کا قتل ہونا	"
مسلمان حملہ آور	۳۷۷
مسلمان تیر اندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا	"

مضمون	صفحہ
قریش کا عقب سے حملہ	۳۷۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی غلط خبر اڑانا	۳۷۸
مسلمانوں کا پیچھے ہٹ جانا، اور بے ترتیبی	"
ایک مسلمان کا مسلمانوں کے ہاتھ سے غلطی سے مارا جانا	"
بعض صحابہ کی جاں نثاریاں	۳۷۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زخمی ہونا	۳۸۰
مشرکین کے لئے دعائے خیر کرنا	"
حضرت ابو طلحہؓ اور حضرت سعدؓ کی قدر اندازی	"
آپ کا مشرکین پر اظہار افسوس	۳۸۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مع چند رفقاء کے پہاڑی پر چڑھ جانا	"
مدینہ میں آپؐ کے قتل کی غلط خبر پہنچنا	"
حضرت فاطمہؓ کا پہنچنا اور زخموں کا دھونا	۳۸۲
ابوسفیان اور حضرت عمرؓ کا سوال وجواب	"

Marfat.com

مضمون	صفحہ
دو مسلمانوں کی شہادت	۳۸۲
ہندہ کی حضرت حمزہؓ کی لاش کے ساتھ بے ادبی	۳۸۳
خاتونانِ اسلام کی اس جنگ میں خدمات	″
حضرت صفیہؓ کا استقلال	۳۸۴
ایک انصاریہ کی فدویت	″
مسلمان شہداء کی تعداد اور ان کی تجہیز کا سامان	۳۸۵
قریش کا تعاقب	″
ابوسفیان کی دوبارہ حملہ کی نیت	۳۸۶
مسلمانوں کا آگے بڑھنا	″
مدینہ کی طرف واپسی	″
حضرت حمزہؓ کا ماتم	۳۸۷
حضرت امام حسنؓ کی ولادت	″
حضرت صفیہؓ سے نکاح	″
حضرت ام کلثومؓ کا حضرت عثمانؓ سے نکاح	″
حکم وراثت کا نزول	۳۸۸
نکاح مشرکہ کی تحریم	
سنہ ۴ھ	
سلسلہ غزوات و سرایا	
۳۸۸ — ۳۹۴	

مضمون	صفحہ
قبائل کی اسلام سے دشمنی اور حملہ	۳۸۸
سرایا کی کثرت کے اسباب	″
سریہ ابی سلمہؓ	۳۸۹
سریہ ابی انیسؓ	″
سریہ بیر معونہ	۳۹۰
واقعہ رجیع	۳۹۱
حضرت زید کی شہادت	۳۹۲
واقعات متفرقہ	۳۹۴
امام حسین کی ولادت	″
حضرت زید بن ثابت کا عبرانی زبان سیکھنا	″
حضرت ام سلمہؓ کا نکاح	″
یہودیوں کے مقدمہ کا فیصلہ کرنا	″
بعض مورخین کے نزدیک حرمت شراب کی تاریخ	″
سنہ ۲ و ۳ و ۴ھ	
یہودیوں کے ساتھ معاہدہ اور جنگ	
۳۹۵ — ۴۱۲	
یہودیوں کی اخلاقی حالت	۳۹۵

مضمون	صفحہ
یہودیوں کی اسلام سے نفرت	۳۹۷
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے ساتھ مدارات	۳۹۸
یہودیوں کی شرارتیں	۴۰۱
یہودیوں کا قریش کے ساتھ اتحاد	۴۰۳
غزوہ بنی قینقاع	″
قتل کعب بن اشرف یہودی	۴۰۵
غزوہ بنی نضیر	۴۰۹
سنہ ۵ھ	
غزوہ مریسیع و واقعہ افک و غزوہ احزاب	
۴۱۳ — ۴۴۶	
انمار اور ثعلبہ کی تیاری اور فرار	۴۱۳
دومۃ الجندل میں کفار کا اجتماع	۴۱۶
غزوہ مریسیع یا بنی مصطلق	″
حضرت جویریہ کا واقعہ	۴۱۷
حضرت جویریہؓ کے نکاح کا اثر	۴۱۸
واقعہ افک	″

مضمون	صفحہ
غزوہ احزاب یا غزوہ خندق	۴۱۹
خندق کا کھودا جانا	۴۲۱
خندق کھودنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت	″
صحابہ کا ترانہ	″
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تین دن کا فاقہ	۴۲۳
صف آرائی	″
بنو قریظہ کی معاہدہ شکنی	
منافقین کی جنگ سے علیحدگی	″
ایک مہینہ تک مدینہ کا محاصرہ	۴۲۴
غطفان سے معاہدہ کرنے سے صحابہ کی ناراضمندی	۴۲۵
کفار کا مدینہ پر عام حملہ	۴۲۶
حضرت علی اور عمرو بن عبدود کی جنگ	۴۲۷
دوسرے کافروں کا حملہ اور موت	۴۲۸
نمازوں کا قضا ہونا	″
بنو قریظہ کا مستحکم قلعہ پر حملہ کا ارادہ	″
حضرت صفیہؓ کی بہادری	۴۲۹
طوفان اور کفار کی شکست	″

مضمون	صفحہ
حضرت نعیم بن مسعودؓ ثقفی کی تدبیر اور کفار میں پھوٹ	۴۳۰
طبل بازگشت	۴۳۲
حضرت سعد بن معاذؓ کی شہادت	۴۳۳
بنو قریظہ کا خاتمہ	″
بنو قریظہ کا خاتمہ ان کی شریعت کے مطابق	۴۳۵
بنو قریظہ کے اسباب قتل کی تحقیق	۴۳۷
ریحانہ کا غلط واقعہ	۴۳۹
حضرت زینب سے نکاح	۴۴۱
غلط واقعات کی تردید	۴۴۴
پردہ کا حکم	۴۴۵
متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کا جواز	۴۴۶
لعان اور ظہار	″
تیمم	″
سنہ ۶ھ	
صلح حدیبیہ بیعت رضوان	
۴۴۷ — ۴۶۱	
حدیبیہ	۴۴۷
کعبہ اور مکہ معظمہ	۴۴۸

مضمون	صفحہ
ارادہ عمرہ	۴۴۹
قریش کی روکنے کیلئے تیاری	″
صلح کے پیغام	۴۵۰
بدیل اور عروہ کی سفارت	۴۵۱
حضرت ابوبکرؓ کا جوش	″
حضرت مغیرہ کی ڈانٹ	″
عروہ کا متاثر ہونا	۴۵۲
قریش کا غدرانہ حملہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عفو	″
حضرت عثمانؓ کا سفیر بن کر جانا	۴۵۳
بیعت رضوان	″
سہیل کا سفیر بن کر آنا	۴۵۴
صلحنامہ کی عبارت پر تنازع	″
شرائط صلح	۴۵۵
حضرت ابوجندلؓ کا پابزنجیر	۴۵۶
قریش کی قید سے بھاگ کر آنا	″
حضرت عمرؓ اور عام مسلمانوں کا شرائط صلح سے ملال	۴۵۷
حضرت ابوبکرؓ کا انکو سمجھانا	″
قربانی کا حکم دینا اور صحابہ کا تعلل	۴۵۸
قربانی کے لئے ازدحام	″

Marfat.com

مضمون	صفحہ
سورۂ فتح کا نزول	۴۵۸
صلح حدیبیہ کے مصالح	۴۵۹
نومسلموں کی واپسی کے شروط کا منسوخ ہونا	۴۶۱
سنہ ۷ ھ (آخر)	
سلاطین کو دعوت اسلام	
۴۶۲ — ۴۷۴	
قیصر روم اور نامہ اسلام	۴۶۳
ابوسفیان اور قیصر روم	۴۶۴
قیصر کا متاثر ہونا	۴۶۵
نامہ مبارک	۴۶۶
اہل دربار کی برہمی	۴۶۷
خسرو پرویز اور نامہ اسلام	"
خسرو پرویز کی برہمی اور انجام	۴۶۸
نجاشی اور نامہ اسلام	۴۷۰
نجاشی کا اسلام	"
حضرت ام حبیبہ سے نکاح	۴۷۱
عزیز مصر اور نامہ اسلام	"
عزیز مصر کا جواب	"
حضرت ماریہ قبطیہؓ	۴۷۲
رئیس یمامہ کا جواب	"
رئیس غسان کی برہمی اور حملہ	۴۷۳

مضمون	صفحہ
کی تیاری	
حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن العاص کا اسلام	۴۷۳
سنہ ۸ ھ	
خیبر، ادائے عمرہ	
۴۷۵ — ۵۰۴	
خیبر	۴۷۵
غزوۂ خیبر کے اسباب	"
ذی قرد	۴۷۹
غزوۂ خیبر کا اہتمام شان	۴۸۰
مدینہ سے روانگی	۴۸۱
علم نبوی	"
صحابہ کا ترانہ	"
منافقوں کی فوج میں شرکت	۴۸۳
غطفان کی روک تھام	"
خیبر پر حملہ	۴۸۵
بعض قلعوں کی اطاعت سے سرتابی	۴۸۶
مرحب اور حضرت علیؓ کی جنگ	۴۸۸
فاتح خیبر	"

مضمون	صفحہ
مال غنیمت کی تقسیم	۴۹۰
حضرت صفیہ کے واقعہ کی تحقیق	"
خزانہ خیبر کے چھپانے کے جرم میں یہودی سرداروں کی سزا کی تحقیق	۴۹۴
ماہ حرام میں جہاد کا مسئلہ	۴۹۸
تقسیم زمین	۵۰۰
ملکی حالت اور احکام فقہی	"
وادی القریٰ اور فدک	۵۰۲
ادائے عمرہ	۵۰۳
سنہ ۸ ھ	
غزوۂ موتہ، فتح مکہ، غزوۂ حنین و اوطاس و طائف	
۵۰۵ — ۵۴۶	
غزوۂ موتہ	۵۰۵
حضرت زید، حضرت جعفر طیار اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شہادت	۵۰۷
حضرت خالد کی سپہ سالاری	"
شہداء کا ماتم	۵۰۸
غزوۃ الفتح	۵۰۹

Marfat.com

مضمون	صفحہ
قریش پر فوج کشی کے اسباب	۵۰۹
قریش سے مصالحت کی کوشش	۵۱۰
ابوسفیان کا سفیر بن کر آنا	۵۱۱
حضرت حاطب بن بلتعہؓ کی غلطی	۵۱۲
فوجوں کی مکہ کی سمت روانگی	″
ابوسفیان دربار رسالت میں	۵۱۴
ان کا ایمان لانا	″
کوکبہ نبوی کا نظارہ	۵۱۵
قریش کو امان	″
خانہ کعبہ کی تطہیر	۵۱۷
خطبہ فتح	″
خطبہ کے اصولی مطالب	۵۱۸
قریش کو عفو عام	۵۲۰
قریش سے بیعت ایمان	۵۲۱
ہندہ کا آنا	″
ہندہ کا مطالبہ	″
صفوان بن امیہ، عبداللہ ابن زبعری اور عکرمہ کا اسلام	۵۲۲
انتہاریان قتل	۵۲۳
انتہاریان قتل کی تحقیق	۵۲۴
خزائن حرم	۵۲۷

مضمون	صفحہ
فتح مکہ اور بت شکنی	۵۲۷
غزوہ حنین	۵۳۰
حنین	″
ہوازن اور ثقیف کا اجتماع	۵۳۱
درید بن الصمہ شاعر کی گفتگو	۵۳۲
عبداللہ بن حدرد کا تحقیق حال کے لئے جانا	″
حنین کی طرف روانگی	۵۳۳
مسلمانوں کی ابتدائی شکست	۵۳۴
ابتدائی شکست کے اسباب	۵۳۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا	۵۳۹
استقلال اور صحابہ کو ندا	
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رجوع	″
اور مسلمانوں کا سنبھلنا	
دشمنوں کی شکست	″
اوطاس	۵۴۰
درید کا قتل	″
اسیران جنگ میں حضرت شیماؓ	″
آپؐ کی رضاعی بہن	
محاصرہ طائف	۵۴۱
قلعہ شکن آلات کا استعمال	″
محاصرہ اٹھا لینا	۵۴۲
تقسیم غنائم	″

مضمون	صفحہ
مؤلفۃ القلوب پر بخشش	۵۴۳
بعض انصار کا سوء ظن	۵۴۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پر اثر تقریر	۵۴۵
اسیران جنگ کی عام رہائی	۵۴۶
واقعات متفرقہ	″
حضرت ابراہیم کی ولادت اور وفات	″
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ	″
کسوف کی نماز باجماعت	″
حضرت زینبؓ رضی اللہ عنہا کا انتقال	″
غزوہ ایلاء اور تخییر، غزوہ تبوک، مسجد ضرار، حج الاسلام ۵۴۷ - ۵۷۲	
واقعہ ایلاء	۵۴۷
ایلاء کے اسباب کی تحقیق	۵۴۸
قرآن اور واقعہ ایلاء	۵۵۰
حضرت عمرؓ کی روایت واقعہ	۵۵۲

مضمون	صفحہ
ایلاء کی نسبت	۵۵۵
تخییر	〃
مظاہرہ ازواج مطہرات کی تحقیق	۵۵۶
روایات کاذبہ	۵۵۸
غزوہ تبوک	۵۶۳
غزوہ تبوک کا سبب	〃
اجتماع افواج	
منافقین کی دراندازی	۵۶۴
صحابہ کا جوش اور ایثار	〃
۳۰ ہزار فوج کی روانگی	〃
سرحد کے عیسائی سرداروں سے مصالحت	۵۶۵
واپسی اور خیر مقدم کا ترانہ	۵۶۶
مسجد ضرار	۵۶۷
حج الاسلام اور اعلان برأت	۵۶۸
حضرت ابوبکرؓ کا امیر الحج ہونا	۵۶۹
مسلمانوں کا پہلا حج	〃
حضرت علیؓ کا اعلان برأت کرنا	〃
واقعات متفرقہ	۵۷۲
زکوٰۃ کا حکم نازل ہونا	〃
جزیہ کا آغاز	〃

مضمون	صفحہ
سود کی حرمت	۵۷۲
نجاشی کی وفات اور جنازہ کی نماز غائبانہ	〃
غزوات	
پر دوبارہ نظر	
۵۷۳ — ۶۲۲	
مغازی اور سیرت کا فرق	۵۷۳
غزوات نبوی کی نسبت غلط فہمیاں	〃
عرب اور جنگ و غارتگری	۵۷۴
تار کا عقیدہ	۵۷۶
لوٹ کا مال	۵۷۹
احکام کا تدریجی نزول	〃
جنگ میں وحشیانہ افعال	〃
غزوات نبوی کے اسباب اور انواع	۵۸۴
غزوہ اور سریہ کا فرق	〃
غزوات و سرایا کے مختلف اغراض	〃
بغرض تفتیش دشمن	۵۸۹
سریہ ابن جحش	〃
بغرض مدافعت	۵۹۰

مضمون	صفحہ
سریہ عطفان	۵۹۰
سریہ ابو سلمہ	۵۹۱
سریہ عبداللہ بن انیس	〃
غزوہ ذات الرقاع	〃
غزوہ دومۃ الجندل	۵۹۲
غزوہ مریسیع	〃
سریہ فدک	〃
سریہ بشیر بن سعدؓ	۵۹۳
سریہ عمرو بن العاص	〃
قریش کی تجارت کی روک ٹوک	〃
امن و امان قائم کرنا	۵۹۵
امن و امان کا فرض اور اسلام	〃
سریہ زید بن حارثہ	۵۹۷
سریہ دومۃ الجندل	〃
سریہ خبط یا سیف البحر	۵۹۸
غزوہ غابہ	۵۹۹
بے خبری میں حملہ کرنے کا سبب	〃
مارگولوس کی غلطی	۶۰۰
اصلی سبب	〃
غزوہ بنو سلیم	۶۰۱
غزوہ ذات الرقاع	〃
سریہ عکاشہ	〃

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
سریہ علی بن ابی طالبؓ	۶۰۱	سپاہیوں کو احکام کہ بوڑھے	۶۰۷	مال غنیمت کی خواہش جہاد	۶۱۸
غزوہ بنو لحیان	۶۰۲	بچے اور عورتیں قتل نہ ہوں		کے ثواب کو کم کرتی	
سریہ عمر بن الخطاب	"	صبر کی ممانعت	۶۰۸	ہے	
سریہ کعب بن عمیر	"	عہد کی پابندی	"	اس نصیحت کا صحابہؓ پر	۶۱۶
اشاعت اسلام کیلئے سرایا	۶۰۳	قاصدوں کو امان	۶۱۰	اثر	
سریہ بیر معونہ	"	اسیران جنگ کے ساتھ	"	لوٹ کی ممانعت	۶۱۷
سریہ مرثد	"	عربوں کا برتاؤ		لڑائی عبادت بن گئی	"
غزوہ بنو لحیان	"	صلیبی عیسائیوں کا برتاؤ	"	اغراض جہاد	"
سریہ ابن ابی العوجاء	"	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا	۶۱۱	دفع فساد	۶۱۸
سریہ کعب بن عمیر	۶۰۴	برتاؤ قیدیان بدر کے ساتھ		انسداد مظالم	"
داعیان اسلام کو حملہ کی	"	بنت حاتم طی کے ساتھ	"	فریضہ امر معروف و نہی منکر	"
ممانعت		سلوک		مال غنیمت کے مصارف کی	۶۱۹
حضرت خالد کی غلطی کا	۶۰۵	قرآن مجید اور اسیران	۶۱۲	تحدید	
معاوضہ		جنگ		جہاد بھی نماز ہے	"
بت شکنی کے لئے سرایا		سپاہیوں کو راستہ روک کر	"	ایک نقطہ	۶۲۰
بھیجنے کا سبب		ٹھہرنے کی ممانعت		جہاد عبادت بن گیا	۶۲۱
جنگی اصلاحات		مال غنیمت کی تحقیر	۶۱۳	فاتح و پیغمبر کا فرق	"
عربوں کے مقابلہ میں عرب کے		مال غنیمت کی محبت	"	شوق عبادت	۶۲۲
بعض وحشی جنگی افعال کو اجلا		غزوہ حنین میں اسی سبب سے	۶۱۵	خاتمہ	"
کیوں اختیار کیا گیا		شکست ہوئی			

ختم شد

Marfat.com

سرنامہ

ایک گدائے بے نوا شہنشاہِ کونین کے دربار
میں اخلاص و عقیدت کی نذر لے کر آیا ہے

زچشمم آستین بردار و گوہر را تماشا کن!

"شبلی"

شوال سنہ ۱۳۳۰ھ

Marfat.com

ملک محمد شفیع اینڈ سنز مطبع مصطفائی
کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا۔

مطبوعہ کوا پریٹو کیپٹل پرنٹنگ پریس وطن بلڈنگ لاہور

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع چہارم سیرۃ النبی جلد اوّل

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ کو اللہ تعالیٰ نے جو مقبولیت بخشی وہ مصنف اور جامع دونوں کے لئے بڑی نعمت ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے،

نومبر ۱۹۱۴ء میں مصنف کی وفات کے بعد جب سیرۃ کا مسودہ مصنف کی وصیت کے مطابق اس ہیچمدان کے ہاتھ آیا، تو اس عقیدت کی بنا پر جو ایک شاگرد کو اپنے استاد سے ہونی چاہیئے، استاد کے مسودہ پر انگلی رکھتے ہوئے بھی ڈر معلوم ہوتا تھا، اگر کبھی بہ ضرورت ایسی گستاخی کرنی پڑتی تھی، تو خواب میں بھی ڈر جاتا تھا مسودہ کا مبیضہ مصنف کے سامنے ہو چکا تھا، اس لئے اس مبیضہ کا مقابلہ مسودہ سے اور نہ مسودہ کا مقابلہ اصل ماخذوں سے میں نے کیا، بلکہ مصنف کی امانت جوں کی توں ناظرین کے سپرد کر دی، بجز اس کے کہ بعض مقامات پر مصنف کے اشاروں کے مطابق بعض چیزوں کا اضافہ ہلالین میں کر دیا جس کی تصریح دیباچہ میں موجود ہے

اس کے بعد اس نسخہ کی نقل در نقل چھپتی رہی، اور مقابلہ اور تصحیح ماخذ کی ضرورت نہیں سمجھی

Marfat.com

لیکن اس اثناء میں کبھی کبھی مراجعت کے وقت بعض مقاموں پر تصحیح اور اضافہ کی نئی ضرورت محسوس ہوتی رہی، اور اس کے مطابق ایک نسخہ پر یہ تصحیحات اور اضافے وقتاً فوقتاً کرتا رہا

اس دفعہ جب نئے نسخہ کے چھاپنے کی ضرورت ہوئی، تو خیال آیا، کہ اس کتاب کے مسودہ کو اصل ماخذوں سے ملا کر دیکھا جائے اور مقابلہ اور مطابقت کی جائے، یہ بڑا مشکل کام تھا، بیسیوں کتابوں کو بھر سے دیکھنا، اور ہزاروں صفحوں کو الٹنا، متعدد مختلف روایتوں کو پڑھنا اور ضرورت کے مقام پر حاشیے لکھنا، خود ایک مستقل تصنیف کے برابر محنت تھی، مجھے یہ لکھنے میں بڑی خوشی ہے، کہ لائق عزیز مولانا **محمد اویس** صاحب نگرامی ندوی اس کام میں میرے دست و بازو ثابت ہوئے، واقعات کی تلاش اور جانچ، روایتوں کی چھان بین، اصل عبارتوں سے مسودہ کی تطبیق، اور حدیث و سیرت کی کتابوں کی طرف از سر نو مراجعت میں ان سے بڑی مدد ملی

کچھ مقام ایسے بھی تھے، جہاں اس ہیچمدان جامع کو مصنف کے نظریہ سے اختلاف تھا، اس دفعہ وہاں حاشیہ بڑھا کر اختلاف کو ظاہر کر دیا، کہیں کسی واقعہ کے اجمال کی تفصیل یا دفع شبہہ کی ضرورت تھی، وہاں اس ضرورت کو پورا کیا گیا، بعض مسامحات پر تنبیہ مناسب تھی، وہ کی گئی، کہیں فروتر ماخذ کا حوالہ تھا، اور اثنائے مطالعہ میں اس سے بالاتر ماخذ ملا، تو اس کا حوالہ دے دیا گیا،

یہ دیکھ کر افسوس ہوا، کہ دو چار مقام میں عدد کی غلطی جو اردو ہندسوں میں اکثر ہو جاتی ہے، اصل مبیضہ میں بھی موجود تھی، مراجعت کے وقت ان کی غلطی معلوم ہوئی، اور اب ان کی

Marfat.com

تصحیح کردی گئی، مثلاً حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ کی قیمت سوا روپیہ چھپ گئی تھی، حالانکہ وہ سوا سو ہے، اسی طرح غزوہ احزاب میں کفار کے لشکر کی تعداد ۲۴ ہزار درج ہوئی تھی، حالانکہ وہ بعض روایات میں ۱۴ ہزار، لیکن صحیح روایت میں دس ہزار ہے،

مولانا کی زندگی میں اس کی تصنیف کے وقت ان کو بعض کتابیں قلمی ملی تھیں، جیسے روض الانف جس سے پورا استفادہ وقت طلب تھا، اب وہ چھپ گئی ہے، بعض کتابوں کی ان کو تلاش ہی رہی، مگر ان کو نہ مل سکیں، جیسے کتاب البدایہ والنہایہ ابن کثیر مصنف سے اکثر حسرت کے ساتھ سنا، کہ افسوس تاریخ ابن کثیر نہیں ملتی، وہ مل جاتی، تو ساری مشکلیں حل ہو جاتیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، کہ اب وہ چھپ کر عام ہو گئی، مستدرک حاکم اس وقت تک ناپید تھی، اب طبع ہو کر گھر گھر پھیل گئی، غرض ان کتابوں کے ہاتھ آجانے سے بہت سے نئے معلومات بڑھ گئے، چنانچہ اس نسخہ کی تصحیح و اضافہ میں ان سے کام لیا گیا،

اس نسخہ کی تیاری میں جن خاص باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے، وہ یہ ہیں:-

۱- پوری کتاب کے واقعات کو از سر نو حدیث و سیرت کی کتابوں سے ملا کر دیکھا گیا، اور اس میں جہاں نقص نظر آیا، دور کیا گیا

۲- تصحیح بیان، دفع شبہ، رفع ابہام اور تشریح کے لئے بہت سے توضیحی حواشی بڑھائے گئے ہیں،

۳- مصنف کا کوئی بیان اگر نقد اور تنبیہ کے قابل معلوم ہوا، تو اس پر نقد اور تنبیہ کی گئی

۴- کہیں کہیں حوالے چھوٹ گئے تھے، اس نسخہ میں ان کو بڑھا دیا گیا ہے کہیں صرف کتابوں

کے نام تھے، اس دفعہ ان کے صفحے یا باب بھی لکھ دیئے گئے ہیں،

۵۔ جہاں صرف صفحوں کے حوالے تھے، ابواب اور فصول کے بھی حوالے دیدیئے گئے، تاکہ جس کے پاس ماخذ کی کتاب کا جو ایڈیشن ہو، اس میں نکال کر دیکھ لیا جا سکے،

۶۔ طبع اول کے بعد سے سیرت یا حدیث کی جو نئی کتابیں چھپی تھیں، ان سے استفادہ کر کے اگر کوئی نئی بات ان میں ملی ہے، تو اس کا اضافہ کیا گیا

۷۔ اگر کوئی حوالہ پہلے کسی نیچے درجہ کا تھا، اور بعد کو اس سے اعلیٰ درجہ کا حوالہ ملا، تو اس کو بڑھایا گیا

۸۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ صلعم کے اختصار کے بجائے پورا صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے، تاکہ اس تساہل سے درود پڑھنے کی برکت سے ناظرین کو محرومی نہ ہو،

غزوہ بدر کی روایتوں کی تنقید کے سلسلہ میں ایک مقام پر اس نافہم ہیچمدان کے خطاکار قلم سے حضرت کعبؓ بن مالک صحابی کی روایت پر نامناسب تنقید نکل گئی تھی جس سے ایک گونہ ایک جلیل القدر صحابی کی شان میں سوءِ ظن کا پہلو پیدا ہوتا تھا جس پر مجھے شرمندگی ہے، اور اب میں اپنی اس غلطی و نادانی کو مان کر اس عبارت کو قلم زد کر کے صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برأت کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے عفو کا خواستگار ہوں،

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش　　عذر بدرگاہ خدا آورد!

جن لوگوں کے پاس اس سے پہلے کے نسخے ہوں، وہ اپنے نسخہ[1] سے ان سطروں کو کاٹ دیں، تو

[1] یہ عبارت سیرۃ النبی جلد اول طبع اول کے صفحہ ۳۵ کی سطر ۹ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۲، اور طبع مابعد کے صفحہ ۳۲۳ کی سطر ۱۴ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ میں ہے

Marfat.com

بڑی مہربانی ہو، اب یہ موجودہ نسخہ طبع اول سے بہت سی باتوں میں بہتر ہو گیا ہے، اس موجودہ نسخہ میں انسانی استطاعت کے مطابق پوری طرح تصحیح کی بھی کوشش کی گئی ہے، تاہم انسان انسان ہے، خطا و نسیان اس کا خمیر ہے، کسی ناظر کتاب کو اب بھی کوئی غلطی معلوم ہو تو وہ ضرور مطلع فرما کر ممنون کرم کریں

آخر میں پاک پروردگار کی بارگاہ عالی میں دعا ہے، کہ وہ میری خطا و نسیان سے درگذر فرما کر اس خدمت کو قبول کا شرف بخشے، اور مسلمانوں کو اس سے بیش از بیش مستفید فرما کر اس گنہگار کے لئے بخشائش کا ذریعہ بنائے وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

ہیچمدان

سید سلیمان ندوی

یکم جمادی الثانیہ ۱۳۶۴ھ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع دوم

سیرۃ النبی جلد اول طبع اول کو شائع ہوئے، آج چار برس ہوئے، اس اثنا میں خداوند تبارک وتعالیٰ نے اس کو جو مقبولیت عطا فرمائی، وہ ہم خاکساران دارالمصنفین کے لئے فخر وناز ش کا سرمایہ ہے، نہ صرف یہ کہ عام قدردانوں نے اس کو جان ودل سے خریدا اور امراء اور والیان ممالک نے اس کی خدمت کو سعادت دارین سمجھا، بلکہ خواص اور علماء کے طبقہ نے بھی اس کی قدر شناسی کی،

ہندوستان میں اہل علم کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جس نے اپنے اپنے فن کی میزان نقد میں سیرت کے مضامین وتحقیقات کو نہ تولا، حفاظ نے اس کی آیات قرآنی کو پڑھا، محدثین نے اس کی حدیثیں جانچیں، ادیبوں نے اس کے عربی اشعار اور ترجموں پر نقد کیا، علمائے انساب نے اسماء کی تنقیح کی، منجموں اور حساب دانوں نے اس کے زائچوں اور تاریخوں پر نظر ثانی کی، اہل تاریخ وسیر نے واقعات کی جانچ پڑتال کی، اور ہم ممنون ہیں، کہ نہایت خلوص ومحبت سے انہوں نے اپنے نتائج وافکار سے ہم کو مطلع کیا، اور ہم نے ان سے فائدہ اٹھایا،

Marfat.com

طبع اول میں جیسا کہ خاتمہ میں ہم نے اقرار کیا تھا چھاپہ کے اغلاط اور سہو کے چند مسامحات رہ گئے تھے، اس طبع میں جہاں تک امکان انسانی ہے تصحیح کی انتہائی کوشش کی گئی ہے اور یقین ہے، کہ انشاء اللہ یہ اغلاط اور مسامحات سے پاک ہوگا، اور جو لوگ سیرت پر نقد کرنا چاہتے ہیں، ان کو یہی نسخہ پیش نظر رکھنا چاہیئے،

طبع اول بڑی تقطیع پر شائع ہوئی تھی، لوگوں کا اصرار تھا، کہ طبع ثانی کتابی تقطیع پر شائع ہو، تاکہ وہ بآسانی ہر وقت استعمال میں آسکے، یہ ان کی تعمیل ہے، انشاء اللہ ہر جلد کے طبع اول کی بڑی تقطیع کے بعد طبع ثانی چھوٹی تقطیع پر شائع ہوتی رہے گی،

سید سلیمان، ندوی

۲۸ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچۂ طبع اوّل

سیرۃ نبویؐ جس کے غلغلہ سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ گونج رہا ہے، آج ۷ سال کے بعد اس کی پہلی جلد شائقین کے ہاتھ میں جاتی ہے، میں اپنا دل اس وقت مسرت آمیز اطمینان سے لبریز پاتا ہوں، کہ استاد مرحوم نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ میں جو فرض میرے سپرد کیا تھا، الحمد للہ کہ اس کے ایک حصہ سے آج سبکدوش ہوتا ہوں ؎

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

لیکن اس مسرت اور اطمینان کے ساتھ یہ حسرت ناک منظر بھی سامنے ہے، کہ مصنف اپنی چار سال کی جانکاہ محنت کا ثمرہ خود اپنے ہاتھ سے قوم کی نذر نہ کر سکا، اور حسن عقیدت کے جو پھول سیکڑوں چمن کدوں سے چن کر اس کے ہاتھ آئے تھے، ان کو آستانہ نبوت پر وہ خود نہ چڑھا سکا،

مصنف مرحوم کو سیرت نبوی لکھنے کا خیال الفاروق کے بعد ہی پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ ۱۳۲۳ھ میں اس کا ایک مختصر سا حصہ یعنی غزوہ احد تک وہ لکھ بھی چکے تھے[1]، کہ بعض مشکلات کی بنا پر رک گئے، لیکن ملک کا تقاضائے شوق برابر جاری رہا، بالآخر انہوں نے ۱۳۳۰ھ

[1] یہ مسودہ اب تک موجود ہے،

Marfat.com

میں اس بار امانت کے اٹھانے کا آخری فیصلہ کر لیا، چنانچہ پچاس ہزار روپے کے سرمایہ کے لئے انہوں نے قوم میں مرافعہ پیش کیا، سینکڑوں مسلمان اس خدمت کے لئے آگے بڑھے، ان میں فقرائے امت بھی تھے اور امرائے ملت بھی، لیکن یہ سعادت اخروی ازل ہی سے خادمۃ الملۃ النبویۃ مخدومۃ الامۃ المحمدیۃ نواب سلطان جہاں بیگم تاج الہند فرماں فرمائے بھوپال متع اللہ المسلمین بطول بقائھا ودوام ملکھا کے لئے مقدر تھی، اس لئے وہ سب سے آگے بڑھیں، اور سوانح نگار نبوت کو دوسرے آستانوں سے بے نیاز کر کے اس سرمایہ سعادت کو اپنے خزانہ عامرہ میں شامل کر لیا، فرمانروا خواتین اسلام نے جو مذہبی کارنامے اب تک انجام دیئے ہیں، آیندہ مورخ غالباً اس کارنامہ کو ان میں سب سے بڑا قرار دے گا، کہ اس کا تعلق اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جو اسلام کی تاریخ میں کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہے،

مصنف مرحوم کی وفات کے بعد شاید دوبارہ اس خدمت گذاری کے لئے مسلمانوں میں قرعہ اندازی ہوتی، لیکن فرماں فرمائے بھوپال نے مصنف کے جانشینوں کے لئے بھی سلسلہ فیض کو برابر جاری رکھا، مصنف مرحوم کے منشا کے[1] مطابق اس موقعہ پر منشی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ بھوپال کا نام لینا بھی ضروری ہے، جن کی مروجہ جنبانی سے نسیم سعادت کے یہ جھونکے اس باغ قدس میں دوبارہ آئے،

مصنف مرحوم نے جو مسودہ چھوڑا تھا، اس میں اس حصہ تک مبیضہ صاف تھا، البتہ تین چار مقامات پر اضافہ کی علامت بنی تھی، اور مطالب کا اشارہ تھا، ان کو بڑھا دیا گیا، معلوم ہوتا ہے کہ اس حصہ کی تکمیل کے بعد ان کو خیال آیا، کہ قدیم مورخین کی طرح سنہ وار واقعات

[1] مکاتیب شبلی جلد اول ص ۲۶۱

Marfat.com

کی ترتیب رکھ کر ہر سنہ کے آخر میں جزئی حالات "واقعات متفرقہ" کے عنوان سے لکھ دیئے جائیں چنانچہ بیضہ پر ۴ سنہ تک اپنے قلم سے وہ لکھ سکے، یہ امانت جب میرے سپرد ہوئی، تو میں نے بقیہ سنین کے آخر میں اسی قسم کے جزئیات متفرقہ کا اضافہ کر دیا، حواشی یا حوالے کہیں کہیں چھوٹ گئے تھے، وہ ڈھونڈھ کر لکھے، لیکن اس کی کامل احتیاط کی گئی، کہ جامع کا کوئی لفظ بلکہ کوئی حرف مصنف کی عبارت میں نہ ملنے پائے، چنانچہ ان تمام جزئی اضافوں کو قوسین کے اندر جگہ دی گئی ہے، اس بنا پر لفظ "صلعم" یا جملہ ہائے معترضہ کے سوا جو چند فقرے اور عبارتیں قوسین میں ہیں، وہ اضافہ ہیں،

یہ پہلے خیال تھا، کہ جلد اول کو وفات تک وسعت دی جائے، لیکن جب کتابت شروع ہوئی، تو معلوم ہوا، کہ ضخامت ۸۰۰ صفحے تک پہنچ جائے گی، اور اس سے جلد کی نفاست کو صدمہ پہنچے گا، سامان طبع کی گرانی سے جو تعویق پیدا ہو رہی تھی، اس نے مجبور کیا، کہ اس کو دو جلدوں میں تقسیم کر دیا جائے، چنانچہ پہلی جلد سلسلہ جنگ و غزوات پر ختم کر دی گئی، اور دوسری جلد اسلام کی امن کی زندگی، تنظیم و تنسیق، اشاعتِ اسلام، وفات اور اخلاق کی الگ کر دی گئی، خداوند تعالیٰ سے دعا ہے، کہ اس کی طبع و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ ۝

مصنف مرحوم کتاب کا سرنامہ نہ لکھنے پائے تھے، ان کے مسودات میں اتفاقاً یہ تحریر قلمزد ہو گئی، اسی کو غنیمت سمجھ کر تبرکاً داخل کتاب کیا جاتا ہے،

جامع: سید سلیمان ندوی

دار المصنفین اعظم گڑھ، ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ

مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝

سیرتِ نبوی کی تالیف کی ضرورت

عالم کائنات کا سب سے بڑا مقدم فرض، اور سب سے زیادہ مقدس خدمت یہ ہے کہ نفوس انسانی کے اخلاق و تربیت کی اصلاح و تکمیل کی جائے یعنی پہلے ہر قسم کے فضائل اخلاق، زہد و تقویٰ، عصمت و عفاف، احسان و کرم، حلم و عفو، عزم و ثبات، ایثار و لطف، غیرت و استغنا کے اصول و فروع نہایت صحیح طریقہ سے قائم کئے جائیں، اور پھر تمام عالم میں ان کی عملی تعلیم رائج کی جائے،

اس مقصد کے حصول کا عام طریقہ وعظ و پند ہے، اس سے زیادہ متمدن طریقہ یہ ہے، کہ فن اخلاق میں اعلیٰ درجہ کی کتابیں لکھائی جائیں اور تمام ملک میں پھیلائی جائیں، اور لوگوں کو ان کی تعلیم دلائی جائے، ایک طریقہ یہ ہے، کہ لوگوں سے بہ جبر محاسن اخلاق کی تعمیل کرائی جائے، اور رذائل سے روکے جائیں،

یہی طریقے ہیں، جو ابتدا سے آج تک تمام دنیا میں جاری ہیں، اور آج اس انتہائی ترقی یافتہ دور میں بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا جا سکتا، لیکن سب سے زیادہ صحیح، سب سے

Marfat.com

زیادہ کامل، سب سے زیادہ عملی طریقہ یہ ہے، کہ نہ زبان سے کچھ کہا جائے، نہ تحریری نقوش پیش کئے جائیں، نہ جبر و زور سے کام لیا جائے، بلکہ فضائل اخلاق کا ایک پیکر مجسم سامنے آجائے جو خود ہمہ تن آئینہ عمل ہو جس کی ہر جنبش لب ہزاروں تصنیفات کا کام دے اور جس کا ایک ایک اشارہ، اوامر سلطانی بن جائے، دنیا میں آج اخلاق کا جو سرمایہ ہے، سب انہی نفوس قدسیہ کا پرتو ہے، دیگر اور اسباب صرف ایوان تمدن کے نقش و نگار ہیں،

لیکن اس وقت تک دنیا کی جس قدر تاریخ معلوم ہے اس نے اس قسم کے نفوس قدسیہ جو پیش کئے ہیں، وہ فضائل اخلاق کی کسی خاص صنف کے نمونے تھے مثلاً جناب مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکتب درس میں صرف حلم و تحمل، صلح و عفو، قناعت و تواضع کی تعلیم ہوتی تھی، حکومت و فرمانروائی کے لئے جو فضائل اخلاق درکار ہیں، مسیحی تعلیم کی بیاض میں ان سطروں کی جگہ سادی ہے، حضرت موسیٰ اور نوح علیہما السلام کے اوراق تعلیم میں عفو عام کے صفحے خالی ہیں، اس بنا پر ہر قدم پر نئے نئے رہنما کی ضرورت پیش آئی، اور اس لئے عالم انسانی اپنی تکمیل کے لئے ہمیشہ ایسے جامع کامل کا محتاج رہا، جو صاحب شمشیر و نگین بھی ہو، اور گوشہ نشین بھی، بادشاہ کشور کشا بھی ہو، اور گدا بھی، فرمانروائے جہاں بھی ہو، اور سبحہ گردان بھی مفلس قانع

---

(۱) یہاں پر کتاب کی اس عبارت بالا کے مخاطب اہل کتاب ہیں، جن کے موجودہ صحیفوں میں ان انبیا کے جو احوال مذکور ہیں، وہ اسی صورت میں ہیں، اس لئے مصنف نے ان کے بیان کردہ تمام احوال کو مان کر ایک بالکل اور ہمہ کمال ہستی کی ضرورت پر ان کے سامنے حجت قائم کی ہے،

لیکن چونکہ ارزوئے اسلام ایک طرف تمام انبیاء علیہم السلام کی صداقت پر یکساں ایمان لانا، اور ان کو تمام پیغمبرانہ کمالات سے متصف جاننا ضروری ہے، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے،

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ (بقرہ ۔ ۴۰) ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے

Marfat.com

بھی ہو، اور غنی دریا دل بھی، یہ برزخ کامل، یہ ہستی جامع، یہ صحیفۂ یزدانی، عالم کون کی آخری معراج ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ،

عالم فانی کی کوئی چیز ابدی نہیں، اس لئے یہ ہستی جامع، دنیا میں آکر ہمیشہ نہیں رہ سکتی، اس لئے ضرور ہے، کہ اس کی زبان کا ایک ایک حرف، اس کی حرکات وسکنات کی ایک ایک ادا، اس کے حلیۂ وجود کے ایک ایک خط وخال کا عکس لے لیا جائے، کہ مراحل زندگی میں

(بقیہ حاشیہ) اس لئے یہ ضروری ہے، کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو یکساں صادق اور کمالات نبوت سے متصف مانا جائے، دوسری طرف ارشاد ہے

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ (بقرہ - ۳۳)

یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں، کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے (مثلاً) بعضے ان میں وہ ہیں، جو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں (یعنی موسیٰ علیہ السلام) اور بعضوں کو ان میں سے بہت سے درجوں پر سرفراز کیا، اور ہم نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو کھلے کھلے دلائل عطا فرمائے، اور ہم نے ان کی تائید روح القدس (یعنی جبرئیل سے فرمائی)

اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ انبیاء علیہم السلام کے مراتب کمالیہ میں جزئی تفاوت بھی ہے، ان دونوں صداقتوں کے درمیان تطبیق کے لئے تھوڑی تشریح کی ضرورت ہے،

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام تمام کمالات نبوت و فضائل اخلاق سے یکساں سرفراز تھے، مگر زمانہ اور ماحول کے ضروریات اور مصالح الٰہی کی بنا پر ان تمام کمالات کا عملی ظہور تمام انبیاء میں یکساں نہیں ہوا، بلکہ بعض کے بعض کمالات اور دوسروں کے دوسرے کمالات زیادہ نمایاں ہوئے، یعنی جس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے جس کمال کے اظہار کی ضرورت ہوئی، وہ پوری شدت سے ظاہر ہوا، اور دوسرے کمال کا جس کی اس وقت ضرورت پیش نہیں آئی، بہ مصلحت یہ کمال ظہور نہیں ہوا،

حاصل یہ ہے، کہ ہر کمال کے ظہور کے لئے مناسب موقع ومحل کی ضرورت ہوتی ہے، اگر کسی عارض کی وجہ سے کسی کمال کا ظہور نہ ہو، تو اس سے نفس کمال کے وجود کی نفی نہیں ہوتی ہے، اس لئے اگر بوجہ عدم ضرورت حال ان انبیائے کرامؑ کے بعض کمالات کا عملی ظہور کسی وقت میں نہیں ہوا، تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں

Marfat.com

جہاں ضرورت پیش آئے، رہنمائی کے کام آئے لیکن یہ عجیب اتفاق ہے، کہ جس طرح دیگر تمام داعیان مذہب جامعیتِ کبریٰ کے وصف سے خالی تھے، ان کے کارنامۂ زندگی کی تصویریں بھی ناتمام لی گئیں، جناب مسیحؑ کی ۳۳ سالہ زندگی میں سے صرف ۳ برس کے حالات معلوم ہیں، فارس کے مصلحانِ دین صرف شاہنامہ کے ذریعہ سے روشناس ہیں، ہندوستان کے پیغمبر افسانوں کے حجاب میں گم ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت آج جو کچھ معلوم ہے، اس کا ذریعہ صرف موجودہ تورات ہے جو حضرت موسیٰ کے ۴۰۰ برس بعد عالم وجود میں آئی، یہ قدرت کی طرف سے اشارہ تھا، کہ ان کے کارنامے اور اصول تعلیم ابدی نہ تھے اس لئے نقل وروایت کے آئینہ میں جس قدر ان کا ناتمام عکس اترا، اس سے زیادہ ضروری

(بقیہ صـ۳) ہیں، کہ یہ حضرات (نعوذ باللہ) ان کمالات وفضائل سے متصف نہ تھے،

غزوہ بدر کے قیدیوں کے باب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دینے کا، اور حضرت عمرؓ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شدت ورحمت میں لوگوں کے قلوب مختلف بنائے ہیں، اے ابوبکرؓ تمہاری مثال ابراہیمؑ اور عیسیٰؑ کی ہے اور اے عمرؓ تمہاری مثال نوحؑ اور موسیٰؑ کی ہے یعنی ایک فریق سے رحم وکرم کا، اور دوسرے سے شدت کا اظہار ہوا، (دیکھئے مستدرک حاکم غزوہ بدر)

اس حدیث میں اسی نقطۂ اختلاف کی اشارہ ہے، جو انبیاء علیہم السلام کے مختلف احوال مبارکہ میں ہوتا رہا ہے لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت چونکہ آخری اور عمومی تھے، اس لئے بہ ضرورت احوال آپؐ کے تمام کمالاتِ نبوت آپؐ کی زندگی میں عملاً پوری طرح جلوہ گر ہوئے، اور آپ کی نبوت کے آفتاب عالمتاب کی ہر کرن دنیا کے لئے مشعل ہدایت بنی، اور ظلمت کدۂ عالم کا ہر گوشہ آپ کے ہر قسم کے کمالات کے ظہور سے پر نور ہوا، صلی اللہ علیہ وسلم، اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ان جزئی کمالات کے اظہار میں ایسا پہلو نعوذ باللہ پیدا نہ ہونے پائے، جس سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی توہین یا کسر شان پیدا ہو، کہ اس سے ایمان کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے،

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے معارف محرم وصفر ۱۳۵۶ھ میں مضمون "خلیلؑ کی بشریت" میں۔

Marfat.com

پیش دیدہا، قدرت خود ضرورت کی اندازہ دان ہے، اور جب جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ خود مہیا کر دیتی ہے،

تمام اربابِ مذاہب میں سے ہر ایک کو اپنا مذہب اسی قدر عزیز ہے جس قدر دوسرے کو ہے، اس لئے اگر بے پردہ یہ سوال کیا جائے، کہ دنیا میں کون ہستی تھی جس میں جامعیت کبریٰ کا وصف نمایاں تھا؟ تو ہر طرف سے مختلف صدائیں آئیں گی لیکن اگر یہی سوال اس پیرایہ میں بدل دیا جائے، کہ دنیا میں وہ کون شخص گذرا ہے جس کا کارنامۂ زندگی اس طرح قلمبند ہوا، کہ ایک طرف تو صحت کا یہ انتظام تھا، کہ کسی صحیفۂ آسمانی کے لئے بھی نہ ہو سکا اور دوسری طرف وسعت اور تفصیل کے لحاظ سے یہ حالت ہے، کہ اقوال و افعال، وضع و قطع شکل و شباہت رفتار و گفتار، مذاق طبیعت، انداز گفتگو، طرز زندگی، طریق معاشرت، کھانے پینے، چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ہنسنے بولنے کی ایک ایک ادا محفوظ رہ گئی، تو اس سوال کے جواب میں صرف ایک صدا بلند ہو سکتی ہے، (محمد عربی فدیتہ بابی وامی)

یہ جو کچھ کہا گیا مقصد تصنیف کا مذہبی پہلو تھا، اسی مسئلہ کو علمی حیثیت سے دیکھو، علوم و فنون کی صف میں سیرت (بیاگرفی) کا ایک خاص درجہ ہے، ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے حالات زندگی بھی حقیقت شناسی اور عبرت پذیری کے لئے دلیل راہ ہیں، چھوٹے سے چھوٹا انسان بھی کیسی عجیب خواہشیں رکھتا ہے، کیا کیا منصوبے باندھتا ہے، اپنے چھوٹے سے دائرہ عمل میں کس طرح آگے بڑھتا ہے، کیونکر ترقی کے زینوں پر چڑھتا ہے، کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتا ہے، کیا کیا مزاحمتیں اٹھاتا ہے، تھک کر بیٹھ جاتا ہے، سستاتا ہے اور

Marfat.com

پھر آگے بڑھتا ہے، غرض سعی و عمل، جد و جہد، ہمت و غیرت کی جو عجیب و غریب نیرنگیاں سکندر اعظم کے کارنامۂ زندگی میں موجود ہے، بعینہٖ یہی منظر ایک غریب مزدور کے عرصۂ حیات میں بھی نظر آتا ہے،

اس بنا پر اگر سیرت اور سوانح کا فن عبرت پذیری اور نتیجہ رسی کی غرض سے درکار ہے، تو "شخص" کا سوال نظر انداز ہو جاتا ہے، صرف یہ دیکھنا رہ جاتا ہے کہ حالات اور واقعات جو ہاتھ آتے ہیں، وہ کس وسعت اور استقصا و تفصیل کے ساتھ ہاتھ آتے ہیں، تاکہ مراحل زندگی کی تمام راہیں اور ان کے پیچ و خم ایک ایک کر کے نظر کے سامنے آجائیں، لیکن اگر خوش قسمتی سے فرد کامل، اور استقصائے واقعات دونوں باتیں جمع ہو جائیں، تو اس سے بڑھ کر اس فن کی کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے،

وجوہ مذکورہ بالا کی بنا پر کون شخص انکار کر سکتا ہے، کہ صرف ہم مسلمانوں کو نہیں، بلکہ تمام عالم کو اس وجود مقدس کی سوانحعمری کی ضرورت ہے جس کا نام مبارک "مُحَمَّدٌ" (رسول اللہ) ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً کَثِیْرًا، یہ ضرورت صرف اسلامی یا مذہبی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ایک علمی ضرورت ہے، ایک اخلاقی ضرورت ہے، ایک تمدنی ضرورت ہے، ایک ادبی ضرورت ہے، اور مختصر یہ ہے کہ مجموعہ ضروریات دینی و دنیوی ہے،

میں اس بات سے ناواقف نہ تھا، کہ اسلام کی حیثیت سے میرا فرض اولیں یہی تھا، کہ تمام تصنیفات سے پہلے میں سیرت نبویؐ کی خدمت انجام دیتا، لیکن یہ ایک ایسا اہم، اور نازک فرض تھا، کہ میں مدت تک اس کے ادا کرنے کی جرأت نہ کر سکا، تاہم میں دیکھ رہا تھا،

Marfat.com

اس فرض کے ادا کرنے کی ضرورتیں بڑھتی جاتی ہیں،

علم کلام کی حیثیت

اگلے زمانہ میں سیرۃ کی ضرورت، صرف تاریخ اور واقعہ نگاری کی حیثیت سے تھی،

سیرت کی ضرورت

علم کلام سے اس کو واسطہ نہ تھا لیکن معترضین حال کہتے ہیں، کہ اگر مذہب صرف خدا کے اعتراف کا نام ہے، تو بحث یہیں تک رہ جاتی ہے لیکن جب اقرار نبوت بھی جزو مذہب ہے، تو یہ بات پیش آتی ہے، کہ جو شخص حامل وحی اور سفیر الٰہی تھا، اس کے حالات اخلاقی اور عادات کیا تھے؟

یورپ کے مورخین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو اخلاقی تصویر کھینچتے ہیں، وہ (نعوذ باللہ) ہر قسم کے معائب کا مرقع ہوتی ہے، آج کل مسلمانوں کو جدید ضرورتوں نے عربی علوم سے بالکل محروم کر دیا ہے، اس لئے اس گروہ کو اگر کبھی پیغمبر اسلام کے حالات اور سوانح کے دریافت کرنے کا شوق ہوتا ہے، تو انہی یورپ کی تصنیفات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، اس طرح یہ زہر آلود معلومات آہستہ آہستہ اثر کرتی جاتی ہے اور لوگوں کو خبر تک نہیں ہوتی، یہاں تک کہ ملک میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے، جو پیغمبر کو محض ایک مصلح سمجھتا ہے، جس نے اگر مجمع انسانی میں اگر کوئی اصلاح کر دی، تو اس کا فرض ادا ہو گیا، اس بات سے اس کے منصب نبوت میں فرق نہیں آتا، کہ اس کے دامن اخلاق پر معصیت کے دھبے بھی ہیں،

یہ واقعات تھے جنہوں نے مجھ کو بالآخر مجبور کیا، اور میں نے سیرت نبوی پر ایک مبسوط کتاب لکھنے کا ارادہ کر لیا، یہ کام بظاہر نہایت آسان تھا، عربی زبان میں سینکڑوں کتابیں

Marfat.com

موجود ہیں، ان کو سامنے رکھ کر ایک ضخیم اور دلچسپ کتاب لکھ دینا زیادہ سے زیادہ چند مہینوں کا کام تھا لیکن واقعہ یہ ہے، کہ کوئی تصنیف اس تصنیف سے زیادہ دیر طلب اور جامع مشکلات نہیں ہو سکتی

آگے چل کر ہم تفصیل سے بیان کریں گے، کہ خاص سیرت[1] پر آج تک کوئی ایسی کتاب

---

[1] اس موقع پر ایک نہایت ضروری بحث طے کر دینے کے قابل ہے، جو آج کل کی قلت علم اور ناآشنائی فن نے پیدا کر دی ہے، بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں، کہ سیرت فن حدیث ہی کی ایک خاص قسم کا نام ہے، یعنی احادیث میں سے وہ واقعات الگ لکھ دیئے گئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات سے متعلق ہیں، تو یہ سیرت بن گئی، اور چونکہ حدیث میں متعدد ایسی کتابیں موجود ہیں جن میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں، مثلاً صحیح بخاری مسلم، تو یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے، کہ سیرت میں کوئی کتاب آج تک صحت کے التزام کے ساتھ نہیں لکھی گئی؟ اس بحث کے ذہن نشین کرنے کے لئے امور ذیل پیش نظر رکھنے چاہئیں

(۱) پہلی بحث یہ ہے، کہ سیرت کا اطلاق کس چیز پر ہوتا ہے، محدثین اور ارباب رجال کی اصطلاح قدیم یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص غزوات کو مغازی اور سیرت کہتے تھے، چنانچہ ابن اسحاق کی کتاب کو مغازی بھی کہتے ہیں، اور سیرت بھی، حافظ ابن حجر فتح الباری کتاب المغازی میں یہ دونوں نام ایک ہی کتاب کے لئے استعمال کرتے ہیں، فقہ کی بھی یہی اصطلاح ہے، فقہ میں جو باب کتاب الجہاد والسیر باندھتے ہیں، اس میں سیرت کے لفظ سے غزوات اور جہاد کے احکام مراد ہوتے ہیں،

کئی صدی تک یہی طریقہ رہا، چنانچہ تیسری صدی تک جو کتابیں سیرت کے نام سے مشہور ہیں، مثلاً سیرت ابن ہشام، سیرت ابن عائذ، سیرت اموی وغیرہ، ان میں زیادہ تر غزوات ہی کے حالات ہیں، البتہ زمانہ مابعد میں، مغازی کے سوا، اور چیزیں بھی داخل کر لی گئیں، مثلاً مواہب لدنیہ میں غزوات کے علاوہ سب کچھ ہے،

اس بنا پر محدثین کی اصطلاح میں مغازی اور سیرت عام فن حدیث سے ایک الگ چیز ہے، یہاں تک کہ بعض موقعوں پر ارباب سیر اور محدثین، دو مقابل کے گروہ سمجھے جاتے ہیں، بعض واقعات کے متعلق یہ صورت

نہیں لکھی گئی، جس میں صرف صحیح روایتوں کا التزام کیا جاتا، حافظ زین الدین عراقی جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے، سیرۃ نبوی میں لکھتے ہیں،

ولیعلم الطالب ان السیرا	یعنی طالب فن کو جاننا چاہیے، کہ سیرۃ میں ہر قسم کی واتیں
تجمع ما صح وما قد انکرا	نقل کی جاتی ہیں، صحیح بھی اور قابل انکار بھی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸) پیدا ہوتی ہے، کہ تمام ارباب سیر ایک طرف ہوتے ہیں، اور امام بخاری و مسلم ایک طرف، ایسے موقع پر بعض لوگ امام بخاری کی روایت کو اس بنا پر تسلیم نہیں کرتے، کہ تمام ارباب سیر کے خلاف ہے لیکن محققین کہتے ہیں، کہ حدیث صحیح تمام ارباب سیر کی متفقہ روایت کے مقابلہ میں بھی قابل ترجیح ہے، اس موقع پر ہم ایک دو واقعہ مثال کے طور پر لکھتے ہیں:۔

غزوات میں ایک غزوہ ذوقرد کے نام سے مشہور ہے، اس کی نسبت ارباب سیر متفق ہیں کہ صلح حدیبیہ سے قبل واقع ہوا تھا لیکن صحیح مسلم میں سلمہ بن الاکوع سے جو روایت ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ صلح حدیبیہ کے بعد اور خیبر سے تین دن قبل کا واقعہ ہے، اس حدیث کی شرح میں علامہ قرطبی نے لکھا ہے،

لا یختلف اهل السیر ان غزوۃ ذی قرد	اہل سیر میں کسی کو اس امر میں اختلاف نہیں ہے، کہ غزوہ
کانت قبل الحدیبیۃ فیکون ما وقع فی	ذی قرد، حدیبیہ سے پہلے واقع ہوا تھا، تو سلمہ کی حدیث میں
حدیث سلمۃ من وهم بعض الرواۃ	جو مذکور ہے، وہ کسی راوی کا وہم ہوگا،

حافظ ابن حجر فتح الباری (ذکر غزوہ ذی قرد) میں قرطبی کے اس قول پر بحث کر کے لکھتے ہیں:۔

فعلی هذا ما فی الصحیح من التاریخ لغزوۃ	تو اس بنا پر صحیح (مسلم) میں غزوہ ذی قرد کی جو تاریخ مذکور ہے وہ
ذی قرد اصح مما ذکرہ اهل السیر	اس سے زیادہ صحیح ہے، جو مصنفین سیر نے بیان کی ہے،

دمیاطی ایک مشہور محدث ہیں، انہوں نے سیرت میں ایک کتاب لکھی ہے، جو آج بھی موجود ہے، اس میں انہوں نے اکثر موقعوں پر ارباب سیر کی روایت کو ترجیح دی تھی، لیکن جب زیادہ تتبع کیا، تو ان کو معلوم ہوا، کہ احادیث صحیحہ کو سیرت کی روایتوں پر ترجیح ہے، چنانچہ اپنی کتاب میں ترمیم کرنی چاہی، لیکن اس کے نسخے کثرت سے شائع ہو گئے تھے، اس لئے نہ کر سکے،

Marfat.com

یہی سبب ہے کہ مستند اور مسلم الثبوت تصنیفات میں بھی بہت سی ضعیف روایتیں شامل ہو گئیں اس بنا پر ضرور تھا، کہ نہایت کثرت سے حدیث و رجال کی کتابیں بہم پہنچائی جائیں، اور پھر بنا بہت تحقیق اور تنقید سے ایک مستند تصنیف تیار کی جائے، لیکن سینکڑوں کتابوں کا استقصا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹) حافظ ابن حجر خود دمیاطی کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں،

ودل هذا على انه كان يعتقد الرجوع عن كثير مما وافق فيه اهل السير وخالف الاحاديث الصحيحة وان ذلك كان به قبل تضلعه منها ولخروج نسخ كتابه وانتشاره لم يتمكن من تغييره

(زرقانی بر مواہب ج ۳ صفحہ ۱۱)

اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ (یعنی دمیاطی) قصد کر چکے تھے، کہ جن موقعوں پر انہوں نے ارباب سیر سے اتفاق کر کے احادیث صحیحہ کی مخالفت کی ہے، ان سے رجوع کریں گے، اور یہ کہ یہ امر ان سے مہارت فن کے قبل صادر ہوا، لیکن چونکہ کتاب کے نسخے شائع ہو چکے تھے اس لئے وہ اپنی کتاب کی اصلاح نہ کر سکے،

(۲) ایک غزوہ ذات الرقاع کے نام سے مشہور ہے، اس کی نسبت اکثر ارباب سیر کا اتفاق ہے کہ جنگ خیبر کے قبل واقع ہوا تھا، لیکن امام بخاری نے تصریح کی ہے کہ خیبر کے بعد واقع ہوا، اس پر علامہ دمیاطی نے بخاری کی روایت سے اختلاف کیا، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں،

واما شيخه الدمياطي فادعى غلط الحديث الصحيح وان جميع اهل السير على خلافه

(فتح الباری جزو ہفتم صفحہ ۳۲۲)

باقی ان کے شیخ دمیاطی تو انہوں نے حدیث کی نسبت غلطی کا دعوی کیا ہے، اور یہ کہ تمام اہل سیر بالاتفاق اس کے خلاف ہیں،

حافظ ابن حجر نے اس قول کو نقل کر کے اس کا رد بھی کیا ہے،

اس تقریر کا ماحصل یہ ہے، کہ سیرت ایک جداگانہ فن ہے، اور بعینہ فن حدیث نہیں ہے، اور اس بنا پر اس کی روایتوں میں اس درجہ کی شدت احتیاط ملحوظ نہیں رکھی جاتی، جو فن صحاح ستہ کے ساتھ مخصوص ہے اس کی مثال یہ ہے، کہ فقہ کا فن قرآن اور حدیث ہی سے ماخوذ ہے، لیکن یہ نہیں کہہ سکتے، کہ یہ بعینہ قرآن یا حدیث ہے، یا ان دونوں کے ہم پلہ ہے،

(۳) مغازی اور سیرت میں جس قسم کی جزئی تفصیلیں مقصود ہوتی ہیں، وہ فن حدیث کے اصلی بلند معیار کے موافق نہیں مل سکتیں اس سے ارباب سیر کو تنقید اور تحقیق کا معیار کم کرنا پڑتا ہے، اس بنا پر سیرت و مغازی کا رتبہ

Marfat.com

کے نشان دیکھنا، اور ان سے معلومات کا اقتباس کرنا ایک شخص کا کام نہ تھا، اس کے ساتھ ایک ضرورت یہ بھی تھی، کہ یورپ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے واقفیت حاصل کی جائے، میں بدقسمتی سے یورپ کی کوئی زبان نہیں جانتا، اس لئے ایک محکمہ تصنیف کی ضرورت تھی جس میں قابل عربی دان اور مغربی زبانوں کے جاننے والے شامل ہوں، خدا نے جب یہ سامان پیدا کر دیئے تو اب مجھ کو کیا عذر ہو سکتا تھا اب بھی اگر اس فرض کے ادا کرنے سے قاصر رہتا، تو اس سے بڑھ کر کیا بدقسمتی ہو سکتی تھی، مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہو سکتا۔ کہ انہوں نے اپنے پیغمبرؐ کے حالات اور واقعات کا ایک ایک حرف اس استقصا کے ساتھ محفوظ رکھا، کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلمبند نہیں ہو سکے اور آئندہ توقع کی جا سکتی ہے، اس سے زیادہ کیا عجیب بات ہو سکتی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اور اقوال کی تحقیق کی غرض سے آپ کے دیکھنے والوں اور ملنے والوں میں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰) فن حدیث سے کم رہا۔

(۴) جس طرح امام بخاری و مسلم نے یہ التزام کیا، کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے، اس طرح سیرت کی تصنیفات میں کسی نے یہ التزام نہیں کیا، آج بیسیوں کتابیں قدماء سے لے کر متاخرین تک کی موجود ہیں، مثلاً سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام، سیرت ابن سید الناس، سیرت دمیاطی، حلبی، مواہب لدنیہ، کسی میں یہ التزام نہیں ہے،

تفصیل مذکورہ بالا سے ظاہر ہوا ہوگا، کہ ہماری اس عبارت کا کہ "سیرت میں آج تک کوئی کتاب صحت کے التزام کے ساتھ نہیں لکھی گئی" اس کا کیا مطلب یہ ہے، اور کہاں تک صحیح ہے۔

Marfat.com

تقریباً تیرہ ہزار شخصوں کے نام اور حالات قلمبند کئے گئے، اور اس زمانہ میں کئے گئے جب تصنیف وتالیف کا آغاز تھا، طبقات ابن سعد، کتاب الصحابہ لابن السکن، کتاب لعبداللہ بن علی بن جارود کتاب العقیلی فی الصحابۃ، کتاب ابن ابی حاتم الرازی، کتاب الارزق، کتاب الدولابی، کتاب البغوی[1]، طبقات ابن ماکولا، اسد الغابۃ، استیعاب، اصابہ فی احوال الصحابہ، صرف انہی بزرگوں کے حالات میں ہیں، کیا دنیا میں کسی شخص کے رفقا میں سے اتنے لوگوں کے نام اور حالات درج تحریر ہو سکے ہیں؟

سیرت نبوی کے متعلق قدمانے جو ذخیرہ مہیا کیا[2]، اس کی مختصر تاریخ اور کیفیت ہم اس غرض سے اس موقع پر درج کر دیتے ہیں، کہ ایک کامل اور مستند کتاب کے مرتب کرنے کیلئے اس ذخیرہ سے کیونکر کام لیا جا سکتا ہے، اور کہاں تک تحقیق وتنقید کی ضرورت ہے،

فن سیرت کی ابتدا اور تحریری سرمایہ

عام طور پر یہ خیال ہے، کہ چونکہ عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا، اور اسلام میں تدوین وتالیف کا آغاز خلیفہ منصور عباسی کے زمانہ سے (تقریباً ۱۴۳ھ میں) ہوا، اس لئے اس زمانہ تک سیرت اور روایات کا جو کچھ ذخیرہ تھا، زبانی تھا، تحریری نہ تھا، لیکن یہ خیال صحیح نہیں، عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج (گو کم سہی) مدت سے چلا آتا ہے، بہت قدیم زمانہ میں حمیری اور نابتی خط تھا جس کے کتبے آج نہایت

---

[1] ان کتابوں کا ذکر استیعاب کے دیباچہ میں ہے [2] یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے، کہ حدیث کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور اخلاق وعادات کے متعلق نہایت کثرت سے واقعات مذکور ہیں، جو سیرت میں کافی مدد دے سکتے ہیں، تاہم تنہا ان سے ایک تاریخی تصنیف تیار نہیں ہو سکتی، اس کے علاوہ ان میں تاریخی ترتیب نہیں ہے یہاں ہم نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے، حدیث کی کتابیں ان سے علاوہ ہیں،

Marfat.com

کثرت سے یورپ کی بدولت مہیا ہو گئے ہیں، اسلام سے کچھ پہلے وہ خط ایجاد ہوا جو عربی خط کہلاتا ہے، اور جس نے بہت سی صورتیں بدل کر آج یہ صورت اختیار کر لی ہے،

اس خط کی تاریخ اور اس کی ابتدا کے متعلق جو قدیم روایتیں کتابوں میں مذکور ہیں اکثر افسانہ ہیں، مثلاً ابن الندیم نے کلبی سے نقل کیا ہے، کہ اول اول جن لوگوں نے عربی خط ایجاد کیا، ان کے یہ نام تھے، ابوجاد، ہواز، حطی، کلمون، سعفص، قرشیات (یہی نام ہیں جن کو ہم آج ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت کہتے ہیں) اسی طرح کعب کا یہ قول کہ تمام خطوط حضرت آدم نے ایجاد کئے تھے، ابن الندیم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے عربی خط لکھا، وہ تین شخص قبیلہ بولان (قبیلہ طے کی ایک شاخ) کے تھے جو انبار میں آباد تھے، ان کے نام مرامر بن مرۃ، اسلم بن سدرۃ، عامر بن جدرۃ تھے،

ان تمام روایتوں میں جو قرین قیاس ہے، وہ روایت ہے، جو ابن الندیم نے عمر بن شبہ کی کتاب مکہ سے نقل کی ہے، یعنی سب سے پہلے عربی خط ایک شخص نے ایجاد کیا، جو بنو مخلّد بن نضر بن کنانہ کے خاندان سے تھا، اور غالباً یہ وہ زمانہ ہے، جب قریش نے عروج حاصل کر لیا تھا اور تجارت کے ذریعہ سے بیرونی ممالک میں آمد و رفت رکھتے تھے، ابن الندیم نے لکھا ہے کہ میں نے مامون الرشید کے کتب خانہ میں ایک دستاویز دیکھی تھی، جو عبدالمطلب بن ہاشم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد) کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی، اس کے یہ الفاظ تھے،

حق عبد المطلب بن هاشم من — یہ عبدالمطلب بن ہاشم (جو کہ کا باشندہ ہے)

Marfat.com

اهل مكة على فلان بن فلان الحميري	کا قرضہ فلان شخص پر ہے، جو صنعاء کا رہنے والا
من اهل وزل صنعا عليه الف درهم	ہے، یہ چاندی کے ہزار درہم ہیں جب طلب
فمتى كيلا بالحسن يرة ومتى دعاه	کیا جائے گا، وہ ادا کرے گا، خدا اور دو فرشتے
فقد اجاب به، شهد الله والملكان[1]	اس کے گواہ ہیں،

اس دستاویز سے ظاہر ہوتا ہے، کہ عبد المطلب کے کسی حمیری شخص کو ہزار درہم قرض دیئے تھے، خاتمہ میں دو فرشتوں کی گواہی لکھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ اس زمانہ میں فرشتوں کا (اور شاید کرام کاتبین کا) اعتقاد موجود تھا،

ابن الندیم نے لکھا ہے کہ اس دستاویز کا خط ایسا تھا، جیسا عورتوں کا خط ہوتا ہے،

علامہ بلاذری نے تصریح کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جب بعثت ہوئی تو قریش میں ۱۷ شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے یعنی حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ حضرت ابو عبیدہؓ، طلحہؓ، زیدؓ، ابو حذیفہؓ، ابو سفیانؓ، شفا بنتؓ عبد اللہ[2] وغیرہ،

بدر کی لڑائی جو ۲ھ میں ہوئی، اس میں قریش کے جو لوگ گرفتار ہوئے، ان سے فدیہ لیا گیا لیکن بعض ایسے بھی تھے جو ناداری کی وجہ سے فدیہ نہیں ادا کر سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا، کہ ہر شخص دس دس بچوں کو اپنے ذمہ لے کر ان کو لکھنا سکھا دے، چنانچہ حضرت زیدؓ بن ثابتؓ نے جو کاتب وحی ہیں، اسی طرح لکھنا سیکھا تھا،[3]

ان واقعات سے معلوم ہوگا کہ عرب اور خصوصاً مکہ مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) ابن ندیم ص۱۷ طبع مصر (۲) س ۲ فتوح البلدان ذکر خط مکہ ۴۷۷ مطبوعہ یورپ (۳) طبقات ابن سعد غزوۂ بدر ص۳۔

کے زمانہ ہی میں لکھنے پڑھنے کا کافی رواج ہو چکا تھا، البتہ یہ تحقیق طلب ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں روایتیں اور حدیثیں بھی قلمبند ہوئی تھیں یا نہیں، اور اس بنا پر سیرت کا کوئی تحریری سرمایہ بھی موجود تھا، یا نہیں، بعض حدیثوں میں جن میں سے بعض صحیح مسلم میں مذکور ہیں، تصریح ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثوں کے قلمبند کرنے سے منع فرمایا تھا، مسلم کے یہ الفاظ ہیں،

لاتکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القران فلیمحہ — مجھ سے جو سنو اس کو قلمبند نہ کرو بجز قرآن کے، اور کسی نے قلمبند کیا ہو تو اس کو مٹا ڈالنا چاہیئے،

آنحضرت کے زمانہ کی تحریریں

لیکن معلوم ہوتا ہے، کہ یہ ابتدائی زمانہ کا ارشاد ہے، کیونکہ متعدد صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں بعض صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آپ کے ارشادات قلمبند کر لیا کرتے تھے، صحیح بخاری (باب العلم) میں حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے، کہ صحابہؓ میں مجھ سے زیادہ کسی کو حدیثیں محفوظ نہیں، البتہ عبداللہ بن عمرؓ مستثنےٰ ہیں، کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے، اور میں لکھتا نہ تھا۔

ایک اور روایت میں ہے، کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی عادت تھی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنتے تھے، لکھ لیا کرتے تھے، قریش نے ان کو منع کیا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غیظ کی حالت میں ہوتے ہیں، کبھی خوشی میں، اور تم سب کچھ لکھتے جاتے ہو، عبداللہ بن عمروؓ نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا، آپؐ نے دہان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، کہ تم لکھ لیا کرو، اس سے جو کچھ نکلتا ہے

حق نکلتا ہے[1]، خطیب بغدادی نے اپنے رسالہ تقیید العلم میں روایت کی ہے کہ اس بیاض کا نام جس میں عبداللہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں قلمبند کر لیا کرتے تھے، صادقہ[2] تھا،

ایک دفعہ آپؐ نے حکم دیا، کہ جو لوگ اس وقت تک اسلام لا چکے ہیں، ان کے نام قلمبند کئے جائیں، چنانچہ پندرہ سو[3] صحابہؓ کے نام دفتر میں درج کئے گئے،

خطیب بغدادی نے تقیید العلم میں روایت کی ہے، کہ "جب لوگ کثرت سے حضرت انسؓ کے پاس حدیثوں کے سننے کے لئے جمع ہو جاتے تھے، تو وہ ایک جُنگ نکال لاتے تھے، کہ یہ وہ حدیثیں ہیں، جو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھ لی تھیں"

متعدد قبائل کو آپؐ نے جو صدقات اور زکوٰۃ وغیرہ کے احکام بھیجے وہ تحریری تھے اور کتب احادیث میں بعینہا منقول ہیں، اسی طرح سلاطین کو دعوت اسلام کے جو پیغام بھیجے گئے، وہ بھی تحریری تھے،

صحیح بخاری (باب کتابۃ العلم) میں ہے، کہ فتح مکہ کے سال جب ایک خزاعی نے حرم میں ایک شخص کو قتل کر دیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقہ پر سوار ہو کر خطبہ دیا، یمن کے ایک شخص نے آکر درخواست کی، کہ یہ خطبہ مجھ کو تحریر کرا دیا جائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، کہ اس شخص کے لئے وہ خطبہ قلمبند کرا دیا جائے،

غرض اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک حسب ذیل تحریری سرمایہ مہیا ہو گیا تھا

(۱) جو حدیثیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ یا حضرت علیؓ و حضرت انسؓ وغیرہ[4] نے قلمبند کیں،

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ [illegible] [2] جامع بیان العلم للقاضی ابن عبدالبر، مطبوعہ مصر صفحہ [illegible] میں صادقہ کا ذکر ہے۔ [3] صحیح بخاری باب الجہاد
[4] بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۱ و ۲۲ صحیفہ علی و کتابۃ رجل من الیمن،

Marfat.com

(۲) تحریری احکام اور معاہدات (حدیبیہ وغیرہ) اور فرامین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل کے نام لکھے[1]

(۳) خطوط جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین[2] اور امراء[3] کے نام ارسال فرمائے،

(۴) پندرہ سو صحابہؓ کے نام۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس تحریری ذخیرہ کو اس قدر ترقی ہوئی کہ ابن العباس سے پہلے) ولید بن یزید کے قتل کے بعد سب احادیث و روایت کا دفتر ولید کے کتب خانہ سے منتقل ہوا، تو صرف امام زہریؒ کی مرویات اور تالیفات گھوڑوں اور گدھوں پر لاد کر لائی گئیں[4]

مغازی | عرب میں علوم و فنون نہ تھے، صرف خاندانی معرکے اور لڑائیوں کے واقعات محفوظ رکھتے تھے، اس لحاظ سے قیاس یہ تھا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات و افعال و اقوال میں سب سے پہلے مغازی کی روایتیں پھیلتیں، اور سب سے پہلے اسی فن کی بنیاد پڑتی لیکن روایات کے تمام انواع میں مغازی کا درجہ سب سے متاخر رہا، خلفائے راشدینؓ اور اکابر صحابہؓ نے زیادہ تر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال و افعال پر توجہ کی، جن کو شریعت سے تعلق تھا، اور جن سے فقہی احکام مستنبط ہوتے تھے،

امام بخاری نے غزوہ احد کے ذکر میں سائب بن یزیدؓ سے یہ روایت نقل کی ہے،

صحبت عبد الرحمٰن بن عوفؓ و میں عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور طلحہ بن عبید اللہؓ اور

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۱۸۵ و ۱۸۶ [2] بخاری جلد ۱ ص ۵ ایضاً ص ۱۵ [3] بخاری جلد ۱ ص ۱۵ [4] تذکرۃ الحفاظ ذکر امام زہری،

Marfat.com

طلحة بن عبید اللہ والمقداد وسعدا	مقدادؓ اور سعدؓ کی صحبت میں رہا لیکن میں نے ان کو
فما سمعت احدا منہم یحدث عن	کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حدیث بیان
النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا ان سمعت	کرتے نہیں سنا، بجز اس کے کہ طلحہؓ غزوہ احد کا واقعہ
طلحة یحدث عن یوم احد	بیان کرتے تھے،

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور طلحہؓ و مقدادؓ و سعدؓ وقاص، اکابر صحابہؓ میں ہیں اور ان سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں، اس لئے اس عبارت کے یہی معنی ہو سکتے ہیں، کہ یہ لوگ غزوات کے واقعات نہیں بیان کرتے تھے، بجز اس کے کہ طلحہؓ جنگ احد کے واقعات بیان کیا کرتے تھے،

یہی وجہ تھی کہ علماء میں جن لوگوں نے مغازی کو اپنا فن بنا لیا تھا، وہ عوام میں جس قدر مقبول ہوتے تھے، خواص میں اس قدر مستند نہیں خیال کئے جاتے تھے اس فن کے اساطین اور ارکان ابن اسحٰق اور واقدی ہیں، واقدی کو تو محدثین علانیہ کذاب کہتے ہیں، ابن اسحٰق کو ایک گروہ ثقہ کہتا ہے لیکن اسی درجہ کا دوسرا گروہ ان کو بے اعتبار سمجھتا ہے تفصیل آگے آئے گی،

امام احمد بن حنبل کا قول ہے،

ثلاثة کتب لیس لہا اصول المغازی	تین قسم کی کتابیں ہیں جن کی کوئی اصل نہیں، مغازی
والملاحم والتفسیر[1]	اور ملاحم اور تفسیر،

خطیب بغدادی نے اس قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ امام ابن حنبل کی مراد ان خاص کتابوں سے ہوگی، جو بے اصل ہیں، پھر لکھا ہے،

[1] موضوعات ملا علی قاری، مطبع مجتبائی ص۸۰

Marfat.com

واما كتب التفسير فمن اشهرها	باقی تفسیر کی کتابیں تو ان میں سے کلبی اور مقاتل
كتابا الكلبي ومقاتل بن سليمان	کی کتابیں بہت مشہور ہیں، امام احمد بن حنبل نے
وقد قال احمد في تفسير الكلبي	کہا ہے، کہ کلبی کی تفسیر اول سے آخر تک جھوٹ
من اوله الى آخره كذب	ہے،

پھر لکھتے ہیں:-

واما المغازي فمن اشهرها كتاب	باقی مغازی تو اس فن کی مشہور کتاب محمد بن اسحٰق
محمد بن اسحاق وكان ياخذ من	کی کتاب ہے، اور وہ عیسائیوں اور یہودیوں سے
اهل الكتاب وقد قال الشافعي	روایت کرتے تھے، اور امام شافعی نے کہا ہے،
كتب الواقدي كذب	کہ واقدی کی کتابیں جھوٹ ہیں،

باوجود ان باتوں کے یہ ناممکن تھا، کہ یہ حصہ نظر انداز کر دیا جاتا، اس لئے اکابر صحابہؓ اور محدثین نہایت احتیاط کے ساتھ جو واقعات جہاں تک خوب محفوظ ہوتے تھے، روایت کرتے تھے،

تصنیف و تالیف کی ابتدا سلطنت کی وجہ سے ہوئی،

صحابہؓ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں اگرچہ فقہ و حدیث کی نہایت کثرت سے اشاعت ہوئی، بہت سے درس کے حلقے قائم ہوئے، لیکن جو کچھ تھا، زیادہ تر زبانی تھا، لیکن بنو امیہ نے حکماً علما سے تصنیفیں لکھوائیں، قاضی ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے،

كنا نكره كتاب العلم حتى اكرهنا	ہم لوگ علم کا قلمبند کرنا پسند نہیں کرتے تھے، یہاں
عليه هؤلاء الامراء	تک کہ امراء نے ہم کو مجبور کیا،

Marfat.com

سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے عبید بن شریہ کو یمن سے بلا کر قدماء کی تاریخ مرتب کرائی، جس کا نام اخبار الماضین ہے،

امیر معاویہؓ کے بعد عبد الملک بن مروان نے جو ۶۵ھ میں تخت نشین ہوا، ہر فن میں علماء سے تصنیفیں لکھوائیں، سعید بن جبیر جو اعلم العلماء تھے، ان کو حکم بھیجا، کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھیں، چنانچہ امام موصوف نے تفسیر لکھ کر بھیجی، جو کتب خانہ شاہی میں رکھی گئی، عطاء بن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے، ان ہی کی تفسیر ہے، عطاء کو خزانہ شاہی سے یہ نسخہ ہات آگیا تھا[1]،

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا زمانہ آیا، تو انہوں نے تصنیف و تالیف کو زیادہ ترقی دی، تمام ممالک میں حکم بھیجدیا، کہ احادیث نبویؐ مدون اور قلمبند کی جائیں، سعد بن ابراہیم جو بہت بڑے محدث اور مدینہ منورہ کے قاضی تھے، ان سے دفتر کے دفتر حدیثوں کے قلمبند کرائے اور تمام ممالک مقبوضہ میں بھیجے، علامہ ابن عبد البر جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں:-

عن سعد بن ابراهيم قال امرنا عمر بن عبد العزيز بجمع السنن فكتبناها دفترًا دفترًا فبعث الى كل ارض له عليها سلطان دفترًا[2]	سعد بن ابراہیم کہتے ہیں، کہ عمر بن عبد العزیزؒ نے ہم کو احادیث کے جمع کرنے کا حکم دیا، ہم نے دفتر کے دفتر لکھے، عمرؒ نے جہاں جہاں ان کی حکومت تھی، ایک ایک دفتر بھیج دیا

ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری جو اس زمانہ کے بہت بڑے محدث اور امام زہری کے استاد اور مدینہ کے قاضی تھے، ان کو بھی خاص طور پر احادیث کے جمع کرنے کا حکم بھیجا[1]

---

[1] فہرست ابن ندیم ص۲۴ [2] میزان الاعتدال ترجمہ عطاء بن دینار ج۳ مطبوعہ مصر ص۳۶ [3] طبقات ابن سعد جزء ثانی قسم ثانی ص۱۳۷،

Marfat.com

حضرت عائشہؓ کی روایتیں

حدیث میں حضرت عائشہؓ کی مرویات کی ایک خاص حیثیت ہے یعنی ان سے اکثر وہ حدیثیں مروی ہیں، جو عقاید یا فقہ کے مہمات مسائل ہیں، اس لئے عمرؒ بن عبدالعزیز نے انکی روایتوں کے ساتھ زیادہ اعتنا کیا، عمرۃ بنتؒ عبدالرحمن ایک خاتون تھیں ان کو حضرت عائشہؓ نے خاص اپنے آغوش تربیت میں پالا تھا، وہ بڑی محدثہ اور عالمہ تھیں، تمام علماء کا اتفاق ہے، کہ حضرت عائشہؓ کی مرویات کا ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا، عمرؒ بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن محمد کو خط لکھا، کہ عمرۃ کے مسائل اور روایات قلمبند کر کے بھیج دیں[1]

مغازی پر خاص توجہ

اب تک مغازی وسیر کے ساتھ اعتنا نہیں کیا گیا تھا، حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے اس فن کی طرف خاص توجہ کی، اور حکم دیا، کہ غزوات نبوی کا خاص حلقہ درس قائم کیا جائے، عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری المتوفی ۱۲۱ھ اس فن میں خاص کمال رکھتے تھے، ان کو حکم دیا، کہ جامع مسجد دمشق میں بیٹھ کر لوگوں کو مغازی اور مناقب کا درس دیں[2]

اسی زمانہ میں امام زہری نے مغازی پر ایک مستقل کتاب لکھی، اور جیسا کہ امام سہیلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے، یہ اس فن کی پہلی تصنیف تھی، امام زہری اس زمانہ کے اعلم العلماء تھے، فقہ اور حدیث میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا، امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں، انہوں نے حدیث و روایت کے حاصل کرنے میں یہ محنتیں اٹھائیں، کہ مدینہ منورہ میں ایک ایک انصاری کے گھر پر جاتے، جوان، بڈھے، عورت، مرد جو مل جاتا یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں سے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور حالات پوچھتے، اور قلمبند کرتے، وہ نسباً قریشی تھے

---

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ ابوبکر بن محمد و عمرۃ بنت عبدالرحمن و طبقات ابن سعد جز دوم، حصہ دوم ص۱۲۴ [2] تہذیب التہذیب ترجمہ عاصم بن عمر بن قتادہ، [3] تہذیب التہذیب ترجمہ امام زہری (محمد بن مسلم)

سنہ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے، بہت سے صحابہؓ کو دیکھا تھا، سنہ ۸۰ھ میں عبدالملک بن مروان کے دربار میں گئے، اس نے بہت قدر و منزلت کی، کتاب المغازی غالباً حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کی ہدایت کے موافق لکھی، یہ بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے، کہ امام موصوف سلاطین کے دربار سے تعلق رکھتے تھے، اور مقربین خاص میں داخل تھے، ہشام بن عبدالملک نے اپنے بچوں کی تعلیم ان کے سپرد کی تھی، سنہ ۱۲۴ھ میں وفات پائی،

امام زہری کے تلامذہ

امام زہری کی وجہ سے مغازی و سیرت کا عام مذاق پیدا ہو گیا، ان کے حلقہ درس سے اکثر ایسے لوگ نکلے، جو خاص اس فن میں کمال رکھتے تھے، ان میں سے یعقوب بن ابراہیم محمد بن صالح تمار، عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز فن مغازی میں خاص شہرت رکھتے تھے، چنانچہ تہذیب التہذیب وغیرہ میں ان لوگوں کا امتیازی وصف "صاحب المغازی" لکھا جاتا ہے

موسیٰ بن عقبہ

زہری کے تلامذہ میں سے دو شخصوں نے اس فن میں نہایت شہرت حاصل کی، اور یہی دو شخص ہیں، جن پر اس فن کا سلسلہ ختم ہوتا ہے، موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ خاندان زبیر کے غلام تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا تھا، فن حدیث میں امام مالک ان کے شاگرد ہیں، امام مالک ان کے نہایت مداح تھے، اور لوگوں کو ترغیب دیتے تھے کہ فن مغازی سیکھنا ہو تو موسیٰ سے سیکھو، ان کے مغازی کے جو خصوصیات ہیں، یہ ہیں:-

(۱) مصنفین اب تک روایات میں صحت کا التزام نہیں کرتے تھے، انہوں نے زیادہ تر اس کا التزام کیا

(۲) عام مصنفین کا یہ مذاق تھا کہ کثرت سے واقعات نقل کئے جائیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا، کہ ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں آجاتی تھیں، موسیٰ نے احتیاط کی، اور صرف وہی روایتیں لیں، جو ان کے

139123

Marfat.com

نزدیک صحیح ثابت ہوئیں یہی وجہ ہے کہ ان کی کتاب بہ نسبت اور کتب مغازی کے مختصر ہے،

(۳) چونکہ روایت حدیث کے لئے کسی عمر کی قید نہ تھی، اس لئے اکثر لوگ بچپن اور آغاز شباب ہی سے حلقہ درس میں شامل ہو جاتے تھے اور حدیثیں سنکر لوگوں سے روایت کرتے تھے لیکن چونکہ اس عمر تک واقعات کا صحیح طور سے سمجھنا اور محفوظ رکھنا ممکن نہ تھا، اس لئے اکثر روایتوں میں تغیر اور اختلاط ہو جاتا تھا موسیٰ نے بخلاف اور لوگوں کے کبر سن میں اس فن کو سیکھا تھا ۱۴۱ھ میں وفات پائی،

موسیٰ کی کتاب آج موجود نہیں لیکن ایک مدت تک شائع و ذائع رہی اور سیرت کی تمام قدیم کتابوں میں کثرت سے اس کے حوالے آتے ہیں،

محمد بن اسحاق

محمد بن اسحاق نے فن مغازی میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کی وہ امام فن مغازی کے نام سے مشہور ہیں، شہرت عام میں اگرچہ واقدی ان سے کم نہیں لیکن واقدی کی لغو بیانی عام ہے، اور اس لئے ان کی شہرت بدنامی کی شہرت ہے، محمد بن اسحاق تابعی ہیں، ایک صحابی (حضرت انسؓ) کو دیکھا تھا، علم حدیث میں کمال تھا، امام زہری کے دروازہ پر دربان مقرر تھا، کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آئے لیکن محمد بن اسحاق کو عام اجازت تھی کہ جب چاہیں چلے آئیں، ان کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین میں اختلاف ہے امام مالک ان کے سخت مخالف ہیں لیکن محدثین کا عام فیصلہ یہ ہے کہ مغازی اور سیر میں ان کی روایتیں استناد کے قابل ہیں، امام بخاری نے صحیح بخاری میں ان کی روایت نہیں لی لیکن جزء القراۃ میں ان سے روایت کی ہے تاریخ میں تو اکثر واقعات ان ہی سے لیتے ہیں

تہذیب التہذیب ترجمہ موسیٰ بن عقبہ،

فن مغازی کو انہوں نے اس قدر ترقی دی، اور اس قدر دلچسپ بنا دیا، کہ خلفائے عباسیہ جو زیادہ تر اور قسم کی تصنیفات کا مذاق رکھتے تھے، ان میں مغازی کا مذاق پیدا ہو گیا چنانچہ ابن عدی نے اس احسان کا خاص طرح پر ذکر کیا ہے، ابن عدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس فن میں کوئی تصنیف ان کی تصنیف کے رتبہ کو نہیں پہنچی۔[1]

ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے، کہ محدثین کو محمد بن اسحٰق کی کتاب پر اعتراض تھا تو یہ تھا، کہ خیبر وغیرہ کے واقعات وہ ان یہودیوں سے دریافت کر کے داخل کتاب کرتے تھے، جو مسلمان ہو گئے تھے، اور چونکہ یہ واقعات انہوں نے یہودیوں سے سنے ہونگے اس لئے ان پر پورا اعتماد نہیں ہو سکتا، علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن اسحٰق یہود و نصاریٰ سے روایت کرتے تھے، اور ان کو ثقہ سمجھتے تھے، ۱۵۱ھ میں وفات پائی،

محمد بن اسحٰق کی کتاب المغازی کا ترجمہ شیخ سعدیؒ کے زمانہ میں ابوبکر سعد زنگی کے حکم سے فارسی میں ہوا، اس کا قلمی نسخہ الہ آباد میں ہماری نظر سے گذرا ہے،

محمد بن اسحٰق کی کتاب کثرت سے پھیلی، اور بڑے بڑے مشہور محدثوں نے اس کے نسخے مرتب کئے، اسی کتاب کو ابن ہشام نے زیادہ منقح اور اضافہ کر کے مرتب کیا جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے، چونکہ اصل کتاب آج کم ملتی ہے، اس لئے آج اس کی جو یادگار موجود ہے، وہ یہی ابن ہشام کی کتاب ہے،

ابن ہشام

ابن ہشام کا نام عبد الملک ہے، وہ نہایت ثقہ اور نامور محدث اور مورخ تھے، حمیر کے قبیلہ سے تھے، اور غالباً اسی تعلق سے سلاطین حمیر کی تاریخ لکھی، جو آج بھی موجود ہے، انہوں نے

[1] تہذیب التہذیب،

تیسرے میں یہ اضافہ کیا کہ سیرت میں جو مشکل الفاظ آتے ہیں انکی تفسیر بھی لکھی ۲۱۳ یا ۲۱۸ھ میں وفات پائی،

سیرت ابن اسحاق کی مقبولیت کی بنا پر لوگوں نے اس کو نظم کیا، چنانچہ ابو نصر فتح بن موسیٰ خضراوی المتوفی ۶۶۳ھ وعبد العزیز بن احمد المعروف بہ سعد وری المتوفی فی حدود ۶۰۰ھ وابو اسحاق انصاری تلمسانی، وفتح الدین محمد بن ابراہیم معروف بہ ابن الشہید المتوفی ۷۹۳ھ نے منظوم کیا، اخیر کتاب میں قریباً دس ہزار شعر ہیں، اور اس کا نام فتح الغریب فی سیرت الحبیب ہے،

ابن سعد

واقدی خود تو قابل ذکر نہیں، لیکن ان کے تلامذہ خاص میں سے ابن سعد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے حالات میں ایسی جامع اور مفصل کتاب لکھی، کہ آج تک اس کا جواب نہ ہو سکا،

ابن سعد مشہور محدث ہیں، محدثین نے عموماً لکھا ہے، کہ گو ان کے استاد (واقدی) قابل اعتبار نہیں لیکن وہ خود قابل سند ہیں، خطیب بغدادی نے ان کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں،

کان من اھل العلم والفضل والفھم والعدالۃ صنف کتابا کبیرا فی طبقات الصحابۃ والتابعین الی وقتہ فاجاد فیہ واحسن[1]

یہ موالی بنی ہاشم سے تھے بصرہ میں پیدا ہوئے لیکن بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی بلاذری جو مشہور مورخ ہیں، انہی کے شاگرد ہیں، ۲۳۰ھ میں ۶۲ برس کی عمر میں وفات پائی،

ان کی کتاب کا نام طبقات ہے، ۱۲ جلدوں میں ہے دو جلدیں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں ہیں، اور یہ حصہ دراصل سیرت نبوی ہے، باقی جلدیں صحابہؓ وتابعین

[1] [illegible] ترجمہ محمد بن سعد

کے حالات میں ہیں، اور چونکہ صحابہؓ کے حالات میں ہر جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے اس لئے ان حصوں میں بھی سیرت کا بڑا سرمایہ موجود ہے،

یہ کتاب قریباً ناپید ہو چکی تھی یعنی دنیا کے کسی کتب خانہ میں اس کا پورا نسخہ موجود نہ تھا شہنشاہ جرمن کو اس کی طبع و اشاعت کا خیال ہوا چنانچہ لاکھ روپے جیب خاص سے دیئے، اور پروفیسر ساخو کو اس کام پر مامور کیا، کہ ہر جگہ سے اس کے اجزاء فراہم کر کے لائیں، پروفیسر موصوف نے قسطنطنیہ، مصر اور یورپ جا کر جا بجا سے تمام جلدیں بہم پہنچائیں، یورپ کے بارہ پروفیسروں نے الگ الگ جلدوں کی تصحیح اپنے ذمہ لی، چنانچہ نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ یہ نسخہ لیڈن (ہالینڈ) میں چھپ کر شایع ہوا،

اس کتاب کا بڑا حصہ واقدی سے ماخوذ ہے لیکن چونکہ تمام روایتیں بہ سند مذکور ہیں اس لئے واقدی کی روایتیں بہ آسانی الگ کر لی جا سکتی ہیں،

اس زمانہ میں سیرت پر اور بھی بہت سی کتابیں لکھی گئیں، چنانچہ کشف الظنون وغیرہ میں ان کے نام مذکور ہیں، لیکن چونکہ نام کے سوا ان کے متعلق اور کچھ معلوم نہیں، نہ ان کا آج وجود ہے اس لئے ہم ان کے نام نظر انداز کرتے ہیں،

تاریخ صغیر و کبیر امام بخاری

سیرت کے سلسلہ سے الگ تاریخی تصنیفات ہیں، ان میں سے جو محدثانہ طریقہ پر لکھی گئیں یعنی جن میں روایتیں بہ سند مذکور ہیں، ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور واقعات کا جو حصہ ہے، وہ بھی دراصل سیرت نبویؐ ہے، ان میں سب سے مقدم اور قابل استناد امام بخاری کی دونوں تاریخیں ہیں لیکن دونوں نہایت مختصر ہیں، تاریخ صغیر چھپ گئی ہے، اس میں سیرت

Marfat.com

نبوی کا حصہ کتاب کا دسواں حصہ بھی نہیں، یعنی صرف ۱۵ صفحے ہیں، اور ان میں بھی کوئی ترتیب نہیں کبیر البتہ بڑی ہے، میں نے اس کا نسخہ جامع اباصوفیہ میں دیکھا تھا لیکن سوانح نبوی اس میں بہت کم ہیں، اور جستہ جستہ واقعات بلا ترتیب مذکور ہیں،

تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے امام طبری اس درجہ کے شخص ہیں، کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال، وثوق اور وسعت علم کے معترف ہیں، ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے، محدث ابن خزیمہ کا قول ہے، کہ دنیا میں میں کسی کو ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا، ۳۱۰ھ میں وفات پائی،

بعض محدثین (سلیمانی) نے ان کی نسبت لکھا ہے، کہ یہ شیعوں کے لئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے، لیکن علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے،

هذا رجم بالظن الكاذب بل ابن جرير	یہ جھوٹی بدگمانی ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابن جریر اسلام
من كبار ائمة الاسلام المعتمدين	کے معتمد اماموں میں سے ایک بڑے امام ہیں،

علامہ ذہبی نے اسی موقع پر لکھا ہے، کہ ان میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مضر نہیں، تمام مستند اور مفصل تاریخیں مثلاً تاریخ کامل ابن الاثیر، ابن خلدون، ابو الفداء وغیرہ ان ہی کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے مختصرات ہیں، یہ کتاب بھی ناپید تھی، اور یورپ کی بدولت شائع ہوئی

جو لوگ خاص فن سیرت کے ارکان اور معتمد ہیں، ان کا اور ان کی تصنیفات کا ایک مختصر نقشہ ہم اس مقام پر درج کرتے ہیں[1]،

[1] ان مصنفین کی تصنیفات اکثر ناپید ہیں (یہ فہرست تہذیب وغیرہ سے مرتب کی گئی ہے) ان کے نام لکھنے سے یہ غرض ہے، کہ آج جو تصنیفیں ملتی ہیں ان میں اکثر ان کے حوالے آتے ہیں اس لئے ناظرین کو ان حوالوں کی صحت و عدم صحت یا قوت و ضعف کے فیصلہ کرنے

Marfat.com

نام مصنف	سنہ وفات	حالات
عروہ بن زبیر	سنہ ۹۴ھ	حضرت زبیرؓ کے بیٹے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نواسے تھے، حضرت عائشہؓ کے آغوش تربیت میں پلے تھے، سیرت و مغازی میں کثرت سے ان کی روایتیں ہیں، ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کے متعلق لکھا ہے کان عالما بالسیرۃ صاحب کشف الظنون نے مغازی کے بیان میں لکھا ہے، کہ بعضوں کی رائے ہے، کہ فن مغازی کی سب سے پہلی کتاب ان ہی نے تدوین کی،
شعبی	سنہ ۱۰۹ھ	مشہور محدث ہیں، اکثر فنون میں کمال رکھتے تھے، خلافت دمشق کی طرف سے سفیر بن کر قسطنطنیہ گئے تھے، فن مغازی و سیر میں ان کو اس درجہ واقفیت تھی، کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے، کہ گو میں ان غزوات میں بذات خود شریک تھا، مگر یہ مجھ سے زیادہ ان حالات کو جانتے ہیں۔"
وہب بن منبہ	سنہ ۱۱۴ھ	یمن کے عجمی خاندان سے تھے، حضرت ابوہریرہؓ سے کچھ حدیثیں سنی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کتب عہد قدیم کی بشارت اور پیشین گوئیاں کثرت سے انہی سے مروی ہیں،
عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری	سنہ ۱۲۱ھ	مشہور تابعی ہیں، حضرت انسؓ اور اپنے باپ اور اپنی دادی رفیعہ سے روایت کرتے ہیں، مغازی اور سیر میں نہایت وسیع المعلومات

Marfat.com

		تھے، خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے مسجد دمشق میں بیٹھ کر اس فن کی تعلیم دیتے تھے،
محمد بن مسلم بن شہاب زہری	۱۲۴ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے،
یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن الاخنس بن شریق الثقفی،	۱۲۸ھ	نہایت ثقہ تھے، عال اور گورنر انتظام ملکی میں ان سے رد لیتے تھے، فقہائے مدینہ میں ان کا شمار تھا سیرت نبویؐ کے عالم تھے، ان کا دادا اخنس بن شریق وہی شخص ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن تھا،
موسیٰ بن عقبہ الاسدی	۱۴۱ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے،
ہشام بن عروۃ ابن زبیر	۱۴۶ھ	زیادہ تر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، زہری کے بھی شاگرد ہیں، علمائے مدینہ میں ان کا شمار ہے، بغداد میں جو روایتیں انہوں نے لیں، محدثین کا بیان ہے کہ ان میں تساہل سے کام لیا ہے سیرت کے ذخیرہ روایات میں ان کا بہت بڑا حصہ شامل ہے، جن کو وہ اپنے باپ کے واسطہ سے حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں، فن سیرت میں ان کے متعدد نامور تلامذہ ہیں،
محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی	۱۵۰ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے،
معمر بن راشد الازدی	۱۵۲ھ	امام زہری کے تلامذہ میں امام مالک کے بعد ان کا دوسرا درجہ ہے، اساطین علم حدیث میں تھے، مغازی میں ایک کتاب انکی تصنیف

Marfat.com

		ہے جس کا نام ابن ندیم نے کتاب المغازی لکھا ہے،
عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز الاوسی	۱۶۲ھ	زہری کے شاگرد تھے، مسلم نے ان سے ایک روایت کی ہے، محدثین کے نزدیک ضعیف الروایۃ ہیں، فن سیرت کے عالم تھے، ابن سعد نے ان کے متعلق لکھا ہے کان عالما بالسیرۃ وغیرھا
محمد بن صالح بن دینار التمار	۱۶۸ھ	زہری کے شاگرد اور واقدی کے استاذ ہیں، ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ سیرت و مغازی کے عالم تھے، اکثر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے، ابو الزناد جو بڑے پایہ کے محدّث ہیں، وہ کہتے ہیں، کہ اگر صحیح مغازی سیکھنا ہو، تو محمد بن صالح سے سیکھو،
ابو معشر نجیح المدنی	۱۷۰ھ	ہشام بن عروۃ کے شاگرد تھے، ثوری اور واقدی نے ان سے روایت کی ہے، گو محدثین نے روایت حدیث میں ان کی تضعیف کی ہے لیکن سیرت و مغازی میں ان کی جلالت شان کا اعتراف کیا ہے، امام ابن حنبل کہتے ہیں، کہ وہ اس فن میں صاحب نظر ہیں، ابن ندیم نے ان کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے، کتب سیرت میں ان کا نام کثرت سے آتا ہے،
عبداللہ بن جعفر بن عبدالرحمٰن المخزومی	۱۷۰ھ	مشہور صحابی مسور بن مخرمہ رضؓ کے پڑپوتے تھے، فن حدیث میں خاص پایہ رکھتے تھے، سیرت نبوی کے اکابر علماء میں تھے، ابن سعد نے ان کی شان میں یہ الفاظ لکھے ہیں، من رجال اھل المدینۃ

		عالما بالمغازی"
عبدالملک بن محمد بن ابی بکر بن عمرو بن حزم الانصاری	سنہ ۱۷۶ھ	فن حدیث و سیر میں ان کا خاندان ہمیشہ نامور رہا، ان کے دادا وہ شخص ہیں جنہوں نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے سب سے پہلے فن حدیث کی تدوین کی، ان کی رشتہ کی دادی عمرۃ حضرت عائشہؓ کی تربیت یافتہ تھیں، یہ خود سیر و مغازی کے عالم تھے، اپنے باپ اور چچا سے تعلیم پائی تھی، خلیفہ ہارون الرشید نے ان کو قاضی مقرر کیا تھا لوگ ان سے مغازی سیکھتے تھے، اس فن میں ان کی ایک تصنیف کتاب المغازی بھی ہے،
علی بن مجاہد الرازی الکندی	بعد سنہ ۱۸۰ھ	ابو معشر نجیح کے تلامذہ میں تھے، امام ابن حنبل نے ان سے روایت کی ہے، مغازی کے جامع اور مصنف ہیں لیکن ارباب نقد کے نزدیک ان کی تصنیف اعتبار کے قابل نہیں،
زیاد بن عبداللہ بن الطفیل البکائی	سنہ ۱۸۳ھ	ابن اسحٰق کے شاگرد اور ابن ہشام کے استاد تھے ان دونوں بزرگواروں کے واسطہ العقدیہ ہیں، سیرت کے عشق میں گھر بار بیچ کر استاد کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے تھے اور مدت تک سفر و حضر میں ان کے شریک رہے، محدثین کی بارگاہ میں گو ان کا اعزاز کم ہے لیکن کتاب السیرۃ کے سب سے معتبر راوی یہی سمجھے جاتے ہیں،
سلمۃ بن الفضل الابرش الانصاری	سنہ ۱۹۱ھ	ابن اسحاق کے شاگرد اور ان کی سیرت کے راوی ہیں، رے کے قاضی

Marfat.com

		تھے، اہل نقد کے نزدیک قابل احتجاج نہیں، لیکن ابن معین جو اسماء رجال کے بڑے ماہر ہیں، مغازی میں ان کی توثیق کرتے ہیں، اور ان کی سیرت کو بہترین سیر نہائے نبوی کہتے ہیں، طبری میں ان کے واسطہ سے اکثر روایتیں مروی ہیں،
ابو محمد یحیی بن سعید ابن ابان الاموی	۱۹۴ھ	ہشام بن عروہ اور ابن جریج سے تلمذ تھا، ابن سعد نے لکھا ہے، کہ گو قلیل الروایۃ ہیں، لیکن ثقہ ہیں، صاحب کشف الظنون نے مصنفین مغازی میں ان کا نام بھی لیا ہے،
ولید بن مسلم القرشی	۱۹۵ھ	شام کے مشہور محدث اور نہایت قوی الحافظہ تھے، شام میں ان کے زمانہ میں ان سے بڑا کوئی عالم نہ تھا، تاریخ و مغازی میں وکیع سے ان کا درجہ بڑا سمجھا جاتا تھا، ان کی تصنیفات کی تعداد ستر ہے، جن میں ان کتاب المغازی ہے، کتاب الفہرست میں اس کا ذکر موجود ہے،
یونس بن بکیر	۱۹۹ھ	ہشام بن عروہ اور ابن اسحاق کے شاگرد ہیں، فن روایت و حدیث میں ان کا متوسط درجہ ہے، اکثر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے علامہ ذہبی نے تذکرہ میں ان کا نام بہ لقب صاحب المغازی لیا ہے، انہوں نے مغازی ابن اسحٰق کا ذیل لکھا ہے (زرقانی مواہب جلد ۳ صفحہ ۱۰)

Marfat.com

محمد بن عمر الواقدی الاسلمی	۲۰۷ھ	سیرت نبویؐ کے متعلق ان کی دو کتابیں ہیں، کتاب السیرۃ اور کتاب التاریخ والمغازی والمبعث، امام شافعیؒ فرماتے ہیں، کہ واقدی کی تمام تصانیف جھوٹ کا انبار ہیں، کتب سیرت کی اکثر بے ہودہ روایتوں کا سرچشمہ ان ہی کی تصانیف ہیں، ایک ظریف محدث نے خوب کہا ہے، کہ "اگر واقدی سچا ہے، تو دنیا میں کوئی اس کا ثانی نہیں، اور اگر جھوٹا ہے، تب بھی دنیا میں اس کا جوڑ نہیں"
یعقوب بن ابراہیم الزہری	۲۰۸ھ	حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اولاد میں تھے، زہری اور ان کے تلامذہ کے شاگرد ہیں، مغازی میں ان کا یہ رتبہ تھا، کہ ابن معین جیسا ناقد رجال ان سے اس فن کی تحصیل کرتا تھا۔
عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری	۲۱۱ھ	ثقات محدثین میں ان کا شمار ہے، مزاج میں کسی قدر تشیع تھا، ابن معین کہتے ہیں، کہ اگر عبدالرزاق مرتد بھی ہو جائیں، تب بھی ہم ان سے روایت حدیث ترک نہیں کر سکتے، آخر عمر میں بصارت جاتی رہی تھی، اس لئے اس زمانہ کی حدیثیں ناقابل سند ہیں، فن مغازی میں ان کی ایک تالیف ہے
عبدالملک بن ہشام الحمیری	۱۲ یا ۲۱۳ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے،
علی بن محمد المدائنی	۲۲۵ھ	ابو معشر نجیح اور سلمۃ بن الفضل وغیرہ کے شاگرد تھے، تاریخ وانساب عرب

Marfat.com

		میں نہایت وسیع المعلومات تھے، محدثین میں ان کا شمار نہیں لیکن مورخین کے امام ہیں، اغانی کے دفتر بے پایاں کا مخزن یہی ہیں، تاریخ وانساب میں ان کی کثرت سے تصنیفات ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں ان کی کتاب نہایت مبسوط ہے، اور ابن الندیم کے بیان کے مطابق ہر قسم کے متعدد اور متنوع عنوان قائم کئے ہیں
عمر بن شبۃ المصری	۲۶۲ھ	حدیث، تاریخ، ادب، لغت، شاعری اور نحو کے امام ہیں، مکہ مبارکہ، مدینہ طیبہ اور بصرہ کی تاریخیں لکھی ہیں، علم سیر میں نہایت بلند پایہ تھے، حدیث میں ابن ماجہ اور تاریخ میں بلاذری، اور ابونعیم ان کے شاگرد تھے،
محمد بن عیسیٰ ترمذی	۲۷۹ھ	مشہور محدث ہیں، جن کی کتاب صحاح ستہ میں تیسرا درجہ رکھتی ہے، سیرت نبوی میں ان کا خاص رسالہ ہے، جس کا موضوع گذشتہ تصانیف سے الگ ہے، اس رسالہ کا نام کتاب الشمائل ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی حالات و عادات اور اخلاق کا ذکر ہے، اس بات کا التزام کیا ہے، کہ تمام روایتیں معتبر اور صحیح ہوں، اس رسالہ پر متعدد علماء نے شروح وحواشی لکھے،
ابراہیم بن اسحٰق بن ابراہیم	۲۸۵ھ	محدثین کبار میں شمار ہے، مسند صحابہؓ ان کی تالیف ہے، جس کے

Marfat.com

		آخر میں کتاب المغازی شامل ہے،
ابوبکر احمد بن ابی خیثمۃ البغدادی	۲۹۹ھ	حدیث میں ابن حنبل اور ابن معین کے شاگرد، اور تاریخ وسیر کے جلیل القدر عالم تھے، تاریخ کبیر ان کی تصنیف ہے جس میں سیرت نبوی کا حصہ بھی شامل ہے،
محمد بن عائذ دمشقی		ان کی مغازی معتبر خیال کی جاتی ہے، حافظ ابن حجر وغیرہ اکثر اس کے حوالے دیتے ہیں،

یہ قدما کی تصنیفات تھیں، مابعد کی تصنیفات کا ہم ایک مختصر نقشہ ذیل میں درج کرتے ہیں، یہ تصنیفات قدیم تصنیفات اور احادیث کی کتابوں سے ماخوذ ہیں، اس نقشہ میں ان کتابوں کا ذکر بھی ہے، جو قدما کی تصنیفات کے متعلق شرح کے طور پر لکھی گئی ہیں، ان کا ذکر اس وجہ سے کیا گیا ہے، کہ یہ فی نفسہٖ مستقل تصنیفات ہیں، اور ان میں جس قدر ذخیرۂ معلومات ہے، خود اصل کتابوں میں نہیں،

روض الانف، سیرت ابن اسحاق کی شرح ہے مصنف کا نام عبدالرحمن سہیلی ہے جنہوں نے ۵۸۱ھ میں وفات پائی، یہ اکابر محدثین میں سے ہیں، اور تمام مصنفین مابعد سیرت نبوی کی تحقیقات اور معلومات کے متعلق ان کے خوشہ چین ہیں مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے، کہ میں نے یہ کتاب ۱۲۰ کتابوں کی مدد سے لکھی، اس کا قلمی نسخہ ہمارے استعمال میں ہے،

سیرتِ دمیاطی، حافظ عبدالرحمن دمیاطی المتوفی ۷۰۵ھ کی تصنیف ہے، اکثر

Marfat.com

کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں، اس کتاب کا نام المختصر فی سیرۃ سید البشر ہے قریباً سو صفحوں میں ہے، پٹنہ کے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے،

سیرتِ خلاطی، علاء الدین علی بن محمد خلاطی حنفی کی تصنیف ہے ۷۰۰ھ میں وفات پائی،

سیرتِ گازرونی، شیخ ظہیر الدین علی بن محمد گازرونی المتوفی ۶۹۴ھ کی تصنیف ہے،

سیرتِ ابن ابی طے، مصنف کا نام یحییٰ بن حمیدۃ المتوفی ۶۳۰ھ ہے، یہ کتاب تین جلدوں میں ہے

سیرتِ مغلطائی، مشہور کتاب ہے، اور مصر میں چھپ گئی ہے، علامہ عینی نے اس کے ایک حصہ کی شرح لکھی ہے، جس کا نام کشف اللثام ہے،

شرف المصطفیٰ، حافظ ابو سعید عبد الملک نیشاپوری کی تصنیف ہے، آٹھ جلدوں میں ہے، حافظ ابن حجر اصابہ میں اکثر اس کا حوالہ دیتے ہیں لیکن جو روایتیں حافظ موصوف نے نقل کی ہیں، ان میں بعض نہایت مہمل اور لغو روایتیں ہیں، جس سے قیاس ہوتا ہے کہ مصنف نے رطب و یابس کی کوئی تمیز نہیں رکھی ہے،

شرف المصطفیٰ للحافظ ابن الجوزی

الکتفا فی مغازی المصطفیٰ والخلفاء الثلاثہ، حافظ ابو الربیع سلیمان بن موسیٰ الکلاعی المتوفی ۶۳۴ھ کی تصنیف ہے، اکثر کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں،

سیرتِ ابن عبد البر، ابن عبد البر مشہور محدث اور امام ہیں، اس کتاب کے حوالے اکثر آتے ہیں

(۱) بمبئی کے کتب خانہ جامع مسجد میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے (۲) ان تمام کتابوں کا ذکر کشف الظنون میں سیرت کے عنوان میں ہے،

عیون الاثر ابن سید الناس کی تصنیف ہے، ابن سید الناس اندلس کے مشہور عالم ہیں ۷۳۴ھ میں وفات پائی، یہ کتاب نہایت متین اور جامع ہے، معتبر کتابوں کو ماخذ قرار دیا ہے، اور جس سے جو کچھ نقل کیا ہے، سند بھی نقل کی ہے، اس کا قلمی نسخہ (جلد دوم) کلکتہ کے کتب خانہ میں ہے، اور ہمارے پیش نظر ہے،

نور النبراس فی سیرۃ ابن سید الناس، عیون الاثر کی شرح ہے، مصنف کا نام ابراہیم ابن محمد ہے، یہ کتاب نہایت محققانہ لکھی گئی ہے، اور بے شمار معلومات کا خزینہ ہے، دو ضخیم جلدوں میں ہے، اور ندوہ کے کتب خانہ میں اس کا نہایت عمدہ نسخہ موجود ہے،

سیرت منظوم، حافظ زین الدین عراقی نے جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے، نظم میں لکھی ہے، لیکن دیباچہ میں خود لکھ دیا ہے، کہ اس میں رطب و یابس سب کچھ ہے

مواہب لدنیہ مشہور کتاب ہے، اور متاخرین کا یہی ماخذ ہے، اس کے مصنف قسطلانی ہیں، جو بخاری کے مشہور شارح ہیں، حافظ ابن حجر کے ہم رتبہ تھے، یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے، لیکن ہزاروں موضوع اور غلط روایتیں بھی موجود ہے

زرقانی علی المواہب، یہ مواہب لدنیہ کی شرح ہے، اور حقیقت یہ ہے، کہ اس کے بعد کوئی کتاب اس جامعیت اور تحقیق سے نہیں لکھی گئی، آٹھ ضخیم جلدوں میں [illegible] میں چھپ گئی ہے،

سیرت حلبی مشہور اور متداول ہے،

مصادر سیرت نبوی کے واقعات جو قلمبند کئے گئے، وہ تقریباً وفات کے سو برس کے

بعد قلمبند ہوئے، اس لئے مصنفین کا ماخذ کوئی کتاب نہ تھی، بلکہ اکثر زبانی روایتیں تھیں،

اس قسم کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آتا ہے یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلمبند کئے جاتے ہیں، تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کرلی جاتی ہیں، جن کے راویوں کا نام ونشان تک معلوم نہیں ہوتا، ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کرلئے جاتے ہیں، جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں، یورپ کی تاریخی تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں

اسلامی فن تاریخ کا پہلا اصول فن روایت

لیکن مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا، وہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا، اس کا پہلا اصول یہ تھا، کہ جو واقعہ بیان کیا جائے، اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے، جو خود شریک واقعہ تھا، اور اگر خود نہ تھا، تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کا نام بہ ترتیب بتایا جائے، اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کیا جائے، کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آئے، کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے؟ یا دقیقہ بین؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل بلکہ ناممکن تھا، سینکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کردیں، ایک ایک شہر میں گئے، راویوں سے ملے، ان کے متعلق ہر قسم کے معلومات بہم پہنچائے جو لوگ ان کے زمانہ میں موجود نہ تھے، ان کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کئے ان تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال (بیوگرافی) کا وہ عظیم الشان فن تیار ہوگیا جس

اسماء الرجال کی تدوین

Marfat.com

کی بدولت آج کم ازکم ایک لاکھ شخصوں کے حالات معلوم ہوسکتے ہیں، اور اگر ڈاکٹر اسپرنگر کے کے حسن ظن کا اعتبار کیا جائے، تو یہ تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے،

محدثین نے حالات کے بہم پہنچانے میں کسی شخص کے رتبہ اور حیثیت کی پرواہ نہ کی، بادشاہوں سے لے کر بڑے بڑے مقتداؤں تک کی اخلاقی سراغ رسانیاں کیں، اور ایک ایک کی پردہ دری کی

اس سلسلہ میں سینکڑوں تصنیفات تیار ہوئیں، جن کی اجمالی کیفیت یہ ہے:۔

سب سے پہلے اس فن یعنی راویوں کی جرح وتعدیل میں یحییٰ بن سعید القطان نے ایک کتاب لکھی، وہ اس رتبہ کے شخص تھے، کہ امام احمد بن حنبل نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ "میری آنکھوں نے ان کا نظیر نہیں دیکھا" ان کے بعد اس فن کو زیادہ رواج ہوا، اور کثرت سے کتابیں لکھی گئیں، جن میں سے چند ممتاز تصنیفات حسب ذیل ہیں،

نام مصنف	کیفیت
رجال عقیلی	خاص ضعیف الروایۃ لوگوں کے حال میں ہے
رجال احمد بن عبد العجلی المتوفی ۲۶۱ھ	اس کتاب کا نام کتاب الجرح والتعدیل ہے
رجال امام عبد الرحمن بن حاتم الرازی المتوفی ۳۲۷ھ	بہت عظیم کتاب ہے،

لہ ڈاکٹر اسپرنگر جرمن کے مشہور عربی دان فاضل ہیں، مدت تک ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں کام کیا، اصابہ کا نسخہ ان ہی کی تصحیح سے کلکتہ میں چھپا، اسی کتاب کے دیباچہ میں صاحب موصوف نے لکھا ہے، کہ "نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گذری نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے"

Marfat.com

نام مصنف	کیفیت
رجال امام دارقطنی	مشہور محدث ہیں، یہ کتاب خاص ضعیف الروایۃ اشخاص کے حال میں ہے،
کامل ابن عدی،	اس فن کی سب سے مشہور کتاب ہے، اور تمام محدثین متاخرین نے اس کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے،

یہ کتابیں قریباً آج نایاب ہیں، لیکن بعد کی تصنیفات جو انہی سے ماخوذ ہیں آج بھی موجود ہیں،

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ جامع اور مستند کتاب تہذیب الکمال ہے، جو علامہ مزی (یوسف بن الزکی) کی تصنیف ہے، جنہوں نے ۷۴۲ھ میں وفات پائی، علاؤالدین مغلطائی المتوفی ۷۶۲ھ نے تیرہ جلدوں میں اس کا تکملہ لکھا،

علامہ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے اس کا اختصار کیا، اور بہت سے محدثین نے اس کے تعاقب اور ذیل لکھے، اور بالآخر حافظ ابن حجر نے ان تمام تصنیفات سے ایک نہایت ضخیم کتاب تہذیب التہذیب لکھی، جو بارہ جلدوں میں ہے، اور آج کل حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے، مصنف نے کتاب کے خاتمہ میں لکھا ہے، کہ اس کی تصنیف میں آٹھ برس صرف ہوئے ہیں، اس سلسلہ کی ایک اور سب سے زیادہ متداول اور مستند کتاب میزان الاعتدال ہے، جو علامہ ذہبی کی تصنیف ہے، حافظ ابن حجر نے اس کتاب پر اضافہ کیا، جس کا نام لسان المیزان ہے،

اسماء الرجال کی کتابیں جو ہمارے پیش نظر ہیں

اسماء الرجال کی کتابوں میں سے تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب، لسان المیزان تقریب، تاریخ کبیر بخاری، تاریخ صغیر بخاری، ثقات ابن حبان، تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی، مشتبہ النسبۃ ذہبی، انساب سمعانی، تہذیب الاسماء ہماری نظر سے گذری ہیں

اس اصول تحقیق کی بنیاد خود قرآن مجید نے قائم کر دی ہے،

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ	مسلمانو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے
فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا (حجرات۔۱)	تو تم اچھی طرح اس کی تحقیق کر لو،

حدیث ذیل بھی اس کی مؤید ہے،

کفی بالمرء کذبا ان یحدث	آدمی کے جھوٹے ہونے کی یہ کافی دلیل ہے
بکل ما سمع	کہ جو کچھ سنے روایت کر دے،

دوسرا اصول درایت

تحقیق واقعات کا دوسرا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے عقلی شہادت کے مطابق بھی ہے، یا نہیں؟

درایت کی ابتداء یہ اصول بھی درحقیقت قرآن مجید ہی نے قائم کر دیا تھا حضرت عائشہ رضؓ پر جب منافقین نے تہمت لگائی، تو اس طرح اس خبر کو مشہور کیا، کہ بعض صحابہ تک مغالطہ میں آ گئے، چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے، کہ حضرت حسانؓ بھی قاذفین میں شریک تھے، اور اسی بنا پر حد قذف جاری کی گئی، قرآن مجید میں بھی اس کی تصریح ہے،

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْکِ عُصْبَۃٌ	جن لوگوں نے تہمت لگائی، وہ تمہارے
مِّنْکُمْ (نور۔۲)	گروہ ہی سے ہیں

Marfat.com

تفسیر جلالین میں مِنْکُمْ کی تفسیر حسب ذیل کی ہے،

جَمَاعَۃٌ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ — یعنی یہ تہمت لگانے والے مسلمانوں کا ایک گروہ ہے

قرآن مجید کی آیتیں حضرت عائشہؓ کی برأت اور طہارت کے متعلق جو نازل ہوئیں ان میں سے ایک یہ ہے،

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْہُ قُلْتُمْ مَّا یَکُوْنُ — اور جب تم نے سُنا تو کیوں نہیں کہہ دیا، کہ

لَنَآ اَنْ نَّتَکَلَّمَ بِھٰذَا سُبْحَانَکَ — ہم کو ایسی بات بولنا مناسب نہیں، سبحان

ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ (نور۔۲) — اللہ یہ بڑا بہتان ہے،

عام اصول کی بنا پر اس خبر کی تحقیق کا یہ طریقہ تھا، کہ پہلے راویوں کے نام دریافت کئے جاتے، پھر دیکھا جاتا، کہ وہ ثقہ اور صحیح الروایۃ ہیں یا نہیں، پھر ان کی شہادت لی جاتی لیکن خدا نے اس آیت میں فرمایا، کہ سننے کے ساتھ تم نے کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہ بہتان ہے،

اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے، کہ اس قسم کا خلافِ قیاس جو واقعہ بیان کیا جائے قطعاً سمجھ لینا چاہیئے، کہ غلط ہے،

اس طرزِ تحقیق یعنی درایت کی ابتدا خود صحابہؓ کے عہد میں ہو چکی تھی،

فقہا میں بعض اس بات کے قائل ہیں، کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے جب اس مسئلہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا اگر یہ صحیح ہو تو اس پانی کے پینے سے بھی وضو ٹوٹ جائیگا جو آگ پر گرم کیا گیا ہو، حضرت عبداللہ بن عباسؓ

[1] صحیح ترمذی باب الوضوء

Marfat.com

عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ کو ضعیف الروایۃ نہیں سمجھتے تھے لیکن چونکہ ان کے نزدیک یہ روایت درایت کے خلاف تھی، اس لئے انہوں نے تسلیم نہیں کی، اور یہ خیال کیا کہ سمجھنے میں غلطی ہوگئی ہوگی،

جب حدیثوں کی تدوین شروع ہوئی، تو محدثین نے درایت کے اصول بھی منضبط کئے، جن میں سے بعض یہ ہیں،

قال ابن الجوزی وکل حدیث رأیتہ	ابن جوزی نے کہا ہے کہ جس حدیث کو دیکھو کہ عقل یا
یخالف العقول او یناقض الاصول	اصول مسلمہ کے خلاف ہے تو جان لو کہ وہ مصنوعی ہے اس کی
فاعلم انہ موضوع فلا یتکلف اعتبار	نسبت اس بحث کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی
ای لا تعتبر رواتہ ولا تنظر فی	معتبر ہیں یا غیر معتبر اسی طرح سے وہ حدیث قابل اعتبار
جرحہم او یکون مما یدفعہ الحس	نہیں جو محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو اور تاویل
والمشاھدۃ او مباینا لنص الکتاب و	کی گنجایش نہ رکھتی ہو، یا وہ حدیث جس میں ذرا سی بات
السنۃ المتواترۃ او الاجماع القطعی	پر سخت عذاب کی دھمکی ہو یا معمولی کام پر بہت بڑا ثواب
حیث لا یقبل شئی من ذلک التاویل	کا وعدہ ہو (اس قسم کی حدیثیں واعظوں اور سوقیوں کے
او یتضمن الافراط بالوعید الشدید	ہاں بہت پائی جاتی ہیں) یا وہ حدیث جس میں لغویت
علی الامر الیسیر او بالوعد العظیم	پائی جائے، مثلاً یہ حدیث کہ کدو کو بغیر ذبح کئے
علی الفعل الیسیر وھذا الاخیر کثیر	نہ کھاؤ، اس لئے بعض محدثین نے لغویت کو
موجود فی حدیث القصاص والطرقیۃ	راوی کے کذب کی دلیل قرار دیا ہے، یہ تمام قرینے

لہ فتح المغیث مطبوعہ لکھنؤ ص۱۱۴ افسوس یہ ہے کہ یہ کتاب نہایت غلط چھپی ہے، اس لئے بعض عبارتیں ہم نے اسی نسخہ کے مراتق غلط نقل کی ہیں، یہ اصول خود ابن جوزی کے قائم کردہ نہیں ہیں، بلکہ ابن جوزی نے محدثین کے اصول کو نقل کر دیا ہے،

Marfat.com

ومن ركة المعنى لا تاكلوا القرعة حتى
تنضجوها ولن اجعل بعضهم ذلك
دليلا على كذب راويه وكل هذا
من القرائن في المروي وقد يكون
في الراوي كقصة غياث مع المهدي
او انفراده عن لم يذكر بما لم
يوجد عند غيرهما او انفراده بشيء
مع كونه مما يلزم المكلفين علمه
وقطع العذر فيه كما قرره الخطيب
في اول الكفاية او بامره جسيم
يتوفر الدواعي على نقله كحصر عدو
الحاج عن البيت،

خود روایت سے متعلق ہیں، اور کبھی یہ قرائن راوی
کے متعلق ہوتے ہیں، مثلاً غیاث کا واقعہ خلیفہ
مہدی کے ساتھ یا جب کہ راوی کوئی ایسی حدیث
بیان کرے جو کسی نے نہ بیان کی ہو اور خود راوی جس
سے روایت کرتا ہے، اس سے ملا نہ ہو یا وہ
حدیث جس کو ایک ہی راوی بیان کرتا ہے، حالانکہ بات
ایسی ہے کہ اس سے اوروں کو بھی مطلع ہونا ضرور
تھا، جیسا کہ خطیب بغدادی نے کتاب الکفایہ کے
شروع میں اس کی تصریح کی ہے، یا وہ روایت جس میں
کسی عظیم الشان واقعہ کا ذکر ہے، کہ اگر وہ واقع ہوا ہوتا تو
سینکڑوں آدمی اس کو بیان کرتے، مثلاً یہ واقعہ کہ کسی
دشمن نے حاجیوں کو کعبہ کے حج سے روک دیا۔

روایت کے اصول

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ حسب ذیل صورتوں میں روایت اعتبار کے قابل نہ ہوگی، اور اس کے متعلق اس تحقیق کی ضرورت نہیں، کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا نہیں،

۱۔ جو روایت عقل کے مخالف ہو،

۲۔ جو روایت اصول مسلمہ کے خلاف ہو،

۳۔ محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو،

Marfat.com

۴۔ قرآن مجید یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے خلاف ہو، اور اس میں تاویل کی کچھ گنجائش نہ ہو،

۵۔ جس حدیث میں معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو،

۶۔ معمولی کام پر بہت بڑے انعام کا وعدہ ہو،

۷۔ وہ روایت رکیک المعنی ہو مثلاً کدو کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ

۸۔ جو راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہے کہ کسی اور نے نہیں کی، اور یہ راوی اس شخص سے نہ ملا ہو،

۹۔ جو روایت ایسی ہو کہ تمام لوگوں کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہو باایں ہمہ ایک راوی کے سوا کسی اور نے اس کی روایت نہ کی ہو،

۱۰۔ جس روایت میں ایسا قابل اعتنا واقعہ بیان کیا گیا ہو، کہ اگر وقوع میں آتا تو سیکڑوں آدمی اس کو روایت کرتے، باوجود اس کے صرف ایک ہی راوی نے اس کی روایت کی ہو۔

ملا علی قاری نے موضوعات کے خاتمہ میں حدیثوں کے نامعتبر ہونے کے چند اصول تفصیل سے لکھے ہیں اور ان کی مثالیں نقل کی ہیں ہم اس کا خلاصہ اس موقع پر نقل کرتے ہیں،

۱۔ جس حدیث میں فضول باتیں ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نہیں نکل سکتیں، مثلاً یہ کہ "جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے، خدا اس کلمہ سے ایک پرند پیدا کرتا ہے جس کی ستر زبانیں ہوتی ہیں، ہر زبان میں ستر ہزار لغت ہوتے ہیں" الخ

۲۔ وہ حدیث جو مشاہدہ کے خلاف ہو، مثلاً یہ حدیث کہ "بیگن کھانا ہر مرض کی دوا ہے"

(باقی صفحہ ۹۲ تا خاتمہ کتاب

Marfat.com

۳۔ وہ حدیث جو صریح حدیثوں کے مخالف ہو،

۴۔ جو حدیث واقع کے خلاف ہو، مثلاً یہ کہ "دھوپ میں رکھے ہوئے پانی سے غسل نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے"

۵۔ وہ حدیث جو انبیاء علیہم السلام کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو، مثلاً یہ حدیث کہ "تین چیزیں نظر کو ترقی دیتی ہیں، سبزہ زار، آب رواں، خوبصورت چہرہ کا دیکھنا"

۶۔ وہ حدیثیں جن میں آیندہ واقعات کی پیشین گوئی بقید تاریخ مذکور ہوتی ہے، مثلاً یہ کہ فلاں سنہ اور فلاں تاریخ میں یہ واقعہ پیش آئے گا"

۷۔ وہ حدیثیں جو طبیبوں کے کلام سے مشابہ ہیں، مثلاً یہ کہ "ہریسہ کے کھانے سے، قوت آتی ہے" یا یہ کہ "مسلمان شیریں ہوتا ہے، اور شیرینی پسند کرتا ہے"

۸۔ وہ حدیث جس کے غلط ہونے کے دلائل موجود ہیں، مثلاً "عوج بن عنق کا قد تین ہزار گز کا تھا،

۹۔ وہ حدیث جو صریح قرآن کے خلاف ہو، مثلاً دنیا کی عمر سات ہزار برس کی ہے، کیونکہ اگر یہ روایت صحیح ہو، تو یہ شخص بتادے گا، کہ قیامت کے آنے میں اس قدر دیر ہے حالانکہ قرآن سے ثابت ہے، کہ قیامت کا وقت کسی کو معلوم نہیں،

۱۰۔ وہ حدیثیں جو خضر علیہ السلام کے متعلق ہیں،

۱۱۔ جس حدیث کے الفاظ رکیک ہوں

۱۲۔ وہ حدیثیں جو قرآن مجید کی الگ الگ سورتوں کے فضائل میں وارد ہیں، حالانکہ

یہ حدیثیں تفسیر بیضاوی اور کشاف وغیرہ میں منقول ہیں،

ان اصول سے محدثین نے اکثر جگہ کام لیا، اور ان کی بنا پر بہت سی روایتیں رد کر دیں مثلاً ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کو جزیہ سے معاف کر دیا تھا، اور معافی کی دستاویز لکھوا دی تھی"۔ ملا علی قاری اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں، کہ یہ روایت مختلف وجوہ سے باطل ہے،

۱۔ اس معاہدہ پر سعدؓ بن معاذ کی گواہی بیان کی جاتی ہے، حالانکہ وہ غزوہ خندق میں وفات پا چکے تھے،

۲۔ دستاویز میں کاتب کا نام معاویہ ہے، حالانکہ وہ فتح مکہ میں اسلام لائے،

۳۔ اس وقت تک جزیہ کا حکم ہی نہیں آیا تھا، جزیہ کا حکم قرآن میں جنگِ تبوک کے بعد نازل ہوا ہے،

۴۔ دستاویز میں تحریر ہے، کہ" یہودیوں سے بیگار نہیں لی جائے گی، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بیگار کا رواج ہی نہ تھا،

۵۔ خیبر والوں نے اسلام کی سخت مخالفت کی تھی، ان سے جزیہ کیوں معاف کیا جاتا،

۶۔ عرب کے دور دراز حصوں میں جب جزیہ معاف نہیں ہوا، حالانکہ ان لوگوں نے چنداں مخالفت اور دشمنی نہیں کی تھی، تو خیبر والے کیونکر معاف ہو سکتے تھے،

۷۔ اگر جزیہ انکو معاف کر دیا گیا ہوتا، تو یہ اس بات کی دلیل تھی، کہ وہ اسلام کے ہواخواہ اور دوست اور واجب الرعایۃ ہیں، حالانکہ چند روز کے بعد خارج البلد کر دیئے گئے

Marfat.com

تبصرہ

سیرت کی یہ ایک سادہ اور اجمالی تاریخ تھی، اب ہم اس پر مختلف پہلوؤں سے نظر ڈالنا چاہتے ہیں،

سیرت پر اگرچہ آج بھی سیکڑوں تصنیفیں موجود ہیں، لیکن سب کا سلسلہ جاکر صرف تین چار کتابوں پر منتہی ہوتا ہے، سیرت ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد، طبری ان کے علاوہ جو کتابیں ہیں، وہ ان سے متاخر ہیں، اور ان میں جو واقعات مذکور ہیں، زیادہ تر ان ہی کتابوں سے لئے گئے ہیں (کتب حدیث کا جو ٹکڑا ہے، اس سے اس مقام پر بحث نہیں) اس بنا پر ہم کو مذکورہ بالا کتابوں پر زیادہ تفصیل اور تدقیق سے نظر ڈالنی چاہیے،

ان میں سے واقدی تو بالکل نظر انداز کر دینے کے قابل ہے، محدثین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ وہ خود اپنے جی سے روایتیں گھڑتا ہے، اور حقیقت میں واقدی کی تصنیف خود اس بات کی شہادت ہے، ایک ایک جزئی واقعہ کے متعلق جس قسم کی گوناگوں اور دلچسپ تفصیلیں وہ بیان کرتا ہے، آج کوئی بڑا سے بڑا واقعہ نگار چشم دید واقعات اس طرح قلمبند نہیں کر سکتا،

واقدی کے سوا باقی اور تینوں مصنفین اعتبار کے قابل ہیں، ابن اسحاق کی نسبت اگرچہ امام مالک اور بعض محدثین نے جرح کی ہے، تاہم ان کا یہ رتبہ ہے، کہ امام بخاری نے اپنے رسالہ "جزء القراۃ" میں ان کی سند سے روایتیں نقل کرتے ہیں اور ان کو صحیح سمجھتے ہیں، ابن سعد اور طبری

ہیں کسی کو کلام نہیں لیکن افسوس ہے، کہ ان لوگوں کا مستند ہونا، ان کی تصنیفات کے مستند ہونے پر چنداں اثر نہیں ڈالتا، یہ لوگ خود شریک واقعہ نہیں، اس لئے جو کچھ بیان کرتے ہیں اور راویوں کے ذریعہ سے بیان کرتے ہیں لیکن ان کے بہت سے رواۃ ضعیف الروایۃ اور غیر مستند ہیں، اس کے علاوہ ابن اسحاق کی اصل کتاب (ہندوستان میں) موجود نہیں، ابن ہشام نے ابن اسحاق کی کتاب کو ترتیب اور تہذیب کے بعد جس صورت میں بدل دیا وہی آج موجود ہے لیکن ابن ہشام نے ابن اسحاق کی کتاب کو زیاد بکائی کے واسطہ سے روایت کیا ہے، بکائی اگرچہ رتبہ کے شخص ہیں تاہم محدثین کے اعلیٰ معیار سے فروتر ہیں، ابن مدینی (امام بخاری کے استاد) کہتے ہیں، کہ "وہ ضعیف ہے" اور میں نے اس کو ترک کر دیا" ابو حاتم کہتے ہیں" وہ استناد کے قابل نہیں"۔ نسائی کہتے ہیں" وہ ضعیف ہے"

ابن سعد کی نصف سے زیادہ روایتیں واقدی کے ذریعہ سے ہیں، اس لئے ان روایتوں کا وہی رتبہ ہے، جو خود واقدی کی روایتوں کا ہے، باقی رواۃ میں سے بعض ثقہ ہیں اور بعض غیر ثقہ،

طبری کے بڑے بڑے شیوخ روایت مثلاً سلمۃ ابرش ابن سلمۃ وغیرہ ضعیف الروایۃ ہیں، اس بنا پر مجموعی حیثیت سے سیرت کا ذخیرہ کتب حدیث کا ہم پلہ نہیں، البتہ ان میں سے تحقیق و تنقید کے معیار پر جو اتر جائے، وہ حجت اور استناد کے قابل ہے،

کتب حدیث و سیرت میں فرق مراتب

سیرت کی کتابوں کی کم پایگی کی بڑی وجہ یہ ہے، کہ تحقیق اور تنقید کی ضرورت احادیث احکام کے ساتھ مخصوص کر دی گئی، یعنی وہ روایتیں تنقید کی زیادہ محتاج ہیں جن سے شرعی احکام

Marfat.com

ثابت ہوتے ہیں، باقی جو روایتیں سیرت اور فضائل وغیرہ سے متعلق ہیں، ان میں تشدد اور احتیاط کی چنداں حاجت نہیں، حافظ زین الدین عراقی جو بہت بڑے پایہ کے محدث ہیں، سیرت منظوم کے دیباچہ میں لکھتے ہیں،

ولیعلم الطالب ان السیرا	طالب کو جاننا چاہیئے کہ سیرت کی سبھی طرح
تجمع ما صح وقد انکرا	کی روایتیں ہوتی ہیں، صحیح بھی، اور غلط بھی،

یہی وجہ ہے، کہ مناقب اور فضائل اعمال میں کثرت سے ضعیف روایتیں شائع ہوگئیں اور بڑے بڑے علمار نے اپنی کتابوں میں ان روایتوں کا درج کرنا جائز رکھا، علامہ ابن تیمیہؒ کتاب التوسل[1] میں لکھتے ہیں،

فمن رواہ من صنف فی عمل یوم و	اس حدیث کو ان لوگوں نے روایت کیا ہے جنہوں
لیلۃ کابن السنی وابی نعیم وفی	نے رات دن کے اعمال میں کتابیں تصنیف کی ہیں
مثل ھذہ الکتب احادیث کثیرۃ	مثلاً ابن السنی اور ابو نعیم، اور اس قسم کی کتابوں میں کثرت
موضوعۃ لا یجوز الاعتماد علیھا فی	سے جھوٹی حدیثیں موجود ہیں جن پر اعتماد کرنا ناجائز ہے
الشریعۃ باتفاق العلماء	اور اس پر تمام علمار کا اتفاق ہے،

حاکم نے مستدرک میں یہ حدیث روایت کی ہے، کہ جب حضرت آدمؑ سے خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے کہا "اے خدا! میں تجھ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیتا ہوں، کہ میری خطا معاف کر دے" خدا نے کہا، تم نے محمد کو کیونکر جانا، حضرت آدمؑ نے کہا "میں نے سر اٹھا کر عرش کے پایوں پر نظر ڈالی، تو یہ الفاظ لکھے ہوئے دیکھے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اس سے میں نے قیاس

[1] مطبوعہ مطبعۃ المنار صفحہ ۷۹۹

Marfat.com

کیا، کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ جس شخص کا نام ملایا ہے، وہ ضرور تجھ کو محبوب ترین خلق ہوگا"
خدا نے کہا "آدم تم نے سچ کہا، اور محمدؐ نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا بھی نہ کرتا" حاکم نے اس حدیث کو
نقل کر کے لکھا ہے، کہ یہ حدیث صحیح ہے، علامہ ابن تیمیہؒ حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں،۔

واما تصحیح الحاکم لمثل هذا الحدیث	حاکم کا اس قسم کی حدیثوں کو صحیح کہنا ائمہ حدیث نے
ومثاله فهذا مما انکره علیه ائمة العلم	اس پر انکار کیا ہے، اور کہا ہے کہ حاکم بہت سی
بالحدیث وقالوا ان الحاکم روی احادیث	جھوٹی اور موضوع حدیثوں کو صحیح کہتے ہیں، اسی طرح
وهی موضوعة مکذوبة عند اهل المعرفة	حاکم کی مستدرک میں بہت سی حدیثیں ہیں، جن کو
بالحدیث وکذلک احادیث کثیرة فی مستدرکه	حاکم نے صحیح کہا ہے، حالانکہ وہ ائمہ حدیث کے نزدیک
یصححها وهی عند اهل العلم بالحدیث موضوعة[1]	موضوع ہیں،

علامہ موصوف ایک اور موقع پر ابوالشیخ اصفہانی کی کتاب کا تذکرہ کر کے لکھتے ہیں، (ص ۱۰۵ ج ۱)

وفیها احادیث کثیرة قویة صحیحة	اور اس میں بہت سی حدیثیں ہیں جو قوی ہیں، اور
وحسنة واحادیث کثیرة ضعیفة	حسن ہیں، اور بہت سی ضعیف اور موضوع اور مہمل
موضوعة واهیة وکذلک ما یرویه	ہیں اور اسی طرح وہ حدیثیں جو خثیمہ بن سلیمان صحابہؓ
خثیمة بن سلیمان فی فضائل	کے فضائل میں روایت کرتے ہیں، اور وہ حدیثیں جو
الصحابة وما یرویه ابو نعیم	ابونعیم اصفہانی نے ایک مستقل کتاب میں، اور حلیۃ
الاصبهانی فی فضائل الخلفاء	الاولیاء کی ابتداء میں خلفاء کے فضائل میں روایت

[1] کتاب التوسل مطبوعۃ المنار صفحہ ۱۱ و نیز تذکرۃ الحافظ ذہبی، ترجمہ حاکم)

Marfat.com

فی کتاب مفرد فی اہل حلیۃ الاولیاء وما یرد بہ	کی ہیں، اور اسی طرح وہ روایتیں جو ابوبکر خطیب اور
ابوبکر الخطیب وابوالفضل بن ناصر وابوموسیٰ	ابوالفضل اور ابوموسیٰ مدینی اور ابن عساکر اور حافظ
المدینی وابوالقاسم بن عساکر والحافظ	عبدالغنی وغیرہ اور ان کے پایہ کے لوگ روایت
عبدالغنی وامثالہم ممن لہ معرفۃ بالحدیث	کرتے ہیں،

غور کرو، ابونعیم خطیب بغدادی، ابن عساکر، حافظ عبدالغنی وغیرہ حدیث اور روایت کے امام تھے، باوجود اس کے یہ لوگ خلفاء اور صحابہؓ کے فضائل میں ضعیف حدیثیں بے تکلف روایت کرتے تھے، اس کی وجہ یہی تھی، کہ یہ خیال عام طور پر پھیل گیا تھا، کہ صرف حلال و حرام کی حدیثوں میں احتیاط اور تحقیق کی ضرورت ہے، ان کے سوا اور روایتوں میں سلسلہ سند نقل کر دینا کافی ہے، تنقید اور تحقیق کی ضرورت نہیں،

موضوعاتِ ملا علی قاری میں لکھا ہے، کہ بغداد میں ایک واعظ نے یہ حدیث بیان کی، کہ "قیامت میں خدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا" امام ابن جریر طبری نے سنا، تو بہت برہم ہوئے، اور اپنے دروازہ پر یہ فقرہ لکھ کر لگا دیا، کہ "خدا کا کوئی ہم نشین نہیں" اس پر بغداد کے عوام سخت برافروختہ ہوئے، اور امام موصوف کے گھر پر اس قدر پتھر برسائے، کہ دیواریں ڈھک گئیں[1]،

اس موقع پر ایک خاص نکتہ لحاظ کے قابل ہے، یہ مسلم ہے، کہ حدیث و روایت میں امام بخاری اور مسلم سے بڑھ کر کوئی شخص کامل فن پیدا نہیں ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] موضوعات ملا علی قاری صفحہ ۱۳۔ مطبوعہ دہلی،

Marfat.com

کے ساتھ ان کو عقیدت اور خلوص اور شیفتگی تھی، اس کے لحاظ سے بھی وہ تمام محدثین پر ممتاز تھے باوجود اس کے فضائل و مناقب کے متعلق جس قسم کی مبالغہ آمیز روایتیں بیہقی، ابونعیم، بزار، طبرانی وغیرہ میں پائی جاتی ہیں، بخاری اور مسلم میں ان کا پتہ نہیں لگتا، بلکہ اس قسم کی حدیثیں، جو نسائی ابن ماجہ، ترمذی وغیرہ میں پائی جاتی ہیں، صحیحین میں وہ بھی مذکور نہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر تحقیق و تنقید کا درجہ بڑھتا جاتا ہے، مبالغہ آمیز روایتیں گھٹتی جاتی ہیں، مثلاً یہ روایت کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم وجود میں آئے، تو ایوان کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر پڑے آتش فارس بجھ گئی، بحیرہ طبریہ خشک ہو گیا بیہقی، ابونعیم، خرائطی، ابن عساکر، اور ابن جریر نے روایت کی ہے لیکن صحیح بخاری اور مسلم بلکہ صحاح ستہ کی کسی کتاب میں اس کا پتہ نہیں،

سیرت پر جو کتابیں لکھی گئیں، وہ زیادہ تر اسی قسم کی کتابوں (طبرانی، بیہقی، ابونعیم وغیرہ) سے ماخوذ ہیں، اس لئے ان میں کثرت سے کمزور روایتیں درج ہو گئیں، اور اسی بنا پر محدثین کو کہنا پڑا، کہ سیر میں ہر قسم کی روایتیں ہوتی ہیں،

محدثین نے جو اصول قرار دیئے تھے، سیرت کی روایتوں میں لوگوں نے اکثر نظر انداز کر دیئے، محدثین کا پہلا اصول یہ ہے کہ روایت کا سلسلہ اصل واقعہ تک کہیں منقطع نہ ہونے پائے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ولادت کے متعلق جس قدر روایتیں مذکور ہیں، اکثر منقطع ہیں، صحابہؓ میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت روایت کے قابل ہو سب سے معمر حضرت ابوبکرؓ ہیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں دو برس کم تھے، اسی بنا پر میلاد کے متعلق جس قدر روایتیں ہیں

Marfat.com

ان میں سے اکثر متصل نہیں، اور اسی بنا پر بہت دور از کار روایتیں پھیل گئیں، مثلاً ابونعیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی زبانی روایت کی ہے، کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو بہت سے پرند آکر مکان میں بھر گئے جن کی زمرد کی منقار اور یاقوت کے پر تھے پھر ایک سفید بادل آیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا لے گیا، اور ندا آئی کہ اس بچہ کو مشرق و مغرب اور تمام دریاؤں کی سیر کراؤ کہ سب لوگ پہچان لیں"

مغازی کا بڑا حصہ امام زہری سے منقول ہے لیکن ان کی اکثر روایتیں جو سیرت ابن ہشام اور طبقات ابن سعد وغیرہ میں مذکور ہیں منقطع ہیں،

تصانیف سیرت میں کتب احادیث کی طرف سے بے اعتنائی

۲۔ نہایت تعجب انگیز بات یہ ہے، کہ جن بڑے بڑے نامور مصنفین مثلاً امام طبری وغیرہ نے سیرت پر جو کچھ لکھا، اس میں اکثر جگہ مستند احادیث کی کتابوں سے کام نہیں لیا،

بعض واقعات نہایت اہم ہیں، ان کے متعلق حدیث کی کتابوں میں ایسے مفید معلومات موجود ہیں، جن سے تمام مشکل حل ہو جاتی ہے لیکن سیرت اور تاریخ میں ان معلومات کا ذکر نہیں، مثلاً یہ امر کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو لڑائی کی سلسلہ جنبانی کس کی طرف سے شروع ہوئی؟ ایک بحث طلب واقعہ ہے، تمام ارباب سیر اور مورخین کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے، کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا کی، لیکن سنن ابی داؤد میں صاف اور صریح حدیث موجود ہے، کہ جنگ بدر سے پہلے کفار مکہ نے عبداللہ بن ابی کو یہ خط لکھا کہ تم نے محمد کو اپنے شہر میں پناہ دی ہے، ان کو نکال دو،

[1] مواہب لدنیہ میں یہ روایت نقل کی گئی ہے، اس میں بیشمار مبالغہ آمیز باتیں ہیں، میں نے معمولی ٹھکرا نقل کر دیا ہے،

ورنہ ہم خود مدینہ آکر تمہارا، اور محمدؐ دونوں کا استیصال کر دیں گے۔ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں یہ واقعہ سرے سے منقول نہیں،

مصنفین سیرت میں سے بعض لوگوں نے اس نکتہ کو سمجھا، اور جب احادیث کی زیادہ چھان بین کی تو اس کو تسلیم کرنا پڑا، کہ سیرت کی کتابوں میں بہت سی روایتیں صحیح حدیثوں کے خلاف درج ہو گئی ہیں، لیکن چونکہ ان کی تصنیف پھیل چکی تھی، اس لئے اس کی اصلاح نہ ہو سکی، حافظ ابن حجر ایک موقعہ پر دمیاطی کا ایک قول نقل کر کے لکھتے ہیں،

ودل هذا على انه كان يعتقد الرجوع عن كثير مما وافق فيه اهل السير وخالف الاحاديث الصحيحة وان ذلك كان من قبل تفصله منها و لخروج نسخ كتابه وانتشاره لم يتمكن من تغيرة[2]	یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے، کہ اکثر واقعات جن میں دمیاطی نے اہل سیر کی موافقت اور صحیح حدیثوں کی مخالفت کی تھی، اپنی رائے سے رجوع کیا، لیکن چونکہ کتاب کے نسخے پھیل گئے تھے، اس لئے اس کی اصلاح نہ کر سکے۔

۳۔ سیرت میں اگلوں نے جو کتابیں لکھیں، ان سے مابعد کے لوگوں نے جو روایتیں نقل کیں، انہی کے نام سے کیں، ان کے مستند ہونے کی بنا پر لوگوں نے ان تمام روایتوں کو معتبر سمجھ لیا، اور چونکہ اصل کتابیں ہر شخص کو ہاتھ نہیں آسکتی تھیں، اس لئے لوگ راویوں کا پتہ نہ لگا سکے، اور رفتہ رفتہ یہ روایتیں تمام کتابوں میں داخل ہو گئیں، اس تساہل کا یہ نتیجہ ہوا، کہ مثلاً جو روایتیں واقدی کی کتاب میں مذکور ہیں، ان کو لوگ غلط سمجھنے ہیں

[2] کے موقع پر ہم اس حدیث کے اصل الفاظ نقل کریں گے۔ [1] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۱۱

لیکن انہیں روایتوں کو جب ابن سعد کے نام سے نقل کر دیا جاتا ہے، تو لوگ ان کو معتبر سمجھتے ہیں، حالانکہ ابن سعد کی اصلی کتاب ہاتھ آئی، تو پتہ لگا، کہ ابن سعد نے اکثر روایتیں واقدی ہی سے لی ہیں

اصول روایت سے جگہ کام نہیں لیا گیا،

۴- روایت کے متعلق جو اصول منضبط ہوئے، صحابہؓ کے متعلق ان سے بعض بعض موقعوں پر کام نہیں لیا گیا، مثلاً اصول روایت کی رو سے رواۃ کے مختلف مدارج ہیں، کوئی راوی نہایت ضابط، نہایت معنی فہم، نہایت دقیقہ رس ہوتا ہے، کسی میں یہ اوصاف کم ہوتے ہیں، کسی میں اور بھی کم ہوتے ہیں، یہ فرق مراتب جس طرح فطرۃً عام راویوں میں پایا جاتا ہے، صحابہؓ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، حضرت عائشہؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت پر، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت پر جو تنقیدیں کیں، اور جن کا ذکر اوپر گذر چکا، اسی بنا پر کیں،

اختلاف مراتب کی بنیاد پر بڑے بڑے معرکۃ الآرا مسائل کی بنیاد قائم ہے، مثلاً دو روایتوں میں تعارض پیش آجائے، تو اس بحث کے فیصلہ میں صحیح طریقہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایک روایت کے راویوں کا دوسری روایت کے راویوں سے عالی رتبہ ہونا ثابت کر دیا جائے (گو دونوں راوی ثقہ ہیں) اور یہ اس روایت کی ترجیح کا قطعی ذریعہ ہوگا لیکن صحابہؓ میں آکر یہ اصول بیکار ہو جاتا ہے، فرض کرو ایک روایت صرف حضرت عمرؓ ہی سے مروی ہے، اور دوسری کسی بدوی عرب سے مروی ہے جس نے عمر بھر میں صرف ایک دفعہ اتفاقاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا تھا، تو اب دونوں روایتوں کا رتبہ برابر

ہوجاتا ہے، علامہ مازری مشہور محدث ہیں، علامہ نووی شرح صحیح مسلم میں اکثر ان سے استناد کرتے ہیں، انہوں نے اس تعمیم کی مخالفت کی تھی، چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابہ کے دیباچہ (صفحہ ۱۰ و ۱۱) میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے،

لسنا نعنی بقولنا الصحابۃ عدول کل	یہ مقولہ کہ صحابہ سب عادل ہیں ہم اس سے ہر ایسے شخص کو
من راہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما ما او	مراد نہیں لیتے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتفاقاً
زارہ لماما او اجتمع بہ لغرض و	دیکھ لیا ہو، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی غرض کے
انصرف عن کتب وانما نعنی بہ الذین	لئے ملا اور پھر فوراً واپس چلا گیا، بلکہ ہم ان لوگوں کو مراد
لازموہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا	لیتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں التزام
النور الذی انزل معہ اولئک ھم	رہے اور آپکی اعانت و مدد کی اور اس نور کی پیروی کی، جو
المفلحون ۔ ○	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا یہی لوگ کامیاب ہیں،

لیکن محدثین نے مازری کے اس قول سے عام مخالفت کی، علامہ مازری نے بے شبہ یہ غلطی کی کہ عدالت کے وصف کو مطلقاً مقربین صحابہؓ سے مخصوص کر دیا، اس بنا پر محدثین کی مخالفت ان سے بیجا نہیں، لیکن اس میں کیا شبہ ہو سکتا ہے، کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و علیؓ کی روایتیں ایک عام بدوی کی روایت کے برابر نہیں ہو سکتیں، خصوصاً ان روایتوں کے متعلق یہ فرق ضرور ملحوظ رکھنا چاہیئے جو فقہی مسائل یا دقیق مطالب سے تعلق رکھتی ہیں،

واقعات میں سلسلہ علت و معلول نہیں قائم کیا گیا

۵۔ ارباب سیر اکثر واقعات کے اسباب و علل سے بحث نہیں کرتے، نہ ان کی تلاش و تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اگرچہ اس میں شبہ نہیں، کہ اس باب میں یورپ

Marfat.com

کا طریقہ نہایت غیر معتدل ہے، یورپین مورخ ہر واقعہ کی علت تلاش کرتا ہے، اور نہایت دور دراز قیاسات اور احتمالات سے سلسلۂ معلولات پیدا کرتا ہے، اس میں بہت کچھ اس کی خود غرضی اور خاص مطمح نظر کو دخل ہوتا ہے، وہ اپنے مقصد کو ایک محور بنا لیتا ہے تمام واقعات اسی کے گرد گردش کرتے ہیں، بخلاف اس کے اسلامی مورخ نہایت سچائی اور انصاف اور خاص بے طرفداری سے واقعات کو ڈھونڈھتا ہے، اس کو اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی، کہ واقعات کا اثر اس کے مذہب پر معتقدات پر اور تاریخ پر کیا پڑے گا اس کا قبلہ مقصد صرف واقعیت ہوتی ہے، وہ اس پر اپنے معتقدات اور قومیت کو بھی قربان کر دیتا ہے،

لیکن اس میں حد سے زیادہ تفریط ہو گئی، اس بات سے بچنے کے لئے کہ واقعات رائے سے مخلوط نہ ہو جائیں، وہ پاس پاس کے ظاہری اسباب پر بھی نظر نہیں ڈالتا، اور ہر واقعہ کو خشک اور ادھورا چھوڑ دیتا ہے، مثلاً اکثر لڑائیوں کو اس طرح شروع کرتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں قبیلہ پر فلاں وقت فوجیں بھیج دیں، لیکن اس کے اسباب کا ذکر مطلق نہیں کرتے جس سے عام ناظرین پر یہ اثر پڑتا ہے، کہ کفار پر حملہ کرنے اور ان کو تباہ برباد کرنے کے لئے کسی سبب اور وجہ کی ضرورت نہیں، صرف یہ عام وجہ کافی ہے کہ وہ کافر ہیں، اسی سے مخالفین یہ استدلال کرتے ہیں، کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے حالانکہ زیادہ چھان بین سے ثابت ہوتا ہے، کہ جن قبائل پر فوجیں گئیں، وہ پہلے سے آمادہ جنگ اور مسلمانوں پر حملہ کی تیاریاں کر چکے تھے،

Marfat.com

نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار نہیں قائم کیا گیا

۶۔ یہ لحاظ رکھنا ضرور ہے، کہ واقعہ کی نوعیت کے بدلنے سے شہادت اور روایت کی حیثیت کہاں تک بدل جاتی ہے، مثلاً ایک راوی جو ثقہ ہے، ایک ایسا معمولی واقعہ بیان کرتا ہے، جو عموماً پیش آتا ہے، اور پیش آسکتا ہے، تو بے تکلف یہ روایت تسلیم کرلی جائیگی لیکن فرض کرو، وہی راوی ایسا واقعہ بیان کرتا ہے جو غیر معمولی ہے، تجربہ عام کے خلاف ہے، گردوپیش کے واقعات سے مناسبت نہیں رکھتا، تو واقعہ چونکہ زیادہ محتاج ثبوت ہے، اس لئے اب راوی کا معمولی درجۂ وثوق کافی نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کو معمولی درجہ سے زیادہ عادل، زیادہ محتاط، زیادہ نکتہ دان ہونا چاہیئے،

مثلاً ایک بحث یہ ہے، کہ روایت کرنے کے لئے کسی عمر کی قید ہے یا نہیں؟ اکثر محدثین کا مذہب ہے، کہ ۵ برس کا لڑکا حدیث کی روایت کرسکتا ہے، یا مثلاً اگر کسی صحابی نے ۵ برس کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول یا فعل کی روایت کی، تو قابل اعتبار ہوگی، محدثین کا اس پر استدلال ہے، کہ محمود بن الربیعؓ ایک صحابی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات فرمانے کے وقت وہ پانچ برس کے بچے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اظہار محبت کے طور پر ان کے منہ پر کلی کا پانی ڈال دیا تھا، اس واقعہ کو انہوں نے جوان ہوکر لوگوں سے بیان کیا، اور سب نے یہ روایت قبول کی، اس سے ثابت ہوا کہ ۵ برس کی عمر کی روایت قبول ہوسکتی ہے،

اس کے برخلاف بعض محدثین کی رائے ہے، کہ کم سن کی روایت قابل حجت نہیں، فتح المغیث میں ہے،

فتح المغیث صفحہ ۱۶۶ تا ۱۶۸ میں ہے۔

ولکن قد منع قوم القبول هنا ای فی مسئلة الصبی خاصة فلم یقبلوا من تحمل قبل البلوغ لان الصبی مظنة عدم الضبط وهو وجه للشافعیة، ولکن کان ابن المبارک یتوقف فی تحدیث الصبی (کتاب مذکور ص۱۶۴)

(لیکن ایک جماعت یہاں قبول روایت سے منع کرتی ہے خصوصاً بچوں کی روایت کے مسئلہ میں، بلوغ سے پہلے جو روایت کسی بچہ نے سنی ہو، اس کو وہ قبول نہیں کرتی، شوافع کی یہی رائے ہے، اسی طرح عبداللہ بن مبارک بھی بچہ کی روایت حدیث کرنے میں توقف کرتے ہیں)

لیکن اثبات ونفی دونوں پہلو بحث طلب ہیں، بے شبہ ۵ برس کا بچہ اگر یہ واقعہ بیان کرے، کہ میں نے فلاں شخص کو دیکھا تھا، اس کے سر پر بال تھے، یا وہ بوڑھا تھا، یا اس نے مجھ کو گودیوں میں کھلایا تھا، تو اس روایت میں شبہ کرنے کی وجہ نہیں، لیکن فرض کرو وہی بچہ یہ بیان کرتا ہے، کہ فلاں شخص نے فقہ کا یہ دقیق مسئلہ بتایا تھا، تو شبہ ہوگا، کہ بچہ نے صحیح طور سے مسئلہ کو سمجھا بھی تھا یا نہیں؟

فقہاء نے اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے، فتح المغیث میں شرح مہذب سے نقل کیا ہے

قبول اخبار الصبی المیز فیما طریقه المشاهدة بخلاف ما طریقه النقل کالافتاء وروایة الاخبار ونحوه (نسخہ مطبوعہ لکھنؤ ص۱۲۲)

(ممیز لڑکے کی روایت ان واقعات کے متعلق مقبول ہے، جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہوں، لیکن جو باتیں نقلیات میں داخل ہیں مثلاً فتویٰ یا حدیث کی روایت ان میں ان کی روایت مقبول نہیں،

لیکن عام طور سے یہ اصول تسلیم نہیں کیا گیا، فتح المغیث میں ہے،

Marfat.com

ثم الضبط نوعان ظاهر وباطن فالظاهر
ضبط معناه من حيث اللغة والباطن
ضبط معناه من حيث تعلق الحكم
الشرعي به وهو الفقه ومطلق
الضبط الذي هو شرط في الراوي
هو الضبط ظاهرا عند الاكثر لانه
يجوز نقل الخبر بالمعنى فيلحقه
تهمة تبديل المعنى بروايته قبل
الحفظ او قبل العلم حين سمع و
لهذا المعنى قلت الرواية عن اكثر
الصحابة لتعذر هذا المعنى قال وهذا
الشرط وان كان على ما بينا فان اصحاب
الحديث قل ما يعتبرونه في حق
الطفل دون المغفل فانه متى صح
عندهم سماع الطفل او حضوره
اجازوا روايته (ص ١٢)

پھر ضبط[1] کی دو قسمیں ہیں، ظاہری اور باطنی، ظاہری
کے یہ معنی ہیں، کہ لفظ کے لغوی معنی کا لحاظ رکھا جائے
باطنی کے یہ معنی، کہ شرعی حکم جس بنا پر متعلق ہے اس
کا لحاظ رکھا جائے، اس کو فقہ کہتے ہیں، لیکن
مطلقاً جو ضبط راوی کے لئے مشروط ہے، اکثروں
کے نزدیک وہ صرف ظاہری ضبط ہے، کیونکہ ان
لوگوں کے نزدیک روایت بالمعنی جائز ہے، اسی بنا
پر سنتے وقت قلت حفظ، یا قلت علم کے سبب سے
روایت کے ادا کرنے میں راوی پر مفہوم کے بدل
دینے کا شبہ ہو سکتا ہے، یہ وجہ ہے کہ اکثر صحابہؓ نے
بہت کم حدیثیں روایت کیں، کیونکہ مفہوم کا بعینہٖ
روایت میں قائم رکھنا مشکل ہے لیکن محدثین، بچہ کے
حق میں (بے عقل کے حق میں نہیں) اس کا اعتبار
نہیں کرتے، بلکہ بچہ ان کے نزدیک جب سننے اور
مجلس میں شریک ہونے کے قابل ہو گیا، تو اس کی
روایت کو جائز سمجھتے ہیں،

[1] ضبط کا لفظ محدثین کی ایک اصطلاح ہے، جس کے معنی ہیں کسی روایت کے الفاظ اور مطلب کو اچھی طرح سمجھنا اور ادا کرنا،

Marfat.com

ایک یہ بحث ہے، کہ جو صحابہؓ فقیہ نہ تھے، ان کی روایت اگر قیاس شرعی کے خلاف ہو، تو واجب العمل ہوگی یا نہیں؟ اس کے متعلق بحر العلوم، امام فخر الاسلام کا مذہب نقل کر کے لکھتے ہیں،

ووجہ قول الامام فخر الاسلام ان النقل بالمعنی شائع وقلما یوجد النقل باللفظ فان حادثۃ واحدۃ قد رویت بعبارات مختلفۃ ثم ان تلک العبارات لیست مترادفۃ بل قد روی ذلک المعنی بعبارات مجازیۃ فاذا کان الراوی غیر فقیہ احتمل الخطاء فی فہم المعنی المرادی الشرعی ولا یلزم منہ نسبۃ الکذب متعمدا الی الصحابی معاذ اللہ عن ذلک (شرح مسلم مطبوعہ لکھنؤ ص ۴۳۲)	امام فخر الاسلام کے قول کی وجہ یہ ہے کہ روایت بالمعنی عام طور پر شایع ہے، اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ روایت باللفظ کی جائے، کیونکہ ایک ہی واقعہ مختلف الفاظ میں ادا کیا گیا ہے، اور یہ الفاظ باہم مترادف بھی نہیں، بلکہ اکثر مجازی عبارتوں میں مطالب ادا کئے گئے ہیں، اس بنا پر جب راوی فقیہ نہ ہوگا، تو احتمال ہوگا، کہ اس نے مطلب مقصود شرعی کے سمجھنے میں غلطی کی ہو، اس سے معاذ اللہ یہ لازم نہیں آتا، کہ صحابی کی طرف جھوٹ کی نسبت کی جائے،

محدثین اس اصول سے، کہ "واقعہ جس درجہ کا اہم ہو، شہادت بھی اسی درجہ کی اہم ہونی چاہیئے" بے خبر نہ تھے، امام بیہقی کتاب المدخل میں ابن مہدی کا قول نقل کرتے ہیں،

اذا روینا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم	جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال و

Marfat.com

فی الحلال والحرام والاحکام شددنا فی	حرام اور احکام کے متعلق حدیث روایت کرتے ہیں تو
الاسانید وانتقدنا فی الرجال واذا	سندیں نہایت تشدد کرتے ہیں، اور راویوں کو پرکھ
روینا فی الفضائل والثواب والعقاب	لیتے ہیں لیکن جب فضائل اور ثواب وعقاب کی
سہلنا فی الاسانید وتسامحنا فی	حدیثیں آتی ہیں، تو ہم سندوں میں سہل انگاری کرتے اور
الرجال (فتح المغیث ص ۱۲۰)	راویوں کے متعلق چشم پوشی کرتے ہیں،

امام احمد بن حنبل کا قول ہے۔

ابن اسحٰق رجل تکتب عنہ ھذہ الاحادیث	ابن اسحاق اس درجہ کے آدمی ہیں، کہ مغازی وغیرہ کی
یعنی المغازی ونحوھا واذا جاء الحلال	حدیثیں ان سے روایت کی جاسکتی ہیں لیکن جب حلال و
والحرام اردنا قوما ھکذا وقبض اصابع	حرام کے مسائل آئیں، تو ہم کو ایسے لوگ درکار ہیں، یہ کہہ
یدیہ الاربع (فتح المغیث ص ۱۲۰)	کر انہوں نے چار انگلیاں بند کرکے دبالیں،

اس سے ثابت ہوا، کہ محدثین واقعہ کی اہمیت کی بنا پر راوی کے درجہ کا لحاظ رکھتے تھے اسی بنا پر ابن اسحاق کی نسبت امام احمد بن حنبل نے یہ تفریق کی، کہ "حلال وحرام میں انکی شہادت معتبر نہیں لیکن مغازی میں ان کا اعتبار ہے"۔ یہ وہی اصول ہے، کہ جس درجہ کا واقعہ ہو اسی درجہ کی شہادت ہونی چاہیئے، اور یہ کہ واقعہ کے بدلنے سے شہادت کی اہمیّت بدل جاتی ہے لیکن واقعہ کی اہمیّت احکام فقہیہ کے ساتھ مخصوص نہیں،

نوعیت واقعہ کی اہمیّت کا خیال فقہائے حنفیہ نے ملحوظ رکھا، اسی بنا ران کا مذہب ہے، کہ جو روایت قیاس کے خلاف ہو، اس کی نسبت یہ دیکھنا چاہیئے، کہ راوی فقیہ اور

Marfat.com

مجتہد بھی ہے یا نہیں، منار ہیں،

والراوی ان عرف بالفقہ والتقدم فی الاجتہاد کالخلفاء الراشدین والعبادلۃ کان حدیثہ حجۃ یترک بہ القیاس خلافا لمالک وان عرف بالعدالۃ والضبط دون الفقہ کانس وابی ھریرۃ ان وافق حدیثہ القیاس عمل بہ وان خالفہ لم یترک الا بالضرورۃ (نور الانوار ص ۱۷۶ و ۱۷۷)

راوی اگر تفقہ اور اجتہاد میں مشہور ہے، جیسے کہ خلفائے راشدینؓ یا عبادلہؓ تھے، تو اس کی حدیث حجت ہوگی، اور اس کے مقابلہ میں قیاس چھوڑ دیا جائیگا (بخلاف امام مالک کے) اور اگر راوی ثقہ اور عادل ہے لیکن فقیہ نہیں، جیسے حضرت انسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ ہیں، تو اگر وہ روایت قیاس کے موافق ہوگی، تو اس پر عمل ہوگا، ورنہ قیاس کو بغیر ضرورت ترک نہ کیا جائے گا،

حضرت ابو ہریرہؓ کی مثال اگرچہ قابل بحث ہے، کیونکہ اکثر علما کے نزدیک حضرت ابو ہریرہؓ فقیہ اور مجتہد تھے لیکن یہ جزوی بحث ہے، گفتگو اصل مسئلہ میں ہے،

روایت میں قیاس کا کس قدر حصہ شامل ہے

۷۔ سب سے اہم اور سب سے زیادہ قابل بحث یہ بات ہے، کہ راوی جو واقعہ بیان کرتا ہے، اس میں کس قدر حصہ اصل واقعہ ہے اور کس قدر راوی کا قیاس ہے، تفحص اور استقرار سے بعض جگہ یہ نظر آتا ہے، کہ راوی جس چیز کو واقعہ کی حیثیت سے بیان کرتا ہے، وہ اس کا قیاس ہے، واقعہ نہیں، اس کی بہت سی مثالیں سیرت میں موجود ہیں، یہاں ہم صرف ایک دو واقعہ پر اکتفا کرتے ہیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ازواج مطہراتؓ سے ناراض ہو کر تنہا نشین ہو گئے

تھے، تو یہ مشہور ہوا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دے دی، حضرت عمرؓ نے یہ خبر سنی، تو مسجد نبوی میں آئے، یہاں لوگ کہہ رہے تھے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دے دی، حضرت عمرؓ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا، کہ نہیں میں نے طلاق نہیں دی،

یہ حدیث بخاری میں نقل کی جگہ بہ اختلاف الفاظ موجود ہے، کتاب النکاح میں جو روایت ہے، اس کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں،

وان الاخبار التی تشاع ولو کثر	جو خبریں شایع ہو جاتی ہیں گو ان کے راوی
ناقلوھا ان لم یکن مرجعھا الی امر	کثرت سے ہوں لیکن اگر ان خبروں کی بنیاد
حسی من مشاھدۃ او سماع لا	امر حسی یعنی مشاہدہ یا استماع نہ ہو، تو ان کا
تستلزم الصدق فان جزم الانصاری	سچا ہونا ضرور نہیں، چنانچہ انصاری نے
فی روایتہ بوقوع التطلیق وکذا	اور ان صحابہ نے جن کو حضرت عمرؓ نے منبر
جزم الناس الذی راھم عمر عند	کے پاس دیکھا تھا، طلاق کا جو یقین کر لیا
المنبر بذلک محمول علی انہ شاع	وہ یوں ہوا ہوگا، کہ کسی شخص نے آنحضرت
بینھم ذلک من شخص بناہ	صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، کہ آپ نے ازواج
علی التوھم الذی توھم من اعتزال	مطہرات سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اور
النبی صلی اللہ علیہ وسلم	چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت
نساءہ فظن لکونہ لم یجر عادتہ	نہ تھی، اس لئے اس نے یہ قیاس کیا، کہ

Marfat.com

بذلك انه طلقهن فاشاع انه	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دیدی
طلقهن فشاع ذلك فتحدث الناس به	اس نے یہ خبر پھیلادی، اور ایک دوسرے
واخلق بهذا الذی ابتدأ باشاعته	سے اس کو بیان کرنے لگے، اور قیاس
ذلك ان يكون من المنافقين كما	یہ ہے، کہ اول جس شخص نے یہ خبر پھیلائی
تقدم (فتح الباری شرح بخاری طبع اول مصر ص ۲۵۷ ج ۹)	وہ منافق ہوگا۔

غور کرو، مسجد نبوی میں تمام صحابہ جمع ہیں، اور سب بیان کر رہے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دیدی، صحابہؓ عموماً ثقہ اور عادل ہیں، اور ان کی تعداد کثیر اس واقعہ کو بیان کر رہی ہے، باوجود اس کے جب تحقیق کی جاتی ہے، تو معلوم ہوتا ہے، کہ وہ واقعہ نہیں، بلکہ قیاس تھا، حافظ ابن حجر نے بڑی جرأت کر کے یہ خیال ظاہر کیا، کہ راوی اول منافقین میں سے ہوگا، حضرت عائشہ صدیقہؓ کی نسبت بہت سے ایسے واقعات روایتوں میں مذکور ہیں، جن میں سے ایک واقعہ افک ہے، ان کی نسبت بھی وہی قیاس ہونا چاہیے، جو حافظ ابن حجر نے یہاں ظاہر کیا، یعنی یہ کہ منافقین نے ان کی طرف منسوب کر دیئے ہوں گے پھر تمام مسلمانوں میں پھیل گئے

فن تاریخ پر خارجی اسباب کا اثر

۸۔ فن تاریخ و روایت پر جو خارجی اسباب اثر کرتے ہیں، ان میں سب سے بڑا قوی اثر حکومت کا ہوتا ہے، لیکن مسلمانوں کو ہمیشہ اس پر فخر کا موقع حاصل رہے گا، کہ ان کا قلم تلوار سے نہیں دبا، حدیثوں کی تدوین بنو امیہ کے زمانہ میں ہوئی، جنہوں نے پورے ۹۰ برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک جامع مساجد میں آل فاطمہ کی توہین کی،

Marfat.com

اور جمعہ میں سر منبر حضرت علیؓ پر لعن کہلوایا، سینکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہؓ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں، عباسیوں کے زمانہ میں ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں لیکن نتیجہ کیا ہوا، عین اسی زمانہ میں محدثین نے علانیہ منادی کردی کہ یہ سب جھوٹی روایتیں ہیں، آج حدیث کا فن اس خس وخاشاک سے پاک ہے، اور بنو امیہ اور عباسیہ جو ظل اللہ اور جانشین پیغمبر تھے، اسی مقام پر نظر آتے ہیں، جہاں ان کو ہونا چاہیئے تھا،

ایک دفعہ ایک شاعر نے مامون الرشید کے دربار میں قصیدہ پڑھا، کہ "امیر المومنین اگر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت موجود ہوتا، تو خلافت کا جھگڑا سرے سے نہ پیدا ہوتا، دونوں فریق تیرے ہاتھ پر بیعت کر لیتے" وہیں سر دربار ایک شخص نے اٹھ کر کہا، تو جھوٹ کہتا ہے، امیر المومنین کا باپ (حضرت عباسؓ جو عباسیوں نے موت اعلیٰ ہیں) وہاں موجود تھا، اس کو کس نے پوچھا؟" مامون الرشید کو بھی اس گستاخانہ لیکن سچ جواب کی تحسین کرنی پڑی

تاہم یہ عالمگیر موثر بالکل بے اثر نہیں رہ سکتا تھا، اس لئے مغازی میں اس کے نشانات پائے جاتے ہیں، تاریخ نگاری کا قدیم طریقہ یہ تھا، کہ فتوحات اور رزمیہ کارناموں کو نہایت تفصیل سے لکھتے تھے، ملکی نظم ونسق اور تمدن ومعاشرت کے واقعات یا تو بالکل قلم انداز کر جاتے تھے، یا اس طرح پراگندہ اور بے اثر لکھتے تھے، کہ ان پر نگاہ نہیں پڑتی تھی، اسلام میں جب تالیف وتصنیف کی ابتدا ہوئی، تو یہی نمونے پیش نظر تھے، اس کا پہلا نتیجہ یہ تھا

Marfat.com

کہ سیرت کا نام مغازی رکھا گیا جس طرح سلاطین کی تاریخیں جنگ نامہ و شاہنامہ کے نام سے لکھی جاتی ہیں، چنانچہ سیرت کی ابتدائی تصنیف مثلاً سیرت موسیٰ بن عقبہ اور سیرت ابن اسحاق مغازی ہی کے نام سے مشہور ہیں، ان کتابوں کی ترتیب یہ ہے، کہ سلاطین کی تاریخ کی طرح سنین کو عنوان بناتے ہیں، اور اسی ترتیب سے حالات لکھتے ہیں، یہ حالات تمامتر جنگی معرکے ہوتے ہیں، اور غزوات ہی کے نام سے داستانیں شروع کی جاتی ہیں،

یہ طریقہ اگرچہ سلطنت و حکومت کی تاریخ کے لئے بھی صحیح نہ تھا لیکن نبوت کی سوانح نگاری کے لئے تو ناموزون ہے، پیغمبر کو ناگزیر طور پر جنگی واقعات پیش آتے ہیں، اس خاص حالت میں وہ بظاہر ایک فاتح یا سپہ سالار کے رنگ میں نظر آتا ہے، لیکن یہ پیغمبر کی اصلی صورت نہیں ہے، پیغمبر کی سیرت کا ایک ایک خدوخال، تقدس، نزاہت، علم و کرم، ہمدردی عام اور ایثار ہوتا ہے، بلکہ عین اس وقت جب کہ اس پر سکندر اعظم کا دھوکا ہوتا ہے، ژرف بین نگاہ فوراً پہچان لیتی ہے، کہ سکندر نہیں، بلکہ فرشتہ یزدانی ہے،

یہی وجہ ہے، کہ مغازی کا انداز حدیث کی کتابوں میں سیرت کی تصنیفات سے بالکل الگ ہے، تمام ارباب سیر لکھتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بنو نضیر کا محاصرہ کیا تو حکم دیا، کہ ان کے نخلستان کاٹ ڈالے جائیں (قرآن مجید میں بھی اس کا اجمالی ذکر ہے) ارباب سیر یہ بھی لکھتے ہیں، کہ یہودیوں نے اس حکم کی نسبت یہ اعتراض کیا، کہ "یہ انصاف اور انسانیت کے خلاف ہے"، لیکن مورخین یہ اعتراض نقل کر کے اس کا جواب نہیں دیتے اور یونہی گذر جاتے ہیں،

Marfat.com

قیاس روایت

۹۔ نہایت مہتم بالشان بحث یہ ہے، کہ کوئی روایت اگر عقل، یا مسلمات یا دیگر قرائن صحیحہ کے خلاف ہو، تو آیا صرف اس بنا پر واجب التسلیم ہوگی یا نہیں، کہ رواۃ ثقہ ہیں اور سلسلہ سند متصل ہے؟ علامہ ابن جوزی نے اگرچہ لکھا ہے (جیسا کہ اوپر گذر چکا) کہ جو حدیث عقل کے خلاف ہو، اس کے رواۃ کی جرح و تعدیل کی ضرورت نہیں، لیکن اس سے اصل بات کا فیصلہ نہیں ہوتا، عقل کا لفظ ایک غیر مشخص لفظ ہے، حامیان روایت لکھتے ہیں، کہ اگر اس لفظ کو وسعت دے دی گئی، تو ہر شخص جس روایت سے چاہے گا، انکار کر دے گا، کہ میرے نزدیک عقل کے خلاف ہے،

حقیقت یہ ہے، کہ اس بحث کا قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہے، عام خیال یہ ہے، کہ جس روایت کے رواۃ ثقہ اور مستند ہوں، اور سلسلہ روایت کہیں سے منقطع نہ ہو، وہ باوجود خلاف عقل ہونے کے انکار کے قابل نہیں، ذیل کی مثالوں سے اس کا اندازہ ہوگا،

(۱) تلک الغرانیق العلی کی حدیث کو جس میں بیان ہے، کہ شیطان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے وہ الفاظ نکلوا دیئے، جن میں بتوں کی تعریف ہے بعض محدثین نے ضعیف اور ناقابل اعتبار کہا ہے، اس کے باطل ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ بیان کی تھی،

لو وقع لارتد کثیر ممن اسلم	اگر ایسا ہوتا، تو بہت سے مسلمان اسلام سے
ولم ینقل ذلک	پھر جاتے، حالانکہ ایسا ہونا مذکور نہیں،

حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں،

Marfat.com

وجميع ذلك لا يتمشى على القواعد فان الطرق اذا كثرت وتباينت فخارجها دل ذلك على ان لها اصلا[1]

یہ تمام اعتراضات اصول کے موافق چل نہیں سکتے، اس لئے کہ روایت کے طریقے جب متعدد ہوتے ہیں، اور ان کے ماخذ مختلف ہوتے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ روایت کی کچھ اصل ہے

(۲) صحیح بخاری میں ہے، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تین دفعہ جھوٹ بولے تھے، امام رازی نے اس حدیث سے اس بنا پر انکار کیا، کہ اس سے حضرت ابراہیم کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے، اس لئے زیادہ آسان صورت یہ ہے، کہ ہم حدیث کے کسی راوی کا جھوٹا ہونا مان لیں، علامہ قسطلانی امام رازی کا یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں،

فليس بشئ اذ الحديث صحيح ثابت وليس فيه نسبة محض الكذب الى الخليل وكيف السبيل الى تخطية الراوى مع قوله انى سقيم وبل فعله كبيرهم هذا وعن سارة اختى اذ ظاهر هذه الثلاثة بلا ريب غير مراد[2]

امام رازی کا قول بالکل ہیچ ہے، اس لئے کہ حدیث ثابت ہے، اور اس میں محض کذب کی نسبت حضرت خلیل کی طرف نہیں ہے، اور راوی کا تخطیہ کیونکر ہو سکتا ہے، جب کہ حضرت ابراہیم کا یہ قول موجود ہے، انی سقیم اور بل فعلہ کبیرھم ھذا اور سارۃ اختی۔ کیونکہ ان تینوں جملوں میں ظاہر لفظ قطعاً مراد نہیں،

اس قسم کی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں، ہم نے اختصار کے لحاظ سے صرف دو

---

[1] فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۳۳۳ مطبوعہ مصر [2] قسطلانی جلد ۵ صفحہ ۳۸۹،

Marfat.com

مثالیں نقل کیں،

صحابہ کی دوگروہ

ان کے مقابلہ میں ایک دوسرا گروہ ہے جو دلائل عقلی اور قرائن حالی کی بنا پر بعض حدیث کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا ہے، اور یہ طریقہ خود صحابہ کرامؓ کے عہد میں شروع ہو گیا تھا اور محدثین کے اخیر دور تک قائم رہا، چونکہ یہ رائے عام خیال کے خلاف ہے، اس لئے ہم اس کی متعدد مثالیں نقل کرتے ہیں،

(۱) حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حدیث بیان کی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، کہ "جس چیز کو آگ چھوئے، اس کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے"۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا" اس کی بنا پر تو لازم آتا ہے، کہ ہم گرم پانی (کے استعمال) سے بھی وضو کریں"۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا، بھتیجے جب تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنو، تو کہا دتیں نہ کہا کرو،

(۲) صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے، کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ کے سامنے حضرت علیؓ کے قضایا (یعنی مقدمات کے فیصلے) پیش کئے گئے، حضرت ابن عباسؓ اس کی نقل لیتے جاتے تھے، اور بعض بعض فیصلے چھوڑتے جاتے تھے، اور فرماتے تھے، کہ

واللہ ما قضی بھذا علیٌ الا ان یکون ضل	خدا کی قسم علیؓ نے یہ فیصلہ کیا ہے، تو گمراہ ہو کر کیا ہے، (لیکن چونکہ وہ گمراہ نہ تھے اس لئے یہ فیصلہ بھی نہ کیا ہوگا،)

اسی روایت کے بعد صحیح مسلم میں یہ روایت ہے، کہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس لوگ ایک کتاب لائے، جس میں حضرت علیؓ کے فیصلے قلمبند تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے

ان ماجہ ترمذی حدیث الوضوء مما مسته النار

Marfat.com

نے ایک گز کے بقدر چھوڑ کر باقی کتاب مٹا دی"۔ اس سے ظاہر ہے، کہ حضرت ابن عباسؓ نے صرف ان فیصلوں کے مضمون سے یہ قیاس کر لیا، کہ وہ صحیح نہیں ہو سکتے، اس بات کی ضرورت نہیں سمجھی، کہ رواۃ اور سند کا پتہ لگائیں،

(۳) صحیح بخاری (باب صلوٰۃ النوافل جماعۃ) میں ہے، کہ محمود بن ربیعؓ نے ایک جلسہ میں یہ حدیث بیان کی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ "جو شخص خالصاً خدا کے لئے لا الہ الا اللہ کہے گا، خدا اس پر آگ حرام کر دے گا" اس جلسہ میں حضرت ابو ایوبؓ انصاری بھی موجود تھے، جن کے مکان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ مہینے تک قیام فرمایا تھا حضرت ابو ایوبؓ نے یہ حدیث سنکر کہا،

واللہ ما اظن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما قلت قط	خدا کی قسم میں کبھی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ جو تم کہتے ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوگا،

محمود بن الربیعؓ صحابی تھے، اور حضرت ابو ایوبؓ کو ان کے ثقہ ہونے میں کلام نہ تھا، تاہم چونکہ یہ حدیث ان کے نزدیک قرائن کے خلاف تھی، حضرت ابو ایوبؓ اس پر یقین نہ لا سکے، اور کہا، کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہ فرمایا ہوگا"۔ اگرچہ صحیح بخاری میں ہے کہ محمود بن الربیعؓ نے مدینہ آکر اس حدیث کی تصدیق اپنے راوی (عتبان) سے کر لی، لیکن اس سے اصل مسئلہ پر اثر نہیں پڑتا، حضرت ابو ایوبؓ کو جن اسباب کی بنا پر محمود بنؓ

---

[1] نووی شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے، کہ اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ کتاب ملا لفہ کی شکل میں تھی (جس طرح اگلے زمانہ میں خطوط کو لمبان میں جوڑ کر جمع کرتے تھے، اور لپیٹ کر رکھتے تھے)۔

Marfat.com

الربیع کی روایت میں شبہ پیدا ہوا، عتبان پر بھی وہی شبہ پیدا ہو سکتا تھا، حضرت ابوایوبؓ خدانخواستہ محمودؓ کو غلط گو نہیں سمجھتے تھے، بلکہ سمجھتے تھے، کہ انہوں نے روایت کے مفہوم سمجھنے میں غلطی کی ہوگی، یہ احتمال بعینہ راوی اول کی نسبت بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے بعض صحابہ سے کہا تھا، کہ تم لوگ سچے لوگوں سے روایت کرتے ہو، لیکن سامعہ غلطی کر جاتا ہے[1]،

(۴) حضرت عمار بنؓ یاسرؓ نے جب حضرت عمرؓ کے سامنے تیمم کی روایت بیان کی، تو حضرت عمرؓ کو یقین نہیں آیا، بلکہ جیسا کہ صحیح مسلم باب التیمم میں ہے، یہ الفاظ کہے، اتق اللہ یا عمار، یعنی اے عمار خدا سے ڈرو، چنانچہ اسی بنا پر جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سامنے حضرت ابوموسیٰ نے اس روایت سے استدلال کیا، تو حضرت عبداللہؓ نے کہا ہاں لیکن حضرت عمرؓ کو عمارؓ کی روایت سے تسکین نہیں ہوئی[1]،

(۵) حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ حدیث بیان کی گئی، کہ لوگوں کے نوحہ کرنے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے، تو انہوں نے اس بنا پر انکار کیا، کہ یہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے،

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (بنی اسرائیل) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا،

(۶) اسی طرح جب ان کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کی نسبت فرمایا، کہ میں جو کہتا ہوں، یہ سنتے ہیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا

[1] [illegible] ص ۵۲ صحیح بخاری باب التیمم،

کہ ابن عمرؓ نے غلطی کی[1]، اس روایت کے راوی اگرچہ عبداللہ بن عمرؓ تھے، جو مشہور صحابی ہیں لیکن حضرت عائشہؓ نے اس بنا پر روایت کی صحت سے انکار کیا، کہ ان کے نزدیک وہ روایت قرآن مجید کے خلاف تھی،

اکثر محدثین نے ان مباحث میں ثابت کیا ہے، کہ روایت صحیح ہے، اور حضرت عائشہؓ کا اجتہاد جس کی بنا پر انہوں نے روایت سے انکار کیا صحیح نہیں، ہم کو اس سے بحث نہیں، اس موقع پر صرف یہ بحث ہے، کہ اکابر صحابہؓ میں ایسے لوگ بھی تھے، جو روایت کو باوجود راوی نے ثقہ ہونے کے اس بنا پر تسلیم نہیں کرتے تھے، کہ وہ دلائل عقلی یا نقلی کے خلاف ہے،

(۷) ایک مختلف فیہ مسئلہ یہ ہے، کہ عورت کو جب طلاق دیدی جائے، تو عدت کے زمانہ تک شوہر پر اس کے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام واجب ہے یا نہیں؟ فاطمہؓ بنت قیس ایک صحابیہ تھیں، جن کو ان کے شوہر نے طلاق دیدی تھی، ان کا بیان ہے، کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں، تو آپ نے ان کو نفقہ اور مکان نہیں دلوایا، انہوں نے یہ حدیث حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا، کہ ہم خدا کی کتاب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے بیان پر چھوڑ نہیں سکتے جس کی نسبت ہمیں معلوم نہیں، کہ اس سے یاد رکھا یا بھول گئی، امام شعبی نے ایک مجلس میں فاطمہؓ کی یہ روایت بیان کی، تو اسود بن یزید نے ان کو کنکریاں ماریں، کہ تم ایسی حدیث بیان کرتے ہو، پھر حضرت عمرؓ

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز میں یہ روایتیں متعدد طریقوں سے مذکور ہیں،

Marfat.com

کا مذکورہ بالا قول نقل کیا،

صحابہؓ کے بعد بھی محدثین میں ایک ایسا گروہ موجود رہا جو عقلی یا نقلی وجوہ کی بنا پر بعض روایات کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا تھا، گو ان کے رواۃ ثقہ اور مستند ہوتے تھے،

(۱) ایک ضعیف حدیث ہے، کہ "جس شخص نے عشق کیا، اور پاک دامن رہا، اور وفات پائی، وہ شہید ہوا" حافظ ابن القیم زاد المعاد میں اس حدیث کو دلائل عقلی سے باطل ثابت کرکے لکھتے ہیں،

فلو کان اسناد هذا الحدیث کالشمس	اگر اس حدیث کی سند آفتاب کی طرح بھی ہوتی،
کان غلطا ووهما[1]	تب بھی وہ غلط اور وہم ہوتی،

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب الفئی میں روایت ہے، کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے، حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا،

اقض بینی وبین هذا الکاذب الآثم	میرے اور اس جھوٹے، مجرم، دھوکہ باز، خائن کے
الغادر الخائن	درمیان فیصلہ کیجیے،

چونکہ حضرت علیؓ کی شان میں یہ الفاظ کسی مسلمان کی زبان سے نہیں نکل سکتے، اس لئے بعض محدثین نے اپنے نسخہ سے یہ الفاظ نکال دیئے[2]، علامہ مازری اس حدیث کی نسبت لکھتے ہیں:-

اذا انسدت طرق تاویلها نسینا	جب اس حدیث کی تاویل کے سب رستے رک جائیں گے

[1] زاد المعاد (جزو ثانی) مطبوعہ کانپور ص۹۶ [2] نووی شرح صحیح مسلم ذکر حدیث مذکور ص۔ صحیح مسلم کتاب الطلاق

الکذب الی روا تھا — تو ہم راویوں کو جھوٹا کہیں گے،

(۳) بخاری میں روایت ہے، کہ خدا نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا کیا، تو ان کا قد ساٹھ گز کا تھا، حافظ ابن حجر اس کی شرح میں لکھتے ہیں،

ویشکل علی ھذا ما یوجد الان من اثار الامم السالفۃ کدیار ثمود فان مساکنھم تدل علی ان قاماتھم لم تکن مفرطۃ الطول علی حسب ما یقتضیہ الترتیب السابق ولم یظھر الان ما یزیل ھذا الاشکال[1]

اور اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے، کہ قدیم قوموں کے جو آثار اس وقت موجود ہیں، مثلاً قوم ثمود کے مکانات، ان سے ثابت ہوتا ہے، کہ ان کے قد اس قدر بڑے نہ تھے، جیسا کہ ترتیب سابق سے ثابت ہوتا ہے، اور اس وقت تک مجھ کو اس اشکال کا جواب معلوم نہیں ہوا،

(۴) صحیح بخاری میں روایت ہے، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا سے کہیں گے، کہ اے خدا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا، کہ قیامت میں مجھ کو رسوا نہ کرے گا، اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں،

وقد استشکل الاسماعیلی ھذا الحدیث من اصلہ وطعن فی صحتہ[2]

اور اسماعیلی نے اس حدیث پر اشکال وارد کیا ہے اور اس کی صحت پر طعن کیا ہے،

اسمٰعیلی کے اعتراض کا حافظ ابن حجر نے جواب دیا ہے، لیکن اسمٰعیلی کا درجہ فن حدیث میں حافظ ابن حجر سے زیادہ ہے، اس لئے گو اسمٰعیلی کا اعتراض غلط ہو لیکن قابل لحاظ ہو سکتا

[1] فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۲۶۰ باب بدء الخلق، [2] فتح الباری مطبوعہ مصر صفحہ ۱۴۴ جلد ۴، [3] نووی شرح مسلم کتاب الجہاد باب النفی

Marfat.com

ہے، کہ ان کے نزدیک یہ حدیث استدلال کے خلاف ہے،

(۵) عمرو بن میمون سے روایت ہے، کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندر کو دیکھا جس نے زنا کیا تھا، اس پر اور بندروں نے جمع ہو کر اس کو سنگسار کیا، حافظ ابن عبدالبر نے جو مشہور محدث ہیں، اس بنا پر اس حدیث کی صحت میں تامل کیا ہے، کہ جانور مکلف نہیں، اس لئے ان کے فعل پر نہ زنا کا اطلاق ہو سکتا ہے، نہ اس بنا پر ان کو سزا دی جا سکتی ہے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:-

وقد استنکر ابن عبد البر قصة عمرو بن میمون هذه وقال فیها اضافة الزنا الی غیر مکلف واقامة الحد علی البهائم[1]	ابن عبدالبر نے عمرو بن میمون کے اس قصہ سے انکار کیا ہے، اور کہا ہے، کہ اس میں غیر مکلف کی طرف زنا کی نسبت ہے، اور جانوروں پر حد قائم کرنا بیان کیا گیا ہے،

حافظ ابن حجر نے یہ قول نقل کر کے لکھا ہے، کہ "اعتراض کا یہ طریقہ پسندیدہ نہیں ہے، اگر سند صحیح ہے، تو غالبا یہ بندر جن رہے ہوں گے،

(۶) صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے، کہ ایک[2] دفعہ عبداللہ بن ابی کے طرفداروں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں جھگڑا ہو گیا، اس پر یہ آیت گزری

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا (حجرات)	اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں، تو ان میں صلح کرا دو،

[1] فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۱۲ ص ۱۷۲ [2] صحیح بخاری کتاب العلم، روایت میں جھگڑے کی تفصیل ہے، ہم نے محض خلاصہ ذکر کر دیا ہے،

روایتوں سے ثابت ہوتا ہے، کہ اس وقت تک عبداللہ بن ابی اور اس کا گروہ ظاہر میں بھی اسلام نہیں لایا تھا، اس بنا پر ابن بطال نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ آیت قرآنی اس واقعہ کے متعلق نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ آیت میں تصریح ہے، کہ جب دونوں گروہ مومن ہوں، اور یہاں عبداللہ بن ابی کا گروہ علانیہ کافر تھا،

حافظ ابن حجر نے اس کا جواب دیا ہے، کہ تغلیباً ایسا کہا گیا،

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے، کہ بہت سے محدثین سلسلہ سند کے ساتھ یہ بھی دیکھتے تھے، کہ دوسرے شواہد اور قرائن بھی اس کے موافق ہیں یا نہیں،

(۱) ایک بڑا مرحلہ روایت بالمعنیٰ کا ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہؓ نے جو الفاظ فرمائے تھے بعینہ وہی ادا کرنے چاہئیں، یا ان کا مطلب ادا کر دینا کافی ہے محدثین اس باب میں مختلف الرائے ہیں، اور اکثروں نے یہ فیصلہ کیا، کہ اگر راوی اپنے الفاظ میں اس طرح مطلب ادا کرتا ہے، کہ اصل حقیقت میں فرق پیدا نہیں ہوتا، تو الفاظ کی پابندی ضرور نہیں لیکن اس کا فیصلہ کرنا، کہ اصل مطلب ادا ہوا یا بدل گیا، ایک اجتہادی بات ہے، اسی بنا پر محض محدثین مثلاً عبدالملک بن عمرو، ابوزرعہ، سالم بن جعد، قتادہ، امام مالک ایک ایک لفظ کی پابندی کرتے تھے، لیکن یہ ظاہر ہے، کہ سینکڑوں راویوں میں صرف دو چار اشخاص ایسی پابندی کر سکتے تھے، اور وہ بھی اس زمانہ میں کہ تحریر کا رواج ہو چکا تھا، عام حالت یہی تھی، کہ راوی حدیث کے مطلب کو اپنے الفاظ میں بیان کر لیتے تھے جامع ترمذی، کتاب العلل میں سفیان ثوری کا قول نقل ہے،

[1] صحیح ترمذی کتاب العلل میں ان لوگوں کے متعلق یہ تصریح مذکور ہے۔

Marfat.com

ہن قلت لکم انی احدثکم کما سمعت فلا تصدقونی۔ انما ھو المعنی	اگر میں تم سے یہ کہوں، کہ میں جو سنتا ہوں بعینہ وہی ادا کر دیتا ہوں، تو تم میری بات نہ مانو، میں صرف مطلب ادا کرتا ہوں،

ترمذی نے اسی مضمون کے اور اقوال واثلہ بن الاسقع، محمد بن سیرین، ابراہیم نخعی، حسن بصری، امام شعبی وغیرہ سے نقل کئے ہیں،

جو صحابہ بہت محتاط تھے، حدیث کی روایت کے وقت ان کی حالت متغیر ہو جاتی تھی،

سنن ابن ماجہ کے دیباچہ میں عمرو بن میمون کا قول نقل کیا ہے، کہ میں عبداللہ بن مسعود کی خدمت میں ہمیشہ جمعرات کی رات کو حاضر ہوتا، میں نے کبھی ان کو یہ کہتے نہیں سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا، ایک دن ان کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا، تو دفعۃً سر جھکا لیا، پھر میری نظر ان پر پڑی، تو دیکھا، کہ کھڑے ہیں قمیص کی گھنڈیاں کھلی ہیں، آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے ہیں، گلے کی رگیں پھول گئی ہیں، اور کہہ رہے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں کہا، یا یوں کہا، یا اس سے کچھ زیادہ، یا اس سے کچھ کم یا اس کے مشابہ!

امام مالک کا یہ حال تھا، کہ جب حدیث روایت کرتے تھے، تو خوفزدہ ہو جاتے، اور کہتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا، یا یوں فرمایا تھا" امام شعبی کہتے ہیں، کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں سال بھر حاضر رہا، لیکن میں نے ان کو کبھی حدیث روایت کرتے نہیں دیکھا" سالم بن زید کہتے ہیں، کہ میں نے سعد بن مالکؓ کے ساتھ

مکہ مبارکہ سے مدینہ طیبہ تک سفر کیا لیکن اس تمام راہ میں انہوں نے ایک حدیث بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نہیں کی" (حالانکہ وہ صحابی تھے) حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے اپنے والد سے پوچھا، کہ میں نے آپ کو اور صحابہ کی طرح حدیث روایت کرتے نہیں دیکھا، انہوں نے کہا "میں جب سے اسلام لایا ہوں نے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑا لیکن میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، کہ جو شخص میری نسبت کوئی جھوٹی روایت بیان کرے، تو چاہیئے، کہ اپنا گھر آگ میں بنائے"[1]

ابن ماجہ نے روایت کی ہے، کہ خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے منبر پر یہ ارشاد فرمایا تھا،

ایاکم وکثرۃ الحدیث عنی[2] خبردار! مجھ سے زیادہ حدیثیں نہ روایت کرو،

اس موقعہ پر یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے، کہ اس قسم کی حدیثوں کے قبول کرنے میں جو تامل کیا جاتا ہے، اس کو راوی کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے سے متعلق نہیں، مستند اور ثقہ راویوں کی دروغ گوئی کا خیال نہیں ہو سکتا، لیکن ثقہ راوی سے بھی مطلب روایت کے سمجھنے یا ادا کرنے میں غلطی کا ہو جانا ممکن ہے، اور ثقات کی روایت سے جب کسی موقع پر انکار کیا جاتا ہے، تو اسی بنا پر انکار کیا جاتا ہے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سامنے جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت بیان کی گئی،

---

[1] یہ تمام اقوال صحیح ابن ماجہ دیباچہ کتاب میں مذکور ہیں، دیکھو صفحہ ۱۲ مطبوعہ مطبع المطابع لکھنؤ،

[2] ابن ماجہ صفحہ ۱۲۔

Marfat.com

ان المیت لیعذب ببکاء الحی — مردوں پر نوحہ کیا جانے تو ان پر عذاب کیا جاتا ہے،

تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا:۔

انکم لتحدثون عن غیر کاذبین ولا مکذبین — تم لوگ نہ تو جھوٹے ہو نہ تمہارے راوی جھوٹے ہیں،

ولکن السمع یخطی[1] — لیکن کان غلطی کر جاتا ہے،

ایک اور روایت میں ہے، کہ حضرت عائشہؓ نے عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق فرمایا:۔

اما انہ لم یکذب ولکنہ نسی — ہاں! وہ جھوٹ نہیں بولے، لیکن بھول گئے،

او اخطأ[2] — یا خطا کی،

روایت احاد

(۱۱) ایک اور بحث روایت احاد کی ہے، روایت احاد وہ ہے جس کے سلسلہ اسناد میں کہیں صرف ایک راوی پر مدار روایت ہو یعنی کوئی دوسرا راوی اس کا مؤید نہ ہو، اس قسم کی روایت کے تسلیم و انکار اور یقینی و ظنی ہونے کے متعلق اہل فن کا اختلاف ہے، معتزلہ روایات احاد کے تسلیم سے قطعاً منکر ہیں، لیکن یہ درحقیقت انکار بداہت ہے، ہم روز مرہ واقعات زندگی میں اس قسم کی روایات پر اکثر بلا حجت و اصرار فوراً یقین کر لیتے ہیں، ہم سے ایک شخص آکر کہتا ہے، کہ زید تم کو بلاتا ہے، اور ہم فوراً اٹھ کر چلے جاتے ہیں یہ نہیں کہتے، کہ یہ خبر احاد ہے، اور ہم اسے تسلیم نہیں کرتے، معتزلہ کے مقابل میں اکثر محدثین اس کی صحت اور قطعیت کے قائل ہیں، لیکن درحقیقت یہ تفریط ہے، خود صحابہؓ کا طرز عمل اس کے مخالف ہے،

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز [2] مسلم کتاب الجنائز ۱۲

ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کی خدمت میں گئے، اور تین دفعہ اجازت طلبی کی، چونکہ حضرت عمرؓ کسی کام میں مشغول تھے، کچھ جواب نہ ملا، وہ واپس چلے گئے، حضرت عمرؓ نے کام سے فارغ ہو کر ان کو بلوا بھیجا، اور واپسی کا سبب پوچھا، انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، کہ تین دفعہ اجازت طلبی کے بعد جواب نہ ملے تو واپس جاؤ" حضرت عمرؓ نے کہا "اس روایت پر گواہ لاؤ، ورنہ میں تم کو سزا دوں گا" حضرت ابوموسیٰؓ اشعری نے اس پر شہادت پیش کی، تو حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا حضرت عمرؓ خدانخواستہ حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کو غلط گو نہیں جانتے تھے، لیکن چونکہ حضرت عمرؓ بارگاہ نبوت میں برسوں رہے تھے، اور انہوں نے یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی تھی، حالانکہ حدیث ایسے امر کے متعلق تھی، جو عموماً پیش آتا ہے، اس لئے حضرت عمرؓ نے واقعہ کی اہمیت کے لحاظ سے صرف ایک شخص کی شہادت کافی نہیں سمجھی،

حضرت ابوبکرؓ کے سامنے ایک عورت نے جو میت کی دادی ہوتی تھی، میراث کا دعویٰ کیا، حضرت ابوبکرؓ نے کہا "قرآن میں دادی کی میراث مذکور نہیں، اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں کوئی روایت مجھ کو معلوم ہے" مغیرہؓ بن شعبہ نے شہادت دی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دادی کو چھٹا حصہ دلایا کرتے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے ان کی تنہا شہادت ایسے واقعہ کے متعلق کافی نہیں سمجھی، اور جب ایک اور صحابی محمد بن مسلمہؓ نے شہادت دی، تب حضرت ابوبکرؓ نے اس عورت کو میراث دلائی،

اسی طرح جنین کی دیت کے متعلق حضرت عمرؓ نے مغیرہ کی تنہا شہادت کافی نہیں

سمجھی، اس قسم کی اور بیسیوں مثالیں ہیں،

اسی بنا پر روایت احاد کے متعلق فقہائے احناف کا اصول ایک حد تک صحیح ہے کہ یہ ظنی الثبوت ہیں، ان سے قطعیت نہیں ثابت ہوتی، اصل یہ ہے، کہ روایات احاد کی صحت یا عدم صحت، یا ظن و قطعیت رواۃ کے ثقہ اور معتبر ہونے کے بعد خود اصل روایت کی اہمیت اور عدم اہمیت پر مبنی ہے، ایک شخص جب ہم سے کہتا ہے، کہ "زید نے تم کو بلایا ہے" تو راوی کی ثقاہت و اعتبار کے مسلم ہونے کے بعد ہم کو کبھی اس واقعہ کی تسلیم سے انکار نہیں ہوتا لیکن اگر یہی شخص یہ کہتا ہے، کہ "تم کو بادشاہ نے آج دربار میں بلایا ہے" تو ہم اس واقعہ کی تسلیم سے پس و پیش کرتے ہیں، اور اس کے ثبوت کے لئے دوسروں کی شہادت تلاش کرتے ہیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اگر کوئی تنہا راوی بیان کرتا ہے، کہ "آپ ایک بار سپید کرتہ پہن کر باہر تشریف لائے" تو ہم کو اس کی تسلیم میں عذر نہیں لیکن وہی راوی اگر یہ کہتا ہے، کہ "ایک بار آپ برہنہ تن باہر نکل آئے" (اس قسم کی ایک روایت ہے) تو قطعاً ہم تنہا شہادت اس کے ثبوت کے لئے کافی نہیں سمجھیں گے،

نتائج مباحث مذکورہ گذشتہ صفحات میں ہم نے روایت و حدیث کے متعلق صحابۂ کبار کا جو طرز عمل پیش کیا ہے، اور علمائے نقد و حدیث کے جن قواعد و اصول کی تفصیل کی ہے ذیل میں بہ ترتیب نتائج کے طور پر ہم ان کا اعادہ کرتے ہیں،

(۱) سب سے پہلے واقعہ کی تلاش قرآن مجید میں، پھر احادیث صحیحہ میں، پھر عام احادیث

Marfat.com

میں کرنی چاہیئے، اگر نہ ملے تو روایت سیرت کی طرف توجہ کی جائے،

(۲) کتب سیرت محتاج تنقیح ہیں، اور ان کے روایات و اسناد کی تنقید لازم ہے،

(۳) سیرت کی روایتیں باعتبار پایہ صحت احادیث کی روایتوں سے فروتر ہیں، اس لئے بصورت اختلاف، احادیث کی روایات کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی،

(۴) بصورت اختلاف روایات، احادیث، رواۃ ارباب فقہ و ہوش کی روایات کو دوسروں پر ترجیح ہوگی،

(۵) سیرت کے واقعات میں سلسلہ علت و معلول کی تلاش نہایت ضروری ہے،

(۶) نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار قائم کرنا چاہیئے،

(۷) روایت میں اصل واقعہ کس قدر ہے؟ اور راوی کی ذاتی رائے و فہم کا کس قدر جزو شامل ہے،

(۸) اسباب خارجی کا کس قدر اثر ہے۔

(۹) جو روایت عام وجوہ عقلی، مشاہدہ عام، اصول مسلمہ اور قرائن حال کے خلاف ہوگی، لائق حجت نہ ہوگی،

(۱۰) اہم موضوع پر مختلف روایات کی تطبیق و جمع سے اس کی تسلی کر لینی چاہیئے، کہ راوی سے ادائے مفہوم میں غلطی تو نہیں ہوئی ہے،

(۱۱) روایات احاد کو موضوع کی اہمیت اور قرائن حال کی مطابقت کے لحاظ سے قبول کرنا چاہیئے،

Marfat.com

ان اصول کے تقرر و تفصیل کے بعد نظر آسکتا ہے، کہ اسلامی فن روایت عقل و درایت کی نگاہ سے کس قدر بلند پایہ ہے؟ علمائے حدیث نے تصحیح روایت کے لئے کتنی جانفشانی کتنی دیدہ ریزی، اور کتنی دقت رسی صرف کی ہے، کیا اس اہتمام و اعتنا کا دنیا کی دیگر قوموں کے سرمایہ تاریخ و روایت میں ایک ذرہ نشان بھی موجود ہے؟ کیا یورپ کے سیرت نگاران پیغمبر اسلام میں سے کسی نے بھی اس جانکاہی اور نکتہ سنجی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائف کے لئے قلم اٹھایا ہے؟ اور کیا ایک غیر مسلم ان قواعد و اصول کی مراعات کے ساتھ قلم اٹھا بھی سکتا ہے؟[1]

---

[1] زیادت از صفحہ ۷۷ تا ۷۹۔ "س"

Marfat.com

یورپین تصنیفات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک پر جو یورپین تصنیفات ہیں، ان پر پوری بحث تو کسی اور حصہ میں آئے گی جس میں نہایت تفصیل سے بتایا جائے گا، کہ یورپ میں اسلام کے متعلق سب سے پہلے یورپین مصنف ہلدی برٹ سے لے کر جو ۱۱۳۹ء میں موجود تھا، آج تک کیا سرمایہ مہیا ہوا ہے؟ ان کا کیا عام انداز ہے؟ ان کی مشترک اور عامۃ الورود غلطیاں کیا ہیں، ان کے وسائل معلومات کس درجہ کے ہیں، اغلاط کے مشترک اسباب کیا ہیں؟ تعصب اور سوءِ ظن کا کہاں تک اثر ہے؟ یہاں ہم ان تصنیفات پر صرف ایک اجمالی گفتگو کرتے ہیں، کیونکہ اس حصہ میں بھی ہم کو جابجا ان تصنیفات سے کام لینا، یا ان سے تعرض کرنا پڑا ہے،

یورپ ایک مدت تک اسلام کے متعلق مطلق کچھ نہیں جانتا تھا جب اس نے جاننا چاہا، تو مدت دراز تک عجب حیرت انگیز مفتریانہ خیالات اور توہمات میں مبتلا رہا ایک یورپین مصنف لکھتا ہے،

"عیسائیت اسلام کی چند ابتدائی صدیوں تک اسلام پر نہ تو نکتہ چینی کر سکی، اور نہ سمجھ سکی، وہ صرف تھراتی اور حکم بجالاتی تھی، لیکن جب قلب فرانس میں عرب پہلے پہل رکے

Marfat.com

گئے، تو ان قوموں نے جو ان کے سامنے سے بھاگ رہی تھیں، منہ پھیر کر دیکھا جس طرح کہ مویشیوں کا گلہ جب کہ اس کا بھگا دینے والا کتا دور نکل جاتا ہے[1]"

یورپ نے مسلمانوں کو جس طرح جانا، اس کو فرانس کا مشہور مصنف ہنری دی کاسٹری جس کی تصنیف کا عربی زبان میں ترجمہ ہو گیا ہے، یوں بیان کرتا ہے،

"وہ تمام قصص اور گیت جو اسلام کے متعلق یورپ میں قرون وسطیٰ میں رائج تھے، ہم نہیں سمجھتے کہ مسلمان ان کو سنکر کیا کہیں گے؟ یہ تمام داستانیں اور نظمیں مسلمانوں کے مذہب کی ناواقفیت کی وجہ سے بغض و عداوت سے بھری ہوئی ہیں، جو غلطیاں اور بد گمانیاں اسلام کے متعلق آج تک قائم ہیں، ان کا باعث وہی قدیم معلومات ہیں ہر مسیحی شاعر مسلمانوں کو مشرک اور بت پرست سمجھتا تھا، اور حسب ترتیب درجات ان کے تین خدا تسلیم کئے جاتے تھے، ماہوم یا ماہون، یا مانومیڈ (یعنی محامڈ) اور اپلین، اور تیسرا ٹرگامان، ان کا خیال تھا، کہ محمدؐ نے اپنے مذہب کی بنیاد، دعوی الوہیت پر قائم کی، اور سب سے عجیب تر یہ ہے، کہ محمدؐ (وہ محمدؐ جو بت شکن اور اصنام کا دشمن تھا) لوگوں کو اپنے طلائی بت کی پرستش کی دعوت دیتا تھا۔"

اسپین میں جب عیسائی، مسلمانوں پر غالب آئے، اور ان کو سرزمین وسطہ کی دیواروں تک ہٹا دیا، تو مسلمان لوٹ کر آئے، اور اپنے بتوں کو انہوں نے توڑ ڈالا، اس عہد کا ایک شاعر کہتا ہے:۔

---

[1] محمد اینڈ محمدزم۔ از باسورتھ اسمتھ صاحب ایم، اے۔ صفحہ ۶۳

Marfat.com

"ایلین مسلمانوں کا دیوتا وہاں ایک غار میں تھا، اس پر وہ پل پڑے، اور اس کو نہایت سخت سست کہا، اور اس کو گالیاں دیں، اور اس کے دونوں ہاتھ باندھ کر ایک ستون پر اس کو سولی دی، اور اس کو پاؤں سے روندا، اور لاٹھیوں سے مار مار کر اس کے ٹکڑے کر ڈالے، اور ماہوم کو (جو ان کا دوسرا دیوتا تھا) ایک گڑھے میں ڈال دیا، اس کو سور اور کتوں نے نوچ ڈالا، اس سے زیادہ اس سے پہلے کسی دیوتا کی تحقیر نہیں ہوئی، اس کے بعد ہی مسلمانوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی، اور اپنے دیوتاؤں سے معافی مانگی، اور از سر نو تلف شدہ بتوں کو بنایا۔ اسی بنا پر جب شہنشاہ چارلس سر توسطر میں داخل ہوا، تو اس نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دے دیا، کہ تمام شہر کا چکر لگائیں، وہ مسجدوں میں گھس گئے، اور لوہے کے ہتھوڑوں سے ماہومیڈ اور تمام بتوں کو توڑ ڈالا۔" ایک دوسرا شاعر ریچر خدا سے دعا کرتا ہے، کہ "وہ ماہوم کے بت کے پجاریوں کو شکست نصیب کرے۔" اس کے بعد وہ امرار کو جنگ صلیبی کے لئے ان الفاظ میں آمادہ کرتا ہے۔ "اٹھو اور ماہومیڈ اور ٹرگا مان کے بتوں کو اوندھا کر دو، اور ان کو آگ میں ڈال دو، اور ان کو اپنے خداوند کی نذر کرو۔"[1]

اس قسم کے خیالات ایک مدت تک قائم رہے (کسی اور حصہ میں ہم اس کو مفصل لکھیں گے۔

سترہویں اور اٹھارہویں صدی	سترھویں صدی کے سنین وسطی یورپ کے عصر جدید کا مطلع ہے

[1] ترجمہ کتاب دی ہنری کاسٹری بزبان عربی مطبوعہ مصر از صفحہ ۸ تا ۱۰

یورپ کی جدوجہد، سعی و کوشش اور حریت و آزادی کا دور اسی عہد سے شروع ہوتا ہے، ہمارے مقصد کی جو چیز اس دور میں پیدا ہوئی، وہ مستشرقین یورپ کا وجود ہے جنکی کوشش سے نادر الوجود عربی کتابیں ترجمہ اور شایع ہوئیں، عربی زبان کے مدارس، علمی و سیاسی اغراض سے جابجا ملک میں قائم ہوئے، اور اس طرح وہ زمانہ قریب آتا گیا، کہ یورپ اسلام کے متعلق خود اسلام کی زبان سے کچھ سن سکا،

اس دور کی خصوصیت اول یہ ہے، کہ تنے سنائے عامیانہ خیالات کے بجائے کسی قدر تاریخ اسلام و سیرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد عربی زبان کی تصانیف پر قائم کی گئی، گو موقع بہ موقع معلومات سابقہ کے مصالح کے استعمال سے بھی احتراز نہیں کیا گیا،

اس دور سے چونکہ یورپ نے مذہبی اشخاص کے شکنجہ سے نجات پائی، اور اس کے مذہبی اور سیاسی امور الگ الگ ہو گئے، اس بنا پر اسلام کے متعلق مصنفین کی دو جماعتیں الگ ہو گئیں، عوام اور مذہبی اشخاص اور محقق وغیرہ متعصب گروہ، اسلام کے متعلق ان دونوں جماعتوں نے جو کوششیں کیں، وہ آج ہمارے سامنے ہیں،

اس عہد میں عربی زبان کی تاریخی تصنیفات کا ترجمہ ہو گیا تھا، اس سلسلہ میں سب سے پہلے ارپی نیوس (Arp) مارگولیوس (Margoliouth) ایڈورڈ پوکاک (Pocock) اور ہاٹنجر (Hottinger) ذکر کے قابل ہیں، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اتفاقاً یا قصداً ان مستشرقین نے ابتداً جن عربی تاریخوں کا ترجمہ کیا، وہ اکثر ان مسیحی مصنفین کی تصنیفات تھیں، جو قرون ماضیہ میں اسلامی ممالک کے باشندے تھے، یعنی سعید بن

بطریق اوٹیکوس المتوفی ۹۳۹ء جو اسکندریہ کا پیٹریارک تھا، اور ابن العمید المکین المتوفی ۱۲۷۳ء جو سلاطین مصر کا ایک درباری تھا، اور ابوالفرج ابن العبری الملطی المتوفی ۱۲۸۶ھ مصنف تاریخ الدول،

ابن العمید المکین کی تاریخ، طبری اور ذیل طبری کا خلاصہ ہے، ارپی نیوس نے، جو ہولینڈ کا ایک مستشرق تھا، لاطینی ترجمہ کے ساتھ لیڈن سے اس کا ایک ٹکڑا شایع کیا جو ابتدائے رسالت سے دولت اتابکیہ تک کے واقعات پر مشتمل ہے، المکین کے نام سے اس کتاب کے حوالے یورپ کی ابتدائی اسلامی تصنیفات میں نہایت کثرت سے آتے ہیں،

اخیر اٹھارہویں صدی | یہ وہ زمانہ ہے، جب یورپ کی قوت سیاسی اسلامی ممالک میں پھیلنی شروع ہوگئی، جس نے "اورنٹیلسٹ" کی ایک کثیر التعداد جماعت پیدا کردی، جنہوں نے حکومت کے اشارہ سے السنہ مشرقیہ کے مدارس کھولے، مشرقی کتب خانوں کی بنیادیں ڈالیں، ایشیاٹک سوسائٹیاں قائم کیں، مشرقی تصنیفات کی طبع و اشاعت کے سامان پیدا کئے، اورنٹیل تصنیفات کا ترجمہ شروع کیا،

سب سے پہلے ہولینڈ نے اپنے مقبوضہ جزائر مشرقی میں ۱۷۷۸ء میں ایک ایشیاٹک سوسائٹی قائم کی، اس کی تقلید میں انگریزوں نے بہ مقام کلکتہ ۱۷۸۴ء میں جنرل ایشیاٹک سوسائٹی اور ۱۷۸۸ء میں بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی، اس کے بعد ۱۷۹۵ء میں فرانس نے مشرقی زندہ زبانوں (عربی، فارسی، ترکی) کا دارالعلوم قائم کیا، اور آخر کار ان مدارس اور سوسائٹیوں کی تقلید سے تمام ممالک یورپ میں اس قسم کی درسگاہیں اور انجمنیں جاری

ہوگئیں، عام یونیورسٹیوں میں عربی زبان کے پروفیسروں اور کتب خانوں کا وجود لازمی سمجھا جانے لگا،

مسلمانوں کے ہاں عربی زبان میں سیرت مغازی کی جو کتابیں محفوظ تھیں، وہ ایک ایک کرکے باستثنائے چند اٹھارہویں صدی کے اواخر سے لے کر انیسویں صدی کے اختتام تک یورپ میں چھپ گئیں، اور ان میں اکثر کا یورپین زبانوں میں ترجمہ ہوگیا، سب سے پہلے رسک (Reiske) المتوفی ۱۷۷۴ء نے تاریخ ابوالفداء مع ترجمہ لاطینی وحواشی پانچ جلدوں میں شایع کی، ۱۸۰۹ء میں کیپٹن اے متھوس (A.N. Matheus) نے کلکتہ سے مشکوٰۃ المصابیح کا انگریزی میں ترجمہ شایع کیا، ۱۸۵۶ء میں وان کریمر (Kremer) نے کلکتہ میں محمد بن عمر واقدی کی کتاب المغازی طبع کرائی، ۱۸۶۰ء میں ابن ہشام کی مشہور تصنیف سیرت الرسول کی کوٹنگن (Cottinger) سے شاعت کی گئی، اس کے علاوہ اسی مستشرق نے سمہودی کی تاریخ مدینہ اور ابن قتیبہ کی تاریخ معارف طبع کرائی، ۱۸۶۴ء میں ڈاکٹر ویل (G. Weil) نے ابن ہشام کا جرمنی میں ترجمہ کیا، ۱۸۷۷ء میں پیرس سے مسعودی کی تاریخ مروج الذہب مع ترجمہ فرانسیسی پروفیسر ڈی مانیارڈ نے شایع کی، واہوسن (Wellhousen) نے ۱۸۸۲ء میں واقدی کا جرمن ترجمہ بعنوان "محمد بہ مدینہ" برلن سے شائع کیا، ۱۸۸۳ء میں لیڈن سے ہاوٹسمار (Houtsma) کے اہتمام سے یعقوبی کی تاریخ دو جلدوں میں چھپی، ۱۸۸۹ء سے ۱۸۹۲ء تک چودہ برس کی محنت میں طبری کی مشہور اور نادرالوجود

Marfat.com

تاریخ بارتھ (J. Barth) اور نولدیکی (Nöldeke) وغیرہ نے شائع کی، اور سب سے آخر میں مشہور جرمن مستشرق پروفیسر سخاؤ (Sachau) کی خاص کوشش اور دیگر سات مستشرقین کی اعانت سے ابن سعد کی عظیم الشان اور نادر الوجود طبقات، جس سے زیادہ مبسوط سیرت نبوی میں کوئی تصنیف نہیں، تقریباً ۱۹۰۰ء سے گذشتہ سال تک ایک ایک جلد کرکے لیڈن سے شایع ہوتی رہی ہے،

ان اصل تاریخی تصنیفات اور ان کے تراجم کی اشاعت ممالک اسلامیہ اور یورپ کے تعلقات، مذہبی منافرت کی کمی، اور آزادانہ تحقیقات کی خواہش، ان تمام چیزوں نے یورپ میں مصنفین تاریخ اسلام اور سوانح نگاران پیغمبر عرب صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کثیر التعداد گروہ پیدا کیا،

اوکسفورڈ کا ایک عالم اس غیر مختتم سلسلہ کا ان الفاظ میں اعتراف کرتا ہے:۔

"محمد کے سوانح نگاروں کا ایک وسیع سلسلہ ہے، جس کا ختم ہونا غیر ممکن ہے، لیکن اس میں جگہ پانا قابل فخر ہے"[1]

ہم اس موقعہ پر صرف ان تصنیفات کا مختصر سا نقشہ درج کرتے ہیں، جو بہ تخصیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں، یا اسلام کے اصول عقاید پر لکھی گئیں، اور جن میں سے اکثر ہمارے دفتر تصنیف میں موجود ہیں، یا ہم ان سے متمتع ہو چکے ہیں،

[1] مارگولیتھ، محمد دیباچہ صفحہ ۱

Marfat.com

نمبر	نام مصنف	وطن	نام تصنیف یا مضمون	زمانہ تصنیف
۱	ڈاکٹر جی، بی (؟)	انگلستان	سیرت محمد خادع (نعوذ باللہ)	۱۸۱۵ء
۲	ڈاکٹر وائٹ White داغظ آکسفورڈ	″	بیمفلٹ سرمنز اسلام اور پیغمبر اسلام پر	اوائل ۱۸۰۰ء
۳	گارڈفری ہگنس ایم آر اے ایس، Godfrey Higgins	″	اپالوجی	۱۸۲۹ء
۴	ڈاکٹر جے اے مولر Muller	جرمن	اسلامزم	۱۸۳۰ء
۵	گارسن ڈی ٹاسی Garcinde Tassy	فرانس	اسلام و قرآن	۱۸۳۱ء ۱۸۷۴ء
۶	اڈورڈ لین Edwardlane	انگلستان	انتخابات القرآن	۱۸۴۳ء
۷	ڈاکٹر ویل Weil	جرمن	ترجمہ و تحشیہ ابن ہشام کتاب محمد پیغمبر	۱۸۴۵ء ۱۸۴۶ء
۸	کارلائل Carlyle	انگلستان	ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ	۱۸۴۶ء
۹	کوسن ڈی پرسیوال Caussin de Perguae	فرانس	تاریخ عرب	۱۸۴۷ء
۱۰	واشنگٹن ارونگ Irving	انگلستان	سیرت محمد	۱۸۴۹ء
۱۱	ڈاکٹر اسپرنگر Springer	جرمن	سیرت محمد	۱۸۵۱ء
۱۲	وان کریمر Von Kramer	″	ترجمہ و تحشیہ واقدی	۱۸۵۶ء
۱۳	مضمون نگار نیشنل ریویو	انگلستان	مضمون "محمد"	۱۸۵۸ء
۱۴	ڈوزی Dozy	ہولینڈ	تاریخ اسلام	۱۸۶۱ء
۱۵	مضمون نگار نیشنل ریویو	انگلستان	بزرگ ترین عرب	۱۸۶۱ء
۱۶	ڈی لین Delane	″	سیرت محمد	۱۸۶۱ء

Marfat.com

نمبر	نام مصنف	وطن	نام تصنیف یا مضمون	زمانہ تصنیف
۱۷	میور (Muir)	انگلستان	سیرت محمدؐ	۱۸۶۱ء
۱۸	ریتھالی سینٹ ہلیر (Hilaire)	فرانس	محمد و قرآن	۱۸۶۵ء
۱۹	نولدیکی (Noeldeke)	جرمن	مضامین قرآن و اسلام	۱۸۶۹ء
۲۰	دو شیف مضمون نگار کوارٹرلی ریویو	انگلستان	اسلام	۱۸۶۹ء
۲۱	مضمون نگار برٹش کوارٹرلی ریویو	"	محمدؐ	۱۸۷۲ء
۲۲	جولیس چارلس (Jolius Charles)	فرانس	تاریخ بانی اسلام	۱۸۷۴ء
۲۳	مضمون نگار کانٹمپریری ریویو	انگلستان	محمدؐ اور اسلام	۱۸۷۵ء
۲۴	باسورتھ اسمتھ (Basworth Smith)	"	"	۱۸۷۵ء
۲۵	سیدیو (Sedillot)	فرانس	تاریخ عرب	۱۸۷۷ء
۲۶	ولہوسن (Welhousin)	جرمن	تبصرہ بر واقدی	۱۸۸۰ء
۲۷	اہل کراہل (Krehl)	جرمنی	سیرت محمدؐ	۱۸۸۴ء
۲۸	گولڈزیہر (Goldziher)	"	مطالعہ اسلام	۱۸۹۰ء
۲۹	رینان (Renan)	فرانس	تاریخ مذاہب	۱۸۹۲ء
۳۰	ایچ گریم (Grimme)	ہولینڈ	سیرت محمدؐ	۱۸۹۴ء
۳۱	ہنری دی کاستری (Henri de Castri)	فرانس	اسلام پر خیالات	۱۸۹۶ء
۳۲	الیف بوہل (Buhl)	ہولینڈ	سیرت محمدؐ	۱۹۰۳ء

Marfat.com

نمبر	نام مصنف	وطن	نام تصنیف یا مضمون	زمانہ تصنیف
۳۳	والسٹن (Wallaston)	انگلینڈ	آدھ گھنٹہ محمدؐ کے ساتھ	۱۹۰۵ء
۳۴	مارگولیتھ (Margoliouth)	"	محمد	"
۳۵	کوئل (Koelle)	"	محمد اور اسلام	۱۸۹۴ء
۳۶	پرنس کائتانی (Caetani)	اٹالیہ	تاریخ کبیر محمدؐ و اسلام و سلاطین اسلام	جاری
۳۷	میجر لیونارڈ (Leonard)	انگلینڈ	اسلام کا روحانی و اخلاقی پایہ	۱۹۰۹ء

مصنفین یورپ تین قسموں میں منقسم کئے جا سکتے ہیں:۔

(۱) جو عربی زبان اور اصل ماخذوں سے واقف نہیں، ان لوگوں کا سرمایہ معلومات اوروں کی تصنیفات اور تراجم ہیں، ان کا کام صرف یہ ہے، کہ اس مشتبہ اور ناکامل مواد کو قیاس اور میلان طبع کے قالب میں ڈھال کر دکھائیں، تعجب ہوتا ہے، کہ ان میں بعض مثلاً (گبن صاحب) ایسے صائب الرائے اور انصاف پرست ہیں، کہ راکھ کے ڈھیر میں سے بھی سونے کے ذرے نکال سکتے ہیں، لیکن قلیل ما ھم

(۲) عربی زبان اور علم ادب و تاریخ و فلسفہ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہیں، لیکن مذہبی لٹریچر اور سیرت کے فن سے ناآشنا ہیں، ان لوگوں سے سیرت یا مذہب اسلام پر کوئی مستقل تصنیف نہیں لکھی، لیکن ضمنی موقعوں پر عربی دانی کے زعم میں اسلام یا شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نہایت دلیری سے جو کچھ چاہتے ہیں، لکھ جاتے ہیں مثلاً جرمن کا مشہور فاضل ساخو جس نے طبقات ابن سعد شایع کی ہے اس کی وسعت

Marfat.com

معلومات اور عربی دانی سے کون انکار کرسکتا ہے، بیرونی کی کتاب الہند کا دیباچہ اس نے جس تحقیق سے لکھا ہے، رشک کے قابل ہے لیکن اسی دیباچہ میں اسلامی امور کے متعلق ایسی باتیں لکھ جاتا ہے، جس کو پڑھ کر بھول جانا پڑتا ہے، کہ وہ وہی محترم شخص ہے جس کو ابھی ہم نے دیکھا تھا، نولدیکی (جرمنی) نے قرآن مجید کا خاص مطالعہ کیا ہے، لیکن انسائیکلوپیڈیا (جلد ۱۶) میں قرآن مجید پر اس کا جو آرٹیکل ہے، جابجا نہ صرف اس کے تعصب، بلکہ اس کی جہالت کے راز نہاں کی بھی پردہ دری کرتا ہے،

(۳) وہ مستشرقین جنہوں نے خاص اسلامی اور مذہبی لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا ہے، مثلاً پامر صاحب یا مارگولس صاحب ان سے ہم بہت کچھ امید کرسکتے تھے، لیکن باوجود عربی دانی، کثرت مطالعہ تفحص کتب کے ان کا یہ حال ہے، کہ ع

دیکھتا سب کچھ ہوں لیکن سوجھتا کچھ بھی نہیں،

مارگولیوس نے مسند امام احمد بن حنبل کی ۶ ضخیم جلدوں کا ایک ایک حرف پڑھا ہے اور ہم دعوی سے کہہ سکتے ہیں، کہ ہمارے زمانہ میں کسی مسلمان کو بھی اس وصف میں اس کی ہمسری کا دعوی نہیں کرسکتا لیکن پروفیسر موصوف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری پر جو کتاب لکھی ہے، دنیا کی تاریخ اس سے زیادہ کوئی کتاب کذب وافترا اور تاویل وتعصب کی مثال کے لئے پیش نہیں کرسکتی، اس کا اگر کوئی کمال ہے، تو یہ ہے، کہ سادہ سے سادہ اور معمولی سے معمولی واقعہ کو جس میں برائی کا کوئی پہلو پیدا نہیں ہوسکتا، صرف اپنی طباعی کے زور سے بدمنظر بنا دیتا ہے،

Marfat.com

ڈاکٹر اسپرنگر جرمنی کے مشہور عربی دان ہیں، کئی سال مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل رہے لکھنؤ میں آکر شاہی کتب خانہ کی رپورٹ لکھی، جو ہماری نظر سے گذری، حافظ ابن حجر کی کتاب الاصابۃ فی احوال الصحابہؓ اول اول ان ہی نے تصحیح کر کے کلکتہ میں چھپوائی، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانحعمری پر ایک مستقل ضخیم کتاب ۳ جلدوں میں لکھی، تو ہم حیرت زدہ ہو کر رہ گئے،

یورپین مصنفوں کی غلط کاریوں کی بڑی وجہ تو وہی ان کا مذہبی اور سیاسی تعصب ہے لیکن بعض وجوہ اور بھی ہیں، جن کی بنا پر ہم ان کو معذور رکھ سکتے ہیں،

۱۔ سب سے بڑی وجہ یہ ہے، کہ ان کا تمامتر سرمایہ استناد، صرف سیرت اور تاریخ کی کتابیں ہیں، مثلاً مغازی واقدی، سیرت ابن ہشام، سیرت محمد بن اسحاق، تاریخ طبری وغیرہ اور یہ ظاہر ہے، کہ کوئی غیر مسلم شخص اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانحعمری مرتب کرنا چاہے گا، تو عام قیاس یہی رہبری کرے گا، کہ اس کو تصنیفات سیرت کی طرف رجوع کرنا چاہیئے لیکن واقعہ یہ ہے، کہ سیرت کی تصنیفات میں سے ایک بھی نہیں، جو استناد کے لحاظ سے بلند رتبہ ہو، چنانچہ اس کی بحث اوپر گذر چکی، مصنفین سیرت سے قطع نظر، سیرت کی روایتیں زیادہ تر جن لوگوں سے مروی ہیں، مثلاً سیف سری، ابن سلمہ، ابن نجیح عموماً ضعیف الروایۃ ہیں، اس لئے عام اور معمولی واقعات میں ان کی شہادت کافی ہو سکتی ہے، لیکن وہ واقعات مہتم بالشان مسائل کی بنیاد قائم ہے، ان کے لئے یہ سرمایہ بے کار ہے،

کتاب جرمن زبان میں ہے، میں جرمن نہیں جانتا، لیکن اس کے اقوال اکثر اور مصنفین نے نقل کئے ہیں، اور وہ ہماری نظر سے گذرے ہیں،

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانحعمری کے یقینی واقعات وہ ہیں، جو حدیث کی کتابوں میں بہ روایات صحیحہ منقول ہیں، یورپین مصنفین اس سرمایہ سے بالکل بے خبر ہیں اور ایک آدھ کوئی ہے (مثلاً مارگولیس) تو اولاً وہ اس فن کا ماہر نہیں، اور ہو بھی، تو تعصب کی ایک چنگاڑی سینکڑوں خرمن معلومات کو جلانے کے لئے کافی ہے

۲- دوسری بڑی وجہ یہ ہے، کہ یورپ کے اصول تنقیح شہادت اور ہمارے اصول تنقیح میں سخت اختلاف ہے، یورپ اس بات کو بالکل نہیں دیکھتا، کہ راوی صادق ہے یا کاذب، اس کے اخلاق وعادات کیا ہیں؟ حافظہ کیسا ہے؟ اس کے نزدیک یہ تحقیق وتدقیق نہ ممکن ہے، نہ ضروری ہے، وہ صرف یہ دیکھتا ہے، کہ راوی کا بیان بجائے خود قرائن وواقعات کے تناسب سے مطابقت رکھتا ہے، یا نہیں، فرض کرو، ایک جھوٹے سے جھوٹا راوی ایک واقعہ بیان کرتا ہے، جو قرائن موجودہ اور گردوپیش کے واقعات کے لحاظ سے صحیح معلوم ہوتا ہے، بیان بالکل مسلسل ہے، اور کہیں سے نہیں اکھڑتا، تو یورپ کے مذاق کے موافق واقعہ کی صحت تسلیم کر لی جائے گی،

بخلاف اس کے مسلمان مورخ اور خصوصاً محدثین اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ خود روایت کی کیا حالت ہے، بلکہ سب سے پہلے وہ یہ دیکھتے ہیں، کہ اسماء الرجال کے دفتر تخصصات میں اس شخص کا نام ثقہ لوگوں کی فہرست میں درج ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے، تو اس کا بیان بالکل ناقابل اعتنا ہے، بخلاف اس کے اگر ثقہ راوی نے کوئی واقعہ بیان کیا تو گو قرائن اور قیاسات کے خلاف ہو، تو گو بظاہر عقل کے مطابق بھی نہ ہو، لیکن اس

Marfat.com

روایت قبول کرلی جائے گی،

اس اختلاف اصول نے یورپین تصنیفات پر بہت بڑا اثر پیدا کیا ہے، مثلاً اہل یورپ واقدی کے بیان پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے، کہ واقدی کا بیان نہایت مسلسل اور مربوط ہوتا ہے، جزئیات کی تمام کڑیاں باہم ملتی چلی جاتی ہیں، واقعات میں کہیں خلا نہیں ہوتا، جو چیزیں کسی واقعہ کو دلچسپ بنا سکتی ہیں، سب موجود ہوتی ہیں،

لیکن سچ یہ ہے، کہ یہی باتیں اصلی راز کی پردہ دری کرتی ہیں، جو روایتیں سو برس سے زیادہ زمانہ تک محض زبانوں پر رہیں، ان میں اس قدر استقصائے جزئیات ممکن نہیں، البتہ ہوسکتا ہے، کہ جس طرح تاریخی افسانے لکھے جاتے ہیں، چند واقعات کا ذخیرہ سامنے رکھ کر قیاس و قرائن اور معلومات عامہ کے ذریعہ سے ایک سادہ واقعہ کو نقش و نگار سے کامل کردیا جائے، لیکن یہ جرأت صرف واقدی کرسکتا، محدثین اس سے معذور ہیں،

تاہم اس سے بھی انکار ہوسکتا، کہ ہر موقع پر راوی کا ثقہ ہونا کافی نہیں، ثقات بھی غلطی کرسکتے ہیں، اور کرتے ہیں، اس لئے ضرور ہے کہ درایت کے جو اصول محدثین نے قائم کئے ہیں، اور جن کو بعض جگہ وہ بھول جاتے ہیں، ان کی نہایت سختی کے ساتھ پابندی کی جائے،

یورپین تصنیفات یورپین مصنفین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق چونکہ چینیاں [illegible] مشترکہ کرتے ہیں، یا ان کی تصنیفات سے چونکہ چینیاں خود بخود ناظرین کے دل [illegible] پیدا ہوتی ہیں، حسب ذیل ہیں،

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مکہ معظمہ تک پیغمبرانہ زندگی ہے لیکن مدینہ جاکر

جب زور و قوت حاصل ہوتی ہے، تو دفعۃً پیغمبری بادشاہی سے بدل جاتی ہے، اور اس کے جو لوازم ہیں یعنی لشکر کشی، قتل، انتقام، خونریزی خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں،

(۲) کثرت ازدواج اور میل الی النساء

(۳) مذہب کی اشاعت، جبر اور زور سے

(۴) لونڈی غلام بنالے کی اجازت، اور اس پر عمل

(۵) دنیاداروں کی سی حکمت عملی اور بہانہ جوئی،

اس بنا پر ہماری کتاب کے ناظرین کو تمام واقعات میں اس نکتہ پر نظر رکھنی چاہیئے کہ یہ اعتراضات تاریخی تحقیقات کے معیار پر ٹھیک بھی اتر سکتے ہیں، یا نہیں،

اصول تصنیف اور ترتیب ہم نے اس کتاب میں جو اصول قائم کئے ہیں، اب ان کے بتانے کا وقت آگیا ہے،

(۱) سب سے پہلے یہ کہ سیرت کے واقعات کے متعلق جو کچھ قرآن مجید میں مذکور ہے انکو سب پر مقدم رکھا ہے، یہ قطعاً ثابت ہے، کہ بہت سے واقعات کے متعلق خود قرآن مجید میں ایسی تصریحات یا اشارے موجود ہیں جن سے اختلافی مباحث کا فیصلہ ہو جاتا ہے لیکن لوگوں نے آیات قرآنی پر اچھی طرح نظر نہیں ڈالی، اس لئے یہ مباحث غیر مفصل رہ گئے،

(۲) قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے، احادیث صحیحہ کے سامنے سیرت کی روایتیں نظر انداز کر دی ہیں، جو واقعات بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں ان کے مقابلہ میں سیرت یا تاریخ کی روایت کی کوئی ضرورت نہیں، ارباب سیر کو ایک بڑی غلطی یہ ہوئی، کہ وہ واقعات

کو کتب حدیث میں، ان موقعوں پر ڈھونڈھتے ہیں جہاں عنوان اور مضمون کے لحاظ سے اس کو درج ہونا چاہیئے، اور جب ان کو ان موقعوں پر کوئی روایت نہیں ملتی، تو وہ کم درجہ کی روایتوں کو لے لیتے ہیں، لیکن کتب حدیث میں ہر قسم کے نہایت تفصیلی واقعات ضمنی موقعوں پر روایت میں آجاتے ہیں، اس لئے اگر عام استقرار اور تفحص سے کام لیا جائے تو تمام اہم واقعات میں خود صحاح ستہ کی روایتیں مل جاتی ہیں، ہماری اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہی ہے، کہ اکثر تفصیلی واقعات ہم نے حدیث ہی کی کتابوں سے ڈھونڈھ کر مہیا کئے، جو اہل سیر کی نظر سے بالکل اوجھل رہ گئے تھے،

(۳) روزمرہ اور عام واقعات میں ابن سعد، ابن ہشام اور طبری کی عام روایتیں کافی خیال کی ہیں لیکن جو واقعات کچھ بھی اہمیت رکھتے ہیں، ان کے متعلق تحقیق اور تنقید سے کام لیا ہے، اور تا امکان کد و کاوش کی ہے، اس خاص ضرورت کے لئے ہم نے پہلا کام یہ کیا، کہ ابن ہشام، ابن سعد اور طبری کے تمام رواۃ کے نام الگ انتخاب کر لئے، جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے، پھر اسماء الرجال کی کتابوں سے ان کی جرح و تعدیل کا نقشہ تیار کیا، تاکہ جس روایت کی تحقیق مقصود ہو، بہ آسانی ہو جائے،

(۴) جن فروگذاشتوں کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، جہاں تک ممکن تھا، انکی اصلاح و تلافی کی ہے،

کتاب کے حصے | اس کتاب کے پانچ حصے ہیں،

پہلے حصہ میں عرب کے مختصر حالات، کعبہ کی تاریخ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی ولادت سے لے کر وفات تک عام حالات اور واقعات وغزوات ہیں، اسی حصہ کے دوسرے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اخلاق وعادات کی تفصیل ہے آل واولاد اور ازواج مطہراتؓ کے حالات بھی اسی باب میں ہیں

دوسرا حصہ منصب نبوت سے متعلق ہے، نبوت کا فرض تعلیم عقاید اوامر ونواہی اصلاح اعمال واخلاق ہے، اس بنا پر منصب نبوت کے کاموں کی تفصیل اس حصہ میں کی گئی ہے، اس حصہ میں فرائض خمسہ اور تمام اوامر ونواہی کی ابتدا اور تدریجی تغیرات کی مفصل تاریخ اور ان کے مصالح اور حکم اور دیگر مذاہب سے ان کا مقابلہ وموازنہ ہے، اسی حصہ میں نہایت تفصیل سے بتایا گیا ہے، کہ عرب کے عقاید اور اخلاق وعادات پہلے کیا تھے، اور ان میں کیا کیا اصلاحیں عمل میں آئیں، نیز یہ کہ تمام عالم کی اصلاح کے لئے اسلام نے کیا قانون مرتب کیا، اور کیونکر وہ تمام عالم کے لئے اور ہر زمانہ کے لئے کافی ہو سکتا ہے،

تیسرے حصہ میں قرآن مجید کی تاریخ، وجوہ اعجاز، اور حقائق واسرار سے بحث ہے،

چوتھے حصہ میں معجزات کی تفصیل ہے، قدیم سیرت کی کتابوں میں معجزات کا الگ باب باندھتے ہیں، لیکن آج کل تو اس کو بالکل مستقل حیثیت سے لکھنے کی ضرورت ہے، کیونکہ معجزات کے ساتھ اصل معجزہ کی حقیقت اور امکان سے بحث کرنے کی ضرورت بھی پیش آ گئی ہے، البتہ جن معجزات کی تاریخ اور سنہ متعین ہے مثلاً معراج یا تکثیر طعام وغیرہ ان کو اس سنہ کے واقعات میں لکھدیا ہے،

پانچواں حصہ خاص یورپین تصنیفات کے متعلق ہے، یعنی یورپ کے آنحضرت صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم اور مذہب اسلام کے متعلق کیا لکھا ہے؟ ان کا سرمایہ معلومات کیا ہے؟ تاریخی واقعات میں وہ کیونکر غلطیاں کرتے ہیں؟ مسائل اسلام کے سمجھنے میں ان سے کیا کیا غلطیاں ہوئیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات یا مسائل اسلام پر جو نکتہ چینیاں کی ہیں، ان کے جوابات،

یہ ضرور نہیں ہے، کہ یہ حصے اسی ترتیب سے شایع ہوں، بلکہ جس حصہ کی تیاری کے سامان فراہم ہو جائیں گے، اور مرتب ہو جائے گا، وہ شائع کر دیا جائے گا،

استناد اور حوالے | تاریخ اور روایت میں حوالہ اور استناد سب سے مقدم چیز ہے، اس لئے اس کے متعلق چند ضروری امور بیان کر دینے ضرور ہیں،

(۱) صرف انہی کتابوں کا حوالہ دیا ہے، جو خود میری نظر سے گذری ہیں،

(۲) جو واقعات کسی قدر اہم ہیں، ان کے متعلق صرف صحیح حدیثوں یا مستند تاریخی روایتوں کا حوالہ دیا ہے، لیکن عام واقعات یا غزوات کے متعلق جزئیات کی تفصیل میں محدثانہ کد وکاوش نہیں ہے،

(۳) مطبوعہ کتابوں کے حوالہ میں مطبع کا نام بتا دیا گیا ہے، قلمی کتابوں کے متعلق تصانیف سیرت کی فہرست جو اوپر گذر چکی ہے، اس میں بتا دیا ہے، کہ ہمارے استعمال میں کونسا نسخہ تھا،

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

Marfat.com

عرب

وجہ تسمیہ | عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف رائیں ہیں، اہل لغت کہتے ہیں، کہ عرب اور اعراب کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں، اور چونکہ اہل عرب اپنی زبان آوری کے سامنے تمام دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے، اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو "عرب" اور دنیا کی اور تمام قوموں کو عجم (ژدلیدہ بیان) کہہ کر پکارا،

بعض کی رائے ہے، کہ عرب اصل میں عربۃ تھا، قدیم اشعار میں عرب کے بجائے عربۃ آیا ہے

ورجت باحۃ العربات رجا ترقرق فی مناکبہا الہواء

وعربۃ ارض فی الشر اھلہا کما جد فی شرب التفاح ظمأ

وعربۃ ارض ما یحل حرامہا من الناس الا اللوذعی الحلاحل

عربۃ کے معنی سامی زبانوں میں دشت اور صحرا کے ہیں، اور چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت و صحرا ہے، اس لئے تمام ملک کو عرب کہنے لگے،

جغرافیہ | عرب کے حدود اربعہ یہ ہیں:-

بحیرۂ قلزم

خلیج فارس اور بحر عمان

بحر ہند

Marfat.com

شمال کی حدود بہت مختلف فیہ ہیں، بعض مملکت حلب اور فرات تک اس کی حدود کو وسعت دیتے ہیں،

سینا کا جزیرہ نما جس کا نام التیہ ہے، اکثر مصنفین عرب و یورپ اس کو مصر میں شمار کرتے ہیں لیکن جیالوجی کی رو سے وہ عرب سے متعلق ہے،

عرب کی پیمائش باقاعدہ اب تک نہیں ہوئی، تاہم اس قدر یقینی ہے کہ وہ جرمن اور فرانس سے چوگنا زیادہ وسیع ہے، طول تقریباً پندرہ سو، عرض چھ سو میل، اور مجموعی رقبہ بارہ لاکھ مربع میل ہے،

ملک کا بڑا حصہ ریگستان ہے، پہاڑوں کا جال تمام ملک میں پھیلا ہوا ہے، سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ جبل الشراۃ ہے، جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا گیا ہے، اس کی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فیٹ بلند ہے، بعض حصے زرخیز اور شاداب بھی ہیں،

چاندی اور سونے کی کانیں کثرت سے ہیں، علامہ ہمدانی نے "صفۃ جزیرۃ العرب" میں ایک ایک کان کا نشان دیا ہے، قریش جو تجارت کیا کرتے تھے، مورخین نے لکھا ہے زیادہ تر ان کا مال تجارت چاندی ہوتی تھی، برٹن صاحب نے مدین کی طلائی معادن پر ایک خاص کتاب لکھی ہے،

قدیم تاریخ کے ماخذ | اسلام سے قبل عرب کی تاریخ کے ماخذ حسب ذیل ہیں،

(۱) زمانہ جاہلیت کی بعض تصنیفات، جو سلاطین حیرۃ کے کتب خانہ میں

موجود تھیں، اور جو ابن ہشام کو ہاتھ آئی تھیں، اور جن کا ذکر علامہ موصوف نے کتاب التیجان میں کیا ہے،

(۲) زبانی روایتیں جو قدیم سے چلی آتی تھیں، عرب کا حافظہ نہایت قوی تھا، یہاں تک کہ آج اشعار جاہلیت کا جو وسیع ذخیرہ موجود ہے، اسلام کے زمانہ تک زبانی ہی روایت ہوتا چلا آتا تھا، اس بنا پر عرب کی قدیم تاریخ کا کافی سرمایہ محفوظ تھا، عرب کی جو قومیں معدوم ہو چکیں، مثلاً طسم، جدیس، عاد، ثمود ان کے متعلق بھی اس قدر تاریخی روایتیں محفوظ تھیں، کہ ان کے ذریعہ سے مورخین اسلام، عرب کی تاریخ قدیم پر معتدبہ تصنیفات مرتب کر سکے مثلاً ہشام کلبی نے طسم، جدیس، تبابعہ یمن اور دیگر سلاطین عرب پر متعدد کتابیں لکھیں، جن کا ذکر ابن الندیم نے فہرست صفحہ ۹۶ میں کیا ہے،

(۳) اشعار جاہلیت جن میں اکثر سلاطین اور اقوام، اور عمارات عرب کا ذکر ہے، یہ اشعار صفۃ جزیرۃ العرب اور معجم البلدان میں کثرت سے موجود ہیں، انہی قدیم ماخذوں سے علامہ ہمدانی نے اپنی کتاب "اکلیل" مرتب کی ہے جس کا آٹھواں باب خاص سلاطین حمیر کے آثارات قدیمہ اور حمیری کتبات پر مشتمل ہے،

(۴) یورپ کی قدیم تصنیفات مثلاً مصنفین یونان نے تھیوفراسٹس (جو حضرت عیسیٰ سے چار سو برس قبل تھا) سے لے کر بطلیموس تک بہت سے قبائل عرب کے نام لکھے ہیں اور ان کی آبادیوں کے نام بھی بتائے ہیں، رومن مورخ پلینی نے بھی عرب کے متعلق لکھا ہے

لہ اس کتاب کا ذکر نہایت تفصیل کے ساتھ طبقات الامم (مطبوعہ بیروت) میں ہے،

Marfat.com

گو نہایت مختصر ہے،

(۵) عرب کی قدیم ویران شدہ عمارتوں کے کتبات، جو قدمائے اسلام نے دریافت کئے تھے، اور آج کل یورپ نے نہایت کثرت سے مہیا کئے ہیں،

عرب کے اقوام و قبائل | مؤرخین عرب نے اقوام و قبائل عرب کو تین حصوں پر منقسم کیا ہے،

عرب بائدہ یعنی عرب کے قدیم ترین قبائل، جو اسلام سے بہت پہلے فنا ہو چکے تھے

عرب عاربہ، بنو قحطان، جو عرب بائدہ کے بعد عرب کے اصلی باشندے تھے اور جن کا اصل مسکن ملک یمن تھا،

عرب مستعربہ، بنو اسمٰعیل، یعنی حضرت اسماعیلؑ کی اولاد جو حجاز میں آباد تھی،

ظہور اسلام کے وقت بنو قحطان اور بنو اسمٰعیل، جن کو عدنانی قبائل بھی کہتے ہیں، ملک کے اصلی باشندے تھے، اور ان کے علاوہ خال خال یہودیوں کی آبادی تھی، اس بنا پر درحقیقت ملک عرب اس وقت تین مختلف عناصر سے مرکب تھا، ہر عنصر کا قوام بے شمار قبائل و فروع سے تھا، جو یمن سے شام تک ہر قطعہ زمین میں پھیلے ہوئے تھے، ان کی پھر مختلف چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں، چونکہ اس کتاب میں اکثر ان کے نام آئیں گے، اس لئے ان کا ایک مختصر خاکہ درج ذیل ہے،

بنو قحطان

اس خاندان کی تین بڑی شاخیں ہیں۔

یہاں سے "عرب کی قدیم حکومتیں" تک زیادت ہے "س"

Marfat.com

(۱) قضاعہ (۲) کہلان (۳) ازد، حمیر بھی اسی کی شاخ ہے جو یمن کے فرمانروا تھے، لیکن واقعات کو ان سے کوئی تعلق نہیں،

(۱) قبائل قضاعہ، عام علمائے انساب قضاعہ کو بنو قحطان میں داخل کرتے ہیں اور ہم بھی یہاں ان کی پیروی کرتے ہیں، ورنہ از روئے تحقیق وہ بنو اسمٰعیل ہیں، بہرحال ان کی حسب ذیل شاخیں ہیں،

بنو کلب، بنو تنوخ، بنو جرہم، بنو جہینہ، بنو نہد، بنو عذرہ، بنو اسلم، بلی، سلیح، ضجعم، تغلب نمر، اسد، تیم اللات، کلب

(۲) کہلان،

بجیلہ، خثعم، ہمدان، کندہ، مذحج، طے، لخم، جذام، عاملہ،

(۳) ازد، انصار اسی کی شاخ تھے،

اوس، خزرج، خزاعہ، غسان، دوس،

مشہور عدنانی قبائل جن کا آخری مقسم مضر ہے حسب ذیل ہیں، قبائل مضر اولاً بنی خندف، اور بنو قیس دو خاندانوں پر منقسم ہے،

۱۔ خندف

ہذیل، کنانہ، اسد، ضبہ، مزینہ، رباب، تمیم، ہون

ان میں سے ہر ایک کے متعدد فروع ہیں،

Marfat.com

اصول	فروع
کنانہ	قریش، دول
ہون	قارہ،
رباب	عدی، تیم، عکل، ثور،
تمیم	مقاعس، قریع، بہدلہ، یربوع،
	ریاح، ثعلبہ، کلیب،

(۲) قیس

عدوان، غطفان، عصر، سلیم، ہوازن

ان میں بعض کے فروع یہ ہیں،

غطفان	عبس، ذبیان، فزارہ، مرہ
اعصر	غنی، باہلہ،
ہوازن	سعد، نصر، جشم، ثقیف، سلول، بنو عامر،
	(عامر کی شاخیں بنو ہلال، بنو میر، بنو کعب ہیں)

یہود

بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ،

بنو قحطان و آل اسماعیل نے اسلام سے پہلے متعدد حکومتیں قائم کی تھیں جن کے جستہ جستہ واقعات کہیں ملتے ہیں،

عرب کی قدیم حکومتیں | کتبوں اور دیگر مورخین کی تصریحوں سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے، یہ ہے، کہ اسلام سے پہلے عرب میں پانچ متمدن حکومتیں گذریں،

(۱) معینی — معین یمن میں ایک مقام کا نام ہے، جو کسی زمانہ میں سلطنت کا پایہ تخت تھا،

(۲) سبائی — یعنی قوم سبا

(۳) حضرموتی — حضرموت یمن کا مشہور مقام ہے،

(۴) قتبانی — قتبان عدن میں ایک مقام ہے، جو آجکل گمنام ہے

(۵) نابتی — حضرت اسمٰعیل کے ایک بیٹے کا نام نابت تھا یہ سلسلہ انہی کی طرف منسوب ہے،

معینی سلطنت جنوبی عربستان میں تھی، اس کے صدر مقامات قرن اور معین تھے کتبوں سے تقریباً پچیس حکمرانوں کا پتہ چلتا ہے محققین یورپ میں اختلاف ہے، کہ معینی اور سبائی حکومتیں ہمزمان تھیں یا متقدم و متاخر گلازر کا خیال ہے، کہ معینی حکومت بہت متقدم ہے، اور حضرت عیسٰی سے پندرہ سو برس قبل موجود تھی لیکن مولر کا بیان ہے، کہ کوئی معینی کتبہ آٹھ سو برس قبل مسیح سے پہلے کا نہیں ملتا، اس بنا پر سبائی اور معینی دونوں ہمعصر ہیں

سبائی دور، جیسا کہ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے، حضرت عیسٰی سے سات سو برس قبل ہے، اس سلطنت کا پایہ تخت مآرب تھا، اس زمانہ کے سنگی کتبے بہ کثرت موجود ہیں حضرت عیسٰی سے ایک سو پندرہ برس قبل تک اس حکومت کا پتہ چلتا ہے، اس دور کے بعد

حمیر کا زمانہ ہے، حمیر نے مآرب پر قبضہ کر کے اس کو پائے تخت بنا لیا،

قریباً ۱۱۵ سنہ قبل مسیح میں حمیر نے سبائی حکومت پر قبضہ کر لیا کتبوں سے ثابت ہوتا ہے، کہ حمیر میں چھبیس فرمانروا گذرے، حمیر کے بعض کتبوں میں سنہ و سال بھی کندہ ہے، ان کے عہد حکومت میں رومی سلطنت نے عرب میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن یہ کوشش پہلی بھی تھی، اور آخری بھی، ایلیس گالس جس نے حضرت عیسیٰ سے ۱۸ برس قبل عرب پر چڑھائی کی تھی، بالکل ناکامیاب رہا، اس کے رہبر دغابازی سے اس کو صحرا میں لے گئے، اور ریگستان میں پہنچ کر اس کا سارا لشکر تباہ ہو گیا،

حمیر نے یہودی مذہب قبول کر لیا تھا، اسی زمانہ کے قریب حبشیوں نے عرب کے جنوب میں حکومت قائم کرنا شروع کی، اور ایک زمانہ میں حمیریوں کو شکست دے کر اپنی مستقل حکومت قائم کر لی، اس عہد کا ایک کتبہ جو آجکل ہاتھ آیا ہے، اس پر یہ الفاظ ہیں،

"رحمان مسیح اور روح القدس کی قدرت و فضل و رحمت سے اس یادگاری پتھر پر ابرہہ نے کتبہ لکھا، جو کہ بادشاہ حبش، ارآمیس ذی ان کا نائب الحکومت ہے"

سبا اور حمیر کی عظمت اور اقتدار اور وسعت فتوحات کی روایتیں عرب میں اس قدر متواتر ہیں، کہ ان کے قدر مشترک سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اشعار میں بھی کثرت سے واقعات مذکور ہیں، عربوں کے خیال کے موافق سلاطین حمیر نے ایران کے انتہائی مقامات فتح کر لئے تھے، ذوالقرنین جس کو عوام سکندر کہتے ہیں، اہل عرب کے نزدیک اسی حمیری

لہ یہ تمام تفصیل انسائیکلوپیڈیا کے اس آرٹیکل سے ماخوذ ہے، جو جی ڈبلو تھیاچر صاحب نے عرب پر لکھا ہے، نیز ٹریٹی ہسٹری آف

Marfat.com

خاندان کا فرمانروا تھا، شاہنامہ میں مذکور ہے، کہ کیکاؤس کو شاہ ہاماوران نے گرفتار کرلیا تھا علامہ ثعلبی نے تاریخ ایران میں (جو اب یورپ میں چھپ کر شائع ہوگئی ہے) لکھا ہے، کہ یہ ہاماوران حمیر کا بادشاہ تھا، اور ہاماوران دراصل وہی عربی حمیر ہے، علامہ موصوف نے یہ بھی لکھا ہے، کہ سودابہ جو کیکاؤس کی زوجہ تھی، اور فردوسی کے بیان کے موافق سیاوش پر عاشق ہوگئی تھی، اسی حمیری بادشاہ کی بیٹی تھی، اور اس کا اصلی نام سُعدیٰ تھا، ایرانیوں نے اپنے تلفظ میں اس کو سودابہ کرلیا،

یورپ کی تحقیقات حال سے بھی سبا اور حمیر کے اعلیٰ درجہ کے تمدن کا ثبوت ملتا ہے، پروفیسر نولدیکی جرمنی کا مشہور مستشرق لکھتا ہے،

"ولادت مسیح سے ہزار سال قبل جنوبی و غربی عرب یعنی یمن جو حمیر اور سبا کا ملک تھا، اور اپنی بارش گرما کے باعث زراعت کے لئے نہایت موزون تھا، تمدن کے اس رتبہ تک پہنچ چکا تھا، کہ اس کے کثیر التعداد کتبات اور شاندار عمارات کے آثار سے آج بھی ہمارے جذبات مدح و ستائش کو تحریک ہوتی ہے، اور اہل یونان و روم نے اس کو "دولت مند عرب" کا جو لقب دیا تھا، وہ بے جا نہ تھا۔ توراۃ میں متعدد عبارتیں ہیں، جو سبا کی عظمت و شوکت کی شہادت دیتی ہیں، چنانچہ ملکہ سبا کا سلیمانؑ سے ملاقات کا قصہ خاص طرح پر قابل ذکر ہے (۱۔سلاطین ۱۰۔ آیت ۱ تا ۱۰) قوم ثمود جن کی عمارات سے ڈاؤنی اور یوٹنگ کی محنتوں نے ہم کو روشناس کردیا ہے نیز قوم نابت نے جو ثمود سے بہت ملتی جلتی ہے، اپنے تمدن کی ابتدائی تعلیم غالباً

انہی سے حاصل کی ہے۔"

"کتابت کا فن جو سبائیوں نے بہت ابتدائی زمانہ میں شمال سے لیا تھا، اب اس کو خود انہوں نے عرب کے اکثر حصوں میں ہر طرح کے کاروبار میں جاری کر دیا، یہاں تک کہ ایک طرف دمشق اور دوسری جانب ابی سینیا تک اس کو پھیلا دیا۔"

نابتی حکومت جو شام کے حدود سے متصل تھی، اور جو قوم ثمود کی مرادف یا ان کی قائم مقام تھی، اس کی نسبت فاسٹر صاحب اپنے جغرافیہ میں لکھتے ہیں:۔

"ان مختصر بیانات سے معلوم ہوا ہوگا، کہ زمانہ قدیم میں نابت کا نام اور اثر نہ صرف ریگستانی اور صحرائی عرب پر مستولی تھا، بلکہ حجاز و نجد کے صوبہائے عظیمہ پر بھی حاوی تھا۔ نابتی جہاں ایک طرف منافع تجارت سے بہرہ اندوز ہونے میں کمال رکھتے تھے، وہاں دوسری طرف بطور سچے بنو اسمٰعیل کے خطرات جنگ کے لئے بالکل مستعد رہتے تھے، فلسطین و شام میں ان کی غارت گریوں، اور خلیج عرب میں مصری جہازات پر ان کی رہزنی نے بارہا تاجداران مقدونیہ کو اس کی دشمنی پر آمادہ کر دیا، لیکن روما کی مجموعی قوت سے پیشتر کوئی شے انہیں روک نہ سکی، اور روما کی اطاعت بھی انہوں نے اسٹرابو کے زمانہ میں بالکل مجبور اور مشتبہ انداز سے قبول کی۔"

یہ قدیم سلطنتوں کا حال تھا، اسلام کے قبل یہ تمام سلطنتیں برباد ہو چکی تھیں، ان کے

---

[1] مورخین کی تاریخ عالم جلد ۸۔ یعنی ہسٹورینس ہسٹری آف ورلڈ۔ تمہیدی آرٹکل نوشتہ پروفیسر تولدیکی صفحہ ۵۲ تاریخی جغرافیہ عرب از ریورنڈ فاسٹر جلد اول از صفحہ ۲۰۰ تا ۲۲۸،

بجائے یمن میں صرف بڑے بڑے سردار رہ گئے تھے، جن کو قیل یا مقول کہتے تھے، عراق میں آل منذر کا خاندان قائم تھا، جو فارس کے زیر اثر تھا، خورنق اور سدیر عرب کی مشہور عمارتیں اسی سلسلہ کی یادگار ہیں، شام کے حدود میں غسانی خاندان فرمانروا تھا، جو قیصران روم کا ماتحت تھا، اور جس کا اخیر فرمانروا جبلہ بن الایہم غسانی تھا،

تہذیب وتمدن | تہذیب وتمدن کے لحاظ سے عرب کے مختلف حصے بالکل مختلف حالت رکھتے تھے، مانسیو لیبان[1] فرنساوی نے اصول عمران کی بنا پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانہ میں اوج کمال تک پہنچ چکا تھا، کیونکہ اصول ارتقا کے رو سے کوئی قوم محض وحشت کی حالت سے دفعۃً اعلیٰ درجہ کی تہذیب و تمدن تک نہیں پہنچ سکتی،

یہ ایک سیاسی استدلال ہے، تاریخ سے بھی اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے بعض حصے مثلاً یمن کسی زمانہ میں انتہا درجہ کی ترقی تک پہنچ چکے تھے، یورپ کے محققین آثار قدیمہ جنہوں نے یمن کے آثار قدیمہ کی تحقیقات کی ہے، اور پرانے کتبوں کو پڑھا ہے وہ یمن کی قدیم تہذیب و تمدن کا اعتراف کرتے ہیں،

صنعا اور قلیس کے ذکر میں، یاقوت حموی نے معجم قدیم میں قدیم آثارات عجیبہ کا تذکرہ کیا ہے، اور گو اس میں بہت کچھ مبالغہ ہے، تاہم اصلیت کا حصہ بھی کچھ کم نہیں،

اسی طرح عرب کے وہ مقامات، جو ایران اور شام سے متصل تھے، مثلاً حیرہ جو آل نعمان کا پایۂ تخت تھا، اور حوران جو خاندان غسان کا صدر مقام تھا، تہذیب و تمدن سے خالی نہ تھے،

[1] تمدن عرب

Marfat.com

مورخین عرب کا دعویٰ ہے، کہ یمن نے ایک زمانہ میں اس حد تک ترقی کی تھی کہ وہاں کے سلاطین نے تمام ایران فتح کر لیا تھا، چنانچہ سمرقند کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں، کہ یمن کا ایک بادشاہ جس کا نام شمر تھا، اس نے سمرقند کو کھدوا کر برباد کر دیا تھا، اس بنا پر ایرانی اس مقام کو شمرکند کہنے لگے، پھر معرب ہو کر سمرقند ہو گیا،

عظیم الشان قلعوں اور عمارتوں کے نشان، جواب بھی کچھ کچھ باقی ہیں، اس بات کی قطعی شہادت ہیں، کہ اس ملک میں کبھی اعلیٰ درجہ کا تمدن موجود تھا، علامہ ہمدانی نے اکلیل میں تمام آثار قدیمہ کا ذکر کیا ہے، چنانچہ صفحہ جزیرۃ العرب[1] میں لکھتے ہیں،

المشهور من محاسن اليمن و	یمن کے مشہور قدیم قصر اور ایوان جن کا ذکر
قصورها القديمة التي ذكرها	اہل عرب نے اپنے اشعار اور امثال میں
العرب في الشعر والمثل	کیا ہے ..... کثرت سے ہیں،
كثيرة الذي فيها من الشعر باب	اور ان کے متعلق اشعار کا ایک دفتر ہے،
واسع وقد جمع ذلك كله الكتاب	اکلیل کے آٹھویں باب نے ان سب کو
الثامن من الاكليل	جمع کر دیا ہے،

اس کے بعد مصنف نے لکھا ہے، کہ میں اس موقعہ پر صرف ان کے نام گنا دیتا ہوں، اور وہ یہ ہیں،

غُمدان، بُلغم، ناعط، صِرواح، سَلحین، ظفار، هكر، ضهر، شبام، غيمان

بَينُون، ريام، براتش، مَعين، روثان، اَرباب، هنا، هنيدة، عمران، نجيز

[1] جلد ا ص ۲۰۳ "س"

Marfat.com

ان میں سے غمدان اور ناعط کا حال معجم البلدان میں تفصیل سے مذکور ہے، اور اس کی عظمت و رفعت کے متعلق ایسی باتیں نقل کی ہیں، جن پر ایشیائی مبالغہ کا دھوکا ہوتا ہے، سلحین کی نسبت لکھا ہے، کہ ستر برس تعمیر ہوا، شبام کے حال میں لکھا ہے،

لهم فيه حصون عجيبة هائلة — ان میں ان کے متعدد ہیبت انگیز قلعے ہیں،

قلعہ ناعط وہب بن منبہ کے زمانہ تک موجود تھا، اس کے ایک کتبہ کو محدث موصوف نے پڑھا، تو معلوم ہوا، کہ سولہ سو برس کی تعمیر ہے، آج کل یورپ کے محققین نے ان مقامات پر جاکر جو تحقیقات کی ہے، اس سے بھی حیرت انگیز تمدن کی تصدیق ہوتی ہے، تھیاچر صاحب اپنے آرٹیکل میں لکھتے ہیں[1]،

"جنوبی عربستان میں، جہاں حضرت عیسیٰ سے صدیوں پہلے ایک ترقی یافتہ تمدن موجود تھا قلعوں اور شہر پناہوں کے آثار اب تک موجود ہیں، ان کا ذکر متعدد سیاحوں نے کیا ہے ..... یمن اور حضرموت میں یہ آثار کثرت سے ہیں، اور اکثروں پر اب تک کتبے موجود ہیں ..... صنعار کے قریب ایک قلعہ تھا، جس کو قزوینی نے آثار البلاد میں دنیا کے عجائب ہفت گانہ میں سے ایک قرار دیا ہے (دیگر قلعوں کے لئے دیکھو جنرل جرمن اورینٹل سوسائٹی جلد ۱ صفحہ ۲۰ سے آگے)

مآرب جو قدیم سبائی دارالسلطنت تھا، اس کے آثار قدیمہ کو ارنو، ہالیوے، اور فلاز نے دیکھا ہے۔

مآرب کے مشہور آثار میں سے ایک بڑی خندق کے آثار باقی ہیں، ان کو دیکھ کر عدن کے

[1] دیکھو انسائیکلوپیڈیا "عرب"

دوبارہ تعمیر شدہ حوض یاد آتے ہیں، ان کی اہمیت اس وقت ظاہر ہوئی، جب گھلا زدنے وہ دو طویل الذیل کتبے شائع کئے، جن میں ان کے عیسوی قرن پنجم و ششم میں دوبارہ تعمیر کا ذکر ہے، یمن میں بمقام حران، ایک اور خندق ہے، جس کا طول تقریباً چار سو پچاس فیٹ ہے،

لیکن عرب کے اصلی اور اندرونی مقامات میں تہذیب و تمدن کی یہ حالت نہ تھی، عربی زبان نہایت وسیع ہے، باوجود اس کے جن چیزوں کو تمدن اور اسباب معاشرت سے تعلق ہے، ان کے لئے خاص عربی زبان میں الفاظ نہیں ملتے، بلکہ ایران یا روم سے مستعار آئے ہیں، سکہ کے لئے ایک لفظ بھی موجود نہیں، درہم اور دینار دونوں غیر زبان کے الفاظ ہیں، درہم یونانی لفظ درخم ہے، اور یہ وہی لفظ ہے، جو انگریزی میں ڈرام ہوگیا ہے، چراغ معمولی چیز ہے، تاہم اس کے لئے عربی میں کوئی لفظ نہ تھا، چراغ کو لے کر سراج کر لیا، پھر ایک مصنوعی لفظ بنایا، مصباح یعنی ایک آلہ جس سے صبح بنائی جاتی ہے، کوزہ کے لئے کوئی لفظ نہیں، کوزہ کو کوز کر لیا ہے، لوٹے کو ابریق کہتے ہیں، جو آب ریز کا معرب ہے، تشت فارسی لفظ تھا، اسی کو عربی میں طست کر لیا ہے، پیالہ کو کاس کہتے ہیں، وہی کاسہ فارسی لفظ ہے، کرتہ کو عربی میں قرطق کہتے ہیں، یہ بھی فارسی ہے، پائجامہ کو سروال کہتے ہیں، جو شلوار کی بگڑی ہوئی صورت ہے،

جب ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے لفظ نہ تھے، تو تمدن کے بڑے بڑے سامان کے لئے کہاں سے لفظ آتے، اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ عرب نے کسی زمانہ میں جو ترقی کی تھی، آس پاس کے ممالک کی تہذیب و تمدن سے متاثر ہو کر کی تھی، اس لئے جو مقامات

Marfat.com

ان ممالک سے دور تھے، اسی اصلی حالت پر رہ گئے

احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک عیش و نعمت کے سامان بہت کم تھے مسئلہ حجاب کے شان نزول میں بخاری وغیرہ میں مذکور ہے کہ اس زمانہ تک گھروں میں جائے ضرورت نہ تھی مستورات رفع حاجت کے لئے باہر جایا کرتی تھیں، ترمذی باب الفقر میں ہے، کہ اس وقت تک چھلنیاں نہ تھیں، بھوسے کو پھونک کر آٹا لیتے تھے، جو رہ جاتا تھا، وہی آٹا ہوتا تھا، بخاری کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے، کہ راتوں کو گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے، ابوداؤد میں ایک صحابی کی روایت ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں تھا لیکن میں نے آپ سے حشرات[1] الارض کا حرام ہونا نہیں سنا[2]، اگرچہ اس حدیث کی شرح میں محدثین لکھتے ہیں، کہ ایک راوی کے نہ سننے سے یہ لازم نہیں آتا، کہ واقع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حشرات الارض کی حرمت نہیں بیان کی، لیکن اس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے، کہ اسلام سے پہلے عرب حشرات الارض کھاتے تھے، تاریخ اور ادب میں بہ تصریح موجود ہے، کہ عرب کھنکھورا، گوئے، گرگٹ سہی اور جانوروں کا چمڑا کھاتے تھے،

عرب کے مذاہب | عرب میں اسلام سے پہلے مختلف مذاہب تھے، بعضوں کا خیال تھا کہ جو کچھ ہے، زمانہ یا فطرت (قانون قدرت) ہے، خدا کوئی چیز نہیں، ان ہی لوگوں کی نسبت قرآن مجید میں ہے،

---

[1] حشرات الارض، کیڑے مکوڑے کو کہتے ہیں ۱۲ [2] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۷۶ باب فی اکل حشرات الارض،

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيٰى وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ (جاثیہ - ۳)	اور یہ لوگ کہتے ہیں، کہ جو کچھ ہے، یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے، ہم مرتے ہیں، اور جیتے ہیں، اور ہم کو مارتا ہے، تو زمانہ مارتا ہے۔

بعض خدا کے قائل تھے، لیکن قیامت اور جزا و سزا کے منکر تھے، ان کے مقابلہ میں قرآن مجید نے قیامت کے ثبوت پر اس طرح استدلال کیا ہے،

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ (یٰسین - ۵)	کہہ دو، کہ (ہڈیوں کو) وہی دوبارہ زندہ کرے گا جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔

بعض خدا، اور جزا و سزا کے بھی قائل تھے لیکن نبوت کے منکر تھے، ان کا ذکر اس آیت میں ہے،

وَقَالُوْا مَالِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (فرقان - ۱)	اور کہتے ہیں، کہ یہ کیسا رسول ہے، کہ کھاتا پیتا ہے، اور بازار میں چلتا پھرتا ہے۔
قَالُوْا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل)	کہتے ہیں، کیا خدا نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔

انکا خیال تھا، کہ اگر کوئی پیغمبر ہو سکتا ہے، تو اس کو فرشتہ ہونا چاہیے، جو حاجات انسانی سے منزہ ہو، لیکن عموماً لوگ بت پرست تھے، وہ بتوں کو خدا نہیں سمجھتے تھے، بلکہ کہتے تھے، کہ خدا تک پہنچنے کے وسیلے ہیں[1]

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (زمر)	ہم ان بتوں کو صرف اس لئے پوجتے ہیں، کہ ہم کو خدا سے قریب کر دیں۔

[1] یہ تمام تفصیل ملل و نحل، شہرستانی، مذاہب عرب کے ذکر میں ہے۔

Marfat.com

قبیلہ حمیر حومین میں رہتا تھا، آفتاب پرست تھا، کنانہ چاند کو پوجتے تھے قبیلہ بنی تمیم دبران کی عبادت کرتا تھا، اسی طرح قیس شعری کی قبیلہ اسد عطارد کی، اور لخم وجذام مشتری کی پرستش کرتے تھے[1]

مشہور بتوں اور ان کے پوجنے والوں کے نام حسب ذیل ہیں[2]:-

نام بت	مقام	قبیلہ جو اس کو پوجتا تھا،
لات	طائف	ثقیف
عزیٰ	مکہ معظمہ	قریش وکنانہ
منات	مدینہ منورہ	اوس، خزرج اور غسان
ود	دومۃ الجندل	کلب
سواع		ہذیل
یغوث		مذحج اور بعض قبائل یمن
یعوق		ہمدان،

سب سے بڑا بت ہبل تھا جو کعبہ کی چھت پر منصوب تھا، قریش لڑائیوں میں اس کی جے پکارتے تھے،

عرب میں بت پرستی کا بانی ایک شخص عمرو بن لحی تھا، اس کا اصلی نام ربیعہ بن حارثہ تھا، عرب کا مشہور قبیلہ خزاعہ اسی کی نسل سے ہے، عمرو سے پہلے جرہم کعبہ کے متولی تھے،

[1] طبقات الامم لابن صاعد الاندلسی مطبوعہ بیروت ۱۹۱۲ء [2] بتوں کی تفصیل ملل ونحل میں ہے،

Marfat.com

عمرو نے لڑکر جرہم کو مکہ سے نکال دیا، اور خود حرم کا متولی ہوگیا، وہ ایک دفعہ شام کے کسی شہر میں گیا، وہاں کے لوگوں کو بت پوجتے دیکھا، تو پوچھا، ان کو کیوں پوجتے ہو، انہوں نے کہا یہ حاجت روا ہیں، لڑائیوں میں فتح دلاتے ہیں، قحط پڑتا ہے، تو پانی برساتے ہیں، عمرو نے چند بت ان سے لے لئے، اور لاکر کعبہ کے آس پاس قائم کئے

کعبہ چونکہ عرب کا مرکز تھا، اس لئے تمام قبائل میں بت پرستی کا رواج ہوگیا، ان میں سب سے قدیم بت مناۃ تھا، یہ سمندر کے کنارے قدید کے قریب نصب تھا، اوس اور خزرج یعنی مدینہ کے لوگ اسی پر قربانی چڑھاتے تھے، اور جب کعبہ کا حج کرکے آتے تھے، تو احرام یہیں اتارتے تھے، ہذیل اور خزاعہ بھی اس کی پرستش کرتے تھے[1]،

یاقوت حموی نے معجم البلدان (ذکر مکہ) میں لکھا ہے، کہ عرب میں بت پرستی کی عام اشاعت کی وجہ یہ ہوئی، کہ قبائل عرب جو تمام اطراف سے حج کو آتے تھے، واپس جاتے ہوئے، حرم کے پتھروں کو اٹھا لیتے تھے، اور ان کو اصنام کعبہ کی صورت پر تراش کر ان کی عبادت کرتے تھے،

اللہ کا اعتقاد عرب گو قریباً سب کے سب بت پرست تھے لیکن اس کے ساتھ یہ اعتقاد ان کے دل سے کبھی نہیں گیا، کہ اصلی خدائے برتر اور چیز ہے، اور وہی تمام عالم کا خالق ہے اس خالق اکبر کو وہ اللہ کہتے تھے، قرآن مجید میں ہے،

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ	اور اگر ان لوگوں (کافروں) سے آپ پوچھیں کہ آسمان
وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ	اور زمین کو کس نے پیدا کیا، اور چاند اور سورج کو

[1] یہ تمام تفصیل معجم البلدان ذکر منات میں ہے،

Marfat.com

لَيَقُولَنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُونَ
(سورہ عنکبوت - ٦)

کس نے تابعدار بنا رکھا ہے، تو بول اٹھیں گے کہ "اللہ" پھر کدھر بہکے جا رہے ہیں،

فَاِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ○
(سورہ عنکبوت - ٧)

پھر جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں، تو خدا ہی کو خلوص کے ساتھ پکارتے ہیں، پھر جب خدا ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے، تو شرک کرنے لگتے ہیں،

قرآن مجید نے تیرہ سو برس پہلے جس حقیقت کا اظہار کیا، آج تحقیقات آثار قدیمہ بھی اس کی تصدیق کرتی ہے، مذاہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا[1] میں مشہور مستشرق نولدیکی کا جو قول نقل کیا ہے، اس کے اقتباسات حسب ذیل ہیں،

[1] جلد ۱ ص ۲۶۶

"اللہ" جو صفا کے کتبوں میں "ھلہ" لکھا ہوا ہے، نباتی اور دیگر قدیم باشندگان عرب شمالی کے نام کا ایک جزو تھا، مثلاً "زید اللہی" نباتی کتبات میں اللہ کا نام بطور ایک علیحدہ معبود کے نہیں ملتا، لیکن صفا کے کتبات میں ملتا ہے، متاخرین مشرکین میں اللہ کا نام نہایت عام ہے، ولہاسن نے عرب قدیم کے لٹریچر میں بہت سے عبارتیں نقل کی ہیں، جن میں اللہ کا لفظ بطور ایک معبود اعظم کے مستعمل ہوا ہے، نباتی کتبات میں ہم بار بار کسی دیوتا کا نام پاتے ہیں، جس کے ساتھ اللہ کا لقب شامل ہوتا ہے، اس سے ولہاسن نے یہ نتیجہ نکالا ہے، کہ اللہ کا لقب جو پہلے مختلف معبودوں کے لئے استعمال ہوتا تھا رفتہ رفتہ زمانہ مابعد میں صرف ایک عظیم ترین معبود کے لئے بطور علم کے مخصوص ہو گیا"

Marfat.com

نصرانیت اور یہودیت اور مجوسیت

اگرچہ زمانہ اور مدت کا تعین مشکل ہے، لیکن یہ تینوں مذہب ایک مدت دراز سے عرب میں رائج ہو چکے تھے، علامہ ابن قتیبہ نے معارف میں لکھا ہے، کہ قبائل ربیعہ وغسان نصرانی تھے، قضاعہ میں بھی اس مذہب کا اثر پایا جاتا تھا، نصرانیت کو اس قدر ترقی ہو چکی تھی، کہ خود مکہ معظمہ میں ایسے لوگ موجود تھے (مثلاً ورقہ بن نوفل) جو عبرانی زبان میں انجیل پڑھ سکتے تھے، متعدد ایسے لوگ تھے، جنہوں نے شام میں جاکر تعلیم پائی تھی،

خیبر، بنو کنانہ، بنو حرث بن کعب، کندہ، یہ قبائل یہودی تھے، مدینہ منورہ میں یہود نے پورا غلبہ پالیا تھا، اور تورات کی تعلیم کے لئے متعدد درسگاہیں قائم تھیں، جن کو بیت المدارس کہتے تھے، حدیث کی کتابوں میں اسی نام سے ان کا ذکر آتا ہے، قلعہ خیبر کی تمام آبادی یہودی تھی، امرا القیس کا ہمعصر مشہور شاعر سموئیل بن عادیا جس کی وفاداری آج تک عرب میں ضرب المثل ہے، یہودی تھا،

اہل کتاب کی روایتیں مکہ معظمہ میں اس قدر رواج پا چکی تھیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن نازل ہوتا تھا، اور اس میں بنی اسرائیل کے واقعات مذکور ہوتے تھے، تو کفار بدگمانی کرتے تھے، کہ یہودی یا عیسائی آپ کو سکھاتا ہے، خود قرآن مجید میں ہے،

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ (نحل - ۱۴)

اور ہم جانتے ہیں، کہ وہ یہ کہتے ہیں، کہ محمدؐ کو کوئی آدمی سکھاتا ہے،

قرآن مجید میں اس خیال کا ابطال بھی کر دیا ہے، جس کی تفصیل مناسب موقع پر آئے گی،

قبیلہ تمیم مجوسی تھا، زرارہ تمیمی نے، جو اس قبیلہ کا مشہور رئیس تھا، اسی بنا پر اپنی بیٹی سے

Marfat.com

شادی کرلی تھی، گو اس پر اس کو ندامت ہوئی، اقرع بن حابس بھی مجوسی[1] تھا،

مذہب حنیفی | دین ابراہیم کا ام الاصول توحید خالص تھی، امتداد زمانہ اور جہالت کے شیوع سے یہ اصول اگرچہ شرک آلود ہوگیا تھا، یہاں تک کہ خود خانہ خدا میں بتوں کی پرستش ہوتی تھی، تاہم بالکل فنا نہیں ہوسکتا تھا، عرب میں کہیں کہیں اس کا دھندلا سا نشان نظر آتا تھا جو لوگ صاحب بصیرت تھے، ان کو یہ منظر نہایت نفرت انگیز معلوم ہوتا تھا، کہ انسان عاقل جماد لایعقل کے سامنے سر جھکائے، اس بنا پر بت پرستی کی برائی کا خیال بہتوں کے دل میں آیا، لیکن اس کا تاریخی زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ ہی پہلے شروع ہوتا ہے، ابن اسحاق نے لکھا[2] ہے، کہ ایک دفعہ کسی بت کے سالانہ میلہ میں ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل شریک تھے، ان لوگوں کے دلوں میں دفعۃً یہ خیال آیا کہ یہ کیا بے ہودہ پن ہے، کہ ہم ایک پتھر کے آگے سر جھکاتے ہیں، جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ کسی کا نقصان کرسکتا ہے، نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے، یہ چاروں قریش کے خاندان سے تھے، ورقہ حضرت خدیجہؓ کے برادر عم زاد تھے، زید حضرت عمرؓ کے چچا تھے، عبداللہ بن جحش حضرت حمزہؓ کے بھانجے تھے، عثمان عبدالعزیٰ کے پوتے تھے،

زید دین ابراہیمی کی تلاش میں شام گئے، وہاں یہودی اور عیسائی پادریوں سے ملے لیکن کسی سے تسلی نہیں ہوئی، اس لئے اس اجمالی اعتقاد پر اکتفا کیا، کہ میں ابراہیم کا مذہب قبول کرتا ہوں، صحیح بخاری میں (باب بنیان الکعبہ سے پہلے) حضرت اسماء (دختر ابوبکر صدیقؓ) سے روایت ہے، کہ میں نے زید کو اس حالت میں دیکھا کہ کعبہ سے پیٹھ لگائے لوگوں سے کہتے تھے

[1] معارف ابن قتیبہ، [2] سیرت ابن ہشام مطبوعہ مصر صفحہ ۷۶،

Marfat.com

اے آل قریش! تم میں سے کوئی شخص بجز میرے ابراہیم کے مذہب پر نہیں ہے"

عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، زید ہی پہلے شخص ہیں، جس نے اس رسم کی ممانعت کی، جب کوئی شخص ایسا ارادہ کرتا، تو وہ جا کر اس لڑکی کو مانگ لیتے، اور خود اس کی پرورش کرتے،

صحیح بخاری میں مذکور ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے زید کو دیکھا تھا اور ان سے محبت ہی تھی، ورقہ، اور عبداللہ بن جحش اور عثمان بت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہو گئے تھے،

اسی زمانہ کے قریب امیہ بن ابی صلت نے جو طائف کا رئیس اور مشہور شاعر تھا، بت پرستی کی مخالفت کی، حافظ ابن حجر نے اصابہ میں زبیر بن بکار کی سند سے لکھا ہے کہ امیہ نے زمانہ جاہلیت میں آسمانی کتابیں پڑھی تھیں، اور بت پرستی کو چھوڑ کر دین ابراہیمی اختیار کر لیا تھا،

امیہ کا دیوان آج بھی موجود ہے، اگرچہ اس کا بڑا حصہ جعلی ہے، تاہم اصلی کلام بھی اس میں پایا جاتا ہے، وہ غزوہ بدر تک زندہ رہا، عتبہ جو رئیس مکہ اور امیر معاویہؓ کا نانا تھا، امیہ کا ماموں زاد بھائی تھا، امیہ نے جب اس کے قتل ہونے کی خبر سنی، تو اس کو سخت صدمہ ہوا، اور نہایت پر درد مرثیہ لکھا، غالباً اسی کا اثر تھا، کہ اسلام قبول نہ کر سکا،

شمائل میں ہے، کہ ایک دفعہ ایک صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم ردیف تھے انہوں نے امیہ کا ایک شعر پڑھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اور" انہوں نے سو شعر پڑھے، ہر شعر کے ختم ہونے پر آپ فرماتے جاتے تھے، کہ" اور" اخیر میں آپ نے فرمایا، کہ امیہ مسلمان ہوتے ہوتے رہ گیا،

ابن ہشام نے بت پرستی کی مخالفت کرنے والوں میں انہی چاروں کا نام لکھا ہے لیکن اور تاریخی شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے، کہ عرب میں اور متعدد اہل نظر پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے بت پرستی سے توبہ کی تھی، ان میں سب سے زیادہ مشہور شخص عرب کا نامور خطیب قس بن ساعدۃ الایادی ہے، اس کا تذکرہ آگے آتا ہے، ایک شخص قیس بن نُشبہ تھا جس کی نسبت حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے، کہ جاہلیت کے زمانہ میں خدا پرست ہو چکا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر مشرف باسلام ہوا،

یہ تحقیق نہیں، کہ دین ابراہیمی کو حنیفی کیوں کہتے ہیں، قرآن مجید میں یہ لفظ موجود ہے لیکن اس کے معنی میں اختلاف ہے مفسرین کہتے ہیں، کہ چونکہ اس دین میں بت پرستی سے انحراف تھا اس لئے اس کو حنیفی کہتے ہیں، کیونکہ حنف کے معنی انحراف کے ہیں، عبرانی اور سریانی زبان میں حنیف کے معنے منافق اور کافر کے ہیں، ممکن ہے، کہ بت پرستوں نے یہ لقب دیا ہو اور موحدین نے فخریہ قبول کر لیا ہو،

یہ امر اکثر روایتوں سے ثابت ہے، کہ عرب اور خصوصاً مکہ اور مدینہ میں متعدد اشخاص بت پرستی کے منکر ہو گئے تھے، اور ملت ابراہیمی کی جستجو میں تھے، یہ اس لئے کہ مجدد ملت ابراہیمی کے ظہور کا وقت قریب آگیا تھا،

ان چند راہ طلب اور حقیقت جو اشخاص کے وجود کی بنا پر مصنفین یورپ کہتے ہیں کہ مذہب صحیح اور توحید خالص کا رواج عام عرب میں اسلام سے پہلے بھی موجود تھا، لیکن اگر یہ صحیح ہے، تو یہ حیرت انگیز بات ہے، کہ اسلام کے ظہور پر اس قدر کیوں ہنگامہ برپا ہوا

لہ یہ مارگولیوس کا بیان ہے،

Marfat.com

کیا عرب میں ان مذاہب نے کچھ اصلاح کی

جیسا کہ اوپر بیان ہوا، عرب میں تمام مشہور مذاہب موجود تھے، یہودیت بھی، نصرانیت بھی، مجوسیت بھی، حنیفیت بھی، اور عقلی بلند پروازی کی معراج الحاد بھی، لیکن اس کا نتیجہ کیا تھا، عقاید کے لحاظ سے یا تو خداؤں کی وہ کثرت جس کو نصرانیت نے بہت گھٹایا، تاہم تین کی تعداد سے کم نہ کر سکی، اس کے ساتھ یہ اعتقاد کہ حضرت عیسیٰ خود سولی پر چڑھ کر تمام بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ بن گئے، یا توحید تھی، لیکن خدا اس قسم کا تھا، جو آدمیوں سے کشتی لڑتا تھا،

بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھائی جاتی تھی، باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ شادی جائز تھی، ازدواج کی کوئی حد نہ تھی، قمار بازی، شراب خوری، زناکاری کا رواج عام تھا، بے حیائی کی یہ حالت تھی، کہ سب سے بڑا نامور شاعر امرا القیس جو شہزادہ بھی تھا، قصیدہ میں اپنی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ اپنی بدکاری قصہ مزے لے لے کر بیان کرتا ہے، اور یہ قصیدہ کعبہ پر آویزاں کیا جاتا ہے،

لڑائیوں میں لوگوں کو زندہ جلا دینا، مستورات کا پیٹ چاک کر ڈالنا، معصوم بچوں کو تہ تیغ کرنا، عموماً جائز تھا، عیسائیوں کے بیان کے مطابق عرب قبل اسلام تمام مذاہب میں سب سے زیادہ عیسائیت سے متاثر تھا، تاہم اس اثر کا کیا نتیجہ تھا، اس کو خود عیسائی مورخین کی زبان سے سننا چاہیئے، ایک عیسائی مؤرخ لکھتا ہے:۔

"عیسائیوں نے عرب کو پانچسو برس تعلیم و تلقین کی، اس پر بھی حال حال عیسائی نظر آتے

لہ توراۃ التکوین، آیت ۲۲ تا ۲۹ میں حضرت یعقوب کے خدا سے کشتی لڑنے کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے،

تھے یعنی بنو حارث نجران میں، بنو حنیف یمامہ میں، اور کچھ بنی ملے میں عیسائی تھے، باقی خیریت

..... بالآخر عرب کو من الحیث مذہب دیکھیے، تو اس کی سطح پر عیسائیوں کی ضعیف

کوششوں کی کچھ خفیف سی موجیں لہراتی نظر آتی تھیں، اور یہود کی قوت بھی کبھی بڑی شدت

سے طغیانی کرتی نظر آتی تھی، لیکن بت پرستی اور بنو اسمٰعیل کے بے ہودہ اعتقادات کا دریا

ہر سمت سے جوش مارتا ہوا کعبہ سے آکر ٹکراتا تھا۔"[1]

یہ حالت صرف عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ تمام دنیا میں یہی تاریکی چھائی ہوئی تھی (اس کی تفصیل کتاب کے دوسرے حصہ میں آئے گی) کیا اس عام ظلمت، اس عالمگیر تیرگی، اس وسیع اور ہمہ گیر تاریکی میں ایک آفتاب عالمتاب کی حاجت نہ تھی؟

---

[1] میور صاحب کی لائف آف محمد جلد ۱، دیباچہ،

سلسلۂ اسمٰعیلی

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے، کہ مورخین عرب نے عرب کی تین قسمیں کی ہیں،

عرب کی وہ قدیم قومیں جو بالکل برباد ہو گئیں، مثلاً طسم وجدیس وغیرہ

خالص عرب جو قحطان کی اولاد ہیں، مثلاً اہل یمن اور انصار (اور تیسرا سلسلہ اسماعیلی)

حضرت اسمٰعیل جب مکہ میں آباد ہوئے، تو حوالی مکہ میں بنو جرہم آباد تھے حضرت اسمٰعیل نے اس خاندان میں شادی کی، اس سے جو اولاد ہوئی، وہ عرب مستعربہ کہلاتی ہے، اب عرب کا بڑا حصہ اسی خاندان سے ہے،

پیغمبر اسلام اور خود اسلام کی تاریخ تمامتر اسی اخیر سلسلہ سے وابستہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیل ہی کے خاندان سے ہیں، اور جو شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت ہوئی، وہی ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو عطا ہوئی تھی، قرآن مجید میں ہے،

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ — تمہارے باپ ابراہیمؑ کا مذہب، اسی نے اس[1] سے پہلے

مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا (حج - ۱۰) — تمہارا نام مسلم رکھا (اور اس قرآن میں بھی)

لیکن یورپ کے بہت سے متعصب مورخ سرے سے ان حقائق کے منکر ہیں یعنی نہ حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ عرب میں آئے نہ انہوں نے کعبہ کی بنیاد ڈالی، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہیں

[1] اس کا مرجع بعض مفسرین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بنایا ہے اور بعض نے اللہ تعالیٰ کو اور یہی صحیح ہے جیسا کہ آیات سے صاف ظاہر ہے۔ س

چونکہ ان مباحث نے مذہبی تعصب کی صورت اختیار کرلی ہے اس لئے یہ توقع مشکل ہے کہ ہم اس بحث کو اس طرح طے کرسکیں گے، کہ استدلال کی بنیاد، یورپ کے مسلمات پر رکھی جائے،

جو واقعات مختلف فیہ ہیں، بہت ہیں لیکن اصولی امور صرف دو ہیں، جن میں دونوں فریق کا کوئی قدر مشترک نظر نہیں آتا، یہ اصول جس فریق کے موافق طے ہوں، اس کے فرعی جزئیات بھی اسی کے موافق تسلیم کرلینے چاہئیں، اصول مذکورہ حسب ذیل ہیں،

(۱) حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل عرب میں آکر آباد ہوئے یا نہیں؟

(۲) حضرت ابراہیم نے حضرت اسحاق کو قربانی کرنا چاہا تھا، یا حضرت اسمٰعیل کو؟

حضرت اسمٰعیل کہاں آباد ہوئے؟

یہود مدعی ہیں، کہ حضرت اسحاق ذبیح ہیں، اس بنا پر وہ قربانی کا موقعہ شام بتاتے ہیں لیکن اگر یہ ثابت ہوجائے، کہ حضرت اسحاق نہیں بلکہ حضرت اسمٰعیل تھے، تو قربان گاہ کے موقعہ کی نسبت عرب ہی کی روایتیں تسلیم کرنی پڑیں گی، اولاً اس حالت میں تاریخ کی تمام کڑیاں متصل ہوجائیں گی،

تورات میں مذکور ہے، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی اولاد حضرت ہاجرہ کے بطن سے ہوئی جس کا نام اسماعیل رکھا گیا، حضرت اسمٰعیل کے بعد حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے، حضرت اسمٰعیل جب بڑے ہوئے، تو حضرت سارہ نے یہ دیکھ کر کہ وہ حضرت اسحاق کے ساتھ گستاخی کرتے ہیں، حضرت ابراہیم سے کہا، کہ ہاجرہ اور اس کے بیٹے کو گھر سے نکالدو، ان واقعات کے بعد توراۃ کے خاص الفاظ یہ ہیں،

تب ابراہیم نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور ہاجرہ کے کاندھے

Marfat.com

پر دھر دی، اور اس کے لڑکے کو بھی رخصت کیا، وہ روانہ ہوئی، بیر سبع کے بیابان میں بھٹکتی پھرتی تھی، اور جب مشک کا پانی چک گیا، تب اس نے اس لڑکے کو ایک جھاڑی نے نیچے ڈال دیا، اور آپ اس کے سامنے ایک تیر کے پٹے پر دور جا بیٹھی، کیونکہ اس نے کہا، میں بچے کا مرنا نہ دیکھوں، سو وہ سامنے بیٹھی، اور چلا چلا کر روئی، تب خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی، اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا، کہ اے ہاجرہ! تجھ کو کیا ہوا، مت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے خدا نے سنی، اٹھ اور لڑکے کو اٹھا، اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال، کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا، پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں، اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جا کر اپنی مشک کو پانی سے بھر لیا، اور لڑکے کو پلایا، اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا، اور وہ بڑھا، اور بیابان میں رہا کیا، اور تیر انداز ہو گیا، اور وہ فاران کے بیابان میں رہا، اور اس کی ماں نے ملک مصر سے ایک عورت بیاہنے کو لی۔"

(تورات، سفر پیدائش، باب ۲۱)

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے، کہ حضرت اسمٰعیل جب گھر سے نکالے گئے تو بالکل بچہ تھے چنانچہ حضرت ہاجرہ نے مشک کو اور انکو کندھے پر اٹھایا عربی تورات میں خاص یہ الفاظ ہیں:۔

واضعًا ایاھا علی کتفھا والولد — حضرت ابراہیم نے مشک اور بچہ دونوں کو ہاجرہ کے کندھے پر رکھا

لیکن تورات میں یہ بھی مذکور ہے، کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم کی عمر ۸۶ سال کی تھی[1]، اور جب حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کا ختنہ کیا، تو حضرت

[1] پیدائش باب ۱۶

اسمٰعیل کی عمر ۱۳ برس کی، اور حضرت ابراہیمؑ کی ننانوے برس[1] کی تھی،

یہ ظاہر ہے، کہ حضرت اسمٰعیل کے گھر سے نکالے جانے کا واقعہ ختنہ کے بعد کا ہوگا، اس لئے اس وقت قطعاً ان کی عمر ۱۳ برس سے زیادہ تھی، اور اس سن کا لڑکا اتنا چھوٹا نہیں ہوتا کہ ماں اسے کندھے پر اٹھائے پھرے، اس واقعہ سے غرض یہ ہے، کہ حضرت اسماعیل کی عمر اس وقت اتنی ہو چکی تھی، کہ حضرت ابراہیم ان کو، اور ان کی والدہ کو اصلی مقام سکونت سے کسی دور مقام پر لا کر آباد کر سکتے تھے،

تورات کی عبارت مذکورہ میں تصریح ہے، کہ حضرت اسمٰعیل فاران میں رہے اور تیر اندازی کرتے رہے، عیسائی کہتے ہیں، کہ فاران اس صحرا کا نام ہے، جو فلسطین کے جنوب میں واقع ہے، اس لئے حضرت اسمٰعیل کا عرب میں آنا خلاف واقعہ ہے،

جغرافیہ دانان عرب عموماً متفق ہیں، کہ فاران حجاز کے پہاڑ کا نام ہے، چنانچہ معجم البلدان میں صاف تصریح ہے، لیکن عیسائی مصنفین اس سے اتفاق نہیں کر سکتے، اس کا فیصلہ ایک بڑی طول طویل بحث پر مبنی ہے، جو مباحثہ اور مناظرہ کی حد تک پہنچ جاتی ہے، اس لئے اس کو قلم انداز کرتے ہیں، البتہ اس قدر بتانا ضروری ہے، کہ عرب کی حد شمالی کسی زمانہ میں کس حد تک وسیع تھی،

موسیو لیبان تمدن عرب میں لکھتے ہیں،

"اس جزیرے کی حد شمالی اس قدر صاف اور آسان نہیں ہے یعنی یہ حد اس طرح پر قائم ہوتی ہے، کہ غزہ سے جو فلسطین کا ایک شہر اور بحر متوسط پر واقع ہے، ایک خط جنوب بحر

[1] پیدائش باب ۱۷، ۲۴، ۲۵

لوط تک کھینچا جائے، اور وہاں سے دمشق اور دمشق سے دریائے فرات تک، اور دریائے فرات کے کنارے کنارے لاکر خلیج فارس میں ملا دیا جائے، پس اس خط کو عربستان کی حد شمالی کہہ سکتے ہیں،

اس بنا پر عرب کے حجازی حصہ کا فاران میں محسوب ہونا، خلاف قیاس نہیں توراۃ میں جہاں حضرت اسمٰعیل کی جائے سکونت کا بیان ہے، وہاں یہ الفاظ ہیں:۔

"اور وہ حویلہ سے شور تک، جو مصر کے سامنے اس راہ میں ہے جس سے سور کو جاتے ہیں بستے تھے"

اس تحدید میں مصر کے سامنے جو زمین پڑتی ہے، وہ عرب ہی ہو سکتا ہے، نصاریٰ کی مقدس کتابوں میں جس قدر اعتنا ہے، بنو اسرائیل کے ساتھ ہے، بنی اسمٰعیل کا ذکر محض ضمنی طور پر آجاتا ہے، اور اس وجہ سے حضرت اسمٰعیل کا عرب میں آباد ہونا بہ تصریح نہیں ملتا، لیکن مختلف تلمیحات سے مفہوم ہوتا ہے، کہ حضرت ہاجرہ کا عرب میں آباد ہونا ایک مسلمہ امر تھا، عہد جدید میں جس کو عیسائی وحی الٰہی سمجھتے ہیں، پولوس کا ایک خط گلتیون کے نام ہے، اس کی عبارت یہ ہے:۔

"ابراہیم کے دو بیٹے تھے، ایک لونڈی سے، دوسرا آزاد سے، پر وہ جو لونڈی سے تھا، جسم کے طور پر پیدا ہوا، اور جو آزاد سے تھا، سو وعدے کے طور پر، یہ بات تمثیلی بھی مانی جاتی ہے اس لئے کہ یہ عورتیں دو عہد ہیں، ایک تو سینا پہاڑ سے جو ہوا، وہ نرے غلام جنتی ہے یہ ہاجرہ ہے، کیونکہ ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے، اور اب کے یروشلم کا جواب ہے"

[1] سفر تکوین باب ۲۵، آیت ۱۸، [2] باب ۴، آیت ۲۴،

Marfat.com

اگرچہ معلوم نہیں، کہ اصلی عبارت کیا تھی، اردو اور عربی دونوں ترجمے ناصاف ہیں، تاہم اس قدر واضح ہے، کہ پولوس جو حضرت عیسیٰ کے سب سے بڑے جانشین ہیں، حضرت ہاجرہ کو عرب کا کوہ سینا کہتے تھے، اگر حضرت ہاجرہ عرب میں آباد نہ ہوئی ہوتیں، تو ان کو عرب کا کوہ سینا کہنا کیا معنی رکھتا ہے، آگے چل کر مکہ کے ذکر میں یہ بحث زیادہ مؤید ہو جائے گی،

ذبیح کون ہے؟ توراۃ اگرچہ یہودیوں کی عدم احتیاط، اغراض ذاتی اور زمانہ کے انقلابات سے سراپا مسخ ہو گئی ہے، اور خصوصاً پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس میں جو تصریحات اور [illegible] کے دست تصرف نے ان کو بالکل برباد کر دیا ہے، تاہم حقائق کے عناصر اب بھی ہر جگہ موجود ہیں، تورات میں گو تصریحاً حضرت اسحاق کا ذبیح ہونا لکھا ہے، لیکن مطاوی کلام میں اس بات کے قطعی دلائل موجود ہیں، کہ وہ ہرگز ذبیح نہ تھے، اور نہ ہو سکتے تھے، اموذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیئے،

(۱) شریعت سابقہ کی رو سے، قربانی صرف اس جانور یا آدمی کی ہو سکتی تھی، جو پہلونٹا بچہ ہو، اسی بنا پر ہابیل نے جن بھیڑوں کی قربانی کی تھی، وہ پہلونٹے بچے تھے،

خدا نے حضرت موسیٰ سے جہاں لاویوں کے متعلق احکام ارشاد فرمائے، وہاں فرمایا ہے،

لان لی کل بکر فی بنی اسرائیل من	کیونکہ بنی اسرائیل میں آدمی اور جانور کا ہر پہلونٹا
الناس والبھائم	بچہ میرے لئے ہے (عدد ۵ - ۱۷)

(۲) پہلونٹے بچہ کی افضلیت کسی حالت میں زائل نہیں ہو سکتی، تورات میں ہے کہ اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں، ایک محبوبہ ہو، اور دوسری غیر مرغوبہ، تو فضیلت اسی اولاد کو ہوگی جو

پہلوٹی ہو، گو غیر مرغوبہ سے ہو،

فانہ اول قدرتہ ولہ حق البکوریۃ — کیونکہ وہ اس کی پہلی قدرت ہے، اور اسی کو اولاد

(سفر تثنیہ اصحاح ۲۱، آیت ۱۵ و ۱۷) — اولین ہونے کا حق ہے،

۳- جو اولاد خدا کو نذر کر دی جاتی تھی، اس کو باپ کا ترکہ نہیں ملتا تھا، تورات میں ہے،

فی ذلک افرز الرب سبط لاوی لیحملوا — تب خدا نے لاوی کی اولاد کو اس لئے مخصوص

تابوت عہد الرب ولکی یقفوا امام — کر لیا، کہ خدا کے عہد کا تابوت اٹھائے، اور

الرب لیخدموہ ویبارکوا باسمہ — تاکہ خدا کے آگے کھڑا ہو، تاکہ وہ خدا کی خدمت

الی ھذا الیوم لاجل ذلک لم یکن — کریں، اور اس کے نام سے آج تک برکت لیں، یہی

للادی قسم ولا نصیب مع اخوتہ — وجہ ہے، کہ لاویوں کو اپنے بھائیوں کے ساتھ

الرب ھو نصیبہ — کوئی حصہ اور ترکہ نہیں ملا، کیونکہ ان کا حصہ خدا

(توراۃ، اصحاح ۱۰، آیت ۸ و ۹) — ہے،

۴- جو شخص خدا کی نذر کر دیا جاتا تھا، وہ سر کے بال چھوڑ دیتا تھا، اور معبد کے پاس جا کر منڈاتا تھا، جس طرح آج حج میں احرام کھولنے کے وقت بال منڈاتے ہیں، تورات میں ہے

ھا انک تحملین وتلدین ابنا ولا — اب تو حاملہ ہوگی، اور بچہ جنے گی، اور اس کے سر

یعل موسی راسہ لان الصبی یکون — پر استرا نہ پھیرا جائے، کیونکہ یہ بچہ خدا کے لئے نذر

نذیرا للہ (توراۃ، قضاۃ، اصحاح ۱۳، ۳-۴) — کیا جاوے گا،

۵- جو شخص خدا کا خادم بنایا جاتا تھا، اس کے لئے "خدا کے سامنے" کا لفظ استعمال

Marfat.com

کرتے تھے (تورات سفر عدد ۶-۱۶ و ۲۰ و سفر تکوین ۱۷ و تثنیہ ۱-۸)

۶۔ حضرت ابراہیم کو بیٹے کی قربانی کا جو حکم ہوا تھا، اس میں قید تھی، کہ وہ بیٹا قربانی کیا جائے، جو اکلوتا ہو، اور محبوب ہو، (تورات، تکوین، اصحاح ۲۲۔ آیت)

اب اصل مسئلہ پر غور کرو، لیکن پہلے یہ بتا دینا ضرور ہے، کہ حضرت ابراہیم کی شریعت میں قربانی کرنا، اور خدا پر نذر چڑھانا، ایک ہی بات تھی، یعنی دونوں کے لئے ایک ہی لفظ استعمال کرتے تھے،

اگر یہ کہا جائے، کہ بچہ کو فلاں معبد میں قربانی چڑھا دو، تو اس کے یہ معنی تھے، کہ وہ اس معبد کی خدمت اور مجاورت کے لئے گھر سے الگ کر دیا جائے لیکن یہ لفظ جب جانوروں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، تو حقیقی قربانی کے معنے مراد ہوتے تھے، توراۃ[1] میں خدا کی زبان سے مذکور ہے

لان لی کل بکر فی بنی اسرائیل من الناس والبھائم — کیونکہ بنی اسرائیل میں آدمی اور جانور کا ہر پہلوٹا بچہ میرے لئے ہے،

اسی اصحاح میں تصریح کے ساتھ مذکور ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰ سے کہا، کہ تم بنی اسرائیل میں سے لاویوں کو لو، اور ان کو خدا کے سامنے پیش کرو، کہ خدا کے لئے خاص کر دیئے جائیں، اور یہ لوگ دو گایوں کے سر پر ہاتھ رکھدیں، جو قربانی کی جائیں۔" (اختصار)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں بیٹے کی قربانی کا جو حکم ہوا تھا، اس سے بھی یہی مراد تھی، کہ بیٹے کو معبد کی خدمت کے لئے نذر چڑھا دیں، حضرت ابراہیم نے پہلے اس خواب کو عینی اور حقیقی سمجھا، اور اس لئے بعینہ اس کی تعمیل کرنی چاہی، لیکن بعد میں ظاہر ہوا، کہ وہ تمثیلی

[1] عدد اصحاح ۸-۱۷

Marfat.com

خواب تھا، اس بنا پر حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کو خانہ خدا کی خدمت کے لئے خاص کر دیا، اور جو شرطیں قربانی کی تھیں، قائم رکھیں،

بیان مذکورہ بالا کے ذہن نشین کرنے کے بعد دلائل ذیل پیش نظر رکھنے چاہئیں،

۱۔ حضرت اسحاق کی ولادت حضرت اسمٰعیل کے بعد ہے، اس بنا پر حضرت اسحاق اکلوتے بیٹے نہیں، اور چونکہ قربانی کے لئے اکلوتے بیٹے کی شرط ہے، اس لئے حضرت اسحاق کی قربانی کا حکم نہیں ہو سکتا تھا،

۲۔ حضرت اسحاق کو حضرت ابراہیم نے اپنا تمام ترکہ دیا، بخلاف اس کے حضرت اسمٰعیل اور ان کی والدہ کو صرف پانی کی ایک مشک دے کر رخصت کیا، یہ اس بات کا قطعی قرینہ ہے، کہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسحاق کو قربانی یعنی مسعد پر نظر نہیں چڑھایا تھا،

۳۔ حضرت اسمٰعیل کے خاندان میں دیر تک یہ رسم قائم رہی، کہ لوگ سر کے بال نہیں منڈاتے تھے، حج میں احرام کے زمانہ تک جو بال نہیں منڈاتے، یہ اسی سنت اسماعیلی کی یادگار ہے،

۴۔ جو الفاظ قربانی، اور نذر چڑھانے کے لئے ملت ابراہیمی میں استعمال کئے جاتے تھے، وہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل کے لئے استعمال کئے، نہ کہ حضرت اسحاق کے لئے، تورات میں ہے، کہ جب خدا نے حضرت ابراہیم کو حضرت اسحاق کی ولادت کی خوشخبری دی، تو حضرت ابراہیم نے کہا،

لیت اسمٰعیل یعیش امامك — کاش! اسماعیل تیرے سامنے زندہ رہتا،

Marfat.com

تورات میں جہاں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے (سامنے زندہ رہنا) انہی معنوں میں ہوا ہے،

۵۔ حضرت اسمٰعیل حضرت ابراہیم کی محبوب ترین اولاد تھے، تورات جو تمام تر حضرت اسحاق کی یک طرفہ داستان ہے، اس میں حضرت اسحاق اور حضرت اسمٰعیل کے جو امتیازی خصائص بیان کئے ہیں، یہ ہیں، کہ حضرت اسحاق خدا کے وعدہ اور عہد کا مظہر ہیں[1] اور حضرت اسماعیل دعوت ابراہیم ہیں، یعنی حضرت ابراہیم کی دعا اور خواہش سے پیدا ہوئے[2]، اسی بنا پر خدا نے ان کا نام اسمٰعیل رکھا، کیونکہ اسماعیل دو لفظوں سے مرکب ہے، سمع اور ایل، "سمع" کے معنی "سننے" اور "ایل" کے معنی خدا کے ہیں[3]، یعنی خدا نے حضرت ابراہیم کی دعا "سن لی"۔ تورات میں ہے، کہ خدا نے حضرت ابراہیم سے کہا، کہ "اسمٰعیل کے بارے میں میں نے تیری سن لی"۔ حضرت ابراہیم کو جب خدا نے حضرت اسحاق کی خوشخبری دی، تو حضرت ابراہیم نے اس موقع پر بھی حضرت اسماعیل کو یاد کیا، غرض چونکہ حضرت ابراہیم کو قربانی کا جو حکم ہوا تھا، اس میں قید تھی، کہ محبوب ترین بیٹا ہو، اس لئے حضرت اسمٰعیل ہی ذبیح ہو سکتے ہیں نہ کہ حضرت اسحاق،

حضرت اسحاق کی جب خدا نے بشارت دی، تو ساتھ ہی یہ بھی بشارت دی کہ میں اس کی نسل سے ابدی عہد باندھوں گا، تورات میں ہے،

"پھر خدا نے کہا، بلکہ تیری بیوی سارہ تیرے لئے ایک بیٹا جنے گی، اور اس کا نام اسحاق رکھیگا

---

[1] تورات تکوین ۱۷-۱۸، [2] تکوین اصلاح ۱۵، [3] تکوین اصلاح ۱۷-۱۸،

Marfat.com

اور میں ابدی عہد اس کی نسل سے قائم کروں گا۔" (تورات، تکوین اصحاح ۱۷۔ آیت ۱۸)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے، کہ تورات میں مذکور ہے، کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کو قربانی کرنا چاہا، اور فرشتہ نے ندا دی، کہ ہاتھ کو روک لو، تو فرشتہ نے یہ الفاظ کہے،

"خدا کہتا ہے، کہ چونکہ تو نے ایسا کام کیا، اور اپنے اکلوتے بیٹے کو بچا نہیں رکھا، میں تجھ کو برکت دوں گا، اور تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور ساحل بحر کی ریتی کی طرح پھیلا دوں گا۔" (تورات تکوین، اصحاح ۲۲، آیت ۱۵)

اب غور کرو، کہ خدا نے جب حضرت اسحاق کی بشارت ہی کے وقت یہ کہہ دیا تھا، کہ میں اس کی نسل قائم رکھوں گا، تو یہ کیونکر ممکن تھا، کہ جس وقت اسحاق کی اولاد نہیں پیدا ہوئی تھی، ان کی قربانی کا حکم ہوتا، لیکن حضرت اسماعیل کو ذبیح تسلیم کیا جائے، تو تمام نصوص منطبق ہو جاتے ہیں، حضرت اسمٰعیل اکبر اولاد تھے، محبوب تر تھے، قربانی کے وقت بالغ یا قریب البلوغ تھے، قربانی سے پہلے ان کی کثرت نسل کی بشارت نہیں دی گئی، تورات میں تصریح ہے، کہ چونکہ ابراہیم نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کرنا چاہا، اس لئے اس بیٹے کی کثرتِ نسل کا وعدہ کیا گیا، یعنی یہ کثرتِ نسل، اسی قربانی کے صلہ میں تھی، اس لئے ذبیح حضرت اسمٰعیل ہی ہو سکتے ہیں، کیونکہ حضرت اسحاق کی کثیر نسل کا وعدہ تو ان کی ولادت ہی کے وقت ہو چکا تھا جو کسی انعام و صلہ کے معاوضہ میں نہ تھا،

مقام قربانی | ۷۔ تورات میں قربان گاہ کا جو موقع بتایا ہے، وہ "مریا" ہے، یہودی کہتے ہیں

لہ یہ مسلم ہے کہ حضرت اسحاق کی اولاد، حضرت ابراہیم کی وفات کے بعد پیدا ہوئی (تکوین، اصحاح ۲۵، آیت ۱۱)

Marfat.com

کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت سلیمان کا ہیکل تھا عیسائی کہتے ہیں، یہ اس جگہ کا نام ہے جہاں حضرت عیسیٰ کو سولی دی گئی،

لیکن یورپ کے محققوں نے ان دونوں دعووں کی تغلیط کی ہے، مسٹر اسٹانلی لکھتے ہیں،

"حضرت ابراہیم صبح کے وقت اپنے خیمہ سے نکل کر اس مقام پر گئے جہاں ان کو خدا نے حکم دیا تھا لیکن یہ موریا کا پہاڑ نہیں ہے جیسا کہ یہود کا دعویٰ ہے، نہ عیسائیوں کے خیال کے موافق قبر مقدس کے گرجا کے پاس ہے، یہ قیاس تو یہودیوں کے قیاس سے بھی زیادہ بعید ہے، اور اس سے بھی بعید مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ وہ جبل عرفات[1] ہے۔ غالباً یہ مقام جرزیم کے پہاڑ پر ہے، اور وہی قربانی گاہ سے مشابہ مقام ہے"۔

اس سے اتنا تو ثابت ہوا، کہ موریا کے تعین میں یہودیوں اور عیسائیوں کے دعوی غلط ہیں، باقی یہ امر کہ مسلمانوں کا دعویٰ بھی غلط ہے اس کی تحقیق آگے آتی ہے،

موریا کی تعیین میں جو اختلاف پیدا ہوا، اس نے ایک اور اختلاف پیدا کر دیا یعنی یہ کہ یہ لفظ کسی مقام کا نام ہے یا وصفی معنے رکھتا ہے، بہت سے مترجموں نے اس کو ایک مشتق لفظ سمجھا، اور اس لئے اس کا ترجمہ تورات کے بعض نسخوں میں بلوطاتِ عالیہ اور بعض میں "زمین بلند" اور بعض میں مقام الرویا کیا لیکن زیادہ صائب الرائے لوگوں نے اس کو مقام کا نام سمجھا، اور اس لئے لفظ کا ترجمہ نہیں کیا، بلکہ بحال خود رہنے دیا لیکن امتداد زمانہ اور بے پروائی سے لفظ کی ہیئت بدل گئی یعنی مریا کا موریہ ہو گیا خصوصاً اس وجہ سے کہ عبرانی زبان میں دونوں

---

[1] یہ غلط ہے، مسلمان عرفات کو نہیں، بلکہ منیٰ کو قربان گاہ سمجھتے ہیں،

لفظوں کا اختلاف قریب ہے،

مورہ کی نسبت تورات میں تصریح ہے، کہ عرب میں واقع ہے، تورات میں ہے:-

وکان جیش المدیانیین شمالہ ھ — اور مدیانیوں کی فوج، شمال کی جانب مورہ کی

عند تل مورۃ فی الوادی — پہاڑی پر وادی میں تھی (مدیان عرب میں واقع

(قضاۃ۔ اصحاح ۷۔ آیت ۲۰) — ہے)

تمام واقعات وقرائن کو پیش نظر رکھا جائے، تو ثابت ہو جائے گا، کہ یہ لفظ مورہ نہیں بلکہ مروہ ہے، جو مکہ معظمہ کی پہاڑی ہے، اور جہاں اب سعی کی رسم ادا کی جاتی ہے،

عرب کی روایات، قرآن مجید کی تصریح، احادیث کی تعبیر، تمام چیزیں اس قیاس سے اس قدر مطابق ہوتی جاتی ہیں کہ اس قسم کا تطابق بغیر صحت واقعہ کے ممکن نہیں تفصیل اس کی یہ ہے،

حدیث میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "قربانی گاہ یہ ہے، اور مکہ کی تمام پہاڑیاں اور گھاٹیاں قربانی گاہ ہیں"[۲]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مروہ میں قربانی نہیں ہوتی تھی، بلکہ منیٰ میں ہوتی تھی جو مکہ سے تین میل پر ہے، تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ ہی کو قربانی گاہ فرمایا، یہ اسی بنا پر تھا، کہ حضرت ابراہیم نے یہیں حضرت اسمٰعیل کی قربانی کرنی چاہی تھی،

---

[۱] مدین عرب کی زمین ہے، اور عرب کو اکثر مدیانیوں کہتے ہیں، اور مدین کی زمین شام کے جنوب سے یمن کے شمال تک ہے، اور یہ لوگ حضرت ابراہیم کی اولاد میں جو قطورا سے تھی (ضمیمہ بائبل صفحہ ۱۱۴) [۲] موطائے امام مالک

قرآن مجید میں ہے،

ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (حج - ۴) پھر قربانی کے جانوروں کی جگہ کعبہ ہے،

هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ (مائدہ - ۱۳) قربانی جو کہ کعبہ میں پہنچے،

مروہ بالکل کعبہ کے مقابل، اور اس کے قریب ہے، ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی کی اصلی جگہ کعبہ ہے منیٰ نہیں لیکن جب حجاج کی کثرت ہوئی تو کعبہ کے حدود کو منیٰ تک وسعت دے دی گئی،

قربانی کی یادگار | یہودی حضرت اسحٰق کی اولاد ہیں، اس لئے اگر حضرت اسحاق ذبیح ہوتے تو اس کی کوئی یادگار ان کے یہاں موجود ہوتی بخلاف اس کے حضرت اسماعیل کے خاندان بلکہ تمام مسلمانوں میں، جو حضرت اسمٰعیل کی روحانی اولاد ہیں، قربانی کی تمام رسمیں آج تک موجود ہیں،

اولاد اسماعیل میں قربانی کی تمام یادگاریں موجود ہیں، اور حج جو کہ ایک بڑا فریضہ اسلام ہے تمام تر اسی قربانی کی یادگار ہے، چنانچہ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے،

۱۔ حضرت ابراہیم کو جب خدا نے بیٹے کی قربانی کا حکم دینا چاہا، تو پکارا، اے ابراہیم، حضرت ابراہیم نے کہا "میں حاضر ہوں"[1]

حج کے وقت مسلمان جو ہر قدم پر لبیک کہتے چلتے ہیں، یہ وہی ابراہیمی الفاظ ہیں، جن کا لفظی ترجمہ وہی ہے "میں حاضر ہوں"[2]

۲۔ شریعت ابراہیمی میں دستور تھا کہ جس کو قربان گاہ پر چڑھاتے تھے، یا خدا کے لئے

[1] تورات تکوین، اصحاح، آیت ۱، [2] تورات لاویین، اصحاح ۸، آیت ۲۷،

Marfat.com

نذر دیتے تھے، تو وہ بار بار معبد یا قربانی گاہ کے پھیرے کرتا تھا،

حج میں صفا و مروہ کے درمیان جو سات بار سعی کرتے ہیں، یہ اسی کی یادگار ہے،

۳- نذر کے فرائض میں ایک یہ تھا کہ ایام نذر تک بال نہیں کترواتے تھے حج میں بھی یہی دستور ہے، جب احرام اتارتے ہیں، تب بال کترواتے یا منڈاتے ہیں، خود قرآن مجید میں اس شعار کا ذکر ہے،

مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ (فتح-۴) سروں کو منڈائے ہوئے،

۴- حج کا ایک ضروری رکن قربانی ہے، یہ وہی حضرت اسمٰعیل کی قربانی کی یادگار ہے اسی بنا پر قرآن مجید میں فرمایا ہے،

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (صافات-۳۰) اور حضرت اسمٰعیل کی قربانی کے بدلے ہم نے ایک بڑی قربانی کی،

یہ دلائل تورات کی تصریحات و کنایات کی بنا پر تھے، قرآن مجید کے رو سے قطعاً حضرت اسماعیل کا ذبیح ہونا ثابت ہے، اگرچہ بہت سے مفسرین نے غلطی سے یہودیوں ہی کی روایت کی تقلید کی ہے، قرآن مجید میں قربانی کا واقعہ ان الفاظ میں مذکور ہے،

وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ. فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ. فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ

اور حضرت ابراہیم نے کہا، میں اپنے خدا کی طرف جاؤں گا، وہ مجھ کو راستہ دکھلائے گا، خدایا مجھ کو وہ اولاد دے کہ جو نیک چلن ہو، تو ہم نے اس کو ایک سمجھدار لڑکے کی خوشخبری دی، پھر جب وہ لڑکا،

اِنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی الآیۃ (صافات - ۳) اس کے ساتھ چلنے لگا تو ابراہیم نے کہا بیٹے! میں خواب میں دیکھا کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں! تیری کیا رائے ہے؟

آیت بالا میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم نے اولاد کے لئے دعا مانگی، اور خدا نے قبول کی، اور وہی لڑکا قربانی کے لئے پیش کیا گیا،

تورات سے ثابت ہے، کہ جو لڑکا حضرت ابراہیم کی دعا سے پیدا ہوا، وہ حضرت اسمٰعیل ہیں اور اسی لیے ان کا نام اسمٰعیل رکھا گیا، کہ خدا نے ان کے بارہ میں حضرت ابراہیم کی درخواست سنی اس بنا پر اس آیت میں جس کا ذکر ہے، وہ حضرت اسمٰعیلؑ، اسحاق نہیں،

قربانی کے واقعہ کی تفصیل اور اختتام کے بعد حضرت اسحاق کی ولادت کا ذکر ہے، اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے، کہ جس کا ذکر اوپر ہوا، وہ حضرت اسحاق نہیں، بلکہ حضرت اسمٰعیل ہیں،

مسلمانوں کا جو نام مسلم رکھا گیا، یہ وہ نام ہے، جو حضرت ابراہیم نے ایجاد کیا تھا، قرآن مجید میں ہے،

مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ (حج - ۱۰) تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب، انہی نے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا تھا،

اس تسمیہ کی تاریخ قربانی سے شروع ہوتی ہے یعنی حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل کو قربانی کرنا چاہا، اور ان سے کہا کہ "مجھ کو خدا کا یہ حکم ہوا ہے تمہاری کیا رائے ہے؟" تو حضرت اسمٰعیل نے نہایت استقلال کے ساتھ گردن جھکا دی، کہ یہ سر حاضر ہے، اس موقع پر خدا نے اسلماً

لہ ابھی صفحہ ۱۲۹ کے حاشیہ میں گذر چکا ہے کہ بعض مفسرین نے قرب لفظی کی وجہ سے سمّٰی کا فاعل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرار دیا ہے، تابعین میں حضرت ابن زید اور حضرت حسن بصری کا یہی مسلک ہے، اور ابو حیان نے اسی کی تائید کی ہے لیکن صحابہ میں حضرت ابن عباس اور تابعین میں مجاہد، ضحاک، قتادہ اور سفیان نے اللہ کی طرف ضمیر پھیری ہے اور یہ معنی لئے ہیں، کہ تمہارا نام مسلم قرآن کے نزول سے پہلے بھی اللہ نے رکھا، اور اس قرآن میں بھی اس نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے۔ ص

کا لفظ استعمال کیا ہے، جو اسلام سے ماخوذ ہے اور جس کے معنی "تسلیم" اور "حوالہ کر دینے" کے ہیں،

فَلَمَّآ اَسْلَمَا (صافات) پھر جب دونوں نے اپنے آپ کو (ہمارے) حوالہ کر دیا،

حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کا سب سے بڑا عظیم الشان کارنامہ تسلیم و رضا ہے، یعنی جب قربانی کا حکم ہوا، تو باپ بیٹے دونوں نے بے عذر گردنیں جھکا دیں، یہ وصف مقبول بارگاہ ہوا، اور پھر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا یہی شعار مذہبی قرار پایا، اسی بنا پر حضرت ابراہیم نے اپنے پیروان ملت کا نام مُسلِم رکھا،

قربانی، ایثار اور اسلام درحقیقت یہ سب مترادف الفاظ ہیں، یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے، کہ حضرت اسمٰعیل ہی نے اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کیا تھا، اگر حضرت اسحاق قربانی ہوتے، تو یہ لقب ان کی اولاد یا ان کی امت کو ملتا،

قربانی کی حقیقت اس مسئلہ کی حقیقت اس وقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے، جب اس پر غور کیا جائے کہ حضرت ابراہیم کو جو اپنے بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا، اس سے اصل مقصود کیا تھا، قدیم زمانہ میں بت پرست قومیں اپنے معبودوں پر اپنی اولاد کو بھینٹ چڑھا دیا کرتی تھیں، یہ رسم ہندوستان میں انگلش گورنمنٹ سے پہلے موجود تھی، مخالفین اسلام کا خیال ہے، کہ حضرت اسماعیل کی قربانی بھی اسی قسم کا حکم تھا، لیکن یہ سخت غلطی ہے،

اکابر صوفیا نے لکھا ہے، کہ انبیاء علیہم السلام کو جو خواب دکھائے جاتے ہیں، دو قسم کے

اس مقام پر مصنف کی یہ عبارت مزید تشریح کی محتاج ہے، مصنف نے جیسا کہ لکھا ہے کہ رویا دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک معنی جس میں صورت واقعہ بعینہ دکھائی جاتی ہے، اور دوسری تمثیلی جس میں صورت واقعہ کسی مثالی صورت میں ظاہر

Marfat.com

ہوتے ہیں، عینی اور تمثیلی، عینی میں بعینہ وہی چیز مقصود ہوتی ہے جو خواب میں نظر آتی ہے، تمثیلی میں تشبیہ اور تمثیل کے پیرایہ میں کسی مطلب کو پورا ادا کرنا ہوتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو خواب دکھایا گیا تھا، اس سے یہ مراد تھی، کہ بیٹے کو کعبہ کی خدمت کے لئے نذر چڑھاویں، یعنی کسی اور شغل میں مصروف نہ ہوں، بلکہ کعبہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیئے جائیں، تورات میں جابجا قربانی کا لفظ ان معنوں میں آیا ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۵) ہوتی ہے، اس کو بہت سے علماء نے تسلیم کیا ہے، اور بیان کیا ہے خواب کی اس دوسری قسم میں اصلی مقصود رویا کی دوسری مثالی صورت ہوتی ہے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے ماں باپ کو آفتاب و ماہتاب اور بھائیوں کو ستاروں کی شکل میں دیکھنا، یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ کی وبا کو ایک بڑھیا کی شکل میں دیکھنا اور احد میں مسلمان شہداء کو مذبوح گایوں کے رنگ میں دیکھنا،

محدث خطابی معالم السنن میں لکھتے ہیں:۔

وبعض الرویا مثل یضرب لیتاول علی الوجہ الذی یجب ان یصرف الیہ معنی التعبیر فی مثلہ وبعض الرؤیا لا یحتاج الی ذلک بل یاتی کالمشاھدۃ

(فتح الباری جلد ۱۲ ص ۴۰۳)

بعض خواب تمثیلی ہوتے ہیں جن کو اس مثالی صورت میں اس لئے بیان کیا جاتا ہے، کہ اس طریقہ پر اس کی تعبیر کی جائے، جس طریقہ پر ایسے خواب کی تعبیر کی جاتی ہے، اور بعض خواب اس کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ مشاہدہ بن کر سامنے آتے ہیں،

امام ابوبکر ابن العربی مالکی احکام القرآن میں اسی حقیقت کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس رویا کے ضمن میں یوں فرماتے ہیں، کہ بعض رویا نام کی طرح ہوتے ہیں (یعنی عینی و تصریحی جو بالکل لفظاً لفظاً واقعہ کے عین مطابق ہوتے ہیں) اور بعض کنیتوں کی طرح ہوتے ہیں، یعنی کسی مناسبت معنوی کے سبب سے وہ کسی دوسرے ہم شکل واقعہ کی صورت میں دکھائے جاتے ہیں، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ خواب اسی دوسری قسم کا تھا،

(احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۹۶ مصر)

مصنف سیرت نبی نے اس مقام پر ان ہی بعض علماء کی تقلید کر کے حضرت ابراہیم کے اس خواب کو تمثیلی کہا ہے، اور اسی بنا پر ان کو یہ کہنے کی ضرورت ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اس خواب کو جو تمثیلی کا تھا، اپنی خطائے اجتہادی سے عینی و حقیقی سمجھے، اور اس کی بعینہ تعمیل پر آمادہ ہو گئے، لیکن عین وقت پر ان کو وحی الٰہی نے ان کی اس

Marfat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس خواب کو عینی خیال کیا، اور بعینہ اس کی تعمیل کرنی چاہی، گو یہ خیال اجتہادی غلطی تھی، جو انبیاء سے ہو سکتی ہے رگو یہ غلطی قائم نہیں رہتی، بلکہ خدا اس پر متنبہ کر دیتا ہے، اس بنا پر گو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس فعل سے روک دیئے گئے، لیکن خدا نے ان کی حسن نیت کی قدر کی، اور فرمایا،

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (صافات) — تو نے خواب کو سچا کیا، ہم اسی طرح نیکوکاروں کو جزا دیتے ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۶) اجتہادی خطا پر متنبہ کر دیا، اور حضرت اسماعیل کی بعینہ قربانی سے روک کر ان کی جگہ جانور کی قربانی پیش کی،

ہمچمدان جائز کا ذوق اس مقام پر اس واقعہ کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجتہادی غلطی ماننے سے انکار کرتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے، کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو محبت الٰہی سے سرشار تھے، خطائے اجتہادی سے نہیں، بلکہ غلبہ شوق اطاعت و محبت میں اس حکم الٰہی کی تعمیل اپنی طرف سے بالکل بعینہ و بلفظہ کرنے پر آمادہ ہو گئے، تاکہ اس ابتلا میں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پورے اتریں، اور اپنی طرف سے بیٹے کی جان کی قربانی کی جگہ اس کی خدمت توحید و تولیت کعبہ کے لئے وقف کر دینے کی تاویل کا سہارا لے کر نفس کی متابعت کے شبہ اور دھوکے سے بھی پاک رہیں، تا آنکہ اللہ تعالیٰ خود اس حقیقت کو اپنے لفظوں میں واضح فرما دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا بہت پسند آئی، آواز آئی

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (صافات ۳) — ابراہیم تم نے خواب کو سچا کر دکھایا، ہم مخلصین کو اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیں،

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ (صافات) — اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا،

اور امت پر یہ قربانی اسی تمثیلی رنگ میں واجب ٹھہرائی گئی، یعنی جسمانی اطاعت و قربانی کی تمثیل جانور کی قربانی کی شکل میں،

یہ تشریح ان بعض علماء کی مناسبت میں ہے، جو بعض دینی و علمی اسباب کی بنا پر اس کو رد بیائے تمثیل،

Marfat.com

بہرحال یہاں اس تفصیل سے مقصود یہ ہے، کہ قربانی سے مقصود خدمت کعبہ کے لئے نذر چڑھانا تھا، نذر چڑھانے کے لئے شریعت سابقہ میں جو لفظ مستعمل تھا، وہ "خدا کے سامنے" تھا، تورات میں یہ محاورہ نہایت کثرت سے آیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل کے حق میں خدا سے جو دعا مانگی، وہ ان لفظوں میں تھی،

لیت اسمٰعیل یعیش امامك — کاش! اسمٰعیل (علیہ السلام) تیرے سامنے

(توراۃ تکوین اصحاح ۱۷-آیت ۱۸) — زندگی کرتا،

اسی خواہش کے مطابق، ان کو خواب میں تمثیل پیرایہ میں حکم دیا گیا، کہ وہ بیٹے کی قربانی کریں یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے، کہ حضرت ابراہیم کو خواب میں حضرت اسحاق کی قربانی کا نہیں بلکہ حضرت اسمٰعیل کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۷) سمجھتے ہیں، ورنہ جمہور علماء اس رویا کو عملی ہی سمجھتے ہیں، لیکن عین اس وقت جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پر عمل کر کے اپنی طرف سے فرزند کے ذبح کی پوری عزیمت کر کے اپنے کام کو پورا کر چکے تھے، اور تعمیل حکم میں ایک لمحہ کی بھی دیر نہیں رہی تھی، کہ وحی الٰہی نے آواز دی "اے ابراہیم تم نے اپنا کام پورا کر دیا، اور اپنے خواب کو سچ کر دکھایا" اب اس کی ضرورت نہیں رہی، اب اس کی جگہ ملت ابراہیم میں، یہ سنت عظیم جانور کی قربانی کی شکل میں ظاہر ہو گئی"

ظاہر ہے، کہ بہر دو صورت یہ جانور کی قربانی، جیسا کہ بعض ائمہ محققین نے لکھا ہے، نفس کی قربانی کا بدل ہے، اور اس قربانی کا گوشت اس روز عید میں قربانی کنندہ کے لئے برکت، احباب کے لئے تحفہ، اور فقراء کے لئے سامان دعوت بنا،

مزید تفصیل کے لئے معارف ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ مضمون "ذبح عظیم" اور معارف صفر ۱۳۵۶ھ کے شذرات ملاحظہ ہوں، "س"

مکۂ معظمہ

حضرت اسمٰعیل کی بحث مسکن میں گذر چکا، کہ وہ عرب تھا، مقام ذبح کی تعیین میں یہ ثابت ہو چکا، کہ وادی مکہ تھا، اس بنا پر مکہ کی نسبت ایک بحث نہایت قدیم زمانہ سے تعلق رکھتی ہے،

متعصب عیسائی مؤرخ لکھتے ہیں، کہ اس شہر کی قدامت کا دعویٰ مسلمانوں کا خاص دعویٰ ہے، قدیم تاریخوں میں اس کا نشان نہیں ملتا، اس بنا پر ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں،

مکہ کا قدیم نام بکہ ہے۔ قرآن مجید میں یہی نام ہے،

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا (آل عمران - ۱۰)	پہلا متبرک گھر جو آدمیوں کے لئے بنایا گیا، وہ "بکہ" میں تھا،

کتاب زبور، ۸۴-۶ میں ہے،

بکہ کی وادی میں سے گذرتے ہوئے، اسے ایک کنواں بناتے، برکتوں سے مورۃ کو

مرگیولوس اپنی کتاب میں لکھتا ہے، کہ اگرچہ مذہبی خیال کی وجہ سے مسلمانوں نے اپنے مذہبی مرکز کو نہایت قدیم البناء قرار دیا ہے، لیکن صحیح روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مکہ کی سب سے قدیم عمارت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صرف چند پشت قبل تعمیر ہوئی تھی" مرگیولوس نے اس کے ثبوت میں اصابہ کا حوالہ بھی دیا ہے، اور ہم کو بھی اس کی صحت سے انکار نہیں لیکن اس کل بیان میں مغالطہ ہے، جس کو ہم نے اصل کتاب میں ظاہر کر دیا ہے،

Marfat.com

ڈھانک لیتے، قوت سے قوت تک ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔"

اس عبارت میں بکہ کا جو لفظ ہے، یہ وہی مکہ معظمہ ہے، لیکن اگر اس لفظ کو اسم علم کے بجائے مشتق قرار دیں، تو اس کے معنی "رونے" کے ہوں گے، اور یہ وہی عربی لفظ بکا ہے چونکہ یہود و نصاریٰ ہمیشہ مکہ کی وقعت مٹانے کے درپے رہتے آئے، اس لئے بہت سے مترجمین نے عبارت مذکورہ میں بکہ کا ترجمہ رونا کر دیا ہے، لیکن ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے، کہ اس حالت میں وادی بکا کے کیا معنی ہوں گے؟ زبور کی عبارت مذکورہ کی اوپر کی آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ اس نشید میں حضرت داؤد نے مکہ معظمہ اور مروہ اور قربان گاہ اسمٰعیل کی نسبت اپنا شوق اور حسرت ظاہر کی ہے، اوپر کی عبارت یہ ہے (حضرت داؤد خدا سے کہتے ہیں) اے فوجوں کے خدا! تیرے مسکن کس قدر شیریں ہیں، میرا نفس خدا کے گھر کا مشتاق بلکہ عاشق ہے . . . . . اے خدا! تیرے قربانگاہ میرے مالک اور میرے خدا ہیں، مبارک ہو، ان لوگوں کو جو تیرے گھر میں ہمیشہ رہتے ہیں اور تیری تسبیح پڑھتے ہیں۔" اس کے بعد بکہ والی آیتیں ہیں، اب غور کرو، حضرت داؤد جس مقام پہنچنے کا شوق ظاہر کرتے ہیں، وہ اس مقام پر صادق آسکتا ہے جس میں حسب ذیل باتیں پائی جائیں،

(۱) قربانی گاہ ہو،

(۲) حضرت داؤد کے وطن سے دور ہو، کہ وہاں تک سفر کر کے جائیں۔

(۳) وہ وادی بکہ کہلاتا ہو،

Marfat.com

(۴) وہاں مقام مورہ بھی ہو، ان باتوں کو پیش نظر رکھو، تو قطعاً یقین ہو جائے گا، کہ بکہ وہی مکہ معظمہ اور مورہ وہی مروہ ہے، اس کے ساتھ یہ بھی اندازہ ہوگا، کہ یہودی کس طرح تعصب سے الفاظ کو ادل بدل کر دیتے ہیں یُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ ڈاکٹر ہسٹنگس نے "ڈکشنری آف بائبل" میں "وادی بکا" پر جو آرٹیکل لکھا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے،

"اس لفظ سے اگر کوئی واقعی وادی مراد ہے، تو وہ حسب ذیل ہو سکتی ہے"

(۱) ایک وادی ہے جس میں ہو کر زائرین بیت المقدس جاتے ہیں۔

(۲) وادی اخور ہے، جو یشوعا باب ۷۔ آیات ۲۴-۲۶ وغیرہ میں مذکور ہے۔

(۳) وادی رفائیم ہے، جو یشوع دوم باب ۵ آیات ۱۰-۲۲ وغیرہ میں مذکور ہے۔

(۴) کوہ سینا کی ایک وادی ہے۔

(۵) بیت المقدس تک جو کاروانی راستہ شمال سے آتا ہے، اس راستہ کی آخری منزل ہے (دیکھو رینان کی کتاب "حیات عیسیٰ" باب ۴)

لیکن کیا عجیب بات ہے، ڈاکٹر ہسٹنگس کو اتنے احتمالات کثیرہ میں کہیں مکہ معظمہ کا پتہ نہیں لگتا، مصرع

ہماں ورق کہ سیہ گشتہ مدعا ایں جاست

حیرت پر حیرت یہ ہے، کہ جن جن وادیوں کا نام لیا ہے، ان میں ایک کو بھی بکا کے لفظ سے کسی قسم کی مناسبت نہیں، یہاں تک کہ ایک حرف بھی مشترک نہیں، بخلاف اس کے بکا اور بکہ بالکل ایک لفظ ہیں، فرق اسی قدر ہے، جس قدر ایک ہی لفظ کے تلفظ میں

فرق پیدا ہو جاتا ہے،

جدید انسائیکلوپیڈیا" میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے جو مضمون ہے، وہ مرگیولوس کا ہے، اس میں مکہ معظمہ کی نسبت لکھا ہے، کہ

"قدیم تاریخوں میں اس شہر کا نام نہیں ملتا، بجز اس کے کہ زبور (۸۴-۶) میں "وادی بکہ" کا لفظ ہے،

لیکن مرگیولوس صاحب اس تاریخی شہادت کو ضعیف سمجھتے ہیں،

پروفیسر دوزی، جو فرانس کا مشہور محقق اور عربی دان عالم ہے، وہ لکھتا ہے

"بکہ وہی مقام ہے، جس کو یونانی جغرافیہ دان ماکروبہ لکھتے ہیں"

لیکن مارگیولوس کو پروفیسر دوزی کے بیان پر بھی اعتماد نہیں،

کارلائل صاحب نے اپنی کتاب "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" میں لکھا ہے، کہ

"رومن مورخ سیلس نے کعبہ کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے، کہ وہ دنیا کے تمام معبدوں سے قدیم اور اشرف ہے، اور یہ ولادت مسیح سے پچاس برس پہلے کا ذکر ہے،

اگر کعبہ حضرت عیسیٰ سے بہت پہلے موجود تھا، تو مکہ بھی قریباً اسی زمانہ کا شہر ہوگا، کیونکہ جہاں کہیں کوئی مشہور معبد ہوتا ہے، اس کے آس پاس ضرور کوئی نہ کوئی شہر یا گاؤں آباد ہو جاتا ہے،

یاقوت حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے، کہ مکہ معظمہ کا عرض اور طول بلد بطلیموس کے جغرافیہ میں حسب ذیل ہے،

---

۱ انسائیکلوپیڈیا طبع اخیر جلد ۱ ص ۳۹۹ ارزاں اڈیشن، ۲ ایضاً ۳ بطلیموس کے جغرافیہ کا ترجمہ عباسیوں کے زمانہ میں ہو گیا تھا، مسعودی اور ابن الندیم نے اکثر اس کے حوالے دیتے ہیں،

Marfat.com

طول ۷۸ درجہ عرض ۳۰ درجہ"

بطلیموس نہایت قدیم زمانہ کا مصنف ہے، اگر اس نے اپنے جغرافیہ میں مکہ کا ذکر کیا ہے، تو اس سے زیادہ قدامت کی کیا سند درکار ہے،

مارگیولوس نے جس بنا پر مکہ معظمہ کی قدامت سے انکار کیا ہے، وہ یہ ہے کہ "اصابہ" میں تصریح ہے، کہ مکہ میں سب سے پہلی عمارت جو تعمیر ہوئی، وہ سعید بن یا سعد بن عمرو نے تعمیر کی" لیکن مارگیولوس کو یہ معلوم نہیں، کہ مورخین نے جا بجا یہ بھی تصریح کی ہے، کہ چونکہ اہل عرب کعبہ کے مقابل یا آس پاس عمارات بنانے کو کعبہ کی بے ادبی سمجھتے تھے، اس لئے عمارتیں نہیں بنوائیں، بلکہ خیموں اور شامیانوں میں رہتے تھے، اور اس طرح کہ ہمیشہ سے خیموں کا ایک وسیع شہر تھا،

خانہ کعبہ کی تعمیر | دنیا میں ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی، ایران، ہند، مصر، یورپ میں عالمگیر اندھیرا تھا، قبول حق ایک طرف، اس وسیع خطۂ خاک میں گز بھر زمین نہیں ملتی تھی، جہاں کوئی شخص خالص خدائے واحد کا نام لے سکتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کلدان میں یہ صدا بلند کرنی چاہی، تو آگ کے شعلوں سے کام پڑا، مصر آئے، ناموس کو خطرہ کا سامنا ہوا، فلسطین پہنچے کسی نے بات تک نہ پوچھی، خدا کا جہاں نام لیتے تھے، شرک اور بت پرستی کے غلغلہ میں آواز دب دب کر رہ جاتی تھی، معمورۂ عالم کے صفحے نقشہائے باطل سے ڈھک چکے تھے، اب ایک سادہ، بے رنگ، ہر قسم کے نقش و نگار سے معرا، ورق درکار تھا، جس پر طغرائے حق لکھا جائے، یہ صرف حجاز کا صحرائے ویران تھا، جو تمدن اور عمران کے

داغ سے کبھی داغدار نہیں ہوا تھا،

حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل کو عرب میں لائے، اور ان کو یہیں آباد کیا، حضرت سارہ نے (جیسا کہ تورات میں ہے) کچھ عرصہ کے بعد انتقال کیا، حضرت ابرہیم مکہ میں چلے آئے، حضرت اسماعیل جوان ہو چکے تھے، اعلان حق میں ایک ہم آواز ہاتھ آیا، دونوں نے مل کر ایک چھوٹے سے چوکھونٹے گھر کی بنیاد ڈالی[1]،

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ (بقرۃ - ۱۵)	اور جب کہ ابراہیم اور اسماعیل خانہ خدا کی دیواریں اٹھا رہے تھے،

گھر بن چکا، تو وحی الٰہی نے آواز دی،

وَطَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ (سورہ حج ۴)	ہمارا گھر طواف کرنے والوں (نمازیوں) قیام کرنے والوں، رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک کر، اور تمام لوگوں کو پکار دے کہ حج کو آئیں، پیدل بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی، ہر دور دراز گوشہ سے آئیں گے،

اس وقت اعلان و اشتہار کے وسائل نہیں تھے، ویران جگہ تھی، اور آدمی کا کوسوں تک پتہ نہ تھا، ابراہیم کی آواز حدود حرم سے باہر نہیں جا سکتی تھی، لیکن وہی معمولی آواز

---

[1] محققین کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی منہدم و بے نشان عمارت کی دوبارہ بنیاد اٹھا کر بلند کی، مزید توضیح کے لئے سیرت النبی جلد پنجم باب حج عنوان مکہ اور کعبہ میں دیکھئے) "س"

کہاں کہاں پہنچی، مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک، اور زمین سے آسمان تک،

علامہ ازرقی نے تاریخ مکہ میں لکھا ہے، کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو تعمیر کی اس کا عرض وطول حسب ذیل تھا،

بلندی	زمین سے چھت تک،	۹ گز
طول	حجر اسود سے رکن شامی تک	۳۲ گز
عرض	رکن شامی سے غربی تک	۲۲ گز

عمارت بن چکی، تو حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل سے کہا، کہ ایک پتھر لاؤ تاکہ ایسے مقام پر لگادوں، جہاں سے طواف شروع کیا جائے، تاریخ مکہ موسوم بہ اعلام باعلام بیت الحرام میں[1] ہے

فقال ابراهيم لاسمعيل عليهما الصلوة والسلام يا اسمعيل ائتني بحجر اضعه حتى يكون علما للناس يبتدرون منه الطواف	پھر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) سے کہا، کہ ایک پتھر لاؤ، تاکہ ایسی جگہ نصب کر دوں، جہاں سے لوگ طواف شروع کریں،

خدا کا یہ گھر ایسا سادہ تعمیر ہوا تھا، کہ نہ چھت تھی، نہ کواڑ، اور نہ چوکھٹ بازو تھے، جب قصی بن کلاب کو کعبہ کی تولیت حاصل ہوئی، تو انہوں نے قدیم عمارت گرا کر نئے سرے سے تعمیر کی، اور کھجور کے تختوں کی چھت پاٹی،

[1] اعلام بحوالہ کتاب النسب از ابن بکار و ابن الماوردی۔

کعبہ کی برکت اور کشش سے لوگ آس پاس آباد ہونے لگے، چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ جرہم آکر آباد ہوا، اس قبیلہ میں مضاض بن عمرو جرہمی ایک ممتاز شخص تھے، حضرت اسمٰعیل نے ان کی لڑکی سے شادی، ان سے بارہ اولاد ہوئی، جن کے نام تورات میں مذکور ہیں، ان میں سے اکثر اہل عرب قیدار کی اولاد ہیں، حضرت اسمٰعیل کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے نابت کعبہ کے متولی ہوئے، ان کے مرنے کے بعد ان کے نانا مضاض نے یہ منصب حاصل کیا، اور کعبہ کی تولیت خاندان اسمٰعیل سے نکل کر جرہم کے خاندان میں آگئی، لیکن پھر ایک اور قبیلہ خزاعہ نے کعبہ پر قبضہ کر لیا، اور مدت تک اسی خاندان میں یہ منصب رہا، حضرت اسمٰعیل کا خاندان موجود تھا لیکن اس نے کچھ مزاحمت نہیں کی، قصی بن کلاب کا زمانہ آیا، تو انہوں نے اپنا آبائی حق حاصل کر لیا، چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے،

حرم کعبہ پر سب سے پہلے جس نے پردہ چڑھایا، وہ یمن کا حمیری بادشاہ اسعد تبع تھا، یمن میں خاص قسم کی چادریں بنی جاتی ہیں، جن کو بردیمانی کہتے ہیں، یہ پردہ انہیں چادروں سے تیار کیا گیا تھا، قصی بن کلاب کے زمانہ سے تمام قبائل پر محصول لگا دیا گیا جس سے پردہ تیار کیا جاتا تھا، علامہ ازرقی نے لکھا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نئی پردہ چڑھایا تھا، لیکن اس روایت کے سلسلہ کا ایک راوی واقدی[1] ہے،

---

[1] حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں قباطی کا پردہ چڑھایا تھا، جو مصر میں بنا جاتا ہے، ان کے بعد معمول ہو گیا، کہ ہر خلیفہ اپنے عہد خلافت میں پردہ چڑھاتا تھا، بنو امیہ نے دیبا کا پردہ چڑھایا تھا، مامون الرشید پہلا تین پردہ چڑھاتا تھا، حج کے زمانہ میں دیبائے احمر کا، رجب میں قباطی کا، عید الفطر میں دیبائے سفید کا، مصر میں جب سلطان صالح بن سلطان قلاؤن بادشاہ ہوا، تو مصر کے دو گاؤں پردہ کے مصارف کے لئے وقف کر دیئے، جب ترکی خاندان قسطنطنیہ میں حکمران ہوا، تو

Marfat.com

خدا کا گھر سیم و زر کی نقش آرائیوں کا محتاج نہ تھا، لیکن دولت اور ملک کی ترقی کے یہ لوازم ہیں، اس لئے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جب خلیفہ ہوئے، تو انہوں نے کعبہ کے ستونوں پر سونے کے پتر چڑھائے، عبدالملک بن مروان نے اپنے زمانہ میں ۳۶ ہزار اشرفیاں، اس کام کے لئے بھیجیں، ابن الرشید نے ۱۸ ہزار اشرفیاں نذر کیں، کہ دروازہ کی چوکھٹ وغیرہ طلائی بنوادی جائے، اعلام (تاریخ مکہ) میں عہد بہ عہد کی طلاکاریوں کی تفصیل لکھی ہے، لیکن یہ واقعات عہد نبوت کے بعد کے ہیں، جو ہماری کتاب کا موضوع نہیں، اور سچ یہ ہے، کہ آفتاب پر سونا چڑھا ضروری بھی نہیں،

حضرت اسمٰعیل کی قربانی خدا کا گھر بن چکا، تو ضرورت تھی، کہ اس کی تولیت اور خدمت کے لئے کوئی نفس قدسی تمام مشاغل سے الگ ہو کر اپنی زندگی اس پر نذر چڑھا دے، اس قسم کی نذر کو ابراہیمی شریعت میں قربانی سے تعبیر کرتے تھے، تورات میں یہ محاورہ بہ کثرت آتا ہے،

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، انبیاء علیہم السلام پر جو وحی آتی ہے، اس کے مختلف انواع ہیں، جن میں سے ایک خواب بھی ہے، چنانچہ صحیح بخاری باب بدء الوحی میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی جو ابتدا ہوئی، خواب سے ہوئی، یہ خواب کبھی تمثیلی ہوتا ہے، جس طرح حضرت یوسفؑ نے آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کو سجدہ کرتے دیکھا تھا، بہرحال حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۶) سلطان سلیمان نے چند گاؤں اور اضافہ کر دیئے، (اعلام باعلام بیت اللہ الحرام) خانہ کعبہ پر پردہ چڑھانے کی تاریخ بہ تفصیل فتوح البلدان بلاذری اور تاریخ مکہ ازرقی اور معجم البلدان وغیرہ میں ہے، ہم نے اخیر تصنیف یعنی اعلام کو لیا ہے، کہ وہ ان سب کے بعد کی تصنیف اور جامع ہے،

ابراہیم علیہ السلام کو خواب دکھایا گیا، کہ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہے ہیں، انہوں نے اس خواب کو عینی سمجھا، اور بعینہ اس کی تعمیل پر آمادہ ہوئے،

حضرت ابراہیمؑ کو اپنے استقلال اور جاں نثاری پر اعتماد تھا لیکن یہ تحقیق طلب تھا، کہ پانزدہ سالہ نوجوان بھی اپنی گردن پر چھری چلتے دیکھ سکتا یا نہیں؟ بیٹے سے مخاطب ہو کر کہا،

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى (صافات)	بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں، تو بتا، تیری کیا رائے ہے،

بیٹے نے نہایت استقلال سے جواب دیا،

يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (صافات)	اباجان! آپ کو جو حکم ہوا ہے، وہ کر گزریئے، خدا نے چاہا۔ تو میں ثابت قدم رہوں گا۔

اب ایک طرف نود سالہ پیر ضعیف ہے، جس کو دعاہائے سحر کے بعد خاندان نبوت کا چشم و چراغ عطا ہوا تھا، جس کو وہ تمام دنیا سے زیادہ محبوب رکھتا تھا، اب اسی محبوب کے قتل کے لئے اس کی آستینیں چڑھ چکی ہیں، اور ہاتھ میں چھری ہے،

دوسری طرف نوجوان بیٹا ہے، جس نے بچپن سے آج تک باپ کی محبت آمیز نگاہوں کی گود میں پرورش پائی ہے، اور اب باپ ہی کا مہر پرور ہاتھ اس کا قاتل نظر آتا ہے، ملائکہ قدسی فضائے آسمانی، عالم کائنات، یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے ہیں، اور انگشت بدنداں

Marfat.com

ہیں، کہ دفعۃً عالم قدس سے آواز آتی ہے،

يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا	ابراہیم! تو نے خواب کو سچ کر دکھایا ہے،
إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ	ہم نیک بندوں کو اسی طرح اچھا بدلہ دیا کرتے ہیں،
(صافات)	

طغیان نازہیں، کہ جگر گوشہ خلیلؑ
در زیر تیغ رفت و شہیدش نمی کند

بیٹے نے جس استقلال، جس عزم، اور جس حیرت انگیز ایثار سے اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کیا، اس کا یہی صلہ تھا، کہ یہ رسم (قربانی) قیامت تک دنیا میں اس کی یادگار رہ جائے،

Marfat.com

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سلسلۂ نسب

سلسلۂ نسب یہ ہے، محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی ابن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان،

صحیح بخاری (باب مبعث النبیؐ) میں یہیں تک ہے۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں عدنان سے حضرت ابراہیم تک نام گنائے ہیں یعنی عدنان بن عدد بن المقوم بن ناحور بن تیحب بن یعرب بن نابت بن اسمٰعیل بن ابراہیم،

سلسلۂ نسب

حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹے تھے جن کا ذکر تورات میں بھی ہے، ان میں سے قیدار کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی، اور بہت پھیلی، انہی کی اولاد میں عدنان ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہی کے خاندان سے ہیں، عرب کے نسب دان تمام پشتوں کو محفوظ نہیں رکھتے تھے، چنانچہ اکثر نسب ناموں میں عدنان سے حضرت اسمٰعیل تک صرف آٹھ نو پشتیں بیان کی ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، عدنان سے لے کر حضرت اسمٰعیل تک اگر صرف نو پشتیں ہوں، تو یہ زمانہ تین سو برس سے زیادہ نہ ہوگا، اور یہ امر [illegible] شہادتوں کے خلاف ہے علامہ سہیلی روض الانف (ص ۸) میں لکھتے ہیں:-

Marfat.com

ویستحیل فی العادۃ ان یکون	اور یہ عادۃ محال ہے، کہ دونوں میں ۴ یا ۷ پشتوں
بینھما اربعۃ اباء او سبعۃ کما	کا فاصلہ ہو، جیسا کہ ابن اسحاق نے ذکر کیا،
ذکر ابن اسحاق او عشرۃ او عشرون	یا ۱۰ - ۲۰ پشتیں ہوں، کیونکہ زمانہ اس سے بہت
فان المدۃ اطول من ذلک کلہ	زیادہ ہے،

علامہ موصوف نے بہت سے تاریخی حوالوں اور شہادتوں سے ثابت کیا ہے، کہ عدنان سے حضرت اسمٰعیل تک ۴۰ پشتوں کا فاصلہ ہے، اس غلطی نے بعض عیسائی مؤرخوں کو اس بات کا موقعہ دیا ہے، کہ سرے سے اس بات کے منکر ہو گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاندان ابراہیم سے ہیں[1]

اس غلطی کی زیادہ وجہ یہ ہوئی، کہ اہل عرب زیادۃ مشہور آدمیوں کے نام پر اکتفا کرتے تھے، اور بیچ کی پیڑھیوں کو چھوڑ دیتے تھے، اس کے علاوہ اہل عرب کے نزدیک چونکہ عدنان کا حضرت اسمٰعیل کے خاندان سے ہونا قطعی اور یقینی تھا، اس لئے وہ صرف اس بات کی کوشش کرتے تھے، کہ عدنان تک سلسلہ نسب صحیح طور سے نام بنام پہنچ جائے اوپر کے

---

[1] سر ولیم صاحب نے صریحاً یہ ثابت کرنا چاہا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل کے خاندان سے نہ تھے، ان کے الفاظ یہ ہیں "یہ خواہش کہ مذہب اسلام کے پیغمبر کو اسمٰعیل کی اولاد سے خیال کیا جائے، اور غالباً یہ کوشش کہ وہ اسماعیل کی نسل سے ثابت کئے جائیں، ان کی حین حیات میں پیدا ہوئی تھی، اور اس طرح محمد کے ابراہیمی نسب نامہ کے ابتدائی سلسلے گھڑے گئے تھے، اور اسمٰعیل اور بنی اسرائیل کے بے شمار قصے نصف یہودی اور نصف عربی سانچہ میں ڈھالے گئے تھے" (لیکن ایک طرف سر ولیم میور صاحب کا تنہا شبہ ہے، دوسری طرف بیسیوں یورپین اور مسلمان مورخین ہیں، جو نہ صرف خاندان قریش کو بلکہ تمام شمالی عرب و حجاز کو ابراہیمی النسل تسلیم کرتے ہیں،

(دیکھو فاسٹر صاحب کا جغرافیہ تاریخی عرب)

Marfat.com

اشخاص کا نام لینا غیر ضروری سمجھتے تھے، اس لئے چند مشہور آدمیوں کا نام لے کر چھوڑ دیتے تھے، تاہم عرب میں ایسے محققین بھی تھے جو اس فروگذاشت سے واقف تھے، علامہ طبری نے تاریخ میں لکھا ہے، کہ مجھ سے بعض نسب دانوں نے بیان کیا، کہ میں نے عرب میں ایسے علماء دیکھے، جو معد سے لے کر حضرت اسمٰعیل تک، ۴۰ پشتوں کے نام لیتے تھے اور اس شہادت میں عرب کے اشعار پیش کرتے تھے، اس شخص کا یہ بھی بیان تھا، کہ میں نے اس سلسلہ کو اہل کتاب کی تحقیقات سے ملایا، تو پشتوں کی تعداد برابر تھی، البتہ ناموں میں فرق تھا[1]"

اسی مؤرخ نے ایک اور موقع پر لکھا ہے، کہ "شہر تدمر میں ایک یہودی تھا، جس کا نام ابو یعقوب تھا، وہ مسلمان ہو گیا تھا، اس کا بیان تھا، کہ ارمیا پیغمبر کے منشی نے عدنان کا جو نسب نامہ لکھا تھا، وہ میرے پاس موجود ہے[2]، اس شجرے میں بھی عدنان سے لے کر حضرت اسمٰعیل تک چالیس نام ہیں" بہر حال یہ واقعہ یقینی ہے، کہ عدنان حضرت اسمٰعیل کی اولاد سے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عدنان کے خاندان سے ہیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان اگرچہ آباً عن جدٍ معزز اور ممتاز چلا آتا تھا لیکن جس شخص نے

---

[1] تاریخ طبری مطبوعہ یورپ جلد ۳ صفحہ ۱۱۸ [2] تاریخ طبری مطبوعہ یورپ جلد ۳ صفحہ ۱۱۱۵ [3] تاریخ عرب کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے، لیکن مارگیولوس نے نہایت کوشش کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کو بتدریج ثابت کیا جائے، ان کے الفاظ یہ ہیں "یہ بالکل ظاہر ہے، کہ محمد ایک غریب اور ادنیٰ خاندان سے تھے، اس کے بعد صاحب موصوف نے حسب ذیل استدلال پیش کئے ہیں:۔ (۱) قرآن مجید میں ہے، کہ قریش کو حیرت ہوتی ہے، کہ ایسا پیغمبر کیوں نہ بھیجا گیا، جو شریف خاندان سے ہوتا (۲) پیغمبر کے عروج کے زمانہ میں قریش نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس درخت سے تشبیہ دی، جو گھورے پر اگتا ہے (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ایک شخص نے مولا کے لفظ سے خطاب کیا، تو آپ نے اس لقب سے انکار کیا (۴) فتح مکہ کے دن آپ نے فرمایا، کہ

Marfat.com

اس خاندان کو قریش کے لقب سے ممتاز کیا، وہ نضر بن کنانہ تھے بعض محققین کے نزدیک قریش کا لقب سب سے پہلے فہر کو ملا، اور انہی کی اولاد قریشی ہے، حافظ عراقی سیرت منظوم میں لکھتے ہیں،

امّا قریش فالاصح فہر　　جماعہا والاکثرون النضر

نضر کے بعد فہر اور فہر کے بعد قصی بن کلاب نے نہایت عزت اور اقتدار حاصل کیا، اس زمانہ میں حرم کے متولی حلیل خزاعی تھے قصی نے حلیل کی صاحبزادی سے جن کا نام حبی تھا، شادی کی تھی، اس تعلق سے حلیل نے مرتے وصیت کی، کہ حرم کی خدمت قصی کو سپرد کی جائے، اس طرح یہ منصب بھی ان کو حاصل ہو گیا قصی نے ایک دار المشورہ قائم کیا جس کا نام دار الندوہ رکھا، قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی تیاری کرتے، تو اسی عمارت میں کرتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۲) "آج شرفائے قریش کا خاتمہ ہو گیا" قرآن شریف کے الفاظ یہ ہیں وقالوا لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم۔ یعنی کفار کہتے ہیں کہ یہ قرآن دو شہروں (مکہ و طائف) کے کسی رئیس پر کیوں نہ اترا عظیم اور شریف دو الگ لفظ ہیں، قرآن میں عظیم کا لفظ ہے، اہل عرب دولت اور اقتدار والے کو عظیم کہتے تھے، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت سے نہیں، بلکہ جاہ و دولت سے انکار تھا، دوسرا استدلال اگر صحیح ہو تو دشمن کی ہر بات کو صحیح ماننا چاہیئے، کفار نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیوانہ، جادوزدہ، شاعر سب کچھ کہا، ان میں سے کون سی بات صحیح ہے؟ بے شبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سید اور مولا کے لفظ سے انکار کیا، لیکن متعدد حدیثوں میں صاف تصریح ہے، کہ آپ نے فرمایا، مجھ کو سید اور مولی نہ کہو سید اور مولی خدا ہے، قرآن میں ہر جگہ خدا ہی کو مولی کہا ہے، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاندانی شرافت کا ابطال کیونکر ہوتا ہے؟ اخیر استدلال بھی حیرت انگیز ہے، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کم نسبی کیوں کر ثابت ہوتی ہے؟ کہ شرفائے مکہ سے یہاں مراد جبارین و متکبرین مکہ ہیں، مارگیولوس صاحب نے یہ دلائل نولدیکی سے نقل کئے ہیں، جو مشہور جرمنی مستشرق ہے۔ ع۔ ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔　　لہ زرقانی جلد اول صفحہ ۱۹۰

Marfat.com

قافلے باہر جاتے، تو یہیں سے تیار ہو کر جاتے، نکاح اور دیگر تقریبات کے مراسم بھی یہیں ادا ہوتے،

قصی نے بڑے بڑے نمایاں کام کئے جو ایک مدت تک یادگار رہے مثلاً سقایہ[1] اور رفادہ جو خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا، انہی نے قائم کیا، تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی، کہ سینکڑوں ہزاروں کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہیں، ان کی میزبانی قریش کا فرض ہے، چنانچہ قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منیٰ اور مکہ معظمہ میں حجاج کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا، اس کے ساتھ چرمی حوض بنائے جن میں ایام حج میں پانی بھر دیا جاتا تھا، کہ حجاج کے کام آئے مشعر حرام بھی انہی کی ایجاد ہے جس پر ایام حج میں چراغ جلاتے تھے، چنانچہ عقد الفرید میں تصریح کی ہے قصی نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا، کہ بعض لوگوں کا بیان ہے، کہ قریش کا لقب اول انہی کو ملا[2]، چنانچہ علامہ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں بھی لکھا ہے، اور یہ بھی تصریح کی ہے، کہ قصی نے چونکہ خاندان کو جمع کر کے کعبہ کے آس پاس

---

[1] سقایہ حاجیوں کو آب زمزم کا پلانا اور رفادہ حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنا [2] قصی بن کلاب کا مفصل تذکرہ طبقات ابن سعد جزو اول مطبوعہ لیڈن ۱۳۲۲ھ صفحہ ۳۶ سے لے کر ۴۲ تک ہے۔ قریش کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں، کہ قریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں، قصی نے لوگوں کو ایک رشتہ میں منسلک کیا، اس لئے قریش لائے، بعض کہتے ہیں، کہ ایک مچھلی کا نام ہے، جو تمام مچھلیوں کو کھا جاتی ہے، چونکہ قصی بہت بڑے سردار تھے، اس لئے ان کو اس مچھلی سے تشبیہ دی، عام خیال یہ ہے، کہ قریش قصی یا کسی اور شخص کا نام ہے لیکن امام سہیلی کی تحقیق یہ ہے، کہ یہ قبیلہ کا نام ہے، جس طرح عرب کے قبائل جانوروں کے نام پر نام رکھتے تھے، مثلاً اسد، نمر وغیرہ، مورخین یورپ کا خیال ہے، کہ قبائل جانوروں کی پرستش کرتے تھے، اور انہی جانوروں کے نام سے مشہور ہو جاتے تھے، عربی تاریخوں میں اس کا پتہ نہیں چلتا،

Marfat.com

بسایا، اس لئے ان کو قریش کہتے ہیں، کیونکہ تقریش کے معنی جمع کرنے کے ہے، اسی بنا پر ان کو مجمع بھی کہتے ہیں، چنانچہ شاعر کہتا ہے،

قصی ابوکم من یسمی مجمعا　　به جمع الله القبائل من فهر

قصی کی چھ اولاد تھی، عبدالدار، عبد مناف، عبدالعزی، عبد بن قصی، تخمر، برہ، قصی نے مرتے وقت حرم محترم کے تمام مناصب سب سے بڑے بیٹے عبدالدار کو دیئے[1]، اگرچہ وہ سب بھائیوں میں ناقابل تھے، لیکن قصی کے بعد قریش کی ریاست عبد مناف نے حاصل کی، اور انہی کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خاندان ہے، عبد مناف کے چھ بیٹے تھے، ان میں سے ہاشم نہایت صاحب صولت اور با اثر تھے، انہوں نے بھائیوں کو اس بات پر آمادہ کیا، کہ حرم کے مناصب جو عبدالدار کو دیئے گئے، واپس لے لئے جائیں، وہ لوگ اس منصب عظیم کے قابل نہیں، عبدالدار کے خاندان کے انکار کیا، اور جنگ کی تیاریاں شروع کیں، بالآخر اس پر صلح ہوگئی، کہ عبدالدار سے سقایہ اور رفادہ واپس لے کر ہاشم کو دے دیا،

ہاشم

ہاشم نے اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا، حجاج کو نہایت سیرچشمی سے کھانا کھلاتے تھے، چرمی حوضوں میں پانی بھروا کر زمزم اور منیٰ کے پاس سبیل رکھتے تھے، تجارت کو نہایت ترقی دی، قیصر روم سے خط و کتابت کر کے فرمان لکھوایا، کہ "قریش جب اس کے ملک میں اسباب تجارت لے کر جائیں، تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے"، حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا، چنانچہ اہل عرب جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام

[1] طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۴۱

Marfat.com

اور ایشیائے کوچک تک تجارت کے لئے جایا کرتے تھے، اس زمانہ میں انگوریہ (انقرہ) جو ایشیائے کوچک کا مشہور شہر ہے قیصر کا پایہ تخت تھا، تجار قریش انگوریہ میں جاتے تو قیصر نہایت عزت اور حرمت سے خیر مقدم کرتا تھا،

عرب میں راستے محفوظ نہ تھے، ہاشم نے مختلف قبائل میں دورہ کرکے قبائل سے یہ معاہدہ کیا، کہ "قریش کے کاروان تجارت کو ضرر نہ پہنچائیں گے، جس کے صلہ میں کاروان قریش ان قبائل میں ان کی ضرورت کی چیزیں خود لے کر جائے گا، اور ان سے خرید و فروخت کرے گا" یہ سبب تھا، کہ عرب میں باوجود عام لوٹ مار کے قریش کا قافلہ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا،

ایک[1] دفعہ مکہ میں قحط پڑا، ہاشم نے اس قحط میں شوربہ میں روٹیاں چورہ کرکے لوگوں کو کھلائیں، اس وقت سے ان کا نام ہاشم مشہور ہوگیا، عربی زبان میں چورا کرنے کو ہشم کہتے ہیں جس کا اسم فاعل ہاشم ہے،

ایک بار تجارت کی غرض سے شام گئے، راستہ میں مدینہ میں ٹھہرے، وہاں سال کے سال بازار لگتا تھا، بازار میں گئے، تو ایک عورت کو دیکھا جس کے حرکات و سکنات سے شرافت اور فراست کا اظہار ہوتا تھا، اس کے ساتھ حسین اور جمیل بھی تھی، دریافت سے معلوم ہوا، کہ خاندان بنی نجار سے ہے، اور سلمیٰ نام ہے، ہاشم نے اس سے شادی کی درخواست کی، اور اس نے قبول کرلی، غرض نکاح ہوگیا، شادی کے بعد یہ شام کو چلے گئے، اور غزہ

[1] امالی ابوعلی قالی، [2] طبری صفحہ ۱۰۸۸ و ۱۰۸۹ (ج ۳) "س"

Marfat.com

میں جاکر انتقال کیا، سلمیٰ کو حمل رہ گیا تھا، لڑکا پیدا ہوا، اس کا نام شیبہ رکھا گیا، اس نے آٹھ برس تک مدینہ میں پرورش پائی، ہاشم کے بھائی جن کا نام مطلب تھا، ان کو یہ حالات معلوم ہوئے، تو فوراً مدینہ روانہ ہوئے، وہاں پہنچ کر بھتیجے کی جستجو کی، سلمیٰ نے ان کے آنے کا حال سُنا، تو بلوا بھیجا، تین دن مہمان رہے، چوتھے دن شیبہ کو ساتھ لے کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے ان کی عمر ۸ برس کی تھی، یہاں آکر ان کا نام عبدالمطلب پڑ گیا،

عبدالمطلب کے لفظی معنی "مطلب کا غلام" ہیں، اس لئے ارباب سیر نے وجہ تسمیہ میں بہت سے اقوال نقل کئے ہیں، جن میں صحیح تر یہ ہے، کہ چونکہ مطلب نے ان کی پرورش کی تھی، اور یہ یتیم تھے، اس لئے عرب کے محاورہ کے مطابق "غلام مطلب" مشہور ہو گئے

عبدالمطلب کی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے، کہ چاہ زمزم جو ایک مدت سے اَٹ کر گم ہو گیا تھا، انہوں نے اس کا پتہ لگایا، اور کھدوا کر نئے سرے سے درست کرا دیا،

انہوں نے منت مانی تھی، کہ دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان دیکھ لیں گے، تو ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے، خدا نے یہ آرزو پوری کی، دس بیٹوں کو لے کر کعبہ میں آئے اور پجاری سے کہا، کہ ان دسوں پر قرعہ ڈالو، دیکھو کس کے نام پر نکلتا ہے، اتفاق سے عبداللہ کا نام نکلا، یہ ان کو لے کر قربان گاہ کو چلے، عبداللہ کی بہنیں جو ساتھ تھیں رونے لگیں، اور کہا، کہ ان کے بدلے دس اونٹ قربانی کیجیے، ان کو چھوڑ دیجیے، عبدالمطلب نے پجاری سے کہا، کہ عبداللہ پر اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالو، اتفاق یہ کہ عبداللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا، عبدالمطلب نے اب دس کے بجائے بیس اونٹ کر دیئے، یہاں تک

عبداللہ

لہ دیکھو زرقانی جلد ۱ صفحہ ۷۸۵،

کہ بڑھاتے بڑھاتے سو تک نوبت پہنچی، تو اونٹوں پر قرعہ آیا، عبدالمطلب نے سو اونٹ قربانی کئے، اور عبداللہ بچ گئے، یہ واقدی کی روایت ہے، ابن اسحاق کا بیان ہے، کہ اونٹوں کے معاوضہ کی تدبیر رؤسائے قریش نے تجویز کی تھی۔

عبدالمطلب کے دس یا بارہ بیٹوں میں سے پانچ شخصوں نے اسلام یا کفر کی خصوصیت کی وجہ سے شہرت عام حاصل کی، یعنی ابولہب، ابوطالب، عبداللہ، حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ، عام طور پر مشہور ہے، کہ ابولہب کا اصلی نام اور ہے، خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ نے دیا، لیکن یہ غلطی ہے، ابن سعد نے طبقات میں تصریح کی ہے، کہ یہ لقب خود عبدالمطلب نے دیا تھا، جس کی وجہ یہ تھی، کہ ابولہب نہایت حسین اور جمیل تھا اور عرب میں گورے چہرے کو شعلہ آتش کہتے ہیں، فارسی میں بھی آتشیں رخسار ہے،

عبداللہ قربانی سے بچ گئے، تو عبدالمطلب کو ان کی شادی کی فکر ہوئی، قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی جن کا نام آمنہ تھا، قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھیں[1]، وہ اس وقت اپنے چچا وہیب کے پاس رہتی تھیں، عبدالمطلب وہیب کے پاس گئے، اور عبداللہ کی شادی کا پیغام دیا، انہوں نے منظور کیا، اور عقد ہوگیا، اسی موقعہ پر خود عبدالمطلب نے بھی وہیب کی صاحبزادی سے جن کا نام ہالہ تھا، شادی کی، حضرت حمزہؓ انہی ہالہ کے بطن سے ہیں، ہالہ رشتہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ ہوئیں اور اس بنا پر حضرت حمزہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خالہ زاد بھائی بھی ہیں

[1] سیرت ابن ہشام در حاشیہ زاد المعاد، ج ۱ صفحہ ۸۵، س۔

Marfat.com

دستور تھا، کہ نوشاہ شادی کے بعد ۳ دن تک سسرال میں رہتا تھا، عبداللہ تین دن سسرال میں رہے، اور پھر گھر چلے آئے، اس وقت ان کی عمر تقریباً سترہ[1] برس سے کچھ زیادہ تھی،

عبداللہ تجارت کے لئے شام گئے، واپس آتے ہوئے مدینہ میں ٹھہرے، اور بیمار ہو کر یہیں رہ گئے، عبدالمطلب کو یہ حال معلوم ہوا، تو اپنے بڑے بیٹے حارث کو خبر لانے کے لئے بھیجا، وہ مدینہ میں پہنچے، تو عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا، چونکہ یہ خاندان میں سب سے زیادہ محبوب تھے، تمام خاندان کو سخت صدمہ ہوا،

عبداللہ نے ترکہ میں اونٹ، بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی تھی، جن کا نام ام ایمن تھا، یہ سب چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترکہ میں ملیں[2]، ام ایمن کا اصلی نام برکت تھا،

---

[1] زرقانی جلد اول صفحہ ۱۲۲ سطر ۱۔ [2] طبقات ابن سعد جزو اول قسم اول صفحہ ۶۲ "س"

Marfat.com

ظہورِ قدسی!

چمنستان دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں، چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس سروسامان سے سجائی، کہ نگاہ خیرہ ہو کر رہ گئی ہیں

ولادت

لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے، جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیئے، سیارگان فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے سرِ راہ تھے، چرخ کہن مدتہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لئے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنان قضا و قدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں ابر و باد کی تردستیاں، عالم قدس کے انفاس پاک، توحید ابراہیم، جمال یوسف، معجز طرازی موسیٰؑ، جاں نوازی مسیح، سب اسی لئے تھے، کہ یہ متاع ہائے گراں ارزش شاہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں کام آئیں گے،

آج کی صبح وہی صبح جاں نواز، وہی ساعت ہمایوں، وہی دور فرخ فال ہے، ارباب سیر اپنے محدود پیرایہ بیان میں لکھتے ہیں، کہ "آج کی رات ایوان کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے، آتشکدہ فارس بجھ گیا، دریائے ساوہ خشک ہو گیا" لیکن سچ یہ ہے، کہ ایوان کسریٰ نہیں، بلکہ شان عجم، شوکت روم، اوج چین کے قصرہائے فلک بوس گر پڑے، آتش فارس نہیں، بلکہ جحیم شر، آتشکدہ کفر، آذرکدہ گمرہی سرد ہو کر رہ گئے، صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، بتکدے خاک میں مل گئے

Marfat.com

شیرازہ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے،

توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستان سعادت میں بہار آگئی، آفتاب ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں، اخلاق انسانی کا آئینہ پرتو قدس سے چمک اٹھا،

یعنی یتیم عبداللہ، جگر گوشہ آمنہ، شاہ حرم، حکمران عرب، فرمانروائے عالم، شاہنشاہ کونین،

شمسہ نہ مسند ہفت اختراں — ختم رسل خاتم پیغمبراں
احمد مرسل کہ خرد خاک اوست — ہر دو جہاں بستہ فتراک اوست
امی و گویا بہ زبان فصیح — از الف آدم و میم مسیح
رسم ترنج است کہ در روزگار — پیش دہد میوہ پس آرد بہار

عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف فرمائے عزت و اجلال ہوا، اللھم صل علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم

تاریخ ولادت

تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان، عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے، کہ آپؐ کی ولادت ۹ ربیع الاول، روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی،

---

[1] محمود فلکی نے جو استدلال کیا ہے، وہ کئی صفحوں میں آیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے،

(۱) صحیح بخاری میں ہے، کہ ابراہیم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صغیر السن صاحبزادے) کے انتقال کے وقت آفتاب میں گہن لگا تھا، اور ۱۰ھ تھا اور اس وقت آپ کی عمر کا ترسٹھواں سال تھا)

(۲) ریاضی کے قاعدے سے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے، کہ (۱۰ھ کا) گرہن ۷ جنوری ۶۳۲ء کو ۹ بجکر ۲ منٹ پر لگا تھا،

(۳) اس حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ اگر قمری ۶۳ برس پیچھے ہٹیں، تو آپؐ کی پیدائش کا سال ۵۷۱ء ہے (جس میں ازروئے قواعد ہیئت، ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۲ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق تھی)

Marfat.com

آپ کا نام "محمدؐ" رکھا گیا، اور عام طور پر بیان کیا جاتا ہے، کہ عبدالمطلب نے یہ نام رکھا

رضاعت | سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی والدہ نے اور دو تین روز کے بعد ثوبیہ نے دودھ پلایا (جو ابولہب کی لونڈی تھی)

ثوبیہ

ثوبیہ کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ کو دودھ پلایا، اس زمانہ میں دستور تھا کہ شہر کے روسا، اور شرفا شیر خوار بچوں کو اطراف کے قصبات اور دیہات میں بھیج دیتے تھے، یہ رواج اس غرض سے تھا، کہ بچے بدوؤں میں پل کر فصاحت کا جوہر پیدا کرتے تھے، اور عرب کی خالص خصوصیات محفوظ رہتی تھیں،

سعدیہ

شرفائے عرب نے مدت تک اس رسم کو محفوظ رکھا، یہاں تک کہ بنو امیہ نے دمشق میں پائے تخت قائم کیا، اور شاہانہ شان و شوکت میں کسریٰ و قیصر کی ہمسری کی، تاہم ان کے بچے صحراؤں میں بدوؤں کے گھر میں پلتے تھے، ولیدؑ بن عبدالملک خاص اسباب سے نہ جا سکا، اور حرم شاہی میں پلا، اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ خاندان بنو امیہ میں صرف ولید ہی ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۷) تاریخ ولادت میں اختلاف ہے، لیکن اس قدر متفق علیہ ہے، کہ وہ ربیع الاول کا مہینہ اور دوشنبہ کا دن تھا، اور تاریخ ۸ سے لے کر ۱۲ تک میں منحصر ہے،

(۵) ربیع الاول مذکور کی ان تاریخوں میں دوشنبہ کا دن نویں تاریخ کو پڑتا ہے، ان وجوہ کی بنا پر تاریخ ولادت قطعاً ۲۰ اپریل ۵۷۱ء تھی،

(۱) بخاری باب یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب) "س" ۲ (امام سہیلی نے بہ تفصیل یہ واقعات لکھے ہیں، اور یہ حدیث بھی نقل کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، کہ میں اس لئے فصیح ہوں، کہ بنی سعد کے قبیلہ میں پلا ہوں (الروض الانف جلد اول صفحہ ۶۰۹ "س") سر ولیم میور صاحب لائف آف محمدؐ میں لکھتے ہیں، کہ محمدؐ کی جسمانی حالت بہت اچھی تھی ان کے اخلاق آزاد، اور مستغنی عن الغیر تھے، جس کی وجہ ان کا پانچ سال تک بنی سعد میں بسر کرنا تھا، اور اسی وجہ سے ان کی تقریر جزیرہ نمائے عرب کے خالص نمونہ کے موافق تھی،

Marfat.com

شخص تھا، جو عربی صحیح نہیں بول سکتا تھا۔

غرض دستور مذکور کی بنا پر سال میں دو مرتبہ دیہات سے شہر میں عورتیں آیا کرتی تھیں اور شرفائے شہر اپنے شیر خوار بچوں کو ان کے حوالے کر دیا کرتے تھے، اس دستور کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے چند روز بعد قبیلہ ہوازن کی چند عورتیں بچوں کی تلاش میں آئیں، ان میں حضرت حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔ اتفاق سے ان کو کوئی بچہ ہاتھ نہیں آیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے ان کو مقرر کرنا چاہا، تو ان کو خیال آیا، کہ یتیم بچے کو لے کر کیا کروں گی، لیکن خالی ہاتھ بھی نہ جا سکتی تھی، اس لئے حضرت آمنہ کی درخواست قبول کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر گئیں، ان کی ایک صاحبزادی تھیں، جن کا نام شیما تھا، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت انس تھا۔ وہی آپ کو کھلایا کرتی تھیں، دو برس کے بعد حلیمہ آپ کو مکہ میں لائیں، اور آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کیا، لیکن چونکہ اس زمانہ میں مکہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی، آپ کی والدہ نے فرمایا، کہ واپس لے جاؤ، چنانچہ دوبارہ گھر میں لائیں، اس میں اختلاف ہے، کہ آپ حضرت حلیمہ کے ہاں کے برس تک رہے، ابن اسحاق نے وثوق کے ساتھ ۶ برس لکھا ہے۔

---

[1] (ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۶ طبع بیدن) [2] سہیلی نے لکھا ہے، کہ عرب میں دودھ پلانا، اور اس کی اجرت لینا شریفانہ کام خیال نہیں کیا جاتا تھا، اسی بنا پر عرب میں مثل ہے المحرۃ لا تاکل بثدیہا اس بنا پر سہیلی نے اس کی توجیہ یہ کی ہے، کہ اس سال قحط پڑا تھا، اس لئے مجبوراً حضرت حلیمہؓ اور ان کے قبیلہ نے یہ خدمت گوارا کی تھی، لیکن تمام تاریخوں میں ہے، کہ مکہ میں ہر سال باہر سے اس کام کے لئے عورتیں آیا کرتی تھیں، ہمارا خیال ہے، کہ اس کام کو معیوب سمجھنا عرب کا عام خیال نہ تھا، یہ خیال اہل شہر اور امراء کے ساتھ مخصوص ہوگا۔

Marfat.com

ہوازن کا قبیلہ فصاحت وبلاغت میں مشہور ہے، ابن سعد نے طبقات میں روایت کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، کہ "میں تم سب میں فصیح تر ہوں، کیونکہ میں قریش کے خاندان سے ہوں، اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے"[1]۔ بنی سعد ہوازن ہی کے قبیلہ کو کہتے ہیں،

حضرت حلیمہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا محبت تھی، عہد نبوت میں جب وہ آپ کے پاس آئیں، تو آپ میری ماں میری ماں کہہ کر لپٹ گئے، یہ دلچسپ واقعات آگے آئیں گے،

ابن کثیر نے لکھا ہے، کہ حضرت حلیمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے وفات کر گئیں، لیکن یہ صحیح نہیں، ابن ابی خثیمہ نے "تاریخ" میں، ابن جوزی نے "حدائق" میں، منذری نے "مختصر سنن ابی داؤد" میں، ابن حجر نے "اصابہ" میں ان کے اسلام لانے کی تصریح کی ہے حافظ مغلطائی نے ان کے اسلام پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام "التحفۃ الجسیمہ فی اثبات اسلام حلیمہ"[2] ہے،

حارث

حضرت حلیمہ کے شوہر یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی باپ کا نام حارث ابن عبد العزی ہے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مکہ میں آئے اور اسلام لائے[3]

حارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا، کہ یہ تم کیا کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا، ہاں وہ دن آئے گا، کہ میں آپ کو دکھا دوں گا، کہ میں سچ کہتا تھا، حارث مسلمان ہو گئے،

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱، [2] زرقانی جلد ۲ صفحہ ۱۳۴، [3] اصابہ فی احوال الصحابہ مطبوعہ مصر مطبع سعادت جلد ۱ صفحہ ۲۶۳،

Marfat.com

رضاعی بہن بھائی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار رضاعی بھائی بہن تھے جن کے نام یہ ہیں، عبداللہ، انیسہ، حذیفہ، حذافہ جو شیما کے لقب سے مشہور تھیں، ان میں سے عبداللہ اور شیما کا اسلام لانا ثابت ہے، باقیوں کا حال معلوم نہیں،

مدینہ کا سفر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر جب چھ برس کی ہوئی، تو آپؐ کی والدہ آپ کو لے کر مدینہ گئیں، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کی ننہال خاندان نجار میں تھی، وہیں ٹھہریں، اس سفر میں ام ایمنؓ بھی ساتھ تھیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ تھیں، مورخین نے لکھا ہے، کہ آپ کی والدہ اس ننہالی رشتہ کی وجہ سے مدینہ گئیں، لیکن یہ رشتہ دور کا رشتہ تھا قیاس میں نہیں آتا، کہ صرف اتنے سے تعلق پر اتنا بڑا سفر کیا جائے، میرے نزدیک بعض مورخین کا یہ بیان صحیح ہے، کہ حضرت آمنہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے گئی تھیں، جو مدینہ میں مدفون تھے، بہرحال ایک مہینہ تک مدینہ میں مقیم رہیں، واپس آتے ہوئے، جب مقام ابواء[1] میں پہنچیں، تو ان کا انتقال ہوگیا، اور یہیں مدفون ہوئیں، ام ایمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مکہ میں آئیں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام مدینہ کی بہت سی باتیں یاد رہ گئیں تھیں، جب آپ قیام مدینہ کے زمانہ میں ایک دفعہ بنو عدی کے منازل پر گذرے، تو فرمایا کہ اسی مکان میں میری والدہ ٹھہری تھیں، یہی وہ تالاب ہے، جس میں میں نے تیرنا سیکھا تھا، اسی میدان میں میں انیسہ ایک لڑکی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا،

---

[1] ایک گاؤں کا نام ہے، جو مکہ سے ۲۳ میل پر واقع ہے [2] طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۷۳،

عبدالمطلب کی کفالت

والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دامن تربیت میں لیا ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے[1]

عبدالمطلب نے بیاسی برس کی عمر میں وفات پائی، اور حجون میں مدفون ہوئے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ برس کی تھی، عبدالمطلب کا جنازہ اٹھا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ تھے، اور فرط محبت سے روتے جاتے تھے، عبدالمطلب نے مرنے کے وقت اپنے بیٹے ابوطالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سپرد کی، ابوطالب نے اس فرض کو جس خوبی سے ادا کیا، اس کی تفصیل آگے آتی ہے، یہ واقعہ خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے، کہ عبدالمطلب کی موت نے بنو ہاشم کے رتبہ امتیاز کو دفعۃً گھٹا دیا، اور یہ پہلا دن تھا، کہ دنیوی اقتدار کے لحاظ سے بنو امیہ کا خاندان بنو ہاشم پر غالب آگیا، عبدالمطلب کی مسند ریاست پر اب حرب متمکن ہوا، جو امیہ کا نامور فرزند تھا، مناصب ریاست میں سے صرف سقایہ یعنی حجاج کو پانی پلانا، عباس کے ہاتھ میں رہا، جو عبدالمطلب کے سب سے

---

[1] عبدالمطلب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عزیز رکھنا ایک مسلم واقعہ ہے، لیکن مارگیولوس صاحب کو دادا کا پوتے پر مہربان ہونا ہونا بھی گوارا نہیں، فرماتے ہیں کہ "یتیم لڑکے کی حالت کچھ اچھی نہ تھی، اور اخیر زندگی میں ان کے چچا حمزہ نے نشہ کی حالت میں محمدؐ کو طنزاً اپنے باپ کا غلام کہا تھا (الف آف محمد از مارگولس صفحہ ۴۸ تا ۴۹) حضرت حمزہ رضؓ کے جس قول سے استدلال کیا ہے، مارگولس خود تسلیم کرتے ہیں، کہ وہ نشہ کی حالت تھی، اس کی تفصیل جیسا کہ بخاری (غزوہ بدر و خمس) میں ہے، کہ بدر کے مال غنیمت سے حضرت علی کو دو اونٹ ملے تھے، اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی، حضرت حمزہؓ شراب میں مخمور ادھر سے گذرے اور اونٹ کا پیٹ پھاڑ کر دل اور جگر کا کباب بنایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ حضرت حمزہؓ کے پاس گئے، اور ان کو ملامت کی، حضرت حمزہؓ سخت مخمور تھے، اس حالت میں وہ الفاظ ان کی زبان سے نکلے تھے، کیا اس حالت کا کوئی بیان شہادت میں پیش کیا جا سکتا ہے،

Marfat.com

چھوٹے بیٹے تھے،

ابوطالب کی کفالت عبدالمطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے، ان میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ اور ابوطالب ماں جائے بھائی تھے، اس لئے عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب ہی کی آغوش تربیت میں دیا، ابوطالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت رکھتے تھے، کہ آپ کے مقابلہ میں اپنے بچوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے، سوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر سوتے، اور باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے،

غالباً جب آپؐ کی عمر دس بارہ برس کی ہوئی، تو آپ نے بکریاں چرائیں، فرانس کے ایک نامور مورخ نے لکھا ہے، کہ "ابوطالب چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ذلیل رکھتے تھے، اس لئے ان سے بکریاں چرانے کا کام لیتے رہے" لیکن واقعہ یہ ہے، کہ عرب میں بکریاں چرانا معیوب کام نہ تھا، بڑے بڑے شرفاء اور امراء کے بچے بکریاں چراتے تھے، خود قرآن مجید میں ہے، وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ اور حقیقت یہ ہے، کہ یہ عالم کی گلہ بانی کا دیباچہ تھا، زمانہ رسالت میں آپؐ اس سادہ اور پرلطف مشغلہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ آپ صحابہ کے ساتھ جنگل میں تشریف لے گئے، صحابہ جھڑبیریاں توڑ توڑ کر کھانے لگے، آپؐ نے فرمایا، جو خوب سیاہ ہو جاتے ہیں، زیادہ مزے کے ہوتے ہیں یہ میرا اس زمانہ کا تجربہ ہے، جب میں بچپن میں یہاں بکریاں چرایا کرتا تھا[1]

[1] طبقات ابن سعد صفحہ جلد اول، بخاری نے کتاب الاجارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کیا ہے کہ "میں

شام کا سفر | ابوطالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے، قریش کا دستور تھا، سال میں ایک دفعہ تجارت کی غرض سے شام کو جایا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی، کہ ابوطالب نے حسب دستور شام کا ارادہ کیا، سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب سے اس قدر محبت تھی، کہ جب ابوطالب چلنے لگے، تو آپؐ ان سے لپٹ گئے، ابوطالب نے آپؐ کی دل شکنی گوارا نہ کی، اور ساتھ لے لیا، عام مورخین کے بیان کے موافق بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر میں پیش آیا، اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے، کہ جب ابوطالب بصرہ میں پہنچے، تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں اترے جس کا نام بحیرا تھا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا، کہ "یہ سید المرسلین ہیں"۔ لوگوں نے پوچھا تم نے کیونکر جانا؟ اس نے کہا، جب تم لوگ پہاڑ سے اترے، تو جس قدر درخت اور پتھر تھے، سب سجدے کے لئے جھک گئے،

یہ روایت مختلف پیرایوں میں بیان کی گئی ہے، تعجب یہ ہے، کہ اس روایت سے جس قدر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۰) قراریط پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا" قراریط کے معنی میں اختلاف ہے، ابن اسحٰق کے شیخ یعنی سوید بن سعید کی رائے ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے، اور قیراط درہم یا دینار کے ٹکڑے کا نام ہے، بنا بریں ان کے نزدیک حدیث کے یہ معنی ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجرت پر لوگوں کی بکریاں چرایا کرتے تھے، اسی بنا پر بخاری نے اس حدیث کو باب الاجارہ میں نقل کیا ہے، لیکن ابراہیم حربی کا قول ہے، کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے، جو اجیاد کے قریب ہے، ابن جوزی نے اس قول کو ترجیح دی ہے، علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں یہ بحث تفصیل سے لکھی ہے، اور قوی دلائل سے ثابت کیا ہے، کہ ابن جوزی کی رائے صحیح ہے (عینی جلد ۹ صفحہ ۶۳) نور النبراس میں یہ بحث اور زیادہ تفصیل سے ہے، اور اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔

Marfat.com

عام مسلمانوں کو شغف ہے، اس سے زیادہ عیسائیوں کو ہے، سر ولیم میور، ڈریپر، مارگولیوس وغیرہ سب اس واقعہ کو عیسائیت کی فتح عظیم خیال کرتے ہیں، اور اس بات کے مدعی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہب کے حقائق و اسرار اسی راہب سے سیکھے اور جو نکتے اس نے بتا دیئے تھے، انہی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقاید اسلام کی بنیاد رکھی، اسلام کے تمام عمدہ اصول انہی نکتوں کے شرح و حواشی ہیں،

عیسائی مصنفین اگر اس روایت کو صحیح مانتے ہیں، تو اس طرح ماننا چاہیئے جس طرح روایت میں مذکور ہے، اس میں بحیرا کی تعلیم کا کہیں ذکر نہیں، قیاس میں بھی نہیں آ سکتا، کہ دس بارہ برس کے بچے کو مذہب کے تمام دقایق سکھلا دیئے جائیں، اور اگر یہ کوئی خرق عادت تھا، تو بحیرا کے تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی

لیکن حقیقت یہ ہے، کہ یہ روایت ناقابل اعتبار ہے، اس روایت کے جس قدر طریقے ہیں، سب مرسل ہیں یعنی راوی اول واقعہ کے وقت خود موجود نہ تھا، اور اس راوی

لہ ڈریپر صاحب معرکہ علم و مذہب میں لکھتے ہیں "بحیرا راہب نے بصری کی خانقاہ میں محمد کو نسطوری عقاید کی تعلیم دی ... آپ کے ناتربیت یافتہ لیکن اخاذ دماغ نے نہ صرف اپنے اتالیق کے مذہبی بلکہ فلسفیانہ خیالات کا گہرا اثر قبول کیا .... بعد میں آپ کے طرز عمل سے اس امر کی شہادت ملتی ہے، کہ نسطوریوں (عیسائیوں کے ایک مذہبی فرقہ کا نام ہے) کے مذہبی عقاید نے آپ پر کہاں تک قابو پا لیا تھا" سر ولیم میور صاحب نے بھی نہایت آب و رنگ سے ثابت کرنا چاہا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بت پرستی سے جو نفرت پیدا ہوئی، اور ایک مذہب جدید کا جو خاکہ آپ نے قائم کیا، وہ سب اسی سفر اور اس کے مختلف تجارب اور مشاہدات کے نتائج تھے، لیکن ظاہر ہے کہ اگر شارع اسلام بالفرض عیسائی اساتذہ کا تعلیم یافتہ ہوتا، تو ناممکن تھا، کہ توحید خالص کا وہ ولولہ اور شرک سے نفرت کا وہ جوش اس کے سینہ میں پیدا ہو سکتا، جو قرآن کے ہر صفحہ میں نظر آتا ہے!

Marfat.com

کا نام بیان نہیں کرتا، جو شریک واقعہ تھا،

اس روایت کا سب سے زیادہ مستند طریقہ یہ ہے، جو ترمذی میں مذکور ہے اس کے متعلق تین باتیں قابل لحاظ ہیں۔

(۱) ترمذی نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے، کہ "حسن اور غریب۔ اور ہم اس حدیث کو اس طریقہ کے سوا کسی اور طریقہ سے نہیں جانتے"۔ حسن کا مرتبہ صحیح حدیث سے کم ہوتا ہے، اور جب غریب ہو، تو اس کا رتبہ اس سے بھی گھٹ جاتا ہے،

(۲) اس حدیث کا ایک راوی عبدالرحمٰن بن غزوان ہے، اس کو بہت سے لوگوں نے اگرچہ ثقہ بھی کہا ہے، لیکن اکثر اہل فن نے اس کی نسبت بے اعتباری ظاہر کی ہے، علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں، کہ "عبدالرحمٰن منکر حدیثیں بیان کرتا ہے جن میں سب سے بڑھ کر منکر روایت وہ ہے، جس میں بحیرا کا واقع مذکور ہے"۔

(۳) حاکم نے مستدرک میں اس روایت کی نسبت لکھا ہے، کہ "یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق ہے"۔ علامہ ذہبی نے تلخیص المستدرک میں حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھا ہے، کہ "میں اس حدیث کے بعض واقعات کو موضوع، جھوٹا، اور بنایا ہوا خیال کرتا ہوں"[1]

(۴) اس روایت میں مذکور ہے، کہ حضرت بلالؓ اور ابوبکرؓ بھی اس سفر میں شریک تھے، حالانکہ اس وقت بلالؓ کا وجود بھی نہ تھا، اور حضرت ابوبکرؓ بچے تھے،

---

[1] نیز اس کی شرح عیون السیر لابن سید الناس اور زرقانی اور میزان الاعتدال اور اصابہ تذکرہ عبدالرحمٰن بن غزوان

(مستدرک حاکم مع تلخیص جلد ۲ صفحہ ۶۱۵) "س"

(۵) اس حدیث کے اخیر راوی ابو موسیٰ اشعریؓ ہیں، وہ شریک واقعہ نہ تھے، اور اوپر کے راوی کا نام نہیں بتلاتے، ترمذی کے علاوہ طبقات ابن سعدؒ میں جو سلسلہ سند مذکور ہے (وہ مرسل یا معضل ہے یعنی جو روایت مرسل ہے، اس میں تابعی جو ظاہر ہے کہ شریک واقعہ نہیں ہے کسی صحابی کا نام نہیں لیتا ہے، اور جو روایت معضل ہے، اس میں راوی اپنے اوپر کے دو راوی جو تابعی اور صحابی ہیں، دونوں کا نام نہیں لیتا ہے،

(۶) حافظ ابن حجر رواۃ پرستی کی بنا پر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں، لیکن چونکہ حضرت ابوبکرؓ اور بلالؓ کی شرکت بداہتہً غلط ہے، اس لئے مجبوراً اقرار کرتے ہیں، کہ اس قدر حصہ غلطی سے روایت میں شامل ہو گیا ہے لیکن حافظ ابن حجر کا یہ ادعا بھی صحیح نہیں، کہ اس روایت کے تمام رواۃ قابل سند ہیں، عبدالرحمٰن بن غزوان کی نسبت خود انہی حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے، کہ "وہ خطا کرتا تھا، اس کی طرف سے اس وجہ سے شبہ پیدا ہوتا ہے، کہ اس نے مالیک کی روایت نقل کی ہے" مالیک کی ایک روایت ہے، جس کو محدثین جھوٹ اور موضوع خیال کرتے ہیں[۱]،

حرب فجار کی شرکت عرب میں اسلام کے آغاز تک لڑائیوں کا جو متواتر سلسلہ چلا آتا ہے، ان میں یہ جنگ سب سے زیادہ مشہور اور خطرناک تھی)

یہ لڑائی قریش، اور قیس کے قبیلہ میں ہوئی تھی، قریش کے تمام خاندانوں نے اس معرکہ

---

[۱] جزو اول قسم اول ص۶۰ ہ س "[۲] جامع نے بحیرا راہب کے قصہ کی مکمل تنقید سیرۃ النبیؐ جلد سوم باب "مشہور عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت" میں کی ہے، اس کو ملاحظہ فرمایا جائے ۶ س"

Marfat.com

میں اپنی اپنی الگ فوجیں قائم کی تھیں، آل ہاشم کے علمبردار زبیر بن عبدالمطلب تھے، اور اسی صف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے، بڑے زور کا معرکہ ہوا، اول قیس، پھر قریش غالب آئے، اور بالآخر صلح پر خاتمہ ہوگیا، اس لڑائی میں قریش کا رئیس اور سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ تھا، جو ابوسفیان کا باپ، اور امیر معاویہ کا دادا تھا،

چونکہ قریش اس جنگ میں برسرحق تھے، اور خاندان کے ننگ و نام کا معاملہ تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی لیکن جیسا کہ ابن ہشام نے لکھا ہے آپ نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا، امام سہیلی نے صاف تصریح کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جنگ نہیں کی، ان کے الفاظ یہ ہے،

وانما لم یقاتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اعمامہ فی الفجار و قد بلغ سن القتال لانھا کانت حرب فجار وکانوا ایضا کلھم کفارا ولم یاذن اللہ لمومن ان یقاتل الا لیکون کلمۃ اللہ ھی العلیا،	اور آپ نے اس جنگ میں لڑائی نہیں کی، حالانکہ آپ لڑائی کی عمر کو پہنچ چکے تھے، اس کی وجہ یہ تھی، کہ یہ لڑائی ایام الحرام میں پیش آئی تھی، نیز یہ وجہ تھی، کہ فریقین کافر تھے، اور مسلمانوں کو لڑائی کا حکم صرف اس لئے خدا نے دیا ہے، کہ خدا کا بول بالا ہو،

اس لڑائی کو فجار اس لئے کہتے ہیں، کہ ایام الحرام میں یعنی ان مہینوں میں پیش آئی تھی جن میں لڑنا ناجائز تھا،

حلف الفضول | لڑائیوں کے متواتر سلسلہ نے سینکڑوں گھرانے برباد کر دیئے تھے اور قتل و

سفاکی موروثی اخلاق بن چکے تھے، یہ دیکھ کر بعض طبیعتوں میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی، جنگ فجار سے لوگ واپس پھرے، تو زبیر بن عبد المطلب نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور خاندان کے سرگروہ تھے، یہ تجویز پیش کی، چنانچہ خاندان ہاشم، زہرہ اور تیم، عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے، اور معاہدہ ہوا، کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کریگا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے گا"[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ میں شریک تھے، اور عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے، کہ "معاہدہ کے مقابلہ میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے، تو میں نہ بدلتا[2]، اور آج بھی ایسے معاہدہ کے لئے کوئی بلائے، تو میں حاضر ہوں"

اس معاہدہ کو "حلف الفضول" اس لئے کہتے ہیں، کہ اول اول اس معاہدہ کا خیال جن لوگوں کو آیا، ان کے نام میں لفظ "فضیلت" کا مادہ داخل تھا یعنی فضیل بن حرث، فضیل بن داعہ اور مفضل، یہ لوگ جرہم اور قطورا کے قبیلہ کے تھے، اگرچہ یہ معاہدہ بے کار گیا، اور کسی کو یاد بھی نہ رہا، چنانچہ قریش نے نئے سرے بنیاد ڈالی، تاہم بانی اول کو نیک نیتی کا یہ ثمرہ ملا، کہ ان کے نام کی یادگار اب تک باقی ہے،

تعمیر کعبہ کعبہ کی عمارت صرف قد آدم اونچی تھی، اور دیواروں پر چھت نہ تھی جس طرح ہمارے ملک میں عیدگاہیں ہوتی ہیں، چونکہ عمارت نشیب میں تھی، بارش کے زمانہ میں شہر کا پانی حرم

---

[1] طبقات جلد ۱ صفحہ ۱۸۲ [2] مستدرک جلد ۲ صفحہ ۲۲۰ [3] لیکن امام سہیل نے مسند میں حارث بن اسامہ سے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے، کہ یہ نام اس لئے پڑا، کہ اس معاہدہ میں یہ الفاظ تھے، تردّ الفضول علی اھلہا،

Marfat.com

میں آتا تھا، اس کی روک کے لئے بالائی حصہ پر بند بنوایا دیا گیا تھا لیکن وہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا، اور عمارت کو بار بار نقصان پہنچتا تھا، بالآخر یہ رائے پائی، کہ موجودہ عمارت ڈھا کر نئے سرے سے زیادہ مستحکم بنائی جائے حسن اتفاق یہ کہ جدہ کے بندرگاہ پر ایک تجارتی جہاز کنارہ سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا، قریش کو خبر لگی، تو ولید بن مغیرہ نے جدہ پہنچ کر جہاز کے تختے مول لے لئے، جہاز میں ایک رومی معمار تھا جس کا نام باقوم تھا، ولید اس کو ساتھ لایا، اور تمام قریش نے مل کر تعمیر شروع کی، مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصے آپس میں تقسیم کر لئے تھے کہ کوئی اس شرف سے محروم نہ رہ جائے لیکن جب حجر اسود کے نصب کرنے کا موقع آیا، تو سخت جھگڑا پیدا ہوا، ہر شخص چاہتا تھا، کہ یہ خدمت اسی کے ہاتھ سے انجام پائے، نوبت یہاں تک پہنچی، کہ تلواریں کھنچ گئیں،

عرب میں دستور تھا، کہ جب کوئی شخص جان دینے کی قسم کھاتا تھا، تو پیالہ میں خون بھر کر اس میں انگلیاں ڈبو لیتا تھا، اس موقع پر بھی بعض دعوی داروں نے یہ رسم ادا کی، چار دن تک یہ جھگڑا برپا رہا، پانچویں دن ابو امیہ [illegible] جو قریش میں سب سے زیادہ معمر تھا، رائے دی، کہ کل صبح کو سب سے پہلے جو شخص آئے، وہی ثالث قرار دے دیا جائے، سب نے یہ رائے تسلیم کی، دوسرے تمام قبائل کے معزز آدمی موقع پر پہنچے، کرشمہ ربانی دیکھو، کہ صبح کو سب سے پہلے لوگوں کی نظریں جس پر پڑیں، وہ جمال جہانتاب چہرہ محمدی تھا لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قبول نہ کیا، کہ اس شرف سے تنہا بہرہ ور ہو، آپ نے فرمایا جو قبائل دعویدار ہیں [illegible] کا ایک ایک سردار انتخاب کر لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے ایک چادر بچھا کر حجر اسود کو اس میں رکھ دیا، اور سرداروں سے کہا، کہ چادر کے چاروں کونے تھام لیں، اور اوپر کو اٹھائیں، جب چادر موقع کے برابر آگئی، تو آپ نے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرمادیا[1] یہ گویا اشارہ تھا کہ دین الٰہی کی عمارت کا آخری تکمیلی پتھر بھی ان ہی کے ہاتھوں سے نصب ہوگا[2]

اس طرح ایک سخت لڑائی آپ کے حسن تدبیر سے رک گئی کعبہ کی عمارت اب مسقف کردی گئی لیکن چونکہ سامان تعمیر کافی نہ تھا، ایک طرف زمین کا کچھ حصہ چھوڑ کر بنیادیں قائم کی گئیں اور اس حصہ کے گرد چار دیواری کھینچ دی گئی، کہ پھر موقع ہوگا، تو کعبہ کے اندر لے لیں گے، یہی حصہ ہے جس کو آج حطیم کہتے ہیں، اور جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نبوت ارادہ فرمایا تھا، کہ دیوار ڈھا کر نئے سرے سے عمارت بنائی جائے لیکن پھر خیال ہوا، کہ نئے نئے مسلمان ہیں، دیوار کعبہ کے ڈھانے سے بدگمان ہو جائیں گے[3]

شغل تجارت عرب اور خصوصاً قریش یعنی بنی اسمٰعیل، ظہور اسلام کے ہزاروں برس پہلے سے تجارت پیشہ تھے[4] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ "ہاشم" نے قبائل عرب سے تجارتی معاہدے کر کے اس خاندانی طریقہ اکتساب کو اور زیادہ مستحکم اور باقاعدہ کر دیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب بھی تاجر تھے، اس بنا پر سن رشد کو پہنچنے کے ساتھ آنحضرت صلی

---

[1] منتخب طیالسی جلد اول ص۱۸ و مستدرک حاکم جلد اول صفحہ ۴۵۸ [2] "س" یہ ایک حدیث کی طرف تلمیح ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ میں نبوت کی عمارت کا آخری پتھر ہوں یعنی مکمل مذہب اور خاتم الرسل ہوں" [3] "س" یہ واقعات ابن ہشام، طبقات طبری میں منتخب الورندقانی جلد اول صفحہ ۲۳۶ تا ۲۴۰ میں مجتمعاً مذکور ہیں، اخیر کا واقعہ بخاری میں بھی موجود ہے، بخاری میں یہ بھی ہے، کہ قریش جب کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے، اور دوش مبارک پر پتھر ڈھو ڈھو کر لاتے تھے، یہاں تک کہ شانے چھل گئے تھے، [4] اضافہ و زیادت، [5] تورات تکوین، قصہ یوسف،

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم کو جب فکر معاش کی طرف توجہ ہوئی، تو تجارت سے بہتر کوئی پیشہ نظر نہ آیا،

ابوطالب کے ساتھ آپ بچپن میں بھی بعض تجارتی سفر کر چکے تھے جس سے ہر قسم کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا، اور آپ کے حسن معاملہ کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی، لوگ عموماً اپنا سرمایہ کسی تجربہ کار اور امین شخص کے ہاتھ میں دے کر اس کے منافع میں شرکت کر لیتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوشی کے ساتھ اس شرکت کو گوارا فرماتے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرکائے تجارت کی شہادتوں سے جو احادیث، اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں، ظاہر ہوتا ہے، کہ آپؐ کس دیانت اور راستبازی کے ساتھ کام کو انجام دیتے تھے،

تاجر کے محاسن اخلاق میں سب سے زیادہ نادر مثال ایفائے عہد اور اتمام وعدہ کی ہو سکتی ہے لیکن منصب نبوت سے پہلے مکہ کا تاجر امینؐ اس اخلاقی نظیر کا بہترین نمونہ تھا حضرت عبداللہؓ بن ابی الحمسار ایک صحابی بیان کرتے ہیں، کہ بعثت سے پہلے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا تھا، کچھ معاملہ ہو چکا تھا، کچھ باقی تھا، میں نے وعدہ کیا، کہ پھر آؤں گا، اتفاق سے تین دن تک مجھے اپنا وعدہ یاد نہ آیا، تیسرے دن جب وعدہ گاہ پر پہنچا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ منتظر پایا لیکن اس خلاف وعدہ سے آپؐ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا صرف اس قدر فرمایا، کہ تم نے مجھے زحمت دی ہے میں اسی مقام پر تین دن سے موجود ہوں[1]"

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۳۲۶ (مطبع محمدی کتاب الادب، باب فی الوعد)

Marfat.com

کاروبار تجارت میں ہمیشہ آپ اپنا معاملہ صاف رکھتے تھے، نبوت سے پہلے بھی، جن لوگوں سے تجارت میں آپؐ کا سابقہ تھا، وہ بھی اس کی شہادت دیتے تھے، سائبؓ نام ایک صحابی جب مسلمان ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، تو لوگوں نے ان کی تعریف کی، آپؐ نے فرمایا: "میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں"۔ سائبؓ نے کہا، آپؐ پر میرے ماں باپ قربان! آپؐ میرے شریک تجارت تھے، لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا فکنت لا تماری ولا تمارٰی۔ قیس بنؓ سائب مخزومی ایک اور صحابی بھی، آپؐ کے شریک تجارت تھے، وہ بھی انہی الفاظ کے ساتھ آپؐ کے حسن معاملہ کی شہادت دیتے ہیں[1]،

(تجارت کی غرض سے شام و بصری اور یمن کے متعدد سفر آپؐ نے کئے تھے)

تزویج خدیجہ حضرت خدیجہؓ ایک معزز خاتون تھیں، ان کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ملتا ہے، اور اس رشتہ کے لحاظ سے وہ آپؐ کی چچیری بہن تھی، ان کی دو شادیاں پہلے ہو چکی تھیں، اب وہ بیوہ تھیں، چونکہ نہایت شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق تھیں، جاہلیت میں لوگ ان کو طاہرہ کے نام سے پکارتے تھے، نہایت دولتمند تھیں، طبقات ابن سعد میں لکھا ہے، کہ جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا، تو اکیلا ان کا سامان تمام قریش کے برابر ہوتا تھا،

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اب پچیس برس کی ہو چکی تھی، متعدد قومی

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۱۷، [2] اصابہ جلد ۵ صفحہ ۲۵۲، ترجمہ حضرت قیسؓ بن سائب،

Marfat.com

کاموں میں آپؐ شریک ہو چکے تھے، تجارت کے کاروبار کے ذریعہ سے لوگوں کے ساتھ معاملات پیش آتے تھے، اس بنا پر آپ کے حسن معاملہ، راستبازی، صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاق کی عام شہرت ہو چکی تھی، یہاں تک کہ زبان خلق نے آپؐ کو امین کا لقب دے دیا تھا، حضرت خدیجہؓ نے ان اسباب کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا، کہ "آپ میرا مال تجارت لے کر شام کو جائیں، جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں، آپؐ کو اس کا مضاعف دوں گی"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا، اور مال تجارت لے کر بصری تشریف لے گئے،

واپس آنے کے تقریباً تین مہینہ کے بعد حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا، ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا، لیکن ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے، عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی، کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھیں، اور اس میں بالغہ، نابالغہ کی قید نہ تھی، حضرت خدیجہؓ نے چچا کے ہوتے، خود براہ راست تمام مراتب طے کئے، تاریخ معین پر ابو طالب اور تمام رؤسائے خاندان جن میں حضرت حمزہؓ بھی تھے، حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے، ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا، اور پانسو طلائی درہم مہر قرار پایا،

بعض روایتوں میں ہے، کہ حضرت خدیجہؓ کے والد زندہ تھے، اور ان کی موجودگی میں نکاح ہوا، لیکن شراب میں مخمور تھے، جب ہوش میں آئے، تو نکاح کا حال سن کے برہم ہوئے کہ برابر کا جوڑ نہیں،

Marfat.com

لیکن یہ روایت صحیح نہیں، امام سہیلی نے بہ تصریح اور بہ دلیل ثابت کیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے والد جنگ فجار کے قبل انتقال کر چکے تھے،

حضرت خدیجہؓ جس مکان میں رہتی تھیں، وہ آج بھی (حسب بیان مورخ طبری) انہی کے نام سے مشہور ہے، امیر معاویہؓ نے اس مکان کو خرید کر مسجد بنا دیا،

شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس کی تھی، اور پہلے دو شوہروں سے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں، ان کے نام اور مفصل حالات آگے آئیں گے[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر اولاد ہوئی، بجز حضرت ابراہیم کے، حضرت خدیجہؓ ہی کے بطن سے ہوئی، ان کے حالات آگے تفصیل سے آئیں گے،

جستہ جستہ واقعات | یہ واقعات تھے، جن میں تاریخی ترتیب معلوم ہے، اس لئے مسلسل لکھے گئے، ان امور کے سوا جستہ جستہ واقعات کا بھی پتہ چلتا ہے، چونکہ ان کے سنین اور تاریخیں غیر معلوم ہیں، اس لئے ان کو عام سلسلہ سے الگ یکجا لکھنا زیادہ موزون ہوگا،

حدود سفر | اہل مکہ عموماً تجارت کی غرض سے سفر کرنے کے عادی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس تقریب سے متعدد سفر کئے، شام اور بصریٰ کے سفر کا حال پہلے گذر چکا ہے اس کے علاوہ اور مقامات تجارت میں بھی آپ کا تشریف لے جانا ثابت ہے، عرب میں مختلف مقامات میں جو بازار قائم تھے، ان میں سے جعانہ کا ذکر ابن سید الناس نے کیا ہے

---

[1] حضرت خدیجہ کے نکاح کے واقعات ابن ہشام، ابن سعد و طبری میں باختلاف اجمال و تفصیل و اثبات و نفی مذکور ہیں، میں نے قرائن سے جو روایت زیادہ قابل اعتبار پائی اسے نقل کیا ہے، یکجا تمام حالات دیکھنے ہوں تو زرقانی ج ۱ ص ۲۳۲ سے ۲۳۶ تک دیکھنا چاہیئے، حضرت خدیجہ کے مکان کا ذکر صرف طبری نے کیا ہے، ابن حنبل (مسند ابن عباس) میں بھی واقعات مذکور ہیں،

حضرت خدیجہؓ نے جہاں جہاں آپؐ کو تجارت کی غرض سے بھیجا تھا، ان میں جرش بھی ہے، جو یمن میں ہے، حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے، اور علامہ ذہبی نے بھی تصدیق کی ہے، کہ جرش میں آپؐ دو دفعہ تشریف لے گئے، اور ہر دفعہ حضرت خدیجہؓ نے معاوضہ میں ایک اونٹ دیا،

نبوت کے بعد جس سال آپؐ کی خدمت میں عرب کے تمام دور دراز مقامات سے وفود آئے ان میں جب بحرین سے عبد القیس کا وفد آیا، تو آپؐ نے بحرین کے ایک ایک مقام کا نام لے کر وہاں کا حال پوچھا، لوگوں نے تعجب سے پوچھا، کہ آپ ہمارے ملک کا حال ہم سے زیادہ جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا" میں نے تمہارے ملک کی خوب سیر کی ہے[1]، مورخین یورپ نے جو علوم غیبی کے منکر ہیں، اور جو ثابت کرنا چاہتے ہیں، کہ (نعوذ باللہ) آپؐ کے تمام معارف و معلومات سیر و سفر سے ماخوذ ہیں، قیاسات کے ذریعہ سے اس دائرہ کو اور وسعت دی ہے، ایک مورخ نے لکھا ہے، کہ آپؐ نے بحری سفر بھی کیا تھا، جس کی دلیل یہ ہے، کہ قرآن مجید میں جہازوں کی رفتار اور طوفان کی کیفیت کی ایسی صحیح تصویر ہے جس سے (نعوذ باللہ) ذاتی تجربہ کی بو آتی ہے[2]، مورخ مذکور کا یہ بھی دعوی ہے، کہ آپؐ مصر بھی تشریف لے گئے تھے، اور ڈیڈسی (بحر میت) کا بھی معائنہ کیا تھا، لیکن تاریخی دفتر ان واقعات سے خالی ہے[3]،

---

[1] نور النبراس فی شرح ابن سید الناس [2] مسند امام احمد بن حنبل (جلد ۱ صفحہ ۲۰۶) [3] ارگیوس ص۷۷، [4] یورپین مورخین جنکی بنیاد صرف قیاس رائے پر ہوتی ہے اگر اس قسم کے واقعات بیان کریں، تو کوئی تعجب نہیں ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مصر جانا درحقیقت یورپ کے عہد مظلم کی مضحکہ انگیز روایت ہے، بحری سفر آپ نے یقیناً نہیں کیا لیکن اگر بحرین تشریف لے جانے کی روایت صحیح ہے تو خلیج فارس تو آپ نے دیکھا ہوگا، بحر میت کا مشاہدہ بھی ممکن ہے کیونکہ اس کا موقع عرب و شام کے درمیان ہے جہاں سے آپ کئی بار تجارت کے ساتھ گزرے ہوں گے "س"

مراسم شرک سے اجتناب | یہ قطعاً ثابت ہے، کہ آپؐ بچپن اور شباب میں بھی جب کہ منصب پیغمبری سے ممتاز نہیں ہوئے تھے، مراسم شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے،

ایک دفعہ قریش نے آپؐ کے سامنے کھانا لاکر رکھا یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا جانور جو ذبح کیا گیا تھا کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا، آپؐ نے کھانے سے انکار کیا[1]

نصاریٰ نے دعویٰ کیا ہے، کہ آپؐ کے اعتقادات میں جو تغیر ہوا، وہ عہد نبوت سے ہوا ہے، ورنہ اس سے پہلے آپؐ کا طرز عمل وہی تھا جو آپؐ کے خاندان اور اہل شہر کا تھا، چنانچہ آپؐ نے اپنے پہلے صاحبزادے کا نام عبدالعزیٰ[2] رکھا تھا، اور یہ روایت خود امام بخاری کی تاریخ صغیر میں موجود ہے لیکن یہ روایت اگر صحیح بھی ہو، تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کیونکر استدلال ہو سکتا ہے؟

حضرت خدیجہؓ اسلام سے پہلے بت پرست تھیں، انہوں نے یہ نام رکھا ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک منصب ارشاد پر مامور نہیں ہوئے تھے، اس لئے آپؐ نے تعرض نہ فرمایا ہوگا، اور اصل واقعہ یہ ہے، کہ یہ روایت فی نفسہ ثابت نہیں، اس روایت کا سب سے زیادہ تر صحیح سلسلہ وہ ہے جو امام بخاری نے تاریخ صغیر میں روایت کیا ہے اس کا پہلا راوی اسمٰعیل ہے جس کا پورا نام اسمٰعیل بن ابی اویس ہے، اگرچہ بعض محدثین نے اس

---

[1] صحیح بخاری باب المناقب ذکر زید بن عمرو بن نفیل، یہ حدیث امام بخاری نے اور ابواب میں بھی نقل کی ہے اس کے الفاظ میں اجمال رہ گیا ہے جماس روایت میں صاف [illegible] ہے مسند امام ابن حنبل جلد اول صفحہ [illegible] میں ایک روایت ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور زید کو اس کھانے پر بلایا، اور زید نے انکار کیا، اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاریخ سے کبھی بتوں پر ذبح کیا ہوا کھانا نہیں کھایا لیکن اس روایت کے راویوں کا حال نہیں ملتا اور یوں بھی بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا وقعت ہے [2] عزیٰ ایک بت کا نام تھا،

کی توثیق کی ہے لیکن گروہ کثیر کی رائے حسب ذیل ہے،

معاویہ بن صالح	اسمٰعیل اور اس کا باپ دونوں ضعیف ہیں
یحییٰ بن مخلط	وہ جھوٹ بولتا ہے، اور محض ہیچ ہے
امام نسائی	ضعیف اور غیر ثقہ ہے،
نضر بن سلمہ مروزی	وہ کذاب ہے،
دارقطنی	میں اس کو صحیح روایت کے لئے پسند نہیں کرتا
سیف بن محمد	وہ جھوٹ حدیثیں بناتا ہے،
سلمہ بن شبیب	مجھ سے اس نے خود اقرار کیا کہ جب کبھی کسی بات میں اختلاف ہوتا تھا تو میں ایک حدیث بنا لیتا تھا

یہ امر واقعی طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے بت پرستی کی برائی شروع کر دی تھی، اور جن لوگوں پر آپ کو اعتماد تھا، ان کو اس بات سے منع فرماتے تھے[1] (مستدرک حاکم جلد سوم ذکر زید بن حارثہؓ)

---

[1] مسٹر مارگولیس نے اس کے برخلاف ایک حیرت انگیز دعویٰ کیا ہے، اور اس کے ثبوت میں دعویٰ سے زیادہ حیرت انگیز فریب کاری کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ دونوں سونے سے پہلے ایک بت کی پرستش کر لیا کرتے تھے جس کا نام عزیٰ تھا۔ مصنف موصوف نے اس کی سند میں امام حنبل کی روایت (جلد ۴ صفحہ ۲۲۲) پیش کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

حدثنی جار لخدیجۃ بنت خویلد انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقول لخدیجۃ یا خدیجۃ واللہ لا اعبد اللات والعزیٰ واللہ	مجھ سے خدیجہؓ (بنت خویلد) کے ایک ہمسایہ نے بیان کیا، کہ میں نے پیغمبر صاحب کو حضرت خدیجہ سے کہتے سنا، کہ اے خدیجہ بخدا! میں کبھی لات اور عزیٰ

موحدین کی ملاقات | اس میں شبہ نہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے فیض الٰہی کی خفیف شعاعیں عرب میں پھیلنی شروع ہوگئی تھیں، چنانچہ قس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، عبید اللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل نے بت پرستی سے انکار کردیا تھا،[1]

ان میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید سے ملاقات کی تھی جس کا ذکر صحیح بخاری میں بھی ہے، ورقہ عیسائی ہوگئے تھے، اور چونکہ حضرت خدیجہؓ کے برادر عمزاد تھے، اور مکہ ہی میں رہتے تھے، اس لئے قیاس ہوتا ہے، کہ آپؐ ان سے بھی ملے ہوں گے بعض

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۲) لا اعبد ابدا قال تقول خدیجۃ خل اللات خل العزیٰ قال کانت صنمھم التی کانوا یعبدون ثم یضطجعون

کی پرستش نہ کروں گا، خدیجہ کہتی تھیں، کہ لات کو جانے دیجئے (یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجئے) اس نے کہا، کہ لات و عزیٰ وہ بت تھے جس کی پرستش اہل عرب سونے سے پیشتر کرلیا کرتے تھے

ایک معمولی عربی دان بھی سمجھ سکتا ہے، کہ عبارت مذکور میں کانوا کا لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں، کہ اہل عرب لات و عزیٰ کی پرستش کیا کرتے تھے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہوتا، تو تثنیہ کا صیغہ ہوتا، نہ کہ جمع کا اس کے علاوہ خود اسی روایت میں لات و عزیٰ کی پرستش سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت انکار کرنا مذکور ہے۔

مارگیولوس صاحب نے یہ روایت بھی بیان کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عزیٰ کے نام پر ایک خاکی رنگ کی بھیڑ ذبح کی تھی لیکن صاحب موصوف نے اس کی سند میں کوئی عربی ماخذ پیش نہیں کیا، بلکہ ولہوسن کا حوالہ دیا ہے، مگر ولہوسن کی کتاب صفحہ ۶۸ تا ۷۰ معجم البلدان، ایک جغرافیہ کی کتاب میں ایک روایت اس مضمون کی موجود ہے، لیکن اولاً تو اس موضوع خاص میں یہ کتاب خود بے سند ہے، ثانیاً یہ روایت کلبی سے ہے، جو مشہور دروغ گو ہے،

[1] ابن ہشام صفحہ ۷۶ میں قس بن ساعدہ کے سوا سب لوگوں کے نام اور حالات مذکور ہیں، زید کا ذکر بخاری میں بھی ہے قس کا ذکر نہایت کثرت سے تمام تاریخوں اور ادب کی کتابوں میں پایا جاتا ہے،

روایتوں میں ہے، کہ ان سے آپ کی دوستی تھی۔

ادب و محاضرات کی کتابوں میں عموماً اور بعض تاریخوں میں بھی مذکور ہے، کہ قس بن ساعدہ نے عکاظ میں جو مشہور خطبہ دیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس خطبہ میں شریک تھے، اس خطبہ کا بڑا حصہ اکثر اہل ادب نے نقل کیا ہے، اور چونکہ اس کے فقرے بظاہر قرآن مجید کی ابتدائی سورتوں کی طرح چھوٹے چھوٹے اور مقفّٰے ہیں، اس لئے عیسائی مورخین نے دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طرز انہی سے لیا ہے، چنانچہ بعض فقرے یہ ہیں،

ایھا الناس اسمعوا ووعوا، واذا وعیتم فانتفعوا، انہ من عاش مات ومن مات فات، وکل ما ھو آت آت، مطر ونبات، وارزاق واقوات وآباء وامھات واحیاء واموات وجمیع واشتات، ان فی السماء لخبرا وان فی الارض لعبرا لیل داج، وسماء ذات ابراج، وبحار ذات امواج، مالی ارا الناس یذھبون فلا یرجعون، ارضوا بالمقام فاقاموا، ام ترکوا ھھنا فناموا، ابن من بنی وشید، وزخرف و نجد، وعد المال والولد، ابن من بغی وطغی،

قس بن ساعدہ کی روایت اور اس کا خطبہ مختصر و مطول بہ عبارات مختلفہ لغوی، ازدی بیہقی، جاحظ وغیرہ نے نقل کیا ہے لیکن وہ سرتاپا مصنوعی اور موضوع ہے، اس کے رواۃ عموماً ناقابل سند بلکہ کذاب ہیں، چنانچہ سیوطی نے موضوعات میں اس روایت کے تمام طریقوں کو نقل کر کے ان کے رواۃ سے بحث کی ہے، اور علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ کے اقوال

Marfat.com

تفصیل سے نقل کئے ہیں، عجیب بات یہ ہے، کہ یہ روایت مختلف طریقوں سے مروی ہے، لیکن ہر طریقہ میں کوئی نہ کوئی راوی ایسا ہے جو موضوع حدیثیں بنایا کرتا تھا، اس کا ایک مشترک راوی محمد بن حجاج ہے، اس کی نسبت ابن معین کا قول ہے، کہ کذاب اور خبیث ہے" ابن عدی نے لکھا ہے، کہ ہرقلیہ کی حدیث اسی نے وضع کی ہے" ایک طریقہ کا راوی سعید بن ہبیرہ ہے، اس کی نسبت ابن حبان نے لکھا ہے، کہ ثقہ لوگوں کی زبانی جھوٹی حدیثیں روایت کرتا تھا، یا تو وہ خود حدیثیں تصنیف کرتا تھا، یا اور لوگ اس کے لئے بنا دیا کرتے تھے" ایک طریقہ کے راوی قاسم بن عبداللہ اور احمد بن سعید ہیں، اور یہ دونوں حدیث بنانے میں بدنام ہیں، بیہقی نے اس روایت کے متعلق ایک بڑا قصہ نقل کیا ہے جس میں حضرت ابوبکرؓ نے قس بن ساعدہ کا پورا خطبہ اپنی یاد سے بیان کیا ہے، یہ روایت پوری کی پوری موضوع[1] ہے، حافظ ابن حجر نے اس روایت کے اور طریقے بھی نقل کئے ہیں، اور انکی تضعیف کی ہے[2]

---

[1] یہ پوری تفصیل اللآلی المصنوعہ مطبوعہ مصر [illegible] ہے [2] ایک کذاب یا خاص طور پر حدیث کے قائل ہے، جزائے اور عباسیہ کے زمانہ میں یہ مذاق پیدا ہو گیا تھا کہ اپنے زمانہ کے شعراء اور فصحاء سے اشعار اور خطبے تصنیف کرتے تھے اور جاہلیت یا ابتدائے اسلام کے شعراء اور خطباء کے نام سے مشہور کرتے تھے محمد بن اسحاق اس رتبہ کے شخص ہیں، کہ امام بخاری نے جزء القراءۃ میں ان سے روایت کی ہے، تاہم ان کا یہ عام طریقہ تھا، علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال (مطبوعہ مصر صفحہ [illegible]) میں خطیب بغدادی سے روایت کی ہے، کہ محمد بن اسحاق شعراء کے وقت کو [illegible] دیتے تھے، کہ اسکے بارے میں اشعار کہہ دو، ان اشعار کو وہ اپنی کتاب میں شامل کر دیتے تھے ابن ہشام میں حضرت تبع، ابوکرب، امیہ بن ابی الصلت، ابوطالب کے سینکڑوں اشعار نقل کئے ہیں، جن کی زبان اور انداز بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ اس زمانہ کی زبان نہیں ہے، ایک لطیف بات یہ ہے، کہ ابن ہشام ان اشعار کو نقل کر کے اکثر موقعوں پر لکھ دیتے ہیں، کہ فن شعر کے ماہر ان اشعار کی نسبت انکار کرتے ہیں، مثلاً سریہ عبیدہ بن الحرث میں (ابن ہشام جلد [illegible] صفحہ [illegible] مطبوعہ مصر)

Marfat.com

احباب خاص | نبوت سے پہلے جو لوگ آپ کے احباب خاص تھے، سب نہایت پاکیزہ اخلاق بلند رتبہ اور عالی منزلت تھے، ان میں سب سے مقدم حضرت ابوبکرؓ تھے، جو برسوں آپؐ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۵) حضرت ابوبکرؓ کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے، اور لکھا ہے،

واکثر اھل العلم والشعر ینکرھن ہ	اور اکثر اہل علم اور فن شعر والے اس بات کے منکر ہیں، کہ
القصیدۃ لابی بکر	یہ قصیدہ حضرت ابوبکرؓ کا ہے،

یہ دعائی مختلف اغراض سے کی جاتی تھی، زیادہ اس وجہ سے، کہ ان قصیدوں سے یا شعروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی پیشین گوئی یا اور کوئی بات اسلام کی تصدیق کی شامل کر دیتے ہیں، مثلاً ابی قس بن ساعدہ کا خطبہ، اس میں یہ فقرے بھی ہیں

نبیا قد حان حینہ واظلکم اوانہ فطوبی	ایک پیغمبر کا زمانہ قریب آگیا ہے، سو اس کو مبارک ہے جو
لمن اٰمن بہ فھدا ہ وویل لمن خالفہ و	اس پر ایمان لائے گا، اور وہ اس کو ہدایت کریگا اور تباہی
عصاہ (اللالی المصنوعۃ ص۲۸)	ہے اس کے لئے جو اس کی مخالفت اور نافرمانی کرے گا،

ابوطالب کے نام سے جو لامیہ قصیدہ ابن ہشام وغیرہ نے نقل کیا ہے (ابن ہشام صفحہ ۹۹۳ و ۹۹۴) سرتاپا موضوع ہیں، اس کے خاتمہ کے اشعار یہ ہیں،

فاصبح نبینا احمد فی اروصہ	تقصر عنہ سورۃ المتطاول
فایدہ رب العباد بنصرہ	واظھر دینا حقہ غیر باطل

اس قصیدہ کو سرتاپا موضوع کہنے کے بجائے جیسا کہ مصنف نے کہا ہے، اکثر کہنا صحیح ہے، کیونکہ اس کے دو شعر صحاح میں بھی مذکور ہیں مثلاً صحیح بخاری و صحیح مسلم باب الاستسقاء، خود ابن اسحاق نے اس قصیدہ کو نقل کر کے لکھا ہے، وبعض اھل العلم بالشعر ینکر اکثرھا یعنی بعض ماہرین شعر اس کے اکثر اشعار کی صحت سے انکار کرتے ہیں" س" اکثر لوگ یہ کرتے تھے، کہ قرآن مجید میں توحید اور معاد کے متعلق جو باتیں ہیں، ان کے مطابق اشعار تصنیف کراتے تھے، اور سمجھتے تھے کہ اس سے اسلام کی تائید ہوگی، امیہ بن ابی الصلت کے نام سے جو اشعار منقول ہیں، ان کو دیکھ کر صاف یقین ہو جاتا ہے، کہ کسی نے قرآن مجید کو سامنے رکھ کر یہ اشعار کہے ہیں، مثلاً

نقلت لہ اذھب لھرون فادعوا	الی اللہ فرعون الذی کان طاغیا
وقولا لہ ءانت رفعت ھذہ	بلا عمد ارفق اذا لک بانیا
وقولا لہ ءانت سویت وسطھا	منیرا اذا ما جنہ اللیل ھادیا

Marfat.com

کے شریک صحبت رہے[1] حضرت خدیجہؓ کے چچیرے بھائی حکیم بن حزام جو قریش کے نہایت معزز رئیس تھے، وہ بھی احباب خاص میں تھے، حرم کا منصب زیادہ انہی کے ہاتھ میں تھا، دارالندوہ کے بھی یہی مالک تھے، چنانچہ اسلام کے بعد امیر معاویہؓ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم پر بیچ ڈالا، لیکن یہ کل رقم خیرات کر دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں ۵ برس بڑے تھے،

اگرچہ یہ مدت تک یعنی ہجرت کے آٹھویں سال تک ایمان نہیں لائے، لیکن اس حالت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت رکھتے تھے، ایک دفعہ کعبہ میں ذوبزن کا اسباب نیلام ہوا تھا، اس میں ایک عمدہ حلہ تھا، انہوں نے پچاس اشرفیوں میں اس کو خریدا، اور مدینہ لے کر آئے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کریں، آپ نے فرمایا، کہ میں مشرکوں کا ہدیہ نہیں قبول کرتا، البتہ قیمت لو، تو لے سکتا ہوں، مجبور ہو کر انہوں نے قیمت لینی گوارا کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے لیا[3]،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۶) ایک عجیب بات یہ ہے کہ شرار گولوس نے بھی ایک موقع پر اس کی تصدیق کی ہے، چنانچہ کہتے ہیں، "قدیم شاعری کا اکثر حصہ قرآن کے اسلوب پر موزون کیا گیا ہے" (صفحہ ۲۷ تا ۶۳) ان لوگوں نے اپنی دانست میں اسلام کی خیر خواہی کی غرض سے یہ کام کیا تھا، آج یورپ والے اسی سے یہ کام لیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر نہ تھے بلکہ جاہلیت کے خطباء اور شعراء سے معتقدات اور خیالات بلکہ طرز ادا تک اخذ کرتے تھے، لیکن ادب کا نکتہ شناس یا فن روایت کا ماہر بے تکلف سمجھ سکتا ہے، کہ تمام اشعار اور خطبے مصنوعی ہیں، یورپ کو فن ادب اور روایت میں مہارت کے لئے ابھی ایک زمانہ درکار ہے، اور جب وہ زمانہ آئے گا، تو یورپ کو اپنی بدمذاقی پر خود شرم آئے گی

[1] اصابہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت ابوبکر کا نام عبداللہؓ تھا، اصابہ میں اسی نام کے ذیل میں حضرت ابوبکر کا حال لکھا ہے، جلد ۲ صفحہ ۲۴۱ س [2] اصابہ ذکر حکیم بن حزام (جلد ۱ صفحہ ۳۴۹) [3] مسند امام حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۰۳ "س"

حضرت ضماد رضی اللہ عنہ ازد شنوءہ کے قبیلہ سے تھے، جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے، یہ بھی اصحاب خاص میں سے تھے، نبوت کے زمانہ میں یہ مکہ آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ راستہ میں جا رہے ہیں، اور پیچھے لونڈوں کا غول ہے، مکہ کے کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہتے تھے، لونڈوں کا غول دیکھ کر ضماد نے یہی قیاس کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور کہا محمد! میں جنون کا علاج کر سکتا ہوں، آپ نے ثنا کے بعد چند ٹوٹے جملے ادا کئے، ضماد مسلمان ہو گئے، اس واقعہ کو مختصراً مسلم و نسائی نے بھی لکھا ہے، لیکن زیادہ تفصیل مسند امام احمد حنبل (جلد ۱ صفحہ ۳۰۲) میں ہے۔

جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تجارت کے کاروبار میں شریک تھے، ان میں سے ایک صاحب قیس بن سائب مخزومی تھے، مجاہد بن جبیر جو مشہور مفسر گذرے ہیں انہی کے غلام تھے، ان کا بیان ہے، کہ شرکاء کے ساتھ آپ کا معاملہ نہایت صاف رہتا تھا، اور کبھی کوئی جھگڑا یا مناقشہ پیش نہیں آتا تھا،

---

[1] استیعاب (جلد ۲ صفحہ ۳۷۰) "س" و اصابہ

آفتابِ رسالت کا طلوع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں پیدا ہوئے، مکہ بت پرستی کا مرکز اعظم تھا، خود کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کا تنہا امتیاز صرف اس قدر تھا، کہ اس صنم کدہ کے متولی اور کلید بردار تھے، با ایں ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا، نہ رسوم جاہلیت میں کبھی شرکت نہیں کی، قریش نے اس بنا پر کہ ان کو عام لوگوں سے ہر بات میں ممتاز رہنا چاہئے، یہ قاعدہ قرار دیا تھا، کہ ایام حج میں قریش کے لئے عرفات جانا ضرور نہیں، اور یہ کہ جو لوگ باہر سے آئیں، وہ قریش کا لباس اختیار کریں، ورنہ ان کو عریاں ہو کر کعبہ کا طواف کرنا ہوگا[1] چنانچہ اسی بنا پر طواف عریاں کا رواج ہو گیا تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں میں کبھی اپنے خاندان کا ساتھ نہ دیا تھا،

عرب میں افسانہ گوئی کا عام رواج تھا، راتوں کو لوگ تمام اشغال سے فارغ ہو کر کسی مقام میں جمع ہوتے تھے، ایک شخص جس کو اس فن میں کمال ہوتا تھا [illegible] کرتا تھا، لوگ بڑے ذوق شوق سے رات رات بھر سنتے تھے، بچپن میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس جلسہ میں شریک ہونا چاہا تھا، لیکن اتفاق سے راہ میں

---

[1] ابن ہشام مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ جلد ۱ صفحہ ۶۷، [2] ابن ہشام صفحہ ۶۹،

Marfat.com

شادی کا کوئی جلسہ تھا، دیکھنے کے لئے کھڑے ہوگئے وہیں نیند آگئی، اٹھے تو صبح ہو چکی تھی[1]،

ایک دفعہ اور ایسا ہی اتفاق ہوا، اور اس دن بھی یہی اتفاق پیش آیا، چالیس برس کی مدت میں صرف دو دفعہ اس قسم کا ارادہ کیا، لیکن دونوں دفعہ توفیق الٰہی نے بچا لیا کہ "تیری شان ان مشاغل سے بالاتر ہے"۔

یہ فطرت سلیم اور نیک سرشتی کا اقتضا تھا، لیکن ایک شریعت کبریٰ کی تاسیس، ایک مذہب کامل کی تشیید اور رہنمائی کونین کے منصب عظیم کے لئے کچھ اور درکار تھا، اسی زمانہ کے قرب میں اور حق پرستوں (ورقہ، زید، عثمان بن حویرث) کے دل میں خیال آیا، کہ جماد لا یعقل کے آگے سر جھکانا حماقت ہے، چنانچہ سب مذہب حق کی تلاش کے لئے نکلے، لیکن ناکامی کی دیوار سے ٹکرا ٹکرا کر رہ گئے، ورقہ اور عثمان عیسائی ہوگئے، اور زید یہ کہتے کہتے مر گئے۔ اے خدا! اگر مجھ کو یہ معلوم ہوتا، کہ تجھ کو کس طریقہ سے پوجنا چاہیئے تو میں اسی طریقہ سے تجھ کو پوجتا"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے دنیاوی تعلقات تھے، تجارت کا کاروبار تھا، متعدد [illegible] تھیں، تجارت کی ضرورت سے اکثر سفر کرنا پڑتا تھا، لیکن دست قدرت کو جو کام [illegible] ان تمام مشاغل سے بالاتر تھا، دنیا اور دنیا کے تمام کام آپؐ کو ہیچ نظر آتے تھے، تاہم مطلوب حقیقی کا اب تک پتہ نہ تھا،

(بزار و مستدرک بحوالہ نسیم الریاض جلد اول صفحہ ۶۰۹ و خصائص کبریٰ سیوطی جلد اول صفحہ ۸۸) "س" [2] سر ولیم میور صاحب "لائف آف محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لکھتے ہیں "ہماری تمام تصنیفات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارہ میں ان کے چال چلن کی عصمت اور ان کے اطوار کی پاکیزگی پر جو اہل مکہ میں کمیاب تھی، متفق ہیں"۔

مکہ معظمہ سے تین میل پر ایک غار تھا جس کو حرا کہتے ہیں، آپؐ مہینوں وہاں جا کر قیام فرماتے، اور مراقبہ کرتے، کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے، وہ ہو چکتا تو پھر گھر پر تشریف لاتے، اور پھر واپس جا کر مراقبہ میں مصروف ہو جاتے،

صحیح بخاری میں ہے، کہ غار حرا میں آپؐ تحنث یعنی عبادت کیا کرتے تھے، یہ عبادت کیا تھی؟ عینی شرح بخاری میں ہے،

قیل ماکان صفۃ تعبدہ اجیب بان	یہ سوال کیا گیا ہے، کہ آپؐ کی عبادت کیا تھی؟
ذلک کان بالتفکر والاعتبار	جواب یہ ہے کہ غور و فکر اور عبرت پذیری۔

یہ وہی عبادت تھی، جو آپؐ کے دادا ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے کی تھی ستاروں کو دیکھا، تو چونکہ تجلی کی جھلک تھی، دھوکا ہوا، چاند نکلا، تو اور بھی شبہ ہوا آفتاب پر اس سے زیادہ، لیکن جب سب نظروں سے غائب ہو گئے، تو بے ساختہ پکار اٹھے،

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ	میں فانی چیزوں کو نہیں چاہتا،
انی وجہت وجہی للذی فطر السموات	میں اپنا منہ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے
والارض (انعام۔۹)	زمین و آسمان پیدا کیا،

ایک مغربی مورخ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عبادت کی کیفیت اس طرح ادا کی ہے،

"سفر و حضر میں ہر جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل میں ہزاروں سوال پیدا ہوتے

Marfat.com

تھے میں کیا ہوں؟ یہ غیر متناہی عالم کیا ہے؟ نبوت کیا شے ہے؟ میں کن چیزوں کا اعتقاد کروں؟ کیا کوہ حرا کی چٹانیں، کوہ طور کی سر بفلک چوٹیاں، کھنڈر اور میدان، کسی نے ان سوالوں کا جواب دیا، نہیں ہرگز نہیں. بلکہ گنبد گرداں، گردش لیل و نہار، چمکتے ہوئے ستارے، برستے ہوئے بادل، کوئی ان سوالوں کا جواب نہ دے سکا[1]،

نبوت کا دیباچہ یہ تھا، کہ خواب میں آپؐ پر اسرار منکشف ہونے شروع ہوئے، جو کچھ آپؐ خواب میں دیکھتے تھے، بعینہ وہی پیش آتا تھا، ایک دن جب کہ آپؐ حسب معمول غار حرا میں مراقبہ میں مصروف تھے، فرشتہ غیب نظر آیا، کہ آپ سے کہہ رہا ہے،

اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ	پڑھ اس خدا کا نام جس نے کائنات کو پیدا کیا، جس نے
الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَءْ وَرَبُّكَ	آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھ تیرا رب
الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۔ عَلَّمَ	کریم ہے، وہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعے علم سکھایا، وہ جس
الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ (علق)	نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں، جو اسے معلوم نہ تھیں،

آپؐ گھر تشریف لائے، تو جلال الٰہی سے لبریز تھے،

آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کیا، وہ آپؐ کو ورقہ بن نوفل کے پاس

---

[1] کارلائل ہیروز تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [2] وحی کے انواع میں سے ایک خواب بھی ہے، صحیح بخاری کے شروع میں ہے اول ما بدئ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرویا الصالحۃ فی النوم بخاری کتاب التعبیر میں زیادہ صاف طریقہ پر یہ مسئلہ ادا کیا گیا ہے [3] صحیح بخاری باب بدء الوحی و کتاب التعبیر، یہ روایت حضرت عائشہ سے مروی ہے، لیکن حضرت عائشہ اس وقت تک پیدا نہیں ہوئی تھیں، محدثین کی اصطلاح میں ایسی روایت کو مرسل کہتے ہیں، لیکن صحابہ کا مرسل محدثین کے نزدیک قابل حجت ہے، کیونکہ متروک راوی بھی صحابہ ہی ہوں گے،

لوا گئیں، جو عبری زبان جانتے تھے، اور تورات و انجیل کے ماہر تھے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ کی کیفیت سنی، تو کہا یہ وہی ناموس ہے، جو موسیٰؑ پر اترا تھا،

روایت میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈر پیدا ہوا، حضرت خدیجہؓ نے کہا، کہ آپ متردد نہ ہوں، خدا آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑے گا" پھر وہ آپؐ کو ورقہ کے پاس لوا گئیں، انہوں نے آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بے شبہ یہ الفاظ نکلے: "مجھ کو ڈر ہے" لیکن یہ تردد، یہ ہیبت، یہ اضطراب، جلال الٰہی کا تاثر (اور نبوت کے بار گراں کی عظمت کا تخیل تھا) آپؐ نے کیا دیکھا؟ ناموس اعظم نے کیا کہا؟ کیا کیا مشاہدات ہوئے، یہ وہ نازک باتیں ہیں، جو الفاظ کا تحمل نہیں کر سکتیں،

صحیح بخاری کتاب التعبیر میں ہے، کہ چند روز تک جب وحی رک گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے تھے، کہ اپنے آپ کو گرا دیں، دفعۃً حضرت جبریلؑ نظر آتے تھے، اور کہتے تھے: "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم واقعی خدا کے پیغمبر ہو" اس سے آپؐ کو اس وقت تسکین ہو جاتی تھی، لیکن جب پھر وحی کچھ دنوں کے لئے رک جاتی تھی، تو پھر آپؐ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپؐ کو گرا دینا چاہتے تھے، اور پھر حضرت جبریلؑ نمایاں ہو کر تسکین دیتے، کہ آپؐ واقعی خدا کے پیغمبر ہیں،

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے حصہ اول کی شرح میں معترضین کا یہ اعتراض نقل کیا ہے، کہ ایک پیغمبر کو نبوت میں کیونکر شک ہو سکتا ہے، اور ہو، تو کسی عیسائی کے تسکین دینے

Marfat.com

سے کیا تسکین ہو سکتی ہے؟ پھر ایک مشہور محدث کا یہ جواب نقل کیا ہے، کہ نبوت ایک امر عظیم ہے، اس کا تحمل دفعۃً نہیں ہو سکتا، اس لئے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب کے ذریعہ سے مانوس کیا گیا، پھر جب دفعۃً فرشتہ نظر آیا، تو آپؐ اقتضائے بشریت سے خوفزدہ ہو گئے، حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو تسکین دی، پھر جب ورقہ نے تصدیق کی، تو آپؐ کو پورا یقین ہو گیا، محدث مذکور کے الفاظ یہ ہیں،

فلما سمع کلامہ ایقن بالحق واعترف بہ۔ — جب آپؐ نے ورقہ کا کلام سنا، تو آپؐ کو حق کا یقین آگیا، اور آپ نے اس کا اعتراف کیا،

محدث مذکور اس کے بعد لکھتے ہیں، کہ "وحی بار بار اس لئے رک جاتی تھی، کہ آپؐ رفتہ رفتہ اس کے برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں"[1]

لیکن جب کہ ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے، کہ نبوت سے پہلے سفر شام میں (بمقام بصریٰ) جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے تھے، اس کی تمام شاخیں آپ پر جھک آئیں جس سے بحیرا نے آپؐ کے نبی ہونے کا یقین کیا" جب کہ صحیح مسلم میں یہ حدیث موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کہ "میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں، جو نبوت سے پہلے مجھ کو سلام کیا کرتا تھا" جب کہ صحاح میں موجود ہے، کہ "نبوت سے پہلے فرشتوں نے آپؐ کا سینہ چاک کیا، اور جسمانی آلائش نکال کر پھینک دی" تو خود ان روایتوں کے روایت کرنے والے کیونکر یہ کہہ سکتے ہیں، کہ فرشتہ کا نظر آنا ایسا واقعہ تھا جس سے آپؐ اس قدر خوفزدہ ہو جاتے

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب التعبیر جلد ۱۲ صفحہ ۳۱۷، مطبوعہ مصر

تھے، کہ ایک دفعہ تسکین ہو کر بھی بار بار اضطراب ہوتا تھا، اور آپؐ اپنے آپ کو پہاڑ پر سے گرا دینے کا ارادہ کرتے تھے، اور بار بار حضرت جبریلؑ کو اطمینان دلانے کی ضرورت ہوتی تھی، کیا اور کسی پیغمبر کو بھی ابتدائے وحی میں کبھی شک ہوا تھا، حضرت موسیٰ نے درخت سے آواز سنی، کہ "میں خدا ہوں" تو کیا ان کو کوئی شبہ پیدا ہوا؟

حافظ ابن حجر وغیرہ کی پیروی کی ہم کو ضرورت نہیں، ہم کو پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ خود اصل روایت بہ سند مرفوع متصل ہے یا نہیں، یہ روایت امام زہری کے بلاغات میں سے ہے یعنی سند کا سلسلہ زہری تک ختم ہو جاتا ہے، اور آگے نہیں بڑھتا، چنانچہ خود شارحین بخاری نے تصریح کر دی ہے، یہ ظاہر ہے، کہ ایسے عظیم الشان واقعہ کے لئے سند مقطوع کافی نہیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا، تو سخت مشکلیں پیش نظر تھیں، اگر آپؐ کا فرض اسی قدر ہوتا، کہ مسیح علیہ السلام کی طرح صرف تبلیغ دعوت پر اکتفا فرمائیں یا حضرت کلیم کی طرح اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل جائیں، تو مشکل نہ تھی، لیکن خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کام خود سلامت رہ کر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کو فروغ اسلام سے منور کر دینا تھا، اس لئے نہایت تدبیر اور تدریج سے کام لینا پڑا، سب سے پہلے مرحلہ یہ تھا، کہ یہ پرخطر راز پہلے کس کے سامنے پیش کیا جائے، اس غرض کے لئے صرف وہ لوگ انتخاب کئے جا سکتے تھے، جو فیضیاب صحبت رہ چکے تھے، جن کو آپؐ کے اخلاق و عادات کی ایک ایک حرکات و سکنات کا تجربہ ہو چکا تھا، جو پچھلے تجربوں کی بنا پر آپؐ

Marfat.com

کے صدق دعویٰ کا قطعی فیصلہ کر سکتے تھے، یہ لوگ حضرت خدیجہؓ آپؐ کی حرم محترم تھیں، حضرت علیؓ تھے، جو آپؐ کی آغوش تربیت میں پلے تھے، زیدؓ تھے، جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور بندۂ خاص تھے، حضرت ابوبکرؓ تھے، جو برسوں[1] سے فیضیاب خدمت تھے، سب سے آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سنایا، وہ سننے سے پہلے مومن تھیں پھر اور بزرگوں کی باری آئی، اور سب ہمہ تن اعتقاد تھے،

حضرت ابوبکرؓ دولتمند، ماہر انساب، صائب الرائے اور فیاض تھے، ابن سعد نے لکھا ہے، کہ جب وہ ایمان لائے، تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے، غرض ان اوصاف کی وجہ سے مکہ میں ان کا عام اثر تھا، اور معززین شہر ان سے ہر بات میں مشورہ لیتے تھے ارباب روایت کا بیان ہے، کہ کبار صحابہؓ میں سے حضرت عثمانؓ حضرت زبیرؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران، حضرت طلحہؓ سب انہی کی ترغیب اور ہدایت سے ایمان لائے، ان کی وجہ سے یہ چرچا چپکے چپکے اور لوگوں میں بھی پھیلا، اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، ان سابقین اولین میں عمارؓ، خباب بن الارتؓ حضرت عثمانؓ، عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، طلحہؓ، ارقمؓ، سعید بن زیدؓ عبداللہ بن مسعودؓ، عثمان بن مظعونؓ، عبیدہؓ، صہیبؓ رومی زیادہ ممتاز ہیں،

لیکن جو کچھ ہوا، پوشیدہ طور پر ہوا، نہایت احتیاط کی جاتی تھی، کہ محرمان خاص کے سوا کسی کو خبر نہ ہونے پائے، نماز کا جب وقت آتا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی پہاڑ کی گھاٹی

---

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ میں بزرگان موصوف کا تذکرہ ملاحظہ کرنا چاہیئے [2] دیکھو ریاض النضرۃ محب الطبری مطبوعہ مصر صفحہ ۵۰۔

Marfat.com

میں چلے جاتے، اور وہاں نماز ادا کرتے، ابن الاثیر کا بیان ہے، کہ چاشت کی نماز آپؐ حرم ہی میں ادا کرتے، کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب میں بھی جائز تھی، ایک دفعہ آپؐ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے، اتفاق سے آپؐ کے چچا ابوطالب آنکلے ان کو اس جدید طریقہ عبادت پر تعجب ہوا، کھڑے ہو گئے، اور بغور دیکھتے رہے، نماز کے بعد پوچھا، کہ یہ کون دین ہے، آپ نے فرمایا ہمارے دادا ابراہیمؑ کا یہی دین تھا، ابوطالب نے کہا، میں اس کو اختیار تو نہیں کر سکتا لیکن تم کو اجازت ہے، اور کوئی شخص تمہارا مزاحم نہ ہو سکے گا،

یہ تاریخ اسلام کا ایک اہم مسئلہ ہے، کہ اسلام کیونکر پھیلا، مخالفین نے اس کا ذریعہ تلوار بتایا ہے، اس مسئلہ پر مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصوں میں آئے گی، لیکن ایک خاص پہلو پر یہیں نگاہ ڈال لینی چاہیئے، یعنی یہ کہ اوائل اسلام میں، جب کہ اسلام لانا جان و مال سے ہاتھ دھونا تھا، کون لوگ اور کس قسم کے لوگ ایمان لائے،

اس زمانہ میں جو لوگ اسلام لائے، ان میں چند خصائص مشترک تھے، اسی قسم کے (لیکن بالعکس) مشترک خصائص ان لوگوں میں بھی پائے جاتے تھے، جنہوں نے شدت سے مخالفت کی، چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے،

(۱) اکثر وہ لوگ اسلام لائے، جو پہلے سے تلاش حق میں سرگرداں اور فطرۃً نیک طبع اور پاکیزہ اخلاق تھے، مثلاً حضرت ابوبکرؓ جاہلیت میں بھی عفیف، پارسا، اور صدق و دیانت میں مشہور تھے، عثمان بن مظعون صوفی مزاج تھے، اور اسلام سے پہلے شراب چھوڑ چکے تھے اسلام کے بعد چاہتے تھے، کہ راہب بن جائیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۱ ذکر الاختلاف فی اول من اسلم ۶ س

رد کا، صہیبؓ عبداللہ بن جدعان کے تربیت یافتہ تھے، جو اسلام سے پہلے تارک شراب ہو کر وفات پا چکے تھے، حضرت ابوذرؓ جن کا اسلام لانے والوں میں چھٹا یا ساتواں نمبر تھا، ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ وہ پہلے سے بت پرستی چھوڑ چکے تھے، اور غیر متعین طریقہ سے جس طرح ان کے ذہن میں آتا تھا، خدا کا نام لیتے تھے، اور نماز پڑھتے تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال سنا، تو اپنے بھائی کو بھیجا، کہ صحیح خبر لائیں، وہ مکہ میں آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن مجید کی سورتیں سنیں واپس جا کر ابوذرؓ سے کہا، کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے جس کو لوگ مرتد کہتے ہیں، وہ مکارم اخلاق سکھاتا ہے، اور جو کلام سناتا ہے، وہ شعر نہیں، کوئی اور چیز ہے، تمہارا طریقہ اس سے بہت ملتا جلتا ہے، ابوذرؓ کو تسکین نہیں ہوئی، خود مکہ میں آئے، زبان مبارک سے آپؐ کا ارشاد سنا، اور اسلام قبول کر لیا، وہ تمام عمر دنیاوی تعلقات سے الگ رہے، ان کا عقیدہ تھا، کہ (مسلمان کے لئے زر و مال کا جمع کرنا جائز نہیں) چنانچہ اس بنا پر حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ میں ان کو مدینہ سے دور بھیج دیا تھا،

(۲) بعض صحابہؓ ایسے تھے جو احناف کے تربیت یافتہ تھے یعنی وہ لوگ جو زمانہ اسلام سے پہلے بت پرستی ترک کر چکے تھے، اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیم کا پیرو کہتے تھے، لیکن اس اجمالی اعتقاد کے سوا اور کچھ نہیں جانتے تھے، اور اس لئے تلاش حق میں سرگرداں تھے، انہی میں زیدؓ بھی تھے، جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، انہوں نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] حضرت ابوذرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہے، لیکن باہم اختلاف ہے میں نے دونوں سے کچھ کچھ لیا ہے، لیکن بلحاظ

کے لحاظ سے بہت سی باتیں چھوڑ دیں،

Marfat.com

کی بعثت سے پانچ برس پہلے وفات پائی، لیکن ان کے صاحبزادے سعید موجود تھے، وہ باپ کے ارشادات سُن چکے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، تو ان کو وہ رہنما ہاتھ آگیا جس کی جستجو میں ان کے باپ دنیا سے چلے گئے، اور وہ اب تک سرگشتہ تھے،

(۳) یہ امر سب میں مشترک تھا، کہ یہ لوگ قریش کے مناصب اعظم میں سے کوئی منصب نہیں رکھتے تھے، بلکہ اکثر ایسے تھے، مثلاً عمارؓ، خبابؓ، ابوفکیہہؓ، صہیبؓ وغیرہ جن کو دولت وجاہ کے دربار میں جگہ بھی نہیں مل سکتی تھی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو لے کر حرم میں جاتے تھے، تو روسائے قریش ہنس کر کہتے تھے،

أَهٰؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا — یہی وہ لوگ ہیں، جن پر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر احسان کیا ہے، (انعام ۔ ۱)

کفار کے نزدیک ان کا افلاس ان کی تحقیر کا سبب تھا، لیکن یہی چیز تھی، جس کی وجہ سے ایمان کی دولت سب سے پہلے ان ہی کے ہاتھ آسکتی تھی، دولت و مال ان کے دلوں کو سیاہ نہیں کر چکا تھا، فخر و غرور ان کو انقیاد حق سے روک نہیں سکتا تھا، ان کو یہ ڈر نہ تھا، کہ اگر بت پرستی چھوڑ دیں گے، تو کعبہ کا کوئی منصب عظیم ہاتھ سے جاتا رہے گا، غرض ان کے دل ہر قسم کے زنگ سے پاک تھے، اور حق کی شعاعیں ان پر دفعۃً پرتو افگن ہو سکتی تھیں، یہی سبب ہے، کہ انبیاء کے ابتدائی پیرو ہمیشہ نادار اور مفلس لوگ ہوتے ہیں، عیسائیت کے ارکان اولین ماہی گیر تھے، حضرت نوح کے مقربین خاص کی نسبت کفار کو علانیہ کہنا پڑا،

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ — اور ہم تو بظاہر دیکھتے ہیں، کہ تیری پیروی انہی لوگوں

اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ وَمَا نَرٰی لَکُمْ	نے کی، جو رذیل ہیں، اور ہم تم میں کوئی برتری نہیں
عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّکُمْ	پاتے، بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہے، کہ تم سب
کَاذِبِیْنَ (ھود)	جھوٹے ہو۔

یہ سابقین اسلام جس قسم کا راسخ ایمان لائے تھے، اس کی تفصیل آگے آتی ہے جس سے ظاہر ہوگا، کہ قریش کی سخت خونخواریاں، جور و ظلم کے شدائد، دولت و مال کی انتہائی ترغیبیں، کوئی چیز ان کو متزلزل نہ کر سکی، اور آخر انہی کمزور ہاتھوں نے قیصر و کسریٰ کا تخت الٹ دیا،

تین برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا، لیکن اب آفتابِ رسالت بلند ہو چکا تھا، صاف حکم آیا،

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (حجر۔ ۶)	اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے، واشگاف کر دے،

اور نیز حکم آیا،

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ،	اور اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو خدا
(شعراء۔ ۱۱)	سے ڈرا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا یا معشر قریش! لوگ جمع ہوئے، تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے یہ کہوں، کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آرہا ہے، تو تم کو یقین آئیگا؟ سب نے کہا، ہاں، کیونکہ تم کو ہمیشہ سے ہم نے سچ بولتے دیکھا ہے۔" آپ نے فرمایا۔" تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے، تو تم پر عذاب شدید نازل ہوگا۔" یہ سن کر سب لوگ

Marfat.com

جن میں ابولہب آپؐ کا چچا بھی تھا سخت برہم ہو کر چلے گئے (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۰۲)

چند روز کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ سے کہا، کہ دعوت کا سامان کرو، یہ درحقیقت تبلیغ اسلام کا پہلا موقع تھا، تمام خاندان عبدالمطلب مدعو کیا گیا، حمزہ، ابوطالب، عباس سب شریک تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا، کہ "میں وہ چیز لے کر آیا ہوں، جو دین اور دنیا دونوں کو کفیل ہے، اس بارگراں کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا" تمام مجلس میں سناٹا تھا، دفعۃً حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا "گو مجھ کو آشوب چشم ہے گو میری ٹانگیں پتلی ہیں، اور گو میں سب سے نوعمر ہوں، تاہم میں آپ کا ساتھ دونگا"

قریش کے لئے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا، کہ دو شخص (جن میں ایک سیزدہ سالہ نوجوان ہے) دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں، حاضرین کو بے ساختہ ہنسی آگئی لیکن آگے چل کر زمانہ نے بتا دیا، کہ یہ سراپا سچ تھا،

اب مسلمانوں کی ایک معتدبہ جماعت تیار ہو گئی تھی جن کی تعداد چالیس سے زیادہ تھی، آپؐ نے حرم کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان کیا، کفار کے نزدیک یہ حرم کی سب سے بڑی توہین تھی، اس لئے دفعۃً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، اور ہر طرف سے لوگ آپؐ پر ٹوٹ پڑے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب حضرت حارثؓ بن ابی ہالہ گھر میں تھے، ان کو خبر ہوئی، دوڑے ہوئے آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانا چاہا لیکن ہر طرف سے ان پر تلواریں پڑیں اور وہ شہید ہو گئے، اسلام کی راہ میں یہ پہلا خون تھا جس سے زمین رنگین[2] ہوئی،

---

[1] طبری نے تاریخ جلد ۲ صفحہ ۱۱۷۱ اور تفسیر جلد ۱۹ صفحہ ۶۸ میں عبدالغفار بن قاسم اور نہال بن عمرو کے واسطہ سے اس کو روایت کیا ہے پہلا شیعی اور متروک ہے اور دوسرا بدمذہب اس روایت میں اور بھی وجوہ ضعف بلکہ وجوہ وضع ہیں ۱۲ س [2] اصابہ فی احوال الصحابہ، ذکر حارث بن ابی ہالہ،

Marfat.com

قریش کی مخالفت اور اس کے اسباب

مکہ کی جو عزت تھی، کعبہ کی وجہ سے تھی، قریش کا خاندان جو تمام عرب پر مذہبی حکومت رکھتا تھا، اور جس کی وجہ سے وہ ہمسائگان خدا، بلکہ آل اللہ یعنی خاندان الٰہی کہلاتے تھے، اس کی صرف یہ وجہ تھی، کہ وہ کعبہ کے مجاور اور کلید بردار تھے، اس تعلق سے قریش کا کاروبار زیادہ پھیلتا گیا، یہاں تک کہ متعدد محکمے اور بڑے بڑے مناصب قائم کئے گئے، جن کی تفصیل یہ ہے:-

منصب[1]	منصب کی تفصیل	کس خاندان کو کون سا منصب حاصل تھا	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کون لوگ ان مناصب پر ممتاز تھے،
حجابہ	کعبہ کی کلید برداری اور تولیت	خاندان قریش	عثمان بن طلحہ
رفادہ	غریب حجاج کی خبر گیری	خاندان نوفل	حرث بن عامر
سقایہ	حجاج کے پانی پلانے کا انتظام	خاندان ہاشم	حضرت عباسؓ
مشورہ	غربا کی دیکھ بھال کرنا	خاندان اسد	یزید بن ربیعۃ الاسود
دیات و مغارم	خوں بہا کا فیصلہ کرنا	خاندان تیم	حضرت ابوبکرؓ
عقاب	علمبرداری	خاندان امیہ	ابوسفیان
قبہ	خیمہ و خرگاہ کا انتظام اور سواروں کی افسری	خاندان مخزوم	ولید بن مغیرۃ
سفارت و منافرت	سفیر ہو کر جانا اور جن قبیلوں میں یہ نزاع پیش آئے کہ شریف تر کون ہے، اس کا فیصلہ کرنا	خاندان عدی	حضرت عمرؓ
ازلام و یسار	محکمہ فال کا انتظام	خاندان جمح	صفوان بن امیہ

[1] یہ تمام تفصیل عقد الفرید جلد ۲ میں ہے۔

Marfat.com

اموال	مہتمم خزانہ	خاندان سہم	حرث بن قیس

آغاز اسلام میں جو لوگ قریش کے رؤسائے اعظم تھے اور جن کی عظمت و اقتدار کا اثر تمام مکہ پر تھا انکے نام یہ ہیں

ابوسفیان بن حرب (حضرت امیر معاویہؓ کے باپ)	حرب فجار میں انہی کا باپ قریش کا سپہ سالار تھا،
ابولہب (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا)	
ابوجہل،	ولید بن مغیرہ کا بھتیجا، اور اپنے قبیلہ کا سردار،
ولید بن مغیرہ (حضرت خالدؓ کا باپ)	قریش کا رئیس اعظم تھا،
عاص بن وائل سہمی (حضرت عمرو بن عاص کا باپ)	نہایت دولتمند کثیر الاولاد، اور صاحب اثر تھا،
عتبہ بن ربیعہ (امیر معاویہؓ کا نانا)	نہایت شریف الطبع اور صاحب ریاست تھا،

ان کے سوا اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث، نضر بن الحرث، بن کلدۃ، اخنس بن شریق ثقفی، ابی بن خلف، عقبہ بن ابی معیط صاحب اثر تسلیم کئے جاتے تھے،

اس موقعہ پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے، کہ خاندان ہاشم اور بنو امیہ برابر کے حریف تھے، اور دونوں میں مدت سے رشک و رقابت چلی آتی تھی،

ناتربیت یافتہ اور تند خو قوموں کا خلاصہ ہے، کہ کوئی تحریک جو ان کے آبائی رسم و عقاید کے خلاف ہو، ان کو سخت برہم کر دیتی ہے، اس کے ساتھ ان کی مخالفت محض زبانی مخالفت نہیں ہوتی، اور ان کی تشنگی انتقام کو خون کے سوا اور کوئی چیز بجھا نہیں سکتی، آج ہندوستان اس قدر مہذب ہو گیا ہے، لیکن اب بھی کسی عام مسئلہ مذہبی کی مخالفت کی جائے، تو ایک حشر برپا ہو جاتا ہے، اور حکومت موجودہ اگر منتظم اور صاحب جبروت نہ

Marfat.com

ہوتی، تو اس زمین پر بارہا خون کا بادل برس چکا تھا،

عرب ایک مدت سے بت پرستی میں مبتلا تھا خلیلؑ بت شکن کی یادگار (کعبہ) تین سو ساٹھ معبودوں سے مزین تھی، جن میں ہبل خدائے اعظم تھا یہی بت ہر قسم کے خیر و شر کے مالک تھے، پانی برساتے تھے، اولادیں دیتے تھے، معرکہ ہائے جنگ میں فتحیں دلاتے تھے، خدا یا تو سرے سے نہ تھا، یا تھا تو وجود معطل تھا،

دوسرا سبب

اسلام کا اصل فرض اس طلسم کو دفعۃً برباد کر دینا تھا، لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت و اقتدار اور عالمگیر اثر کا بھی خاتمہ تھا، اس لئے قریش نے شدت سے مخالفت کی، اور ان میں جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا، اسی قدر مخالفت میں زیادہ سرگرم تھے،

قریش کا رئیس اعظم حرب بن امیہ تھا، چنانچہ حرب فجار میں وہی سپہ سالار اعظم تھا، لیکن حرب کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ابوسفیان اس منصب عظیم کے حاصل کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا تھا، اس لئے ولید بن المغیرہ نے اپنی لیاقت اور اثر سے ریاست حاصل کی، ابوجہل اس کا بھتیجا تھا، اور وہ بھی قریش میں امتیاز رکھتا تھا،

ابوسفیان گو اپنے باپ کا منصب نہ حاصل کر سکا لیکن بنو امیہ کے خاندان کا سردار وہی تھا، خاندان ہاشم میں سب سے زیادہ کبیر السن ابولہب تھا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا،

قبیلہ سہم میں سب سے زیادہ با اثر عاص بن وائل تھا، جو نہایت دولتمند اور کثیر الاولاد تھا

Marfat.com

قریش کی عنان حکومت انہی رؤسا کے ہاتھ میں تھی، اور یہی لوگ تھے جنہوں نے اسلام کی سخت مخالفت کی، قریش کے اور اکابر مثلاً اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث نضر بن الحرث، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط ان ہی لوگوں کے زیر اثر تھے، اور اس وجہ سے اعدائے اسلام میں ان کے نام ہر جگہ نمایاں نظر آتے ہیں،

قریش کو یہ خیال تھا کہ نبوت کا منصبِ اعظم اگر کسی کو ملتا، تو مکہ یا طائف کے کسی رئیس کو ملتا،

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (زخرف - ۳)

اور وہ لوگ کہتے ہیں، کہ قرآن کو اترنا تھا، تو ان دو شہروں (مکہ و طائف) میں کسی رئیس اعظم پر اترنا تھا (یعنی ولید بن ربیعہ یا ابو مسعود ثقفی)

عرب میں ریاست کے لئے دولت اور اولاد سب سے پہلی اور سب سے ضروری شرط تھی، اولاد کی نسبت اکثر وحشی قوموں میں (ہندوستان میں بھی) یہ خیال رہا ہے، کہ جو شخص صاحب اولاد نہ ہو، وہ عالم آخرت کی برکات سے محروم رہتا ہے،

ہندوؤں میں بھی یہ خیال ہے، کہ اولاد کے بغیر انسان کو پوری نجات نہیں مل سکتی،

قریش میں اوصاف مذکورہ کے لحاظ سے جو لوگ ریاست کا استحقاق رکھتے تھے، وہ ولید بن المغیرہ، امیہ بن خلف، عاص بن وائل سہمی اور ابو مسعود ثقفی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اوصاف سے بالکل خالی تھے، دولت کے غبار سے آپؐ کا دامن پاک تھا، اور اولاد مذکور سال دو سال سے زیادہ زندہ نہیں رہی،

Marfat.com

تیسرا سبب

قریش کو عیسائیوں سے بالطبع نفرت تھی جس کی وجہ یہ تھی، کہ ابرہۃ الاشرم (بادشاہ حبش) جو کعبہ کے ڈھانے کو آیا تھا عیسائی تھا یہی وجہ تھی، کہ قریش عیسائیوں کے مقابلہ میں پارسیوں کو زیادہ پسند کرتے تھے، ایران اور روم کی جنگ میں ایرانیوں کو فتح ہوئی، تو قریش نے نہایت خوشی کا اظہار کیا، اور مسلمان شکستہ ہوئے، چنانچہ یہ آیت اتری،

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۝ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ وَ یَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ (روم۔۱)

قریب کے ملک میں رومی مغلوب ہو گئے، لیکن یہ لوگ مغلوب ہونے کے بعد چند سال میں پھر غالب آ جائیں گے، خدا ہی کو اختیار ہے، پہلے بھی اور پیچھے بھی، اور تب مسلمان اللہ کی مدد سے خوشی منائیں گے،

اسلام اور نصرانیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زمانہ میں اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا، اور مدینہ منورہ میں بھی ایک مدت تک یہی قبلہ رہا، ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں،

چوتھا سبب

ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی، قریش میں دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریف یک دگر تھے، بنو ہاشم، و بنو امیہ، عبد المطلب نے اپنے زور اور اثر سے بنو ہاشم کا پلہ بھاری کر دیا تھا، لیکن ان کے بعد اس خاندان میں کوئی صاحب اثر نہیں پیدا ہوا، ابو طالب دولتمند نہ تھے، عباس دولتمند تھے، لیکن فیاض نہ تھے، ابو لہب بدچلن تھا، اس پر بنو امیہ کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو خاندانی

Marfat.com

بنوامیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا، اس لئے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی، بدر کے سوا باقی تمام لڑائیاں ابوسفیان ہی نے برپا کیں، اور وہی ان لڑائیوں میں رئیس لشکر رہا۔

عقبہ بن ابی معیط جو سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا، اور جس نے نماز پڑھنے کی حالت میں آپ کے دوش مبارک پر اونٹ کی اوجھ لاکر ڈالی تھی، اموی تھا بنوامیہ کے بعد جس قبیلہ کو بنی ہاشم کی برابری کا دعویٰ تھا، وہ بنومخزوم تھے، ولید بن المغیرہ اسی خاندان کا رئیس تھا، اس لئے اس قبیلہ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت کی، ابوجہل کی ایک تقریر سے اس بیان کی پوری تصدیق ہوتی ہے، ایک دفعہ اخنس بن شریق ابوجہل کے پاس گیا، اور کہا، کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟" ابوجہل نے کہا، ہم اور بنوعبد مناف (یعنی آل ہاشم) ہمیشہ حریف ومقابل رہے، انہوں نے مہمانداریاں کیں، تو ہم نے بھی کیں، انہوں نے خون بہا دیئے تو ہم نے بھی دیئے، انہوں نے فیاضیاں کیں، تو ہم نے ان سے بڑھ کر کیں، یہاں تک کہ جب ہم نے ان کے کاندھے سے کاندھا ملا دیا، تو اب بنوہاشم پیغمبری کے دعویدار ہیں، خدا کی قسم! ہم اس پیغمبر پر کبھی ایمان نہیں لاسکتے ہیں[1]"

پانچواں سبب

ایک بڑا سبب یہ تھا، کہ قریش میں سخت بداخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں، بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل بداخلاقیوں کے مرتکب تھے، ابولہب جو خاندان ہاشم میں سب سے

[1] ابن ہشام، صفحہ ۱۰۰، مطبوعہ مصر۔

زیادہ ممتاز تھا، اس نے حرم محترم کے خزانہ سے غزال زریں چرا کر بیچ ڈالا[1] تھا، اخنس بن شریق جو بنو زہرہ کا حلیف اور روسائے عرب میں شمار کیا جاتا تھا، نمام اور کذاب تھا، نضر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی، اسی طرح اکثر ارباب جاہ مختلف قسم کے اعمال شنیعہ میں گرفتار تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف بت پرستی کی برائیاں کرتے تھے، دوسری طرف ان بداخلاقیوں پر سخت دار و گیر کرتے تھے، جس سے انکی عظمت و اقتدار کی شاہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی، قرآن مجید میں بہیم علانیہ ان بدکاروں کی شان میں آیتیں نازل ہوتی تھیں، اور گو طریقہ بیان عام ہوتا تھا لیکن لوگ جانتے تھے، کہ روئے سخن کس کی طرف ہے،

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ	اور اس شخص کے کہنے میں نہ آنا جو بات بات میں
مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ	قسم کھاتا ہے، آبرو باختہ ہے، طاعن ہے، چغلیاں کھاتا
مُعْتَدٍ أَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ	ہے، لوگوں کو اچھے کاموں سے روکتا ہے، حد سے بڑھ گیا ہے
زَنِيمٍ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ	بد ہے، تند خو ہے اور ان سب باتوں کے ساتھ جھوٹا نسب
(سورۂ قلم-۱)	بناتا ہے اس لئے کہ وہ مالدار اور لڑکوں والا ہے
كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ	دھمکی رکھے کہ اگر وہ باز نہ آیا، تو ہم اس کی پیشانی کے بال
نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (سورۂ علق)	پکڑ کر گھسیٹیں گے، جو کہ جھوٹی اور خطاکار ہے،

[1] حرم میں ایک سونے کا ہرن مدت سے خزانہ میں محفوظ تھا، ابولہب نے چرا کر فروخت کر دیا، کہ واقعہ عموماً تاریخوں میں مذکور ہے، ابن قتیبہ نے بھی معارف (صفحہ ۵۵ مطبوعہ مصر) میں اس کا ذکر کیا ہے،

Marfat.com

ممکن تھا کہ وعظ و پند کا نرم طریقہ اختیار کیا جاتا لیکن مدت کی عربی نخوت، دولت و اقتدار کا فخر، ریاست کا زعم ان چیزوں کے ہوتے ہوئے جب تک ضرب نہایت سخت نہ ہوتی وہ باخبر نہ ہوتے، اس لئے بڑے بڑے جبار اس طرح مخاطب کئے جاتے تھے،

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا۔ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ كَلَّا اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا (مدثر۔۱)

ہم کو اور اس کو تنہا چھوڑ دو، میں نے اس کو پیدا کیا، پھر بہت سا مال دیا، بیٹے دیئے، سامان دیا، پھر چاہتا ہے، کہ ہم اس کو اور دیں، ہرگز نہیں، وہ ہماری آیتوں کا دشمن ہے،

یہ خطاب ولید بن مغیرہ کے ساتھ ہے جو قریش کا سرتاج تھا، اور یہ الفاظ اس شخص کی زبان سے ادا ہوتے تھے جس کو ظاہری جاہ و اقتدار حاصل نہ تھا،

لیکن مخالفت کی جو سب سے بڑی وجہ تھی، اور جس کا اثر تمام قریش بلکہ تمام عرب پر یکساں تھا، یہ تھا، کہ جو معبود سینکڑوں برس سے عرب کے حاجت روائے عام تھے، اور جن کے آگے وہ ہر روز پیشانی رگڑتے تھے، اسلام ان کا نام و نشان مٹاتا تھا، اور ان کی شان میں کہتا تھا،

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (سورۃ الانبیاء)

بلاشبہ تم اور جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو، سب دوزخ کے ایندھن ہوں گے

قریش کے تحمل کے اسباب

ان اسباب کے ساتھ جن میں سے ہر ایک قریش کو سخت مشتعل کر دینے کے لئے

Marfat.com

کافی تھا، توقع یہ تھی، کہ اعلان دعوت کے ساتھ سخت خونریزیاں شروع ہوجاتیں لیکن قریش نے تحمل سے کام لیا، اور اس کے ناگزیر اسباب تھے، قریش خانہ جنگیوں میں تباہ ہو چکے تھے، اور حرب فجار کے بعد اس قدر عاجز ہو گئے تھے، کہ لڑائی کے نام سے ڈرتے تھے قبیلہ پرستی کی وجہ سے لڑائی صرف اتنی سی بات پر شروع ہوجاتی تھی، کہ کسی قبیلہ کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے مقتول کا قبیلہ بغیر کسی تحقیق کے انتقام کے لئے کھڑا ہوجاتا تھا، اور جب تک بدلا نہ لیا جائے، یہ آگ بجھ نہیں سکتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر آمادہ ہو جانا قریش کے لئے نہایت آسان تھا لیکن وہ جانتے تھے، کہ بنو ہاشم خون کا انتقام نہ چھوڑیں گے، اور پھر سلسلہ یہ سلسلہ تمام مکہ جنگ میں مبتلا ہوجائے گا بہت سے لوگ اسلام لا چکے تھے، اور قریباً کوئی قبیلہ ایسا باقی نہ تھا جس میں دو ایک شخص اسلام نہ لا چکے ہوں اس لئے اسلام اگر جرم تھا، تو صرف ایک شخص اس کا مجرم نہ تھا بلکہ سینکڑوں تھے، اور سب کا استیصال کرنا ممکن نہ تھا،

رؤسائے قریش میں متعدد ایسے تھے، جو شریف النفس تھے، وہ بدنفسی کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے خیال میں نیک نیتی کی بنا پر مخالفت کرتے تھے، اس بنا پر وہ چاہتے تھے، کہ معاملہ صلح و آشتی سے طے ہوجائے،

غرض جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان دعوت کیا، اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی، تو قریش کے چند معززوں نے ابوطالب سے آکر شکایت کی، ابوطالب نے

لہ یہ آیت غالباً انہی لوگوں کی شان میں ہے وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی سے تو لوگوں کو منع کرتے تھے، لیکن آپ کے دعوی نبوت سے دور بھاگتے تھے، اصابہ ذکر ابی طالب بحوالہ عبدالرزاق "س"

Marfat.com

نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا، لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادائے فرض سے باز نہ آسکتے تھے، اس لئے یہ سفارت دوبارہ ابوطالب کے پاس آئی، اس میں تمام روسائے قریش یعنی عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ابوسفیان، عاص بن ہشام، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل وغیرہ شریک تھے، ان لوگوں نے ابوطالب سے کہا، کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے، ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ کہتا ہے، ہم کو احمق ٹھہراتا ہے، اس لئے یا تو تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ، یا تم بھی میدان میں آؤ، کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے ابوطالب نے دیکھا، کہ اب حالت نازک ہو گئی ہے، قریش اب تحمل نہیں کر سکتے تھے، اور میں تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصر لفظوں میں کہا، کہ "جان عم! میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال، کہ میں اٹھا نہ سکوں" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری پشت و پناہ جو کچھ تھے، ابوطالب تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا، کہ اب ان کے پائے ثبات میں بھی لغزش ہے، آپؐ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا، کہ "خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر دے دیں، تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا، خدایا اس کام کو پورا کرے گا یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤں گا" آپ کی پر اثر آواز نے ابوطالب کو سخت متاثر کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، "جا کوئی شخص تیرا بال بیکا نہیں کر سکتا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدستور دعوت اسلام میں مصروف ہوئے، قریش اگرچہ

لہ ابن ہشام صفحہ ۹۰، امام بخاری نے بھی تاریخ میں یہ واقعہ اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے،

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ نہ کر سکے لیکن طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے، راہ میں کانٹے بچھاتے تھے، نماز پڑھنے میں جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے تھے، بدزبانیاں کرتے تھے، ایک دفعہ آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط نے آپؐ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی، کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے، قریش متحیر تھے، کہ آپؐ یہ سب سختیاں کیوں جھیلتے ہیں، انسانی دماغ ایسی سخت نفس کشی اور جان بازی کا مقصد جاہ و دولت اور نام و نمود کی خواہش کے سوا اور کیا خیال کر سکتا ہے، قریش نے بھی یہی خیال کیا، اس بنا پر عتبہ بن ربیعہ قریش کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور کہا "محمدؐ کیا چاہتے ہو؟ کیا مکہ کی ریاست؟ کیا کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ کیا دولت کا ذخیرہ؟ ہم یہ سب کچھ مہیا کر سکتے ہیں، اور اس پر بھی راضی ہیں، کہ کل مکہ تمہارے زیر فرمان ہو جائے لیکن ان باتوں سے باز آؤ، عتبہ کو اس درخواست کی کامیابی کا پورا یقین تھا لیکن ان سب ترغیبات کے جواب میں آپؐ نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں،

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ	اے محمدؐ کہہ دے، کہ میں تمہارے جیسا آدمی ہوں، مجھ پر
اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ	وحی آئی ہے، کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے، پس سیدھے
وَاسْتَغْفِرُوْهُ (حم السجدہ)	اس کی طرف جاؤ، اور اسی سے معافی مانگو،
قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ	کہدے، کہ کیا تم لوگ خدا کا انکار کرتے ہو جس نے دو
فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ذٰلِكَ	دن میں زمین پیدا کی، اور تم خدا کے شریک قرار دیتے
رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (حم السجدہ)	ہو، یہی سارے جہان کا پروردگار ہے،

Marfat.com

عتبہ واپس گیا، تو وہ عتبہ نہ تھا، اس نے قریش سے جاکر کہہ دیا، کہ "محمدؐ جو کلام پیش کرتے ہیں، وہ شاعری نہیں، کوئی اور چیز ہے، میری رائے یہ ہے، کہ تم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو اگر وہ کامیاب ہو کر عرب پر غالب آجائیں گے، تو یہ تمہاری عزت ہے، ورنہ عرب ان کو خود فنا کر دے گا۔" لیکن قریش نے یہ رائے نامنظور کی،

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا اسلام سنہ نبوی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمام میں سے حضرت حمزہؓ کو آپؐ سے خاص محبت تھی، وہ آپؐ سے صرف دو تین برس بڑے تھے، اور ساتھ کے کھیلے تھے، دونوں نے ثوبیہ کا دودھ پیا تھا، اور اس رشتہ رشتہ سے بھائی بھائی تھے، وہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، لیکن آپؐ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے، ان کا مذاق طبیعت سپہگری اور شکار افگنی تھا، معمول تھا، کہ منہ اندھیرے تیر کمان لے کر نکل جاتے، دن دن بھر شکار میں مصروف رہتے، شام کو واپس آتے، تو پہلے حرم کو جاتے، طواف کرتے، قریش کے رؤسا صحن حرم میں الگ الگ دربار جما کر بیٹھا کرتے تھے، حضرت حمزہؓ ان لوگوں سے صاحب سلامت کرتے، کبھی کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے، اس طریقہ سے سب سے یارانہ تھا، اور سب لوگ ان کی قدر و منزلت کرتے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخالفین جس بیرحمی سے پیش آتے تھے، بیگانوں سے دیکھا نہ جا سکتا تھا، ایک دن ابوجہل نے رُو در رُو آپؐ کے ساتھ نہایت گستاخیاں کیں، ایک کنیز دیکھ رہی تھی، حضرت حمزہؓ شکار سے آئے، تو اس نے تمام ماجرا کہا، حضرت حمزہؓ غصہ سے بیتاب ہو گئے، تیر و کمان ہاتھ میں لئے حرم میں آئے، اور ابوجہل سے کہا "میں مسلمان ہو گیا ہوں"

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوش حمایت میں انہوں نے اسلام کا اظہار تو کر دیا لیکن گھر پر آئے تو متردد تھے، کہ آبائی دین کو دفعۃً کیونکر چھوڑ دوں، تمام دن سوچتے رہے، بالآخر غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا، کہ دین حق یہی ہے[1]، دو ہی چار روز کے بعد حضرت عمرؓ بھی اسلام لائے، حضرت عمرؓ کا سائیسواں[2] سال تھا، کہ آفتاب سالت طلوع ہوا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، حضرت عمرؓ کے گھر انہیں زید کی وجہ سے توحید کی آواز نامانوس نہیں رہی تھی، چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے، حضرت سعیدؓ کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ سے ہوا تھا، اس تعلق سے فاطمہؓ بھی مسلمان ہوگئیں، اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیمؓ بن عبداللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن حضرت عمرؓ ابھی تک اسلام سے بیگانہ تھے، ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی، تو سخت برہم ہوئے یہاں تک کہ قبیلہ میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے، ان کے دشمن بن گئے، لبینہؓ ان کے خاندان کی کنیز تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا، اس کو بے تحاشا مارتے، اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے، کہ دم لے لوں، تو پھر ماروں گا، لبینہؓ کے سوا اور جس پر قابو چلتا تھا، زدوکوب سے دریغ نہیں کرتے تھے، لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا، کہ جس کو چڑھ جاتا تھا، اترتا نہ تھا، ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کر سکے، آخر مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود (ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کیا، تلوار کمر سے لگا، سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] حضرت حمزہ کے اسلام کا واقعہ عموماً سب نے لکھا ہے، لیکن یہ اخیر واقعہ میں نے روض الانف میں دیکھا ہے [2] حضرت عمر کا قبول اسلام میں الفاروق میں مفصل لکھ چکا تھا، اسی کو بعینہ یہاں نقل کر دیا ہے، کہیں کہیں بعض الفاظ یا جملے بدل دیئے ہیں، رجا میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے واقعہ کی دوسری روایتیں سیرۃ النبی جلد سوم باب استجابت دعا میں مفصل درج کر دی ہیں، وہاں دیکھی جائیں، ش

Marfat.com

کی طرف چلے، کارکنان قضا وقدر نے کہا ع آمدن یارے کہ ما می خواستیم،

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہؓ بن نعیم مل گئے، ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں، انہوں نے کہا "پہلے اپنے گھر کی خبر لو خود تمہارے بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں، فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے، وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، ان کی آہٹ پاکر چپ ہو گئیں، اور قرآن کے اجزا چھپا لئے، لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی، بہن سے پوچھا، یہ کیا آواز تھی؟ بولیں کچھ نہیں، انہوں نے کہا، میں سُن چکا ہوں تم دونوں مرتد ہو گئے ہو، یہ کہہ کر بہنوئی سے دست وگریباں ہوئے، اور جب انکی بہن بچانے کو آئیں، تو ان کی بھی خبر لی، یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا، لیکن اسلام کی محبت اس سے بالاتر تھی، بولی عمر! جو بن آئے کرو، لیکن اسلام اب دل سے نکل نہیں سکتا" ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے جسم سے خون جاری تھا، دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی، فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے ہو مجھ کو بھی سناؤ، فاطمہؓ نے قرآن نے اجزا لا کر سامنے رکھ دیئے، اٹھا کر دیکھا، تو یہ سورت تھی،

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (حدید-۱)

زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے، خدا کی تسبیح پڑھتا ہے اور خدا ہی غالب حکمت والا ہے،

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا، یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے،

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (حدید-۱)

خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ،

تو بے اختیار پکار اٹھے، کہ

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْہَدُ اَنَّ	میں گواہی دیتا ہوں، کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہیں اور
مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ	یہ کہ محمد خدا کے پیغمبر ہیں۔

یہ وہ زمانہ تھا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا، پناہ گزین تھے، حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف گئے تھے، صحابہ کو تردد ہوا، لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا "آنے دو مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے، ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دونگا"، حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے بڑھے، اور ان کا دامن پکڑ کے فرمایا "کیوں عمر کس ارادہ سے آیا ہے؟" نبوت کی پر جلال آواز نے ان کو کپکپا دیا، نہایت خضوع کے ساتھ عرض کیا کہ ایمان لانے کے لئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے ساختہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ پکار اٹھے، اور ساتھ ہی تمام صحابہؓ نے مل کر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کا نعرہ مارا، کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں[1]،

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا، اس وقت تک اگرچہ چالیس پچاس آدمی اسلام لا چکے تھے، عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہؓ سید الشہداءؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا، تاہم مسلمان اپنے فرائض مذہبی علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے، اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا، حضرت عمرؓ کے اسلام کے ساتھ دفعۃً یہ حالت بدل گئی، انہوں نے علانیہ اسلام ظاہر کیا، کافروں نے اول اول بڑی شدت کی لیکن وہ ثابت

[1] انساب الاشراف بلاذری و طبقات ابن سعد و اسد الغابہ و ابن عساکر و کامل ابن الاثیر،

Marfat.com

قدمی سے مقابلہ کرتے رہے، یہانتک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں نماز ادا کی، ابن ہشام نے اس واقعہ کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی ان الفاظ میں روایت کیا ہے،

فلما اسلم عمر قاتل قریشا حتی صلی عند الکعبۃ وصلینا معہ

جب عمرؓ اسلام لائے، تو قریش سے لڑے یہاں تک کہ کعبہ میں نماز پڑھی، اور ان کے ساتھ ہم لوگوں نے بھی نماز پڑھی،

صحیح بخاری میں ہے، کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے، تو ایک ہنگامہ برپا ہوگیا اتفاق سے عاص بن وائل آنکلا، اس نے پوچھا کیا ہنگامہ ہے، لوگوں نے کہا عمرؓ مرتد ہوگئے عاص بن وائل نے کہا، اچھا تو کیا ہوا، میں نے عمرؓ کو پناہ دی،

تعذیب مسلمین | رسوخ عزم، قوت ارادہ، شدت عمل انسان کے اصلی جوہر ہیں، اور داد کے قابل ہیں، لیکن انہی اوصاف کا رُخ جب بدل جاتا ہے، تو وہ سخت دلی، بے رحمی، درندہ طبعی اور سفاکی کا مہیب قالب اختیار کر لیتے ہیں،

اسلام جب آہستہ آہستہ پھیلنا شروع ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر صحابہؓ کو ان کے قبیلوں نے اپنے حصار حفاظت میں لے لیا، تو قریش کا طیش وغضب ہر طرف سے سمٹ کر ان غریبوں پر ٹوٹا جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا، ان میں کچھ غلام اور کنیزیں تھیں کچھ غریب الوطن تھے، جو دو ایک پشت سے مکہ میں آرہے تھے، اور کچھ کمزور قبیلوں کے آدمی تھے، جو کسی قسم کی عظمت و اقتدار نہیں رکھتے تھے، قریش نے ان کو اس طرح ستانا شروع کیا، کہ جور و ستم کی تاریخ میں اس کی مثال پیدا کرنا، قریش کی یکتائی کی تحقیر ہے،

Marfat.com

یہ آسان تھا، کہ مسلمانوں کے خس وخاشاک سے سرزمین عرب دفعتہ پاک کردی جاتی، لیکن قریش کا نشہ انتقام اس سے اتر نہیں سکتا تھا، مسلمان اگر اپنے مذہب پر ثابت قدم رہ کر پیوند خاک کردیئے جاتے، تو اس میں جس قدر قریش کی تعریف نکلتی، اس سے زیادہ ان بیکسوں کا صبر واستقلال داد طلب ہوتا، قریش کی شان اس وقت قائم رہ سکتی تھی، جب یہ لوگ جادہ اسلام سے پھر کر، قریش کے مذہب میں آجاتے، یا شاید ان کو مسلمانوں کی سخت جانی کا امتحان لینا اور اس کی داد دینا منظور تھا،

قریش میں ایسے لوگ بھی تھے، جن کا دل واقعی اس حالت پر جلتا تھا، کہ ان کا مدتوں کا بنا بنایا کارخانہ درہم برہم ہوا جاتا ہے، ان کے آباواجداد کی تحقیر کی جاتی ہے، قابل احترام معبودوں کی عظمت مٹی جاتی ہے، یہ لوگ صرف حسرت وافسوس کرکے رہ جاتے تھے اور کہتے تھے، کہ چند خام طبعوں کے دماغ میں خلل آگیا ہے، عتبہ، عاص بن وائل وغیرہ اسی قسم کے لوگ تھے لیکن ابوجہل، امیہ بن خلف وغیرہ کا معیار اس سے زیادہ بلند تھا،

مسلمانوں پر ظلم کے طریقے

بہرحال قریش نے جور وظلم کے عبرت ناک کارنامے شروع کئے، جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی، تو وہ غریب مسلمانوں کو پکڑ لے، عرب کی تیز دھوپ، ریتلی زمین کو دوپہر کے وقت جلتا توا بنا دیتی ہے، اور ان غریبوں کو اسی توے پر لٹا تے، چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں، بدن پر گرم بالو بچھاتے، لوہے کو آگ پر گرم کرکے اس سے داغتے پانی میں ڈبکیاں[1] دیتے،

---

[1] یہ واقعات ابن سعد نے حضرت بلالؓ وصہیبؓ کے حال میں تفصیل لکھے ہیں، دیکھو کتاب مذکور جلد ثالث تذکرہ صحابہ بدر،

یہ مصیبتیں اگرچہ تمام بیکس مسلمانوں پر عام تھیں، لیکن ان میں جن لوگوں پر قریش زیادہ مہربان تھے، ان کے نام یہ ہیں:-

حضرت خبابؓ بن ارت تمیم قبیلہ سے تھے، جاہلیت میں غلام بنا کر فروخت کر دیئے گئے تھے، ام انمار نے خرید لیا تھا، یہ اس زمانہ میں اسلام لائے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ کے گھر میں مقیم تھے اور صرف چھ سات شخص اسلام لا چکے تھے قریش نے ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں، ایک دن کوئلے جلا کر زمین پر بچھائے، اس پر چت لٹایا، ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھے رہا، کہ کروٹ بدلنے نہ پائیں، یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے پڑے پڑے ٹھنڈے ہو گئے، خبابؓ نے مدتوں کے بعد جب یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا، تو پیٹھ کھول کر دکھائی، کہ برص کے داغ کی طرح بالکل سفید تھی[1]، (حضرت خبابؓ جاہلیت میں لوہاری کا کام کرتے تھے، اسلام آئے، تو بعض لوگوں کے ذمہ ان کی بقایا تھی، مانگتے تو جواب ملتا، جب تک محمدؐ کا انکار نہ کرو گے، ایک کوڑی نہ ملے گی، یہ کہتے کہ نہیں، جب تک تم مر کر پھر جیو نہیں۔)

حضرت بلالؓ، یہ وہی حضرت بلالؓ ہیں، جو موذن کے لقب سے مشہور ہیں حبشی النسل اور امیہ بن خلف کے غلام تھے، جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی، تو امیہ ان کو جلتی بالو پر لٹاتا، اور پتھر کی چٹان سینہ پر رکھ دیتا، کہ جنبش نہ کرنے پائیں، ان سے کہتا، کہ اسلام سے باز آؤ، ورنہ یونہی گھٹ گھٹ کے مر جانا پڑے گا، لیکن اس وقت بھی ان کی زبان سے اَحَدٌ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد سوم تذکرہ خباب، [2] صحیح بخاری صفحہ (۶۹۲) جلد ۲ "س"

کا لفظ نکلتا، جب یہ کسی طرح متزلزل نہ ہوئے، تو گلی میں رسی باندھی، اور لونڈوں کے حوالہ کیا، وہ آپ کو شہر کے اس سرے سے اس سرے تک گھسیٹتے پھرتے تھے، لیکن اب بھی وہی رٹ تھی اَحَدٌ اَحَدٌ

حضرت عمارؓ یمن کے رہنے والے تھے، ان کے والد یاسرؓ مکہ میں آئے، ابوحذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز جس کا نام سمیہؓ تھا، شادی کر دی، عمارؓ اسی کے پیٹ سے پیدا ہوئے، یہ جب اسلام لائے، تو ان سے پہلے صرف تین شخص اسلام لا چکے تھے، قریش ان کو جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے، اور اس قدر مارتے کہ بے ہوش ہو جاتے، ان کے والد اور والدہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا تھا،

حضرت سمیہؓ حضرت عمارؓ کی والدہ تھیں، ان کو ابوجہل نے اسلام لانے کے جرم میں برچھی ماری، اور وہ ہلاک ہو گئیں،

حضرت یاسرؓ حضرت عمارؓ کے والد تھے، یہ بھی کافروں کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہو گئے،

حضرت صہیبؓ یہ رومی مشہور ہیں، لیکن درحقیقت رومی نہ تھے، ان کے والد سنان کسریٰ کی طرف سے اُبلّہ کے حاکم تھے، اور ان کا خاندان موصل میں آباد تھا، ایک دفعہ رومیوں نے اس نواح پر حملہ کیا، اور جن لوگوں کو قید کر کے لے گئے تھے، ان میں حضرت صہیبؓ بھی تھے، یہ روم میں پلے، اس لئے عربی زبان اچھی طرح بول نہ سکتے تھے، ایک عرب نے ان کو خریدا، اور مکہ میں لایا، یہاں عبداللہ بن جدعان نے ان کو خرید

Marfat.com

کر کے آزاد کر دیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت اسلام شروع کی تو یہ اور عمار بن یاسر ایک ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ نے اسلام کی ترغیب دی اور یہ مسلمان ہو گئے، قریش ان کو اس قدر اذیت دیتے تھے، کہ ان کے حواس مختل ہو جاتے تھے جب انہوں نے مدینہ کو ہجرت کرنی چاہی، تو قریش نے کہا، اپنا سارا مال و متاع چھوڑ جاؤ، تو جا سکتے ہو، انہوں نے نہایت خوشی سے منظور کر لیا۔

حضرت ابو فکیہہؓ صفوان بن امیہ کے غلام تھے، اور حضرت بلالؓ کے ساتھ اسلام لائے، امیہ کو جب یہ معلوم ہوا، تو ان کے پاؤں میں رسی باندھی، اور آدمیوں سے کہا کہ گھسیٹتے ہوئے لے جائیں، اور تپتی ہوئی زمین پر لٹائیں، ایک "گبریلا" راہ میں جا رہا تھا، امیہ نے ان سے کہا "تیرا فدیہ تو نہیں ہے" انہوں نے کہا "میرا اور تیرا دونوں کا خدا اللہ تعالیٰ ہے" اس پر امیہ نے اس زور سے ان کا گلا گھونٹا کہ لوگ سمجھے دم نکل گیا، ایک شخص ان کے سینہ پر اتنا بھاری بوجھل پتھر رکھ دیا کہ ان کی زبان نکل پڑی،

حضرت لبینہؓ یہ بیچاری ایک کنیز تھیں، حضرت عمرؓ اس بیکس کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے تھے کہ میں نے تم کو رحم کی بنا پر نہیں، بلکہ اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے، کہ تھک گیا ہوں، وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ "اگر تم اسلام نہ لاؤ گے، تو خدا اس کا انتقام لے گا"

لہ ابن الاثیر، ذکر تعذیب المستضعفین، ابن کثیر نے لکھا ہے کہ عمار اس وقت ایمان لائے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے مکان میں چلے آئے تھے، اور جب کہ تیس شخص سے زیادہ اسلام لا چکے تھے ۲ حضرت عمرؓ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے،

Marfat.com

حضرت زنیرہؓ، حضرت عمرؓ کے گھرانے کی کنیز تھیں، اور اس وجہ سے حضرت عمرؓ (اسلام سے پہلے) ان کو جی کھول کر ستاتے، ابوجہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں،

حضرت نہدیہؓ اور ام عبیسؓ یہ دونوں بھی کنیزیں تھیں، اور اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلتی تھیں،

حضرت ابوبکرؓ کے دفتر فضائل کا یہ پہلا باب ہے، کہ انہوں نے ان مظلوموں میں سے اکثروں کی جان بچائی، حضرت بلالؓ، عامر بنؓ فہیرہ، لبنیہ، زنیرہ، نہدیہ، ام عبیسؓ سب کو بھاری بھاری داموں پر خریدا، اور آزاد کر دیا،

یہ لوگ وہ تھے، جن کو قریش نے نہایت سخت جسمانی اذیتیں پہنچائیں، ان سے کم درجہ پر وہ لوگ تھے، جن کو طرح طرح سے ستاتے تھے،

(حضرت عثمان جو کبیر السن اور صاحب جاہ و اعزاز تھے، جب اسلام لائے تو دوسروں نے نہیں، بلکہ خود ان کے چچا نے رسی سے باندھ کر مارا[1] حضرت ابوذر جو ساتویں مسلمان ہیں جب مسلمان ہوئے، اور کعبہ میں اس کا اعلان کیا، تو قریش نے مارتے مارتے ان کو لٹا دیا، حضرت زبیرؓ بن العوام جن کا مسلمان ہونے والوں میں پانچواں نمبر تھا، جب اسلام لائے، تو ان کے چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں[2] دیتے تھے، حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی سعیدؓ بن زید جب اسلام لائے، تو حضرت عمرؓ نے ان کو رسیوں سے باندھ دیا) لیکن یہ تمام مظالم یہ جلادانہ بے رحمیاں، یہ عبرت خیز سفاکیاں، ایک مسلمان کو بھی راہ حق سے متزلزل نہ کر سکیں، ایک نصرانی

---

[1] طبقات ترجمہ عثمان بن عثمان [2] بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۴۴ - ۵۴۵ باب اسلام ابی ذر [3] ریاض النضرۃ لمحب الطبری [4] بخاری صفحہ ۱۰۲، اس وقت تک حضرت عمرؓ اسلام نہیں لائے تھے۔

مؤرخ نے نہایت سچ لکھا ہے، کہ

"عیسائی اس کو یاد رکھیں، تو اچھا ہو، کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مسائل نے وہ درجہ نشہ دینی کا آپ کے پیروؤں میں پیدا کیا، جس کو عیسیٰ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے، جب عیسیٰؑ کو سولی پر لے گئے، تو ان کے پیرو بھاگ گئے، ان کا نشہ دینی جاتا رہا، اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے ... برعکس اس کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے، اور آپ کے مجاہدین اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپ کو غالب کیا"

ہجرت حبش ۵ سنہ نبوی قریش کے ظلم و تعدی کا بادل جب پیہم برس کر نہ کھلا، تو رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جاں نثاران اسلام کو ہدایت کی، کہ حبش کو ہجرت کر جائیں، حبش قریش کا قدیم تجارت گاہ تھا، وہاں کے حالات پہلے سے معلوم تھے، اہل عرب حبش کے فرماں روا کو نجاشی[2] کہتے تھے، اور اس کے عدل و انصاف کی عام شہرت تھی،

جاں نثاران اسلام ہر قسم کی تکلیف جھیل سکتے تھے، اور ان کا پیمانہ صبر لبریز نہیں ہو سکتا تھا، لیکن مکہ میں رہ کر فرائض اسلامی کا آزادی سے بجالانا ممکن نہ تھا، اس وقت تک حرم کعبہ میں کوئی شخص بلند آواز سے قرآن نہیں پڑھ سکتا تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود جب اسلام لائے تو انہوں نے کہا، میں اس فرض کو ضرور ادا کروں گا، لوگوں نے منع کیا، لیکن وہ باز نہ آئے، حرم میں گئے، اور مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہو کر سورہ رحمٰن پڑھنا شروع کیا، کفار ہر طرف سے ٹوٹ پڑے، اور ان کے منہ پر طمانچے مارنے شروع کئے، اگرچہ انہوں نے جہاں تک پڑھنا

---

[1] اپالوجی گاڈفری ہگنس ترجمہ اردو صفحہ ۶۶ - ۶۷ مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء [2] نجاشی حبشی لفظ نجوس کی تعریب ہے، جس کے معنی حبش میں بادشاہ کے ہیں، نجاشی کا نام اصحمہ تھا، بخاری باب موت النجاشی (س)

Marfat.com

تھا، پڑھ کر دم لیا لیکن واپس گئے، تو چہرہ پر زخم کے نشان لے کر گئے (حضرت ابوبکرؓ جاہ و اقتدار میں دیگر رؤسائے قریش سے کم نہ تھے، لیکن آواز سے قرآن نہیں پڑھ سکتے تھے، اور اسی بنا پر ایک بار ہجرت کے لئے آمادہ[2] ہو گئے)

اس کے علاوہ ہجرت سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا، کہ جو شخص اسلام لے کر جہاں جاتا، وہاں اسلام کی شعاعیں خود بخود پھیلتی تھیں،

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما سے اول اول گیارہ مرد اور چار عورتوں نے ہجرت کی، جن کے نام حسب ذیل ہیں،

۱۔ حضرت عثمانؓ بن عفان	مع اپنی زوجہ محترمہ (حضرت) رقیہ کے جو رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صاحبزادی تھیں،
۲۔ (حضرت) ابوحذیفہ بن عتبہ مع اپنی زوجہ کے جن کا نام (حضرت) سہلہ (بنت سہیل) تھا	ان کا باپ عتبہ قریش کا مشہور سردار تھا لیکن چونکہ سخت کافر تھا، اس لئے انکو گھر چھوڑنا پڑا،
۳۔ (حضرت) زبیر بن العوام	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی اور مشہور صحابی تھے،
۴۔ (حضرت) مصعبؓ بن عمیر	ہاشم کے پوتے تھے،
۵۔ (حضرت) عبدالرحمن بن عوفؓ	مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں شمار کئے جاتے ہیں، قبیلہ زہرہ سے تھے اور اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ننہالی رشتہ دار تھے،

[1] طبرانی صفحہ ۱۸۸ ج ۱ [2] بخاری باب ہجرت مدینہ ص ۵۵

۶۔ (حضرت) ابوسلمہ (بن عبدالاسد) مخزومی، مع اپنی زوجہ حضرت ام سلمہ (بنت ابی امیہ) کے

یہ ام سلمہ وہی ہیں، جو ابوسلمہ کے مرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں،

۷۔ (حضرت) عثمان بن مظعون جمحی،

مشہور صحابی ہیں،

۸۔ (حضرت) عامر بن ربیعہؓ مع اپنی زوجہ کے جن کا نام (حضرت) لیلیٰ (بنت ابی حثمہ) تھا

سابقین اولین میں ہیں، بدر میں بھی شریک تھے، حضرت عثمان کے سفر حج میں انکو مدینہ کا حاکم مقرر کیا تھا (اصابہ)

۹۔ (حضرت) ابوسبرۃؓ بن ابی رہم

انکی ماں برہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں،

یا[1]

یہ سابقین فی الاسلام میں ہیں، حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ یہ ہجرت ثانیہ میں گئے تھے،

---

[1] حبشہ کے مہاجرین اول کی تعداد اور ان کے تعین میں کسی قدر اختلاف ہے،

ابن اسحاق نے مردوں میں ان ہی دس آدمیوں کا نام لیا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود کے متعلق وہ یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ ہجرت اولی میں نہیں بلکہ ہجرت ثانیہ میں تھے (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۴۳) واقدی نے مردوں میں گیارہ صاحبوں کی ہجرت کا ذکر کیا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت ابوسبرۃ رضؓ اور حضرت ابوحاطبؓ دونوں کو مہاجرین میں شمار کیا ہے، اور ابن اسحاق ان میں سے ایک کو تسلیم کرتے ہیں، اس سلسلے میں واقدی سے ایک بڑی فروگذاشت یہ ہوئی کہ انہوں نے گیارہ مردوں کو مہاجرین حبش بتلایا لیکن جب مہاجرین کی فہرست گنائی، تو اس میں بارہ آدمیوں کا نام لیا، یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود کا بھی اضافہ کیا (زرقانی علی المواہب جلد اول صفحہ ۳۱) حافظ ابن حجر نے واقدی کی اس فروگذاشت پر گرفت کی ہے، (فتح الباری جلد ۷ ص ۱۴۳) ابن سعد نے انہی تمام مہاجرین کا نام لیا ہے جن کا ذکر واقدی نے کیا ہے (ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۳۶) ابن سید الناس نے بھی بہ روایت زہری بارہ آدمیوں کا ذکر کیا ہے، مگر انہوں نے حضرت زبیرؓ کے بجائے حضرت سلیط بن عمرو کا نام لیا ہے (عیون الاثر اول ص ۱۱۵) بعض دوسرے سیرت نگار جو بارہ مرد مہاجرین کو تسلیم کرتے ہیں، وہ حضرت حاطبؓ بن عمرو اور حضرت سہیل بن بیضاء کے بجائے حضرت حاطب بن حارث اور حضرت ہاشم بن عمرو کا نام لیتے ہیں (زرقانی اول صفحہ ۳۱) اسی طرح ہجرت کرنے والی خواتین میں بعض لوگ حضرت ابوسبرۃؓ کی بیوی حضرت ام کلثوم بنت سہیل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ حضرت ام ایمنؓ کا اضافہ کرتے ہیں)" س"

Marfat.com

۱۰۔ (حضرت) ابو حاطبؓ بن عمرو، بدر میں شریک تھے، امام زہری کا بیان ہے کہ سب سے پہلے ان ہی نے ہجرت کی (اصابہ)

۱۱۔ (حضرت) سہیل بن بیضاء مشہور صحابی تھے

۱۲۔ (حضرت) عبداللہ بن مسعود مشہور صحابی اور مجتہدین صحابہ میں داخل ہیں،

ان لوگوں نے ۵ سنہ نبوی ماہ رجب میں سفر کیا، حسن اتفاق یہ کہ جب یہ بندرگاہ پر پہنچے تو دو تجارتی جہاز حبش کو جا رہے تھے، جہاز والوں نے سستے کرایہ پر ان کو بٹھا لیا، ہر شخص کو صرف ۵ درہم دینے پڑے، قریش کو خبر ہوئی، تو بندرگاہ تک تعاقب میں آئے، لیکن مورخ نکل چکا تھا[1]،

عام مورخین کا خیال ہے، کہ ہجرت انہی لوگوں نے کی، جن کا کوئی حامی اور مددگار نہ تھا، لیکن فہرست مہاجرین میں ہر درجہ کے لوگ نظر آتے ہیں، حضرت عثمانؓ بنو امیہ سے تھے، جو سب سے زیادہ صاحب اقتدار خاندان تھا، متعدد بزرگ مثلاً زبیرؓ اور مصعبؓ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ہیں، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور ابو سبرہؓ معمولی لوگ نہ تھے، اس بنا پر زیادہ قرین قیاس یہ ہے، کہ قریش کا ظلم و ستم بے کسوں تک محدود نہ تھا، بلکہ بڑے بڑے خاندان والے بھی ان کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے،

ایک عجیب بات یہ ہے، کہ جو لوگ سب سے زیادہ مظلوم تھے، اور جن کو انگاروں کے بستر پر سونا پڑتا تھا یعنی حضرت بلالؓ، عمارؓ، یاسرؓ وغیرہ ان لوگوں کا نام مہاجرین حبش کی فہرست

[1] یہ تمام تفصیل طبری میں ہے،

Marfat.com

میں نظر نہیں آتا، اس لئے یا تو ان کی بے سروسامانی اس حد تک پہنچی تھی، کہ سفر کرنا بھی ناممکن تھا، یا یہ کہ درد کے لذت آشنا تھے، اور اس لطف کو چھوڑ نہ سکتے تھے،

دلم ز جور تو آسودہ است و مے نالم　　که غیر پے نہ برد لذت خدنگ را

نجاشی کی بدولت مسلمان حبش میں امن و امان کی زندگی بسر کرنے لگے لیکن قریش یہ خبریں سن سنکر پیچ و تاب کھاتے تھے، آخر یہ رائے ٹھہری، کہ نجاشی کے پاس سفارت بھیجی جائے، کہ ہمارے مجرموں کو اپنے ملک سے نکال دو، عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص (فاتح مصر) اس کام کے لئے منتخب ہوئے[1]، نجاشی اور اس کے درباریوں میں سے ایک ایک کے لئے گراں بہا تحفے مہیا کئے گئے[2]، اور نہایت سروسامان سے یہ سفارت حبش کو روانہ ہوئی، یہ سفرا نجاشی سے پہلے درباری پادریوں سے ملے، اور ان کی خدمت میں نذریں پیش کیں، اور کہا، کہ ہمارے شہر کے نادانوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے، ہم نے ان کو نکال دیا، تو آپ کے ملک میں بھاگ آئے، کل ہم بادشاہ کے دربار میں ان کے متعلق جو درخواست پیش کریں، آپ بھی ہماری تائید فرمائیں، دوسرے دن سفرا دربار میں گئے، اور نجاشی سے درخواست کی، کہ ہمارے مجرم ہم کو حوالہ کر دیئے جائیں، درباریوں نے بھی تائید کی، نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا، اور کہا "تم نے یہ کون سا دین ایجاد کیا ہے، جو نصرانیت اور بت پرستی دونوں کے مخالف ہے"

---

[1] مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۲۰۲ س: ۵۷ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ مکہ کا بڑا تحفہ چمڑا تھا، اور کتابوں سے ثابت ہوتا ہے، کہ اہل مکہ شام وغیرہ کو جو مال تجارت لے جاتے تھے، وہ بھی چمڑا ہوتا تھا (مسند امام احمد بن حنبل میں تصریح ہے کہ یہ تحفہ چمڑا ہی تھا، مسند اہل البیت)

Marfat.com

مسلمانوں نے اپنی طرف سے گفتگو کے لئے حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) کو انتخاب کیا، انہوں نے اس طرح تقریر شروع کی،

"اَیُّھَا الْمَلِکُ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے، اس اثنا میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے، اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی، اور یہ سکھلایا، کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو آرام دیں، عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں زکوۃ دیں، ہم اس پر ایمان لائے، شرک اور بت پرستی چھوڑ دی، اور تمام اعمال بد سے باز آئے، اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی، اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ اسی گمراہی میں واپس آجائیں،

نجاشی نے کہا، جو کلام تمہارے پیغمبر پر اترا ہے، کہیں سے پڑھو، حضرت جعفر نے سورہ مریم کی چند آیتیں پڑھیں، نجاشی پر رقت طاری ہوئی، اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، پھر کہا "خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں" یہ کہہ کر سفرائے قریش سے کہا، کہ تم واپس جاؤ، میں ان مظلوموں کو ہرگز واپس نہ دونگا"

دوسرے دن عمرو بن العاص نے پھر دربار میں رسائی کی، اور نجاشی سے کہا، حضور آپ کو یہ بھی معلوم ہے، کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہیں، نجاشی سے

Marfat.com

مسلمانوں کو بلا بھیجا، کہ اس سوال کا جواب دیں، ان لوگوں کو تردد ہوا، کہ اگر حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے سے انکار کرتے ہیں، تو نجاشی عیسائی ناراض ہو جائے گا، حضرت جعفر نے کہا، کچھ ہو، ہم کو سچ بولنا چاہیئے،

غرض یہ لوگ دربار میں حاضر ہوئے، نجاشی نے کہا، تم لوگ عیسیٰ بن مریم کے کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ حضرت جعفر نے کہا، کہ ہمارے پیغمبر نے بتایا ہے، کہ "عیسیٰ خدا کا بندہ اور پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہے"۔ نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا لیا، اور کہا "واللہ جو تم نے کہا عیسیٰ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں"۔ بطریق جو دربار میں موجود تھے، نہایت برہم ہوئے، نتھنوں سے خرخراہٹ کی آواز آنے لگی، نجاشی نے ان کے غصہ کی کچھ پرواہ نہ کی، اور قریش کے سفیر بالکل ناکامیاب واپس آئے،

اسی اثنا میں کسی دشمن نے نجاشی کے ملک پر حملہ کیا، نجاشی اس کے مقابلہ کیلئے خود گیا،

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۳۰۰ کتاب التفسیر، [2] مارگولس صاحب نے ہجرت حبش کی بھی بڑی نازک اور دور از نظر وجہ تلاش کر کے پیدا کی ہے، فرماتے ہیں، کہ جب محمد رصلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا، کہ قریش سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے، اور یہ پہلے سنا تھا، کہ کعبہ کو گرانے کے لئے ابرہۃ الاشرم جو آیا تھا، وہ حبش ہی کا تھا، اس لئے انہوں نے چاہا کہ بادشاہ حبش سے سازش کر کے اس کو مکہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دیں، تاکہ قریش کا زور ٹوٹ جائے، اسی غرض سے ہجرت کا بہانہ کر کے اپنے اصحاب کو حبش بھیجا، لیکن پھر سمجھے، کہ نجاشی اگر مکہ میں آیا، تو خود مکہ پر قابض ہو جائے گا، تو کیا ہاتھ آئے گا، اس بنا پر اس ارادے سے باز رہے"۔ یہ بالکل بے ثبوت بات ہے،

صاحب موصوف کو حضرت جعفرؓ کی تقریر و مکالمت میں اس بنا پر شک ہے، کہ نجاشی عربی زبان سے ناواقف تھا، حالانکہ اس زمانہ میں (اولاً) عربی زبان عام طور سے حبش میں بے تکلف لوگ سمجھ سکتے تھے (کہ یہ دونوں زبانیں باہم نہایت قریب ہیں) ثانیاً درباروں میں ترجمان ہوتے تھے، جیسا کہ ابوسفیان اور قیصر روم کے باہمی مکالمہ میں مذکور ہے بخاری باب بدء الوحی" س"

صحابہؓ نے مشورہ کیا، کہ ہم میں سے ایک شخص جائے، اور خبر بھیجتا رہے، کہ اگر ضرورت ہو تو ہم بھی نجاشی کی مدد کے لئے آئیں، حضرت زبیرؓ اگرچہ سب سے زیادہ کمسن تھے، لیکن انہوں نے اس خدمت کے لئے آپنے آپ کو پیش کیا، مشک کے سہارے دریائے نیل تیر کر رزمگاہ میں پہنچے، ادھر صحابہؓ نجاشی کی فتح کے لئے خدا سے دعا مانگتے تھے، چند روز کے بعد حضرت زبیرؓ واپس آئے اور خوشخبری سنائی، کہ نجاشی کو خدا نے فتح دی[1]،

حبش میں کم و بیش ۸۳ مسلمان ہجرت کر کے گئے، چند روز آرام سے گذرنے پائے تھے کہ یہ خبر مشہور ہوئی، کہ کفار نے اسلام قبول کر لیا ہے، یہ سن کر اکثر صحابہؓ نے مکہ معظمہ کا رخ کیا، لیکن شہر کے قریب پہنچے، تو معلوم ہوا، کہ یہ خبر غلط ہے، اس لئے بعض لوگ واپس چلے گئے اور اکثر چھپ چھپ کر مکہ میں آ گئے،

یہ روایت طبری اور اکثر تاریخوں میں مذکور ہے، اور ممکن ہے کہ صحیح ہو، لیکن ان کتابوں میں اس خبر کے مشہور ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم میں ایک دفعہ نماز ادا کی، کفار بھی موجود تھے، جب آپ نے یہ آیت پڑھی وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ تو شیطان نے

---

[1] یہ تمام واقعات مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۰۲ میں مذکور ہیں، ابن ہشام نے بھی تفصیل سے لکھے ہیں، لیکن طبری اور ابن سعد نے حضرت جعفرؓ اور نجاشی کی تقریر کا ذکر نہیں کیا ہے، امام ابن حنبل اور ابن ہشام کا سلسلۂ روایت یہ ہے، محمد بن اسحاق بن زہری، ابوبکر بن عبدالرحمن بن الحرث بن ہشام مخزومی، ام سلمہؓ، یہ سب رواۃ ثقہ ہیں، اور سب سے اخیر راوی ام سلمہؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ، اور خود اس واقعہ میں شریک تھیں، وہ اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں نہیں آئی تھیں، بلکہ اپنے پہلے شوہر ابوسلمہؓ بن عبدالاسد کے ساتھ ہجرت کر کے حبش میں گئی تھیں، مورخ یعقوبی نے بھی یہ تفصیل یہ واقعہ لکھا ہے۔

Marfat.com

آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے،

تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى — یعنی (یہ بت) معظم و محترم ہیں، اور ان کی شفاعت مقبول ہے،

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا، اور تمام کفار نے آپ کی متابعت کی (اس روایت کا یہ آخری حصہ کہ چند کافروں کے سوا تمام جن وانس نے حضور کے ساتھ ایک دفعہ سجدہ کیا، صحیح ہے، جیسا کہ صحیح بخاری باب[1] (قولہ فاسجدوا للہ واعبدوا) میں مذکور ہے، مگر باقی حصہ بیہودہ اور ناقابل ذکر ہے، اور اکثر کبار محدثین مثلاً بیہقی، قاضی عیاض، علامہ عینی، حافظ منذری، علامہ نوویؒ نے اس کو باطل اور موضوع لکھا ہے لیکن افسوس یہ ہے، کہ بہت سے محدثین نے اس روایت کو بسند نقل کیا ہے، ان میں طبری، ابن ابی حاتم، ابن المنذر، ابن مردویہ، ابن اسحاق، موسےٰ بن عقبہ، ابو معشر[3] شہرت عام رکھتے ہیں، اس سے بڑھ کر تعجب یہ ہے، کہ حافظ ابن حجر کو جن کے کمال فن حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے، اس روایت کی صحت پر اصرار ہے، چنانچہ لکھتے ہیں،

وقد ذكرنا ان ثلاثة اسانيد منها على شرط الصحيح وهي مراسيل — ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اس روایت کی تین سندیں صحیح کی شرط کے موافق ہیں، اور یہ روایتیں

[1] کتاب التفسیر سورۃ نجم "س" [2] دیکھو زرقانی برمواہب لدنیہ وشفائے قاضی عیاض وعینی شرح بخاری تفسیر سورۂ نجم ونور النبراس، علامہ نووی کے الفاظ یہ ہیں لا یصح فیہ شئی لا من جہۃ النقل ولا من جہۃ العقل اور علامہ عینی لکھتے ہیں فلا صحۃ لہ نقلا وعقلا [3] دیکھو مواہب لدنیہ اور زرقانی واقعہ ہجرت حبشہ [4] زرقانی برمواہب جلد ۱ صفحہ ۳۲۰،

Marfat.com

یحتج بمثلها من یحتج بالمراسیل	مرسل ہیں، اور ان سے وہ لوگ استدلال کرسکتے ہیں، جو مرسل روایتوں کے قایل ہیں،

حقیقت یہ ہے، کہ کفار کی عادت تھی، کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تلاوت کرتے، تو شور مچاتے، اور اپنی طرف سے فقرے ملا دیتے، قرآن مجید کی آیت ذیل میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے،

لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (حم السجدۃ)	اس قرآن کو نہ سنو، اور اس میں گڑبڑ کردو، شاید کہ تم غالب آؤ،

قریش کا معمول تھا، کہ جب کعبہ کا طواف کرتے، تو یہ فقرے کہتے جاتے،

واللات والعزی ومناۃ الثالثۃ الاخری فانھن الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی	لات اور عزّے[1] اور تیسرے بت منات کی قسم! یہ بلند و بزرگ ہیں، اور ان کی شفاعت کی امید ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سورہ والنجم کی وہ آیتیں پڑھیں، تو کسی شیطان (کافر) نے یہی فقرے آپ کی آواز میں ملا کر پڑھ دیئے ہوں گے، دور کے لوگوں کو (کفار میں سے) شبہ ہوا ہوگا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے وہ الفاظ ادا کئے، اس واقعہ کا چرچا جب مسلمانوں میں ہوا ہوگا، تو لوگوں نے کہا ہوگا، کہ کسی شیطان نے آپ کی طرف سے وہ فقرے کہہ دیئے ہوں گے، اس واقعہ نے روایتوں میں صورت بدل بدل کر یہ صورت اختیار کرلی، کہ شیطان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے،

[1] معجم البلدان لفظ عزّٰی

Marfat.com

اور چونکہ عام مسلمان اس بات کو تسلیم کرتے ہیں، کہ شیطان دوسرے شخص کی زبان سے بول سکتا ہے، اس لئے راویوں نے اس روایت کو تسلیم کر لیا،

یہ صرف قیاس نہیں، بلکہ اگلے محققین نے بھی تصریح کی ہے، مواہب میں ہے،

قیل انه لما وصل الی قوله و مناة الثالثة الاخریٰ۔ خشی المشرکون ان یاتی بعدها بشیٔ یذم الهتهم فبادروا الی ذلك الکلام فخلطوه فی تلاوة النبی صلی الله علیه وسلم علی عادتهم فی قولهم لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فیه، او المراد بالشیطان شیطان الانس

بعض لوگوں نے کہا، کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت پر پہنچے ومناة الثالثة الاخریٰ تو مشرکوں کو یہ ڈر پیدا ہوا کہ اب ان کے معبودوں کی کچھ برائی کا بیان ہوگا، اس بنا پر انہوں نے جھٹ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت میں یہ فقرے خلط کر کے پڑھ دیئے جیسا کہ ان کی عادت تھی کہ کہتے کہ قرآن پر کان نہ لگاؤ اور اس میں گڑبڑ مچا دو، یا شیطان سے شیطان آدمی مراد ہے،

جو لوگ حبش سے واپس آ گئے تھے، اہل مکہ نے ان کو اور زیادہ ستانا شروع کیا اور اس قدر اذیت دی، کہ دوبارہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے لیکن اب کی ہجرت کچھ آسان نہ تھی، کفار نے سخت مزاحمت کی، تاہم جس طرح ہو سکا، بہت سے صحابہ جن کی تعداد تقریباً سو تک پہنچتی ہے، مکہ سے نکل گئے، اور حبش میں اقامت اختیار کی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی، تو کچھ لوگ فوراً واپس چلے آئے، اور جو لوگ

Marfat.com

رہ گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ھ میں ان کو بلا لیا[1]

کفار کی ایذا و تعدی اب کمزوروں اور بیکسوں پر محدود نہ تھی، حضرت ابوبکرؓ کا قبیلہ معزز اور طاقتور قبیلہ تھا، ان کے یاور اور انصاری بھی کم نہ تھے، تاہم وہ بھی کفار کے ظلم سے تنگ آ گئے، اور بالآخر حبش کی ہجرت کا ارادہ کیا، برک الغماد جو مکہ معظمہ سے یمن کی سمت پانچ دن کی راہ[2] ہے، وہاں تک پہنچے تھے، کہ ابن الدغنہ سے ملاقات ہو گئی، جو قبیلہ قارہ کا رئیس تھا، اس نے پوچھا کہاں؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: "میری قوم مجھ کو رہنے نہیں دیتی، چاہتا ہوں، کہ کہیں الگ جا کر خدا کی عبادت کروں"، ابن الدغنہ نے کہا، "یہ نہیں ہو سکتا کہ جیسا شخص مکہ سے نکل جائے، میں تم کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں"، تو حضرت ابوبکرؓ اس کے ساتھ واپس آئے، ابن الدغنہ مکہ پہنچ کر تمام سرداران قریش سے ملا، اور کہا، کہ ایسے شخص کو نکالتے ہو، جو مہمان نواز ہے، مفلسوں کا مددگار ہے، رشتہ داروں کو پالتا ہے، مصیبتوں میں کام آتا ہے"، قریش نے کہا، لیکن شرط یہ ہے، کہ ابوبکرؓ نمازوں میں چپکے جو چاہیں پڑھیں، آواز سے قرآن پڑھتے ہیں، تو ہماری عورتوں اور بچوں پر اثر پڑتا ہے، حضرت ابوبکرؓ نے چند روز یہ پابندی اختیار کی، لیکن آخر گھر کے پاس ایک مسجد بنالی، اور اس میں خضوع و خشوع کے ساتھ بآواز قرآن پڑھتے تھے، وہ نہایت رقیق القلب تھے، قرآن پڑھتے، تو بے اختیار رونے، عورتیں اور بچے ان کو دیکھتے، اور متاثر ہوتے، قریش نے ابن الدغنہ سے شکایت

---

[1] یہ تمام تفصیل طبقات ابن سعد میں ہے، بعض مورخوں نے اس ہجرت ثانیہ کا ذکر نہیں کیا، اور بعض نے نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے [2] زرقانی بر مواہب جلد اول صفحہ ۳۳۴ ذکر ہجرت ثانیہ حبش،

Marfat.com

کی، اس نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا، کہ میں اب تمہاری حفاظت کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا، حضرت ابوبکرؓ نے کہا "مجھ کو خدا کی حفاظت بس ہے، میں تمہارے جوار سے استعفا دیتا ہوں"[1]

محرم ۷ سنہ نبوی
شعب ابی طالب میں محصور ہونا

قریش دیکھتے تھے، کہ اس روک ٹوک پر بھی اسلام کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے، عمرؓ اور حمزہؓ جیسے لوگ ایمان لا چکے، نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی، سفرائے نیل و مرام واپس آئے، مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اس لئے اب یہ تدبیر سوچی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے، چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا، کہ کوئی شخص خاندان بنی ہاشم سے قرابت کرے گا، نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا، نہ ان سے ملے گا، نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دیگا، جبتک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لیے حوالہ نہ کر دیں"[2] یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا، اور در کعبہ پر آویزاں کیا گیا،

ابوطالب مجبور ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالب[3] میں پناہ گزین ہوئے تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی، یہ زمانہ ایسا سخت گذرا، کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے، حدیثوں میں جو صحابہ کی زبان سے مذکور ہے، کہ ہم طلح کی پتیاں کھا کھا کر بسر کرتے تھے، یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہے، چنانچہ سہیلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے، حضرت سعد وقاصؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آگیا، میں نے

---

[1] پوری تفصیل صحیح بخاری باب ہجرت مدینہ میں ہے [2] اس معاہدہ کا ذکر طبری نے اور ابن سعد وغیرہ نے تفصیل سے کیا ہے، لیکن یہ الفاظ کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لئے حوالہ کر دیں، صرف مواہب لدنیہ میں ہیں [3] یہ پہاڑ کا ایک درہ تھا، جو خاندان ہاشم کا موروثی تھا،

Marfat.com

اس کو پانی سے دھویا، پھر آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا،[1]

ابن سعد نے روایت کی ہے، کہ بچے جب بھوک سے روتے تھے، تو باہر آواز آتی تھی، قریش سن سن کر خوش ہوتے تھے لیکن بعض رحمدلوں کو ترس بھی آتا تھا، ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہؓ کا بھتیجا تھا، تھوڑے سے گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہؓ کے پاس بھیجے، راہ میں ابوجہل نے دیکھ لیا، اور چھین لینا چاہا، اتفاق سے ابوالبختری کہیں سے آگیا، وہ اگرچہ کافر تھا لیکن اس کو رحم آیا، اور کہا، کہ ایک شخص اپنی پھوپھی کو کچھ کھانے کے لئے بھیجتا ہے، تو کیوں روکتا ہے،

متصل تین برس [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام آل ہاشم نے یہ مصیبتیں جھیلیں بالآخر دشمنوں ہی کو رحم آیا، اور خود انہیں کی طرف سے اس معاہدہ کے توڑنے کی تحریک ہوئی، ہشام عامری خاندان بنی ہاشم کا قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلہ میں ممتاز تھا، وہ چوری چھپے بنو ہاشم کو غلہ وغیرہ بھیجتا رہتا تھا، ایک دفعہ وہ زہیر کے پاس جو عبدالمطلب کے نواسے تھے، گیا، اور کہا "کیوں زہیر! تم کو یہ پسند ہے، کہ تم کھاؤ، پیو، ہر قسم کے لطف اٹھاؤ، اور تمہارے ماموں کو ایک دانہ تک نصیب نہ ہو" زہیر نے کہا "کیا کروں تنہا ہوں، ایک شخص بھی میرا ساتھ دے، تو میں اس ظالمانہ معاہدہ کو پھاڑ کر پھینک دوں" ہشام نے کہا میں موجود ہوں دونوں مل کر مطعم بن عدی کے پاس گئے، ابوالبختری، ابن ہشام، زمعہ بن الاسود نے بھی ساتھ دیا، دوسرے دن سب مل کر حرم میں گئے، زہیر نے سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا "اے اہل مکہ یہ کیا انصاف ہے ہم لوگ آرام سے بسر کریں، اور بنو ہاشم کو آب و دانہ

[1] روض الانف۔

Marfat.com

نصیب نہ ہو، خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کر دیا جائے گا، میں باز نہ آؤں گا۔"
ابوجہل برابر سے بولا "ہرگز نہیں اس معاہدہ کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔" زمعہ نے کہا، تو
جھوٹ کہتا ہے، جب یہ لکھا گیا تھا، اس وقت بھی ہم راضی نہ تھے، غرض مطعم نے ہاتھ بڑھا
کر دستاویز چاک کر دی، مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن الاسود، ابوالبختری، زہیر
سب ہتھیار باندھ باندھ کر بنو ہاشم کے پاس گئے، اور ان کو درہ سے نکال لائے، بقول ابن
سعد یہ سنہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے، اسی زمانہ میں معراج واقع ہوئی جس کی تفصیل تیسرے
حصہ میں آئے گی، اسی زمانہ میں نماز پنجگانہ فرض ہوئی،

سنہ ۱۰ نبوی حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کی وفات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب شعب ابوطالب سے نکلے تھے اور چند روز قریش کے جور و ظلم سے امان ملی تھی، کہ ابوطالب، اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا،

ابوطالب کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے، ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ پہلے سے موجود تھے، آپ نے فرمایا مرتے مرتے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ لیجیے، کہ میں خدا کے یہاں آپ کے ایمان کی شہادت دوں۔" ابوجہل اور ابن ابی امیہ نے کہا "ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟" بالآخر ابوطالب نے کہا "میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں۔" پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب کر کے کہا، میں وہ کلمہ کہہ دیتا لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا۔" آپ نے فرمایا "میں آپ

---

[1] یہ تفصیل ابن ہشام، طبری، وغیرہ میں مذکور ہے، اخیر واقعہ صرف ابن سعد نے بیان کیا ہے۔

Marfat.com

کے لئے دعائے مغفرت کروں گا، جب تک کہ خدا مجھ کو اس سے منع نہ کر دے[1]

یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے، ابن اسحاق کی روایت ہے، کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے، حضرت عباسؓ نے (جو اس وقت کافر تھے) کان لگا کر سنا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، کہ "تم نے جس کلمہ کے لئے کہا تھا، ابوطالب وہی کہہ رہے ہیں"

اس بنا پر ابوطالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے، لیکن چونکہ بخاری کی روایت صحیح تر مانی جاتی ہے، اس لئے محدثین زیادہ تر ان کے کفر ہی کے قائل ہیں،

لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابل حجت نہیں، کہ اخیر راوی مسیّب ہیں، جو فتح مکہ میں اسلام لائے، اور ابوطالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے، اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے، کہ روایت مرسل ہے[2]، ابن اسحاق کے سلسلہ روایت میں عباس بن عبداللہ بن معبد اور حضرت عبداللہ بن عباس ہیں، یہ دونوں ثقہ ہیں، لیکن بیچ کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیا ہے، اس بنا پر دونوں روایتوں کے درجۂ استناد میں چنداں فرق نہیں[3]،

---

[1] صحیح بخاری باب الجنائز اور مسلم، ابوطالب کا اخیر فقرہ مسلم میں ہے، بخاری میں نہیں [2] ابن ہشام مطبوعہ مصر صفحہ ۱۴۶
[3] عینی کتاب الجنائز جلد ۴ صفحہ ۱۲ "س" [4] مصنف کے اس نظریہ سے مجھے اتفاق نہیں ہے، اس لئے کہ بخاری کی روایت کے آخر راوی حضرت مسیبؓ ہیں، جو صحابی ہیں، ظاہر ہے، کہ صحابی کی روایت کسی صحابی سے ہی ہوگی، اسی لئے مراسیل صحابہ حجت ہیں، اور ابن اسحاق کی روایت منقطع ہے، اور چھوٹا ہوا راوی صحابی نہیں ہے، خود ابن اسحاق بھی استناد کا اعلیٰ درجہ نہیں رکھتے، اس دونوں روایتوں کو یکساں نہیں قرار دیا جا سکتا۔

علاوہ بریں حضرت مسیب کی اس روایت کی تائید میں خود حضرت عباس کی وہ روایت جو اسی مسیب والی روایت کے اوپر صحیح بخاری میں موجود ہے، جس میں ذکر ہے کہ حضرت عباسؓ نے دریافت کیا، کہ یا رسول اللہ آپ کے چچا ابوطالب کو آپ سے کیا فائدہ پہنچا، کہ وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے، اور آپ کے لئے آپ کے دشمنوں سے برسر پرخاش

Marfat.com

ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو جاں نثاریاں کیں، اس سے کون انکار کرسکتا ہے، وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے، آپ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا، آپ کی خاطر محصور ہوئے، فاقے اٹھائے، شہر سے نکالے گئے، تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا، کیا یہ محبت، یہ جوش، یہ جاں نثاریاں سب ضائع جائیں گی،

ابوطالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ۳۵ برس عمر میں بڑے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے نہایت محبت تھی، ایک دفعہ وہ بیمار پڑے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انکی عیادت کے لئے گئے، تو انہوں نے کہا، بھتیجے! جس خدا نے تجھ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، اس سے دعا نہیں مانگتا کہ مجھ کو اچھا کردے؟" آپ نے دعا کی اور وہ اچھے ہوگئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا خدا تیرا کہنا مانتا ہے، آپؐ نے فرمایا، کہ آپ بھی اگر خدا کا کہنا مانیں، تو وہ بھی آپ کا کہنا مانے[1]"

ابوطالب کی وفات کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہؓ نے بھی وفات کی، بعض روایتوں میں ہے، کہ انہوں نے ابوطالب سے پہلے انتقال کیا، اب آپ کے مددگار اور غمگسار دونوں اٹھ گئے، صحابہ خود اپنی حالت میں مبتلا تھے، یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سال کو عام الحزن (سال غم) فرمایا کرتے تھے،

حضرت خدیجہؓ نے رمضان سنہ ۱۰ نبوی میں وفات کی، ان کی عمر ۶۵ برس کی تھی،

(بقیہ حاشیہ ۲۴۸) رہتے تھے، فرمایا وہ دوزخ کی آگ میں صرف ٹخنے تک ہیں .... اگرچہ اس کا اثر بھی دماغ تک پہنچ جاتا ہے، اگر میں نہ ہوتا، تو دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہوتے، اس سے معلوم ہوا، کہ خود حضرت عباسؓ کے علم میں تھا، کہ ان کا خاتمہ توحید کے اقرار پر نہیں ہوا، اسی مضمون کی روایت حضرت ابوسعید خدری سے بھی ہے جو صحیح بخاری باب قصہ ابی طالب میں موقع پر موجود ہے" س" [1] اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر ابوطالب [2] مواہب لدنیہ

مقام حجون میں دفن کی گئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی قبر میں اترے، اس وقت تک نماز جنازہ شروع نہیں ہوئی تھی[1]

ابوطالب اور خدیجہؓ کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا، اب وہ نہایت بیرحمی اور بیباکی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتے تھے، ایک دفعہ آپ راہ میں جا رہے تھے، ایک شقی نے آکر فرق مبارک پر خاک ڈال دی، اسی حالت میں آپ گھر میں تشریف لائے آپ کی صاحبزادی نے دیکھا، تو پانی لے کر آئیں، آپ کا سر دھوتی تھیں، اور جوش محبت سے روتی جاتی تھیں، آپ نے فرمایا جان پدر روؤ نہیں، خدا تیرے باپ کو بچا لے گا[2]

اہل مکہ سے تو قطعی ناامیدی تھی، اس لئے آپ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لے جائیں، اور وہاں دعوت اسلام فرمائیں، طائف میں بڑے بڑے امرا اور ارباب اثر رہتے تھے، ان میں عمیر کا خاندان رئیس القبائل تھا، یہ تین بھائی تھے، عبد یالیل، مسعود، حبیب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے، اور اسلام کی دعوت دی، ان تینوں نے جو جواب دیئے وہ نہایت عبرت انگیز تھے، ایک نے کہا "اگر تجھ کو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے" دوسرے نے کہا "کیا خدا کو تیرے سوا اور کوئی نہیں ملتا تھا" تیسرے نے کہا "میں بہرحال تجھ سے بات نہیں کر سکتا، تو اگر سچا ہے، تو تجھ سے گفتگو کرنا خلاف ادب ہے، اور اگر جھوٹا ہے، تو گفتگو کے قابل نہیں"

ان بدبختوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، طائف کے بازاریوں کو ابھار دیا۔ کہ آپ کی ہنسی

---

[1] یہ تفصیل ابن سعد میں ہے [2] طبری اور ابن ہشام ذکر وفات حضرت خدیجہؓ

اُڑائیں، شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے، یہ مجمع دو رویہ صف باندھ کر کھڑا ہوا جب آپ ادھر سے گذرے، تو آپ کے پاؤں پر پتھر مارنے شروع کئے، یہاں تک کہ آپ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں، جب آپ زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے، تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے، جب آپ پھر چلنے لگتے، تو پتھر برساتے، ساتھ ساتھ گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے جاتے[1] آخر آپ نے ایک باغ میں انگور کی ٹٹیوں میں پناہ لی، یہ باغ عتبہ بن ربیعہ کا تھا، جو باوجود کفر کے شریف الطبع اور نیک نفس تھا، اس نے آپ کو اس حالت میں دیکھا، تو اپنے غلام کے ہاتھ جس کا نام عداس تھا، انگور کا خوشہ ایک کشتی میں رکھ کر بھیجا،

اس سفر میں حضرت زید بن حارثہؓ بھی ساتھ تھے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے پھر کر چند روز نخلہ میں قیام کیا، پھر حرا میں تشریف لائے، اور مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا، کہ مجھ کو اپنی حمایت میں لے سکتے ہو عرب کا شعار تھا، کہ جب کوئی ان سے طالب حمایت ہوتا، تو گو دشمن ہوتا انکار نہیں کر سکتے تھے مطعم نے یہ درخواست منظور کی، بیٹوں کو بلا کر کہا، کہ "ہتھیار لگا کر حرم میں جاؤ" رسول اللہ

---

[1] یہ پوری تفصیل مواہب لدنیہ بحوالہ موسیٰ بن عقبہ اور طبری و ابن ہشام میں ہے [2] کیا عجیب بات ہے، کہ ایک ہی واقعہ دو مختلف نگاہوں کو کس طرح مختلف نظر آتا ہے، مرگیوس نے (نعوذ باللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سفر کو سوء تدبیر میں داخل کیا ہے، وہ کہتے ہیں، کہ طائف مکہ سے بالکل قریب اور ان کے زیر اثر تھا، اور وہاں رؤسا مکہ کے باغ تھے، جس کی وجہ سے ان کی آمد و رفت رہتی تھی، اس لئے جب کہ مکہ کے تمام رؤسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تھے، تو طائف کے لوگوں سے کیا امید ہو سکتی تھی، لیکن سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زور اعتقاد اور اعتماد علی النفس تھا، کہ باوجود تمام ناکامیوں کے وہ تنہا ایک شہر مخالف میں گئے، اور تبلیغ اسلام کا فرض ادا کیا [3] والفضل ما شہدت بہ الاعداء۔

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے، مطعم اونٹ پر سوار تھا، حرم کے پاس آیا، تو پکارا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں آئے، نماز ادا کی، اور دولت خانہ کو واپس گئے، مطعم اور اس کے بیٹے آپ کو تلواروں کے سایہ میں لائے،

مطعم نے کفر کی حالت میں غزوہ بدر سے پہلے وفات کی، حضرت حسانؓ جو دربار کے شاعر تھے، انہوں نے مرثیہ لکھا، زرقانی نے یہ مرثیہ بدر میں نقل کیا ہے[2]، اور لکھا ہے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں، مطعم کا یہ کام بے شبہ مدح کا مستحق تھا لیکن آج کل کے مسلمان حضرت حسانؓ اور زرقانی سے زیادہ شیفتہ اسلام ہیں، اس لئے معلوم نہیں، حضرت حسانؓ کا یہ فعل آج بھی پسند کیا جا سکتا ہے یا نہیں،

قبائل کا دورہ | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، جب حج کا زمانہ آتا، اور عرب کے قبائل ہر طرف سے آ آ کر مکہ کے آس پاس اترتے، تو آپ ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے اور تبلیغ اسلام فرماتے، عرب میں مختلف مقامات پر میلے لگتے تھے، جن میں دور دور کے قبائل آتے تھے، آپ ان میلوں میں جاتے اور اسلام کی تبلیغ فرماتے،

ان میلوں میں عکاظ جو اہل عرب کا قومی اور علمی دنگل تھا، اور مجنہ اور ذوالمجاز کا نام مورخین نے خاص طور پر لیا ہے، قبائل عرب میں بنو عامر، محارب، فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نضر، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ مشہور قبائل ہیں، ان سب

[1] ابن سعد صفحہ ۲۴۱ کسی قدر تفصیل مواہب لدنیہ سے اضافہ کی گئی ہے، جو ابن اسحاق کی روایت میں ہے، تعجب ہے کہ ابن ہشام نے یہ حالات قلم انداز کئے ہیں۔ [2] زرقانی جلد اول صفحہ ۶ (۵)

Marfat.com

قبائل[1] کے پاس آپ تشریف لے گئے لیکن ابولہب ہر جگہ ساتھ ساتھ جاتا، اور جب آپ کسی مجمع میں تقریر کرتے، تو برابر سے کہتا، کہ "دین سے پھر گیا ہے، اور جھوٹ کہتا ہے"[2]

بنی حنیفہ یمامہ میں آباد تھے، ان لوگوں نے نہایت تلخی کے ساتھ جواب دیا مسیلمہ کذاب جس نے آگے چل کر نبوت کا دعویٰ کیا، اسی قبیلہ کا رئیس تھا،

قبیلہ بنو ذہل بن شیبان کے پاس جب آپ گئے، تو حضرت ابوبکرؓ بھی ساتھ تھے حضرت ابوبکرؓ نے مفروق سے کہا "تم نے کسی پیغمبر کا تذکرہ سنا ہے؟ وہ یہی ہیں" مفروق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رُخ کر کے کہا "برادر قریش! تم کیا تلقین کرتے ہو؟" آپ نے فرمایا "خدا ایک ہے، اور میں اس کا پیغمبر ہوں" اور یہ آیتیں پڑھیں،

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ	کہہ دو کہ آؤ، میں سناؤں تمہیں، کہ خدا نے کیا
عَلَيْكُمْ اَنْ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا	چیزیں حرام کی ہیں، یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک
وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْا	نہ کرو، اور والدین کا حق خدمت بجا لاؤ، اور
اَوْلَادَكُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ	اپنے بچوں کو افلاس کے خیال سے قتل
نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا	نہ کرو، ہم تم کو، اور ان کو دونوں کو روزی
الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ	دیں گے، فحش باتوں کے پاس نہ جاؤ، وہ
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ	ظاہر ہوں، یا پوشیدہ، اور آدمی کی جان
اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ	جس کو خدا نے حرام کیا ہے، ناحق ہلاک

[1] ابن سعد نے ان تمام قبائل کا ذکر کیا ہے [2] (مستدرک حاکم جلد اول صفحہ ۱۵ حیدرآباد) ص" [2] ابن ہشام،

تَعْقِلُوْنَ (انعام۔ ۱۹) نہ کرو،

اس قبیلہ کے روسار مفروق مثنیٰ اور ہانی بن قبیصہ تھے اور وہ سب اس موقعہ پر موجود تھے، ان لوگوں نے کلام کی تحسین کی، لیکن کہا، کہ "مدتوں کا خاندانی دفعۃً چھوڑ دینا، زود اعتقادی ہے"، اس کے علاوہ ہم کسریٰ کے زیر اثر ہیں، اور معاہدہ ہو چکا ہے، کہ ہم اور کسی کے اثر میں نہ آئیں گے"، آپ نے ان کی راست گوئی کی تحسین کی، اور فرمایا، کہ "خدا اپنے دین کی آپ مدد کرے گا"۔

قبیلہ بنو عامر کے پاس گئے، تو ایک شخص نے جس کا نام (بحیرہ بن) فراس تھا، آپ کی تقریر سن کر کہا، "یہ شخص مجھ کو ہاتھ آجائے، تو میں تمام عرب کو مسخر کر لوں"، پھر آپ سے پوچھا کہ "اگر ہم تمہارا ساتھ دیں، اور تم اپنے مخالفوں پر غالب آجاؤ، تو تمہارے بعد ریاست ہم کو ملے گی"؟ آپ نے فرمایا "یہ خدا کے ہاتھ ہے"، اس نے کہا "ہم اپنا سینہ عرب کا آماجگاہ بنائیں، اور حکومت غیروں کے ہاتھ آئے، ہم کو یہ غرض نہیں"[۲]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی

اسباب مذکورہ بالا کی بنا پر قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت کی، اور چاہا کہ آپ کو اس قدر ستائیں، کہ آپ مجبور ہو کر تبلیغ اسلام سے دستبردار ہو جائیں، سو اتفاق یہ کہ جو کفار آپ کے ہمسایہ تھے یعنی ابوجہل ابولہب، اسود بن عبد یغوث، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، نضر بن حارث، منبہ بن حجاج عقبہ بن ابی معیط، حکم بن ابی العاص، سب قریش کے سربرآوردہ رؤسا تھا، اور یہی سب

[۱] روض الانف بحوالہ قاسم بن ثابت، (۲) طبری جلد ۲ صفحہ ۱۲۰۵ س ۶

Marfat.com

سے بڑھ کر آپ کے دشمن[1] تھے، یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھاتے، نماز پڑھتے وقت منہی اڑاتے، سجدہ میں آپ کی گردن پر اوجھڑی لاکر ڈال دیتے، گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچتے، کہ گردن مبارک میں بدھیاں پڑ جاتیں (آپؐ کی روحانی قوت اثر کو دیکھ کر لوگ جادوگر کہتے، دعوٰی نبوت کو سن کر مجنون کہتے، باہر نکلتے، تو شریر لڑکے پیچھے پیچھے غول باندھ کر چلتے، نماز جماعت میں قرآن زور سے پڑھتے، تو قرآن قرآن کے لانے والے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور قرآن کے اتارنے والے (خدا) کو گالیاں[2] دیتے)

ایک دفعہ آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، روسائے قریش بھی موجود تھے، ابوجہل نے کہا "کاش اس وقت کوئی جاتا، اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھا لاتا، کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدے میں جاتے، تو ان کی گردن پر ڈال دیتا، عقبہ نے کہا "یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں" چنانچہ اوجھ لاکر آپؐ کی گردن پر ڈال دی، قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے، کسی نے جاکر حضرت فاطمہؓ کو خبر کی، وہ اگرچہ اس وقت صرف پانچ، چھ برس کی تھیں، لیکن جوش محبت سے دوڑی آئیں، اور اوجھ ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا، اور بددعائیں[3] دیں،

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کہیں کسی مجمع عام میں دعوت اسلام کا وعظ فرماتے

---

[1] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۲۴ [2] مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۳۰۲ [3] صحیح بخاری ۶۸۶ [4] صحیح بخاری باب الطہارۃ والجہاد فی صحیح مسلم وزرقانی جلد اول صفحہ ۲۹

تو ابولہب آپ کے ساتھ ساتھ برابر سے کہتا جاتا کہ یہ جھوٹ کہتا ہے"۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جب کہ میں اسلام نہیں لا چکا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بازار ذوالمجاز میں گئے اور مجمع میں گھس کر لوگوں سے کہا کہ لا الٰہ الا اللہ کہو"۔ ابوجہل آپ پر خاک پھینکتا جاتا تھا، اور کہتا کہ اس کے فریب میں نہ آنا، یہ چاہتا ہے، کہ تم لات و عزیٰ کی پرستش چھوڑ دو"[1]۔ طائف میں قریش نے آپ کو جو اذیتیں دیں، ان کا بیان پیچھے گذر چکا ہے،

ایک دفعہ آپؐ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ نے آپ کی گردن میں چادر لپیٹ کر نہایت زور سے کھینچی، اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ آ گئے، اور آپ کا شانہ پکڑ کر عقبہ کے ہاتھ سے چھڑایا، اور کہا کہ اس شخص کو قتل کرتے ہو، جو صرف یہ کہتا ہے، کہ خدا ایک ہے"۔

جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں نہایت سرگرم تھے، اور رات دن اسی شغل میں رہتے تھے، ان کے نام جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں لکھے ہیں حسب ذیل ہیں،

"ابوجہل، ابولہب، اسود بن عبد یغوث، حارث بن قیس بن عدی، ولید بن المغیرہ، امیہ بن ابی خلف، ابوقیس بن فاکہہ بن المغیرہ، عاص بن وائل، نضر بن الحارث، نبیہ بن الحجاج، زہیر بن ابی امیہ، سائب بن صیفی، اسود بن عبد الاسد، عاص بن سعید بن العاص، عاص بن ہاشم، عقبہ بن ابی معیط، ابن الاصدی، بذلی، حکم بن ابی العاص، عدی بن حمرا"۔

یہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایہ اور ان میں سے اکثر صاحب جاہ و اقتدار تھے

---

[1] مسند امام ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۴۲۔ [2] صحیح بخاری، باب ما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ بمکۃ الخ

یہ جو کچھ ہوا، گو نہایت درد انگیز اور حسرت خیز تھا لیکن تعجب خیز نہ تھا، دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ہے، کہ نامانوس اور اجنبی صدائیں بہ رغبت سن لی گئی ہوں حضرت نوح علیہ السلام کو سیکڑوں برس تک قوم کی نفرت اور وحشت کا سامنا رہا، یونان دنیا کی شائستگی کا معلم اول ہے، تاہم اس حکمت کدہ میں سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا حضرت عیسیٰ کو دار و رسن کا منظر پیش آیا، اس بنا پر عرب اور قریش نے جو کچھ کیا، وہ سلسلہ واقعات کی غیر معمولی کڑی نہ تھی، لیکن غور طلب یہ ہے، کہ اس کے مقابلہ میں سرور عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا کیا،

سقراط (زہر کا) پیالہ پی کر فنا ہو گیا حضرت نوح علیہ السلام نے مخالفت سے تنگ آکر ایک قیامت خیز طوفان کی استدعا کی، اور دنیا کا بہت بڑا حصہ برباد ہو گیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چالیس شخصوں کی مختصر جماعت پیدا کر کے بروایت نصاریٰ سولی پر چڑھ گئے لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض ان سب سے بالاتر تھا حضرت خبابؓ بن الارت نے جب قریش کی ایذا رسانی سے تنگ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی، کہ آپ ان کے حق میں بد دعا کیوں نہیں فرماتے؟ تو آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے وہ لوگ گزرے ہیں، جن کے سر پر آرے چلائے جاتے اور چیر ڈالے جاتے تھے، تاہم وہ اپنے فرض سے باز نہ آئے، خدا اس کام کو پورا کرے گا، یہاں تک کہ شتر سوار صنعا سے حضرموت تک سفر کرے گا، اور اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا"[۲]

کیا یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری نہیں ہوئی؟

[۲] بخاری باب ما لقی النبی واصحابہ من المشرکین وذکر ایام الجاھلیۃ ۱۲

مدینہ منورہ اور انصار رضؓ

آفتاب کی روشنی دور پہنچ کر تیز ہوتی ہے شمیم گل باغ سے نکل کر عطر فشاں بنتی ہے
آفتاب اسلام طلوع مکہ میں ہوا لیکن کرنیں مدینہ کے افق پر چمکیں،

مدینہ کا اصلی نام یثرب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہاں آکر قیام کیا، تو اس کا نام مدینۃ النبی یعنی "پیغمبر کا شہر" پڑ گیا، اور پھر مختصر ہو کر مدینہ مشہور ہو گیا،

یہ شہر مدتوں سے آباد ہے، بہت قدیم زمانہ سے یہودی یہاں آکر آباد ہوئے ان کی نسلیں کثرت سے پھیلیں، اور مدینہ کے اطراف ان کے قبضہ میں آگئے، انہوں نے مدینہ اور اس کے حوالی میں چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لئے تھے، اور ان میں سکونت رکھتے تھے (یہود کے متعلق زائد تحقیق آگے آئے گی،

انصار اصل میں یمن کے رہنے والے اور قحطان کے خاندان سے تھے یمن میں جب مشہور سیلاب آیا جس کو "سیل عرم" کہتے ہیں، یہ لوگ یمن سے نکل کر مدینہ میں آباد ہوئے، یہ دو بھائی تھے، اوس اور خزرج تمام انصار ان دو ہی کے خاندان سے ہیں[1]، یہ خاندان جب یثرب میں آیا، تو یہود نہایت اقتدار اور اثر رکھتے تھے، آس پاس کے مقامات ان کے قبضہ میں تھے، اور دولت و مال سے مالا مال تھے، چونکہ آل و اولاد کی کثرت سے بیس اکیس

---

[1] انصار کے نسب اور مدینہ میں آباد ہونے کی پوری تفصیل وفاء الوفا جلد اول صفحہ ۱۱۶ تا ۱۵۲ میں مذکور ہے

Marfat.com

قبیلے بن گئے تھے، اس لئے دور دور تک بستیاں بسالی تھیں، انصار کچھ زمانہ تک ان سے الگ رہے لیکن ان کا زور اور اثر دیکھ کر بالآخر ان کے حلیف بن[1] گئے، ایک مدت تک یہ حالت رہی لیکن اب انصار کا خاندان پھیلتا جاتا تھا، اور اقتدار حاصل کرتا جاتا تھا، یہود نے پیش بینی کے لحاظ سے ان سے معاہدہ توڑ دیا،

یہودیوں میں ایک رئیس فطیون پیدا ہوا جو نہایت عیاش اور بدکار تھا، اس نے یہ حکم دیا، کہ جو دوشیزہ لڑکی بیاہی جائے پہلے اس کے شبستان عیش میں آئے، یہود نے اس کو گوارا کر لیا تھا لیکن انصار کی جب نوبت آئی، تو انہوں نے سرتابی کی، اس زمانہ میں انصار کا سردار ایک شخص مالک بن عجلان تھا، اس کی بہن کی شادی ہوئی، تو وہ عین شادی کے دن گھر سے نکلی، اور اپنے بھائی مالک بن عجلان کے سامنے سے بے پردہ گذری، مالک کو غیرت آئی، اٹھ کر گھر میں آیا، اور بہن کو سخت ملامت کی، اس نے کہا" ہاں! لیکن کل جو کچھ ہوگا، اس سے بھی بڑھ کر ہے، دوسرے دن حسب دستور جب مالک کی بہن دلہن بن کر فطیون کی خلوت گاہ میں گئی، تو مالک بھی زنانہ کپڑے پہن کر سہیلیوں کے ساتھ گیا، اور فطیون کو قتل کر کے شام کو بھاگ گیا، یہاں غسانیوں کی حکومت تھی، اور ابو جبلہ حکمران تھا، اس نے یہ حالات سنے، تو ایک فوج گراں لے کر آیا، اور اوس اور خزرج کے روسار کو بلا کر ان کو خلعت اور صلے دیئے، پھر روسار یہود کی دعوت[2] کی، اور ایک ایک کو دھوکے

---

[1] قبیلے آپس میں ایک دوسرے کی اعانت و نصرت کا (بحلف) معاہدہ کرتے تھے، وہ باہم حلیف کہلاتے تھے۔

[2] وفاء الوفاء میں مختلف صورتوں میں بیان کیا گیا ہے، اور وفاء الوفاء میں یہ تمام روایتیں مذکور ہیں،

Marfat.com

سے قتل کرادیا، یہود کا زور اب ٹوٹ گیا، اور انصار نے نئے سرے سے قوت حاصل کی

انصار نے مدینہ اور حوالی مدینہ میں کثرت سے چھوٹے چھوٹے قلعے بنالئے اوس و خزرج ایک مدت تک باہم متحد رہے، لیکن پھر عرب کی فطرت کے موافق خانہ جنگیاں شروع ہوگئیں اور سخت خونریز لڑائیاں ہوئیں، سب سے اخیر لڑائی میں جس کو بعاث کہتے ہیں، اس زور کا معرکہ ہوا، کہ دونوں خاندانوں کے تمام نامور لڑ لڑ کر مر گئے، انصار اب اس قدر ضعیف ہوگئے کہ انہوں نے قریش کے پاس سفارت بھیجی، کہ ہم کو حلیف بنا لیجئے لیکن ابوجہل نے معاملہ درہم برہم کردیا، انصار گو بت پرست تھے، تاہم چونکہ یہود سے میل جول تھا، اس لئے نبوت اور کتب آسمانی سے گوش آشنا تھے، یہود سے گو انصار اک گونہ رقابت رکھتے تھے لیکن ان کے علمی فضل و کمال کے معترف تھے، یہود نے مدینہ میں جو علمی مدارس قائم کئے تھے اور جن کو بیت المدارس کہتے تھے (بخاری وغیرہ میں نام مذکور ہے[1]) ان میں تورات کی تعلیم ہوتی تھی، انصار جاہل تھے، اس لئے ان پر یہود کے علمی تفوق کا خواہ مخواہ اثر پڑتا تھا، یہاں تک کہ انصار میں سے جس کے اولاد زندہ نہیں رہتی تھی، وہ منت مانتا تھا، کہ بچہ زندہ رہے گا، تو یہودی بنا دیا جائے گا[2]، یہودی عموماً یہ یقین رکھتے تھے، کہ ایک پیغمبر ابھی اور آنے والا ہے، اس بنا پر انصار بھی ایک پیغمبر موعود کے نام سے آشنا تھے،

انصار میں ایک شخص سوید بن صامت جو شاعری اور جنگ آوری میں ممتاز تھا، اس کو امثال لقمان کا نسخہ ہاتھ آگیا تھا، جس کو وہ کتاب آسمانی سمجھتا تھا، وہ ایک دفعہ حج کو گیا

[1] بخاری جلد ۲ فرض، [2] کتاب الاکراہ باب فی بیع المکرہ ونحوہ فی الحق وغیرہ، [3] کتب تفسیر میں لا اکراہ فی الدین کی تفسیر دیکھو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حالات سنے، تو خود اس کے پاس تشریف لے گئے اس امثال لقمان پڑھ کر سنایا، آپ نے فرمایا "میرے پاس اس سے بھی بہتر چیز ہے" یہ کہہ کر قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں، سوید نے تحسین کی، اگرچہ وہ مدینہ واپس آکر جنگ بعاث میں مارا گیا، لیکن اسلام کا معتقد ہو چکا تھا،

سوید شجاعت اور شاعری دونوں میں کمال رکھتا تھا، ایسے شخص کو اہل عرب "کامل" کہتے تھے، اور اسی بنا پر سوید اسی لقب سے پکارا جاتا تھا[1] سوید کے میلان اسلام کا اثر انصار پر پڑ چکا تھا،

اوس اور خزرج کے معرکوں میں جب اوس کو شکست ہوئی، تو اوس کے عمائد قریش کے پاس گئے، کہ خزرج کے مقابلہ میں ان کو حلیف بنائیں، اس سفارت میں ایاس بن معاذ بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کا آنا معلوم ہوا، تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے، اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں، ایاس نے ساتھیوں سے کہا، کہ "خدا کی قسم تم جس غرض کے لئے آئے ہو، یہ کام اس سے بہتر ہے" لیکن قافلہ سالار یعنی ابوالحیس نے کنکریاں اٹھا کر ان کے منہ پر ماریں، اور کہا، کہ "ہم اس کام کے لئے نہیں آئے" اس کے بعد بعاث کا معرکہ پیش آگیا، اور ایاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے، لوگوں کا بیان ہے کہ مرتے وقت ایاس کی زبان پر

---

[1] البدایہ والنہایہ ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۴۷، اس "سوید" کا ذکر ابن ہشام میں ہے لیکن روض الانف میں زیادہ تفصیل ہے، اصابہ میں بھی اس کا حال ہے، لیکن نسب میں اختلاف ہے، اور امثال لقمان کا ذکر نہیں ہے، طبری میں بھی سوید کا ذکر واقعہ مع ان کے اشعار کے مذکور ہے، دیکھو صفحہ ۱۲۰۷،

تکبیر جاری تھی[1]،

جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، کہ حج کے زمانہ میں رؤسائے قبائل کے پاس جاکر تبلیغ اسلام فرمایا کرتے تھے، اس سال (رجب ۱۱ سنہ نبوی) میں بھی آپ متعدد قبائل کے پاس تشریف لے گئے، عقبہ کے پاس، جہاں اب مسجد العقبہ ہے، خزرج کے چند اشخاص آپ کو نظر آئے، آپ نے ان سے نام و نسب پوچھا، انہوں نے کہا "خزرج"، آپ نے دعوت اسلام دی، اور قرآن مجید کی آیتیں سنائیں، ان لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، اور کہا "دیکھو، یہود ہم سے اولیت میں بازی نہ لے جائیں"، یہ کہہ سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا، یہ چھ شخص تھے، جن کے نام حسب ذیل ہیں[2]

[1] طبری اور اصابہ میں یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے، اصابہ میں لکھا ہے، کہ ایاس کا حال امام بخاری نے تاریخ میں لکھا ہے، (البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۴۸ ج ۳)، [2] مدینہ منورہ کے یہ حضرات جو پہلے پہل اسلام لائے بعض مصنفین سیرت نے ان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ کا تذکرہ بیعت عقبہ اولی کے عنوان سے کیا ہے، یہ عنوان کتب سیرت کے ناظرین کے لئے اس وقت پریشانی کا موجب بن جاتا ہے، جب وہ دوسری کتابوں (مثلاً مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۶۲۴، ابن کثیر علی حاشیہ فتح البیان جلد ۹ صفحہ ۴۴۳) میں دیکھتے ہیں، کہ بیعت عقبہ اولی میں بارہ آدمی تھے، اسی اختلاف روایت کے سبب سے بعض مصنفین سیرت بیعت عقبہ ثانیہ میں ۱۲ آدمی اور بعض ۷۳ آدمی بتلاتے ہیں، حالانکہ اصل صورت یہ ہے، کہ چھ یا آٹھ آدمی جو شروع شروع میں اسلام لائے، ان کے واقعہ قبول اسلام کا عنوان بیعت عقبہ اولی نہیں، بلکہ ابتدار اسلام انصار ہونا چاہیئے، اور دوسرے سال جب کہ گیارہ بارہ آدمی حاضر خدمت ہوئے ہیں، یہ بیعت عقبہ اولی ہے، حضرت عبادہ بن صامت نے بصراحت فرمایا ہے کہ کنا احد عشر فی العقبۃ الاولی من العام المقبل، اس روایت میں حضرت عبادہ "العام المقبل" میں بیعت عقبہ اولی کا ہونا فرماتے ہیں، اور اس میں ۱۱ آدمیوں کے ہونے کی صراحت فرماتے ہیں، اس کے معنی یہ ہوئے، کہ اس سے پہلے جو لوگ آکر اسلام قبول کر چکے تھے، اس کا تعلق بیعت عقبہ اولی سے نہیں ہے،

جن لوگوں نے انصار کے ابتدار اسلام کے واقعہ کا نام بیعت عقبہ اولی رکھا ہے، وہ تین بیعت عقبہ کا عنوان دیتے ہیں، یعنی ایک یہ بیعت عقبہ اولی، دوسری وہ بیعت عقبہ جس میں گیارہ بارہ آدمی اسلام لائے، اور تیسری وہ بیعت

[1] سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۸، [2] مستدرک جلد ۲ صفحہ [illegible]

Marfat.com

۱۔ ابوالہیثم بن تیہان	
۲۔ ابوامامہ اسعد بن زرارہ	(صحابہ میں سب سے پہلے ان ہی نے) سنہ ۱ھ میں وفات پائی،
۳۔ عوف بن حارث	(بدر میں شہادت پائی)
۴۔ رافع بن مالک بن عجلان	اس وقت تک جس قدر قرآن اتر چکا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو عنایت فرمایا، جنگ احد میں شہید ہوئے
۵۔ قطبہ بن عامر بن حدیدہ	(تینوں عقبات میں شریک رہے)
۶۔ جابر بن عبداللہ (ابن رباب)	(یہ مشہور صحابی حضرت جابر بن عبداللہ بن عمرو کے علاوہ تھے، بدر وغیرہ میں شریک تھے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۲) جس میں ۷۳، افراد شرف باسلام ہوئے، اور یہ تینوں واقعے ایک ایک سال کے فصل سے حج کے موسم میں پیش آئے، اور جن لوگوں نے انصار کے ابتدائے اسلام کے واقعہ کو صرف ابتدائے اسلام انصار کے عنوان سے ذکر کیا ہے، انہوں نے گیارہ آدمیوں والی بیعت کو بیعت عقبہ اولی، اور ۷۳، آدمیوں والی بیعت کو بیعت عقبہ ثانیہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو تاریخ خمیس اول ص۳۰۶، ص۳۱۶، ص۳۱۷ و زرقانی علی المواہب جلد اول ص۳۶۲ و ص۳۶۷ ج ۶ س ۵۳ یہ واقعات تمام تاریخوں میں مذکور ہیں، ہم نے زرقانی کو پیش نظر رکھا ہے، کیونکہ اس نے تمام مختلف روایتیں جمع کر دی ہیں، ان لوگوں کی تعداد بعضوں نے آٹھ بیان کی ہے، اسعد بن زرارہ اور ابوالہیثم کا پہلے سے موجود ہونا، ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے، دیکھو کتاب مذکور جزء ثالث، انصار بدر میں ص۲۲، واقدی کا بیان ہے، کہ اسعد بن زرارہ اس واقعہ سے پہلے کہ میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے (بعضوں نے ابوالہیثم بن تیہان کا جگہ عقبہ بن عامر بن نابی کا نام لیا ہے، اور بعض نے جابر بن رباب کے بجائے عبادہ بن صامت کو جگہ دی ہے" ۱۲ س"

Marfat.com

دوسرے سال بارہ شخص مدینہ منورہ سے آئے اور بیعت کی، اس کے ساتھ اس بات کی بھی خواہش کی، کہ احکام اسلام کے سکھلانے کے لئے کوئی معلم انکے ساتھ کردیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مُصعبؓ بن عمیر کو اس خدمت پر مامور فرمایا، مصعب ہاشم بن عبد مناف کے پوتے اور سابقین اسلام میں سے تھے، غزوہ بدر میں لشکر اسلام کی علمبرداری کا منصب انہی کو ملا تھا، وہ مدینہ میں آکر سعد بن زرارہ کے مکان پر ٹھہرے، جو مدینہ کے نہایت معزز رئیس تھے، روزانہ معمول تھا، کہ انصار کے ایک ایک گھر کا دورہ کرتے، لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے، اور قرآن مجید پڑھ کر سناتے، روزانہ ایک دو نئے آدمی اسلام قبول کرتے رفتہ رفتہ مدینہ سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا، صرف خطمہ، واٹل، واقف کے چند گھرانے باقی رہ گئے، ابن سعد نے طبقات میں یہ واقعات تفصیل سے لکھے ہیں،

قبیلۂ اوس کے سردار حضرت سعدؓ بن معاذ تھے، قبیلہ پر ان کا یہ اثر تھا، کہ ہر کام میں ان کے اشاروں پر چلتے تھے، مصعبؓ نے جب ان کے پاس جاکر اسلام کی دعوت دی، تو انہوں نے پہلے نفرت ظاہر کی، لیکن جب مصعبؓ نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں، تو پتھر موم تھا، ان کا اسلام لانا، تمام قبیلہ اوس کا اسلام قبول کرلینا تھا،

اگلے سال بہتر شخص حج کے زمانہ میں آئے، اور اپنے ساتھیوں سے (جو بت پرست تھے) چھپ کر بمقام منیٰ (عقبہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، اس موقع پر حضرت عباسؓ بھی جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے انہوں نے انصار سے خطاب کرکے کہا: "گروہ خزرج! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان میں

۱۲ سنہ نبوی

بیعت عقبہ ثانیہ

Marfat.com

معزز اور محترم ہیں، دشمنوں کے مقابلہ میں ہم ہمیشہ ان کے سینہ سپر رہے، اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں، اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر، ورنہ ابھی سے جواب دے دو۔"

حضرت براءؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب کر کے کہا "ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں۔" وہ اسی قدر کہنے پائے تھے، کہ ابو الہیثمؓ نے بات کاٹ کر کہا "یا رسول اللہ! ہم سے اور یہود سے تعلقات ہیں، بیعت کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے، ایسا تو نہ ہو، کہ جب آپ کو قوت و اقتدار حاصل ہو جائے، تو آپؐ ہم کو چھوڑ کر اپنے وطن چلے جائیں" آپ نے مسکرا کر فرمایا "نہیں! تمہارا خون میرا خون ہے، تم میرے اور میں تمہارا ہوں۔"

آپؐ نے اس گروہ میں سے بارہ شخص نقیب انتخاب کئے، جن کے نام خود انصار نے پیش کئے تھے، ان میں نو خزرج کے، اور تین اوس کے تھے، ان کے نام حسب روایت ابن سعد حسب ذیل ہیں:-

۱۔ اسید بن حضیرؓ	جنگ بعاث میں انہی کے باپ اوس کے سردار تھے،
۲۔ ابو الہیثم بن تیہانؓ	مشہور صحابی تھے ان کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔
۳۔ سعد بن خیثمہؓ	جنگ بدر میں شہید ہوئے،
۴۔ اسعد بن زرارہؓ	ان کا ذکر اوپر ہو چکا، یہ امام نماز تھے،
۵۔ اسعد بن الربیعؓ	جنگ احد میں شہید ہوئے،
۶۔ عبد اللہ بن رواحہؓ	مشہور شاعر ہیں، جنگ موتہ میں شہید ہوئے،
۷۔ سعد بن عبادہؓ	معزز اور مشہور صحابی ہیں، سقیفہ بنی ساعدہ میں ان

	ہی نے پہلے خلافت کا دعوی کیا تھا،
۸۔ منذر بن عمرو رضؓ	بیر معونہ میں شہید ہوئے،
۹۔ براء بن معرور رضؓ	بیعت عقبہ میں انہی نے انصار کی طرف سے تقریر کی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے،
۱۰۔ عبداللہ بن عمرو رضؓ	جنگ احد میں شہید ہوئے،
۱۱۔ عبادۃ بن الصامت رضؓ	مشہور صحابی ہیں ان سے اکثر حدیثیں مروی ہیں،
۱۲۔ رافع بن مالک رضؓ	جنگ احد میں شہید ہوئے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں پر انصار سے بیعت لی یہ تھیں "شرک، چوری، زنا، قتل اولاد اور افترا کے مرتکب نہ ہوں گے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جو اچھی بات کہیں گے، اس سے سرتابی نہ کریں گے[1]،

جب انصار بیعت کر رہے تھے، تو سعد رضؓ بن زرارہ نے کھڑے ہو کر کہا، بھائیو! یہ بھی خبر ہے؟ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب و عجم اور جن و انس سے اعلان جنگ ہے" سب نے کہا، ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں،

بارہ شخص جو نقیب انتخاب کئے گئے، رئیس القبائل تھے، ان کا اسلام قبول کرنا

[1] یہ صحیح بخاری کی روایت ہے، سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے، کہ یہ عقبہ اولیٰ کی شرائط میں، اخیر بیعت اس بات پر لی گئی تھی، کہ انصار آپؐ کی جان کی حفاظت کریں گے،

Marfat.com

تمام انصار کا اسلام قبول کرنا تھا، صبح کو اس بیعت کی اڑتی سی خبر پھیلی، قریش انصار کے پاس آئے، اور شکایت کی، انصار کے ساتھ جو بت پرست تھے، ان کو اس بیعت کی خبر نہ تھی، انہوں نے تکذیب کی، کہ ایسا ہوتا، تو ہم سے کیونکر چھپ سکتا تھا۔"

مدینہ میں اسلام کو پناہ حاصل ہوئی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اجازت دی، کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں، قریش کو معلوم ہوا، تو انہوں نے روک ٹوک شروع کی، لیکن چوری چھپے لوگوں نے ہجرت شروع کر دی، رفتہ رفتہ اکثر صحابہ چلے گئے، صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے، جو لوگ مفلسی سے مجبور تھے، وہ مدت تک نہ جا سکے، یہ آیت انہی کی شان میں ہے،

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ	کمزور مرد، عورتیں اور بچے، جو یہ
النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ	کہتے ہیں، کہ اے خدا! ہم کو اس
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ	شہر سے نکال، کہ یہاں کے لوگ
الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا (نساء۔۱۰۰)	ظالم ہیں،

Marfat.com

سنہ ہجرت

(اس وقت جب کہ دعوتِ حق کے جواب میں ہر طرف تلواروں کی جھنکاریں سنائی دے رہی تھیں، حافظِ عالم نے مسلمانوں کو دارالامان مدینہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا لیکن خود وجود اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو ان ستمگاروں کا حقیقی ہدف تھا، اپنے لئے حکم خدا کا منتظر تھا، مکہ کے باہر اطراف میں جو صاحب اکثر مسلمان ہو چکے تھے، وہ جاں نثارانہ اپنی حفاظت کی خدمت پیش کرتے تھے، قبیلہ دوس ایک محفوظ قلعہ کا مالک تھا، اس کے رئیس طفیل بن عمرو نے اپنا قلعہ پیش کیا، کہ آپ یہاں ہجرت کر آئیں، لیکن آپ نے انکار فرمایا[1]، اسی طرح بنی ہمدان کے ایک شخص نے بھی خواہش کی تھی، بعد کو اس نے کہا، کہ وہ اپنے قبیلہ کو مطلع کر کے آئندہ سال آئے گا[2] لیکن کارساز قضا و قدر نے یہ شرف صرف انصار کے لئے مخصوص کیا تھا، چنانچہ قبل ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا، کہ دارالہجرت ایک پر باغ و بہار مقام ہے، خیال تھا، کہ وہ یمامہ یا ہجر کا شہر ہوگا، لیکن وہ شہر مدینہ نکلا[3])

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۸ باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لا یکفر [2] مستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۱۳ و زرقانی علی المواہب جلد اول صفحہ ۳۵۹، [3] صحیح بخاری باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم)" س"

نبوت کا تیرھواں سال شروع ہوا، اور اکثر صحابہؓ مدینہ پہنچ چکے، تو وحی الٰہی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا، یہ داستان نہایت پر اثر ہے، اور اسی وجہ سے امام بخاری نے باوجود اختصار پسندی کے اس کو خوب پھیلا کر لکھا ہے، اور حضرت عائشہؓ کی زبانی لکھا ہے حضرت عائشہؓ گو اس وقت سات آٹھ برس کی تھیں لیکن ان کا بیان درحقیقت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کا بیان ہے کہ انہی سے سن کر کہا ہوگا، اور ابتدائے واقعہ میں وہ خود بھی موجود تھیں،

قریش نے دیکھا، کہ اب مسلمان مدینہ میں جاکر طاقت پکڑتے جاتے ہیں، اور وہاں اسلام پھیلتا جاتا ہے، اس بنا پر انہوں نے دارالندوہ میں، جو دارالشوریٰ تھا، اجلاس عام کیا، ہر قبیلہ کے رؤسا یعنی عتبہ، ابوسفیان، جبیر بن مطعم، نضر بن حارث بن کلدہ، ابوالبختری، ابن ہشام، زمعہ بن الاسود، بن مطلب، حکیم بن حزام، ابوجہل، نبیہ و منبہ امیہ بن خلف وغیرہ وغیرہ یہ سب شریک تھے، لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں، ایک نے کہا "محمدؐ کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال کر مکان میں بند کر دیا جائے"، دوسرے نے کہا "جلاوطن کر دینا کافی ہے"، ابوجہل نے کہا "ہر قبیلے سے ایک شخص انتخاب ہو، اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے ان کا خاتمہ کر دے"، اس صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا، اور آل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے"، اس اخیر رائے پر اتفاق ہوگیا، اور چھٹ پٹے سے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ مبارک کا محاصرہ کر لیا، اہل عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے اس لئے باہر ٹھہرے

Marfat.com

رہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریش کو اس درجہ عداوت تھی، تاہم آپؐ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا، کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا، آپؐ ہی کے پاس لاکر رکھتا تھا، اس وقت بھی آپؐ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں، آپ کو قریش کے ارادہ سے پہلے خبر ہو چکی تھی، اس بنا پر حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا "مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا، تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو، صبح کو سب کی امانتیں جا کر واپس دے آنا" یہ سخت خطرہ کا موقعہ تھا، حضرت علیؓ کو معلوم ہو چکا تھا، کہ قریش آپؐ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں، اور آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے، لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ، فرش گل تھا،

ہجرت سے دو تین دن پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے گھر پر گئے، دستور کے موافق دروازہ پر دستک دی، اجازت کے بعد گھر میں تشریف لے گئے، حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا "کچھ مشورہ کرنا ہے، سب کو ہٹا دو" بولے، کہ "یہاں آپکی حرم کے سوا اور کوئی نہیں ہے" (اس وقت حضرت عائشہؓ سے شادی ہو چکی تھی) آپؐ نے فرمایا "مجھ کو ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے" حضرت ابوبکرؓ نے نہایت بیتابی سے کہا "میرا باپ آپؐ پر فدا ہو، کیا مجھ کو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا" ارشاد ہوا "ہاں" حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کے لئے چار مہینہ سے دو اونٹنیاں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کی تھیں، عرض کی کہ ایک ان میں سے آپؐ ایک پسند فرمائیں، محسن عالم کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہو سکتا تھا،

ارشاد ہوا "اچھا مگر بقیمت" حضرت ابوبکرؓ نے مجبوراً قبول کر لیا حضرت عائشہؓ اس وقت کمسن تھیں، ان کی بہن حضرت اسماءؓ نے، جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ماں تھیں، سفر کا سامان کیا، دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا، نطاق جس کو عورتیں کمر سے لپیٹتی ہیں، پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا، یہ وہ شرف تھا جس کی بنا پر آج تک انکو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے،

کفار نے جب آپ کے گھر کا محاصرہ کیا، اور رات زیادہ گذر گئی، تو قدرت نے ان کو بے خبر کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سوتا چھوڑ کر باہر آئے، کعبہ کو دیکھا اور فرمایا "مکہ" تو مجھ کو دنیا سے زیادہ عزیز ہے، لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے"

حضرت ابوبکرؓ سے پہلے قرار داد ہو چکی تھی، دونوں صاحب پہلے جبل ثور کے غار میں جا پوشیدہ ہوئے، یہ غار آج بھی موجود ہے اور بوسہ گاہ خلائق ہے[۲]، حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ جو نوخیز جوان تھے، شب کو غار میں ساتھ سوتے، صبح منہ اندھیرے شہر چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا مشورہ کر رہے ہیں، جو کچھ خبر ملتی، شام کو آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے، حضرت ابوبکرؓ کا غلام کچھ رات گئے بکریاں چرا کر لاتا، اور آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ انکا دودھ پی لیتے، تین دن تک صرف یہی غذا تھی، لیکن ابن ہشام نے لکھا ہے کہ روزانہ شام کو حضرت اسماءؓ گھر سے کھانا پکا کر غار میں پہنچا آتی تھیں، اسی طرح تین راتیں غار میں گزریں[۳]

---

[۱] صحیح بخاری باب الہجرت ص ۵۵۔ [۲] یہ غار مکہ سے تین میل داہنی جانب ہے، پہاڑ کی چوٹی قریباً ایک میل بلند ہے، مسجد نبیؐ سے دکھائی دیتا ہے، دیکھو زرقانی (ج ۱) صفحہ ۶۳۰۔ [۳] یہ پوری تفصیل صحیح بخاری باب الہجرۃ میں ہے، باب مناقب المہاجرین میں بعض مزید حالات ہیں، وہ بھی ہم نے شامل کر لئے ہیں،

Marfat.com

صبح کو قریش کی آنکھیں کھلیں، تو پلنگ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے حضرت علیؓ تھے، ظالموں نے آپؓ کو پکڑ کر اور حرم میں لے جا کر تھوڑی دیر محبوس رکھا، اور چھوڑ دیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے، ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دہانہ تک آگئے، آہٹ پا کر حضرت ابوبکرؓ غمزدہ ہوئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، کہ "اب دشمن اس قدر قریب آگئے کہ اگر اپنے قدم پر ان کی نظر پڑ جائے تو ہم کو دیکھ لیں گے" آپ نے فرمایا

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (توبۃ) گھبراؤ نہیں، خدا ہمارے ساتھ ہے،

مشہور ہے، کہ جب کفار غار کے قریب آگئے، تو خدا نے حکم دیا، ببول کا درخت اگا، اور اس کی ٹہنیوں نے پھیل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپا لیا، ساتھ ہی دو کبوتر آئے اور گھونسلے بنا کر انڈے دیئے، حرم کے کبوتر انہی کبوتروں کی نسل سے ہیں، اس روایت کو مواہب لدنیہ میں تفصیل سے نقل کیا ہے، اور زرقانی نے بزار وغیرہ سے اس کے ماخذ بتائے ہیں، لیکن یہ تمام روایتیں غلط ہیں، اس روایت کا اصل راوی عون بن عمرو ہے، اس کی نسبت امام فن رجال یحییٰ بن معین کا قول ہے "لا شئ" یعنی ہیچ ہے، امام بخاری نے کہا ہے، کہ "وہ منکر الحدیث اور مجہول ہے" اس روایت کا ایک اور راوی ابو مصعب مکی ہے وہ مجہول الحال ہے، چنانچہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں عون بن عمرو کے حال میں یہ تمام اقوال نقل کئے ہیں، اور خود اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے[۲]

---

[۲] تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ [illegible] سیرت النبی جلد ۲ صفحہ ۳۰۰ میں بہ ضمن "مشہور عام دلائل و تجزیات کی روایتی حیثیت" میں ان روایات پر مفصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ "س"

Marfat.com

بہرحال چوتھے دن آپ غار سے نکلے، عبداللہ بن اُریقط ایک کافر جس پر اعتماد تھا، رہنمائی کے لئے اجرت پر مقرر کر لیا گیا، وہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا، ایک رات دن برابر چلے گئے دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ سخت ہو گئی، تو حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سایہ میں آرام فرمالیں، چاروں طرف نظر ڈالی، ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا، سواری سے اتر کر زمین جھاڑی، پھر اپنی چادر بچھا دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام فرمایا، تو تلاش میں نکلے کہ کہیں کچھ کھانے کو مل جائے تو لائیں، پاس ہی ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا، اس سے کہا ایک بکری کا تھن گرد و غبار سے صاف کر دے، پھر اس کے ہاتھ صاف کر لئے، اور دودھ دوہا، برتن کے منہ پر کپڑا لپیٹ دیا، کہ گرد نہ پڑنے پائے، دودھ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور تھوڑا سا پانی ملا کر پیش کیا، آپ نے پی کر فرمایا، کہ کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں آیا؟ آفتاب اب ڈھل چکا تھا، اس لئے آپؐ وہاں سے روانہ ہوئے[1]،

قریش نے اشتہار دیا تھا، کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائے گا، اس کو ایک خونبہا کے برابر (یعنی سو اونٹ) انعام دیا جائے گا، سراقہ بن جعشم نے سنا، تو انعام کی امید میں نکلا، عین اس حالت میں کہ آپ روانہ ہو رہے تھے، اس نے آپؐ کو دیکھ لیا، اور گھوڑا دوڑا کر قریب آ گیا، لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، وہ گر پڑا، ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ جواب میں نہیں نکلا، لیکن سو اونٹوں کا گرانبہا معاوضہ ایسا نہ تھا،

---

[1] تفصیل حدیث بحوالہ صحیح بخاری باب مناقب المہاجرین میں ہے ہم نے تمام جزئیات اس لئے نقل کیں، کہ اس سے حضرت ابوبکرؓ کی جانفشانی پسندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے [2] سراقہ بعد میں اسلام لائے اور جب ایران فتح ہوا، اور کسریٰ کے اثاثے لوٹ میں آئے، تو حضرت عمرؓ نے اپنی کو وہ زیورات پہنا کر عالم کی نیرنگی کا تماشا دیکھا)

Marfat.com

کہ تیر کی بات مان لی جاتی، دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا، اور آگے بڑھا، اب کی گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے، گھوڑے سے اتر پڑا، اور پھر فال دیکھی، اب بھی وہی جواب تھا لیکن مکرر تجربہ نے اس کی ہمت پست کر دی، اور یقین ہو گیا، کہ یہ کچھ اور آثار ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر قریش کے اشتہار کا واقعہ سنایا، اور درخواست کی، کہ مجھ کو امن کی تحریر لکھ دیجیے، حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمان امن لکھ دیا[1]،

حسن اتفاق یہ کہ حضرت زبیرؓ شام سے تجارت کا سامان لے کر آ رہے تھے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں چند بیش قیمت کپڑے پیش کئے، جو اس بے سروسامانی میں غنیمت تھے،

ابن سعد نے طبقات میں اس مقدس سفر کی تمام منزلیں گنائی ہیں، اگرچہ عرب کے نقشوں میں آج ان کا نشان نہیں ملتا، تاہم عقیدت مند صرف نام سے لذت یاب ہو سکتے ہیں، خرار، ثنیۃ المرۃ، لقف، مدلجہ، مرجح، حدائد، اواخر، رابغ (یہ مقام آج بھی حجاج کے راستہ میں آتا ہے، یہاں آپؐ نے مغرب کی نماز پڑھی) ذاسلم، عثانیہ، قاحہ، عرج، جدوات، رکوبۃ عقیق، جنجانۃ،

تشریف آوری کی خبر مدینہ میں پہلے پہنچ چکی تھی، تمام شہر ہمہ تن چشم انتظار تھا معصوم بچے فخر اور جوش میں آکر کہتے پھرتے تھے، کہ "پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آ رہے ہیں"۔ لوگ ہر روز تڑکے

[1] صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ پریشانی میں بھی دوات قلم ساتھ رہتا تھا،

Marfat.com

سے نکل نکل کر شہر کے باہر جمع ہوتے، اور دوپہر تک انتظار کر کے حسرت کے ساتھ واپس چلے آتے ایک دن انتظار کر کے واپس جا چکے تھے، کہ ایک یہودی نے قلعہ سے دیکھا، اور فخر ان سے پہچان کر پکارا کہ اہل عرب لو تم جس کا انتظار کرتے تھے، وہ آگیا، تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج اٹھا، انصار ہتھیار سج سج کر بیتابانہ گھروں سے نکل آئے،

مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جو بالائی آبادی ہے، اس کو عالیہ اور قبا کہتے ہیں، یہاں انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے، ان میں سب سے زیادہ ممتاز عمرو بن عوف کا خاندان تھا، اور کلثوم بن الہدم خاندان کے افسر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پہنچے تو تمام خاندان نے جوش مسرت میں اللہ اکبر کا نعرہ مارا، یہ فخر ان کی قسمت میں تھا، کہ میزبان دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کی مہمانی قبول کی، انصار ہر طرف سے جوق جوق آتے، اور جوش عقیدت کے ساتھ سلام عرض کرتے،

اکثر اکابر صحابہؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مدینہ میں آچکے تھے، وہ بھی انہی کے گھر میں اترے تھے، چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ، مقدادؓ، خبابؓ، سہیلؓ، صفوانؓ، عیاضؓ، عبداللہ ابن مخرمہؓ، وہب بن سعد، معمر بن ابی سرحؓ، عمیر بن عوفؓ اب تک انہی کے مہمان تھے،

جناب امیرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روانہ ہونے کے تین دن بعد مکہ سے چلے تھے، وہ بھی آگئے، اور یہیں ٹھہرے، تمام مورخین اور ارباب سیر لکھتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں صرف چار دن قیام فرمایا، لیکن صحیح بخاری میں چودہ دن ہے، اور یہی قرین قیاس ہے

---

[1] صحیح بخاری صفحہ ۵۶۰ [2] طبقات ابن سعد سیرۃ نبوی صفحہ ۱۵۸، ۱۵۲ ابن سعد تذکرہ کلثوم بن ہدم

Marfat.com

یہاں آپؐ کا پہلا کام مسجد کا تعمیر کرانا تھا، حضرت کلثومؓ کی ایک افتادہ زمین تھی جہاں کھجوریں سکھلائی جاتی تھیں، یہیں دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی، یہی مسجد ہے، جس کی شان میں قرآن مجید میں ہے،

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ	وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن پرہیزگاری پر رکھی
اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ط	گئی ہے، وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تم
فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا	اس میں کھڑے ہو، اس میں ایسے لوگ ہیں جنکو صفائی
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (توبہ-۱۳)	بہت پسند ہے اور خدا صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے

مسجد کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ آپؐ خود بھی کام کرتے تھے، بھاری بھاری پتھروں کے اٹھاتے وقت جسم مبارک خم ہو جاتا تھا، عقیدت مند آتے اور عرض کرتے "ہمارے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، آپ چھوڑ دیں، ہم اٹھالیں گے" آپ ان کی درخواست قبول فرماتے لیکن پھر اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے[1]

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ شاعر تھے، وہ بھی مزدوروں کے ساتھ شریک تھے اور جس طرح مزدور کام کرنے کے وقت تھکن مٹانے کو گاتے جاتے ہیں، وہ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے،

افلح من یعالج المساجدا	وہ کامیاب ہے، جو مسجد تعمیر کرتا ہے
ویقرء القرآن قائما وقاعدا	اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے
ولا یبیت اللیل عنہ راقدا	اور رات کو جاگتا رہتا ہے

[1] وفاء الوفاء بحوالہ طبرانی کبیر (جلد ۱ صفحہ ۱۸۰)

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے،

قُبا میں آپ کا داخلہ اسلام کے دورِ خاص کی ابتدا ہے، اس لئے مورخین نے اس تاریخ کو زیادہ اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا ہے، اکثر مورخین کا اتفاق ہے، کہ یہ آٹھ ربیع الاول ۱۳ سنہ نبوی مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء تھی (دیگر بن) موسیٰ خوارزمی نے لکھا ہے کہ جمعرات کا دن، اور فارسی ماہ تیر کی چوتھی تاریخ، اور رومی ماہ ایلول ۹۲۳ سنہ اسکندری کی دسویں تاریخ تھی، مورخ یعقوبی نے ہیئت دانوں سے یہ زائچہ نقل کیا ہے،

آفتاب	برج سرطان میں	۲۳ درجہ ۶ دقیقہ پر
زحل	برج اسد میں	۶ درجہ
مشتری	برج حوت میں	۶ درجہ
زہرہ	برج اسد میں	۱۳ درجہ
عطارد	برج اسد میں	۱۵ درجہ

چودہ دن کے بعد جمعہ کو آپ شہر کی طرف تشریف فرما ہوئے راہ میں بنی سالم کے محلہ میں نماز کا وقت آگیا جمعہ کی نماز یہیں ادا فرمائی، نماز سے پہلے خطبہ دیا، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی نماز جمعہ، اور سب سے پہلا خطبہ نماز تھا، لوگوں کو جب تشریف آوری کی

لہ دفاء الوفاء بحوالہ ابن شبہ جلد ۱ صفحہ ۱۸۱ مصر ۲ عینی شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۴۰۵ عثمانی مطبوعہ قسطنطنیہ میں مطبع کی غلطی سے ۶۲۳ سنہ سبعمائۃ لکھا گیا ہے، اس کو تسعمائۃ پڑھنا چاہیئے، رومی ماہ ایلول کی دسویں کے بجائے جدید طریقہ حساب سے بیسویں ثابت ہوتی ہے، خوارزمی نے جمعرات کا دن بتایا ہے، لیکن جدید حساب سے دوشنبہ کا دن آتا ہے، ۳ خوارزمی کے حساب کے مطابق روز ورود (جمعرات) نہ لیا جاوے، تو ہم ادن کے بعد جمعہ ہوگا،

Marfat.com

خبر معلوم ہوئی، تو ہر طرف سے لوگ جوش مسرت سے پیشقدمی کے لئے دوڑے، آپ کے ننہالی رشتہ دار بنو نجار ہتھیار سج سج کر آئے[1]، قبا سے مدینہ تک دورویہ جاں نثاروں کی صفیں تھیں، راہ میں انصار کے خاندان آتے تھے، ہر قبیلہ سامنے آکر عرض کرتا: "حضور یہ گھر ہے، یہ مال ہے، یہ جان ہے"۔ آپ منت کا اظہار فرماتے، اور دعائے خیر دیتے، شہر قریب آگیا تو جوش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خاتونیں چھتوں پر نکل آئیں، اور گانے لگیں،

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا — چاند نکل آیا ہے،

مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ — کوہ وداع کی گھاٹیوں سے،

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا — ہم پر خدا کا شکر واجب ہے،

مَا دَعٰى لِلّٰهِ دَاعٍ — جبتک دعا مانگنے والے دعا مانگیں،

معصوم لڑکیاں دف بجا بجا کر گاتی تھیں،

نحن جوار من بنی النجار — ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں

یا حبذا محمد من جار — محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا اچھا ہمسایہ ہے

آپ نے ان لڑکیوں کی طرف خطاب کرکے فرمایا: "کیا تم مجھ کو چاہتی ہو؟" بولیں "ہاں" فرمایا کہ "میں بھی تم کو چاہتا ہوں"۔

---

[1] یہ واقعہ بخاری کے متعدد ابواب مسجد، ہجرت وغیرہ میں مذکور ہے [2] وفاء الوفاء جلد اول صفحہ ۱۰۷ پہلے اشعار کے متعلق زرقانی میں نہایت محققانہ، محدثانہ بحث کی ہے، اور ابن قیمؒ کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ ثنیۃ الوداع شام کی طرف ہے نہ کہ مکہ کی طرف، مواہب میں لکھا ہے کہ یہ اشعار حلوانی نے شیخین کی شرط پر روایت کئے ہیں، بخاری میں بھی یہ اشعار منقول ہیں مگر غزوہ تبوک کے موقعہ پر، لیکن ان دونوں روایتوں میں کچھ تناقض نہیں، ممکن ہے دونوں موقعوں پر یہ اشعار پڑھے گئے ہوں

Marfat.com

جہاں اب مسجد نبوی ہے، اس سے متصل حضرت ابوایوبؓ انصاری کا گھر تھا، کوکبہ نبوی یہاں پہنچا، سخت کش مکش تھی، کہ آپ کی میزبانی کا شرف کس کو حاصل ہو؟ قرعہ ڈالا گیا، اور آخر یہ دولت حضرت ابوایوبؓ[1] کے حصہ میں آئی،

حضرت ابوایوبؓ کا مکان دو منزلہ تھا، انہوں نے بالائی منزل پیش کی، آپؐ نے زائرین کی آسانی کے لئے نیچے کا حصہ پسند فرمایا، ابوایوبؓ دو وقتہ آپؐ کی خدمت میں کھانا بھیجتے، اور آپؐ جو چھوڑ دیتے، ابوایوبؓ اور ان کی زوجہ کے حصہ میں آتا، کھانے میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کا نشان پڑا ہوتا، ابوایوبؓ بھی تبرکاً وہیں انگلیاں ڈالتے،

ایک دن اتفاق سے بالائی منزل میں پانی کا برتن ٹوٹ گیا، اندیشہ ہوا، کہ پانی بہہ کر نیچے جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہو، گھر میں اوڑھنے کا صرف ایک لحاف تھا، حضرت ابوایوبؓ نے اس کو ڈال دیا، کہ پانی جذب ہو کر رہ جائے[2]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مہینہ تک یہیں قیام فرمایا، اس اثنا میں جب مسجد نبوی اور آس پاس کے حجرے تیار ہو گئے، تو آپؐ نے نقل مکان فرمایا، تفصیل

---

[1] ابوایوب کا نام خالد ہے، اصابہ فی احوال الصحابہ میں اسی نام سے ان کا ذکر کیا ہے، اور وہیں یہ واقعہ لکھا ہے، اکثر سیر اور تواریخ کی کتابوں میں لکھا ہے، کہ چونکہ ہر شخص اپنے گھر میں اتارنے کی درخواست کرتا تھا، آپؐ نے فرمایا، کہ میرے ناقہ کو چھوڑ دو، وہ خدا کی طرف سے مامور ہے، چنانچہ ناقہ حضرت ابوایوبؓ کے گھر کے سامنے جا کر بیٹھ گیا، اس لئے آپؐ نے انہی کے گھر پر قیام فرمایا، لیکن صحیح مسلم باب الہجرۃ میں ہے، کہ جب لوگوں نے آپ کی میزبانی کے متعلق جھگڑا کیا، تو آپ نے کہا، میں بنو نجار کے ہاں اتروں گا، جو عبدالمطلب کے ماموں ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمداً ایسا کیا، حضرت ابوایوبؓ اسی خاندان سے تھے، امام بخاری نے تاریخ صغیر میں تصریح کی ہے، کہ ابوایوبؓ کے گھر اترنا اسی قرابت کی وجہ سے تھا، [2] اصابہ ذکر ابوایوبؓ، اور زرقانی بحوالہ قاضی ابو یوسف و حاکم و وفاء الوفاء،

Marfat.com

آگے آتی ہے،

مدینہ میں آکر آپؐ نے حضرت زیدؓ (اور اپنے غلام ابو رافع) کو دو اونٹ اور پانسو درہم دے کر بھیجا، کہ مکہ جاکر صاحبزادیوں اور حرم نبوی کو لے آئیں، حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ کو لکھا، کہ وہ بھی اپنی ماں اور بہنوں کو لے کر چلے آئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے حضرت رقیہؓ حضرت عثمانؓ کے ساتھ حبشہ میں تھیں حضرت زینبؓ کو ان کے شوہر نے آنے نہ دیا، زیدؓ صرف حضرت فاطمہؓ زہرا (اور حضرت ام کلثومؓ) اور حضرت سودہؓ (زوجہ محترم نبوی) کو لے کر آئے حضرت عائشہؓ اپنے بھائی عبداللہؓ کے ساتھ آئیں۔

مسجد نبوی اور ازواج مطہرات کے حجروں کی تعمیر!

مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانہ خدا کی تعمیر تھی، اب تک یہ معمول تھا، کہ مویشی خانہ میں (یا جہاں موقع ملتا تھا) آپؐ نماز پڑھا کرتے تھے[1]، دولت کدہ کے قریب خاندان نجار کی زمین تھی جس میں کچھ قبریں تھیں، کچھ کھجور کے درخت تھے آپؐ نے ان لوگوں کو بلا کر فرمایا "میں یہ زمین بہ قیمت لینا چاہتا ہوں" وہ بولے کہ ہم قیمت نہیں لیں گے لیکن آپ سے نہیں بلکہ خدا سے، چونکہ اصل میں وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی آپؐ نے خود ان یتیموں کو بلا بھیجا، ان یتیم بچوں نے بھی اپنی کائنات نذر کرنی چاہی لیکن آپؐ نے گوارا نہ کیا، حضرت ابو ایوبؓ نے قیمت ادا کی، قبریں اکھڑوا کر زمین ہموار کر دی گئی، اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی، شہنشاہ دو عالم پھر مزدوروں کے لباس میں تھا، صحابہؓ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے، اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی

[1] ابن سعد (جزء نساء صفحہ ۳۴) (سنن ابوداؤد باب بناء المسجد)

Marfat.com

ان کے ساتھ آواز ملاتے اور فرماتے[1]

اَللّٰھُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَۃِ — اے خدا! کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے

فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃِ — اے خدا! مہاجرین اور انصار کو بخش دے

یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے بری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی، اینٹوں کی دیواریں، برگِ خرما کا چھپر، کھجور کے ستون تھے، قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا، لیکن جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہو گیا، تو شمالی جانب ایک نیا دروازہ قائم کر دیا گیا، فرش چونکہ بالکل خام تھا، بارش میں کیچڑ ہو جاتی تھی، ایک دفعہ صحابہ نماز کے لئے آئے، تو کنکریاں بچھا کر اور اپنی اپنی نشستگاہ پر بیٹھ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اور سنگریزوں کا فرش بنوا دیا،

مسجد کے ایک سرے پر ایک سقف چبوترہ تھا جو صفہ کہلاتا تھا، یہ اُن لوگوں کے لئے تھا جو اسلام لائے تھے، اور گھر بار نہیں رکھتے تھے،

مسجد نبوی جب تعمیر ہو چکی، تو مسجد سے متصل آپ کے ازواج مطہرات کے لئے مکان بنوائے، اس وقت تک حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ نکاح میں آ چکی تھیں، اس لئے دو ہی حجرے بنے، جب اور ازواج آ گئیں، تو اور [illegible] یہ مکانات کچی اینٹوں کے تھے، ان میں سے پانچ کھجور کی ٹٹیوں سے بنے تھے، جو حجرے اینٹوں کے تھے، ان کے اندر دنی حجرے بھی ٹٹیوں کے تھے، ترتیب یہ تھی کہ حضرت

[1] بخاری باب المساجد وباب الہجرۃ وحج وباب البیوع وعینی شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۰، وزرقانی

ام سلمہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت زینبؓ بنتِ جحش، کے مکانات شامی جانب تھے۔ اور حضرت عائشہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت سودہؓ مقابل جانب تھیں[1]، یہ مکانات مسجد سے اس قدر متصل تھے، کہ آپؐ جب مسجد میں اعتکاف میں ہوتے، تو مسجد سے سر باہر نکال دیتے، اور ازواج مطہراتؓ گھر میں بیٹھے بیٹھے آپؐ کے بال دھو دیتی تھیں۔

یہ مکانات چھ چھ، سات سات ہاتھ چوڑے، اور دس دس ہاتھ لانبے تھے، چھت اتنی اونچی تھی، کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا، دروازوں پر کمل کا پردہ پڑا رہتا تھا[2]، راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے[3]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایہ میں جو انصار رہتے تھے، ان میں حضرت سعدؓ بن عبادہ، حضرت سعدؓ بن معاذ، حضرت عمارہ بن حزم، اور حضرت ابوایوبؓ، رئیس اور دولت مند تھے، یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ بھیج دیا کرتے تھے، اور اسی پر آپؐ بسر فرماتے تھے، حضرت سعدؓ بن عبادہ نے التزام کر لیا تھا، کہ رات کے کھانے پر ہمیشہ اپنے ہاں سے ایک بڑا بادیہ بھیجا کرتے تھے جس میں کبھی سالن، کبھی دودھ، کبھی گھی ہوتا تھا[4]، حضرت انسؓ کی ماں، حضرت ام انسؓ نے اپنی جائداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما کر اپنی دایہ حضرت ام ایمنؓ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد سیرت نبویؐ صفحہ ۱۶۱ [2] منازل نبوی کا حال طبقات ابن سعد جزء ۸ صفحہ ۱۱۷، اور وفاء الوفاء میں تفصیلاً ہے [3] بخاری باب الصلوۃ علی الفراش [4] طبقات ابن سعد جلد کتاب النساء صفحہ ۱۱۶،

کو دے[1] دیا، اور خود نقرہ ناقہ اختیار فرمایا،

اذان کی ابتدا اسلام کے تمام عبادات کا اصلی مرکز وحدت و اجتماع ہے، اس وقت تک کسی خاص علامت کے نہ ہونے کی وجہ سے نماز جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا، لوگ (وقت کا اندازہ کر کے آتے تھے، اور نماز پڑھتے تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند تھا، آپ نے ارادہ فرمایا، کہ کچھ لوگ مقرر کر دیئے جائیں، جو وقت پر لوگوں کو گھروں سے بلا لائیں، لیکن اس میں زحمت تھی، صحابہؓ کو بلا کر مشورہ کیا، لوگوں نے مختلف رائیں دیں، کسی نے کہا نماز کے وقت مسجد پر ایک علم کھڑا کر دیا جائے، لوگ دیکھ دیکھ کر آتے جائیں گے، آپ نے یہ طریقہ ناپسند فرمایا، عیسائیوں اور یہودوں کے یہاں اعلان نماز کے جو طریقے ہیں، وہ بھی آپؐ کی خدمت میں عرض کئے گئے، لیکن آپ نے حضرت عمرؓ کی رائے پسند کی، اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دیں[2]، اس سے ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام ہو جاتی تھی، دوسری طرف دن میں پانچ دفعہ دعوت اسلام کا اعلان ہو جاتا تھا،

صحاح ستہ کی بعض کتابوں میں ہے، کہ اذان کی تجویز عبداللہ بنؓ زید نے پیش کی تھی جو انہوں نے خواب میں دیکھی تھی، ایک اور روایت میں ہے، کہ حضرت عمرؓ کو بھی خواب میں نوازا ہوا، لیکن صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں کسی اور روایت کو ترجیح نہیں دی جا سکتی[3]،

---

[1] صحیح بخاری صفحہ ۳۵۸ باب فضل المنیحۃ [2] ابوداؤد باب بدء الاذان و بخاری باب الاذان، بخاری میں زید کے واقعہ کا ذکر نہیں [3] یہ روایت صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم نسائی اور ترمذی میں بھی ہے لیکن تمام روایات کو اور علماء کی تحقیقات کو سامنے رکھنے سے مسئلہ کی صحیح صورت یہ معلوم ہوتی ہے، کہ حضرت عمرؓ نے دوسرے لوگوں کی رایوں کے مقابلہ میں اپنی رائے پیش کی تھی جیسا کہ بخاری والی روایت میں ہے کہ اولا تبعثون رجلا ینادی بالصلوۃ کہ ایک آدمی بھیجا جائے جو

بخاری میں صاف تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بوق اور ناقوس کی تجویزیں پیش کی گئیں لیکن حضرت عمرؓ نے اذان کی تجویز پیش کی اور آپ نے اس کے موافق حضرت بلالؓ کو بلا کر اذان کا حکم دیا خواب کا ذکر نہیں،

مواخاۃ | مہاجرین مکہ معظمہ سے بالکل بے سروسامان آئے تھے، گو ان میں دولتمند اور خوش حال بھی تھے لیکن کافروں سے چھپ کر نکلے تھے، اس لئے کچھ ساتھ نہ لا سکے تھے"

اگرچہ مہاجرین کے لئے انصار کا گھر مہمان خانہ عام تھا، تاہم ایک مستقل انتظام کی ضرورت تھی، مہاجرین نذر اور خیرات پر بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے، وہ دست و بازو سے کام لینے کے خوگر تھے، تاہم چونکہ بالکل نگھرے تھے اور ایک حبہ تک پاس نہ تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا، کہ انصار اور ان میں رشتہ اخوت قائم کر دیا جائے جب مسجد کی تعمیر قریب ختم ہوئی تو آپؐ نے انصار کو طلب فرمایا حضرت انس بن مالکؓ جو اس وقت دس سالہ تھے، ان کے مکان میں لوگ جمع ہوئے، مہاجرین کی تعداد پینتالیس ۴۵ تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی طرف خطاب کر کے فرمایا: "یہ تمہارے بھائی ہیں" پھر مہاجرین اور انصار میں سے دو، دو شخص کو بلا کر فرماتے گئے، کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو اور اب وہ درحقیقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۳) پکار کر نماز کا اعلان کر دے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے کو پسند فرمایا اور الصلوٰۃ جامعۃ کے لفظ سے اس کا اعلان کر دیا، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اور بعض دوسرے صحابہ نے بھی خواب میں اذان کے مروجہ الفاظ کے ساتھ اذان کو خواب میں دیکھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منجانب اللہ سمجھ کر قبول فرمایا، اور اسی کے مطابق اذان مروجہ جاری فرمائی گئی فتح الباری و نووی و زرقانی و روض الانف، باب بدء الاذان میں یہ تفصیلات بحوالہ سند مذکور ہیں" س"

بھائی بھائی تھے، انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جاکر گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ دے دیا، کہ آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا، انہیں سعد ابن الربیع جو عبدالرحمٰن بن عوف کے بھائی قرار پائے، ان کی دو بیویاں تھیں، عبدالرحمٰن سے کہا کہ ایک کو میں طلاق دیتا ہوں، آپ اس سے نکاح کر لیجیے، لیکن انہوں نے احسان مندی کے ساتھ انکار کر دیا[1]

انصار کا مال و دولت جو کچھ تھا، غلستان تھے روپے پیسے تو اس زمانہ میں تھے نہیں[2]، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی، کہ یہ باغ ہمارے بھائیوں میں برابر تقسیم کر دیے جائیں، مہاجرین تجارت پیشہ تھے، اور اس وجہ سے کھیتی کے فن سے بالکل ناآشنا تھے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے انکار کیا، انصار نے کہا سب کاروبار ہم خود انجام دے لیں گے، جو کچھ پیداوار ہوگی، اس میں نصف حصہ مہاجرین کا ہوگا، مہاجرین نے اس کو منظور کیا[3]

یہ رشتہ بالکل حقیقی برادر بن گیا، کوئی انصاری مرتا تھا تو اس کی جائداد اور مال مہاجر کو ملتا تھا، اور بھائی بند محروم رہتے، یہ اس فرمان الٰہی کی تعمیل تھی،

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَ	جو لوگ ایمان لائے، اور ہجرت کی، اور خدا
جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ	کی راہ میں مال و جان سے جہاد کیا، اور وہ لوگ
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ	جنہوں نے ان لوگوں کو پناہ دی، اور

[1] مواخاۃ کا ذکر اور ایک ایک کا نام ابن ہشام صفحہ [illegible] میں ہے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا واقعہ صحیح بخاری کتاب المناقب باب اخاء النبی میں ہے [2] صحیح بخاری ص ۳۱۳ [3] ایضاً ص ۳۱۴ [4] صحیح بخاری کتاب التفسیر آیہ واولوا الارحام بعضہم اولیٰ بعض

Marfat.com

اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط (الانفال - ۱۰)

ان کی مدد کی، یہ لوگ باہم بھائی بھائی ہیں،

جنگ بدر کے بعد جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی، تو یہ آیت اتری،

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ (الانفال - ۱۰)

ارباب قرابت ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں،

اس وقت یہ قاعدہ جاتا رہا، چنانچہ کتب تفسیر و حدیث میں بہ تصریح مذکور ہے،

۴ھ میں جب بنو نضیر جلا وطن ہوئے، اور ان کی زمین اور نخلستان قبضہ میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا، کہ مہاجرین نادار ہیں، اگر تمہاری مرضی ہو، تو نئے مقبوضات تنہا ان کو دے دیئے جائیں، اور تم اپنے نخلستان واپس لے لو، انصار نے عرض کی کہ نہیں، ہمارے نخلستان بھائیوں ہی کے قبضہ میں رہنے دیجئے، اور نئے بھی انہی کو عنایت فرمائیے،[1]

دنیا انصار کے اس ایثار پر ہمیشہ ناز کرے گی، لیکن یہ بھی دیکھو، کہ مہاجرین نے کیا کیا حضرت سعدؓ بن الربیع نے جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو ایک ایک چیز کا جائزہ دے کر نصف لے لینے کی درخواست کی، تو انہوں نے کہا، خدا یہ سب آپ کو مبارک کرے، مجھ کو صرف بازار کا راستہ بتا دیجئے، انہوں نے قینقاع کا جو مشہور بازار تھا، جا کر راستہ بتا دیا، انہوں نے کچھ گھی، کچھ پنیر خریدا، اور شام تک خرید و فروخت کی، چند روز میں اتنا سرمایہ ہو گیا، کہ

---

[1] فتوح البلدان، مطبوعہ یورپ، صفحہ ۲۰،

Marfat.com

شادی کرلی، رفتہ رفتہ ان کی تجارت کو یہ ترقی ہوئی، کہ خود ان کا قول تھا، کہ خاک پر ہاتھ ڈالتا ہوں، تو سونا بن جاتی ہے، ان کا اسباب تجارت سات سات سو اونٹوں پر لد کر آتا تھا، اور جس دن مدینہ پہنچتا، تمام شہر میں دھوم مچ جاتی تھی[۲]،

بعض صحابہؓ نے دکانیں کھول لیں حضرت ابوبکرؓ کا کارخانہ مقام سنح میں تھا جہاں وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے[۳] حضرت عثمان بنو قینقاع کے بازار میں کھجور کی خرید و فروخت کرتے تھے[۴] حضرت عمرؓ بھی تجارت میں مشغول ہو گئے تھے[۵] اور شاید ان کی تجارت کی وسعت ایران تک پہنچ گئی تھی[۶] اور صحابہؓ نے بھی اسی قسم کی چھوٹی بڑی تجارت شروع کر دی تھی،

صحیح بخاری میں روایت ہے، کہ حضرت ابوہریرہؓ پر لوگوں نے جب کثرت روایت کی بنا پر اعتراض کیا، کہ اور صحابہؓ تو اس قدر روایت نہیں کرتے، تو انہوں نے کہا "اس میں میرا کیا قصور ہے، اور لوگ بازار میں تجارت کرتے تھے، اور میں رات دن بارگاہ نبوت میں حاضر رہتا تھا،

پھر جب خیبر فتح ہوا، تو تمام مہاجرین نے یہ نخلستان انصار کو واپس کر دیئے، صحیح مسلم باب الجہاد میں ہے،

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما فرغ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، جب جنگ خیبر سے فارغ ہوئے

[۱] صحیح بخاری میں دو مختلف موقعوں پر یہ واقعہ مذکور ہے (کتاب البیوع) و باب کیف آخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب اخاء النبی بین المہاجرین والانصار، باب الولیمہ، ولو بشاۃ" س" [۲] اسد الغابۃ جلد ۳ صفحہ ۳۱۴ و ۳۱۵ وغیرہ میں یہ واقعہ مذکور ہے، [۳] ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۳۰، [۴] مسند امام حنبل جلد ۱ صفحہ ۶۲، [۵] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۴۰۰، [۶] ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۳۴۷،

Marfat.com

من قتال اهل خيبر وانصرف الى المدينة رد المهاجرون الى الانصار منائحهم التي كانوا منحوهم من ثمارهم

اور مدینہ واپس آئے تو مہاجرین نے انصار کے عطیے جو نخلستان کی صورت میں تھے، واپس کر دیئے،

مہاجرین کے لئے مکانات کا یہ انتظام ہوا کہ انصار نے اپنے گھروں کے آس پاس جو افتادہ زمینیں تھیں ان کو دیدیں اور جن کے پاس زمین نہ تھی انہوں نے اپنے مسکونہ مکانات دیدیئے، سب سے پہلے حضرت حارثہ بن نعمان نے اپنی زمین پیش کی، بنو زہرہ مسجد نبوی کے عقب میں آباد ہوئے، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے یہاں ایک قلعہ (جس کو گڑھی کہنا زیادہ موزوں ہوگا) بنوایا، حضرت زبیرؓ بن العوام کو ایک وسیع زمین ہاتھ آئی، حضرت عثمانؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت عبیدؓ کو انصار نے اپنے مکانات کے پہلو میں زمینیں دیں[1]،

مواخاۃ کے رشتہ سے جو لوگ آپس میں بھائی بھائی بنے، ان میں سے بعض حضرات کے نام یہ ہیں[2]:-

مہاجرین	انصار
حضرت ابوبکرؓ	حضرت خارجہؓ بن زید انصاری
حضرت عمرؓ	حضرت عتبانؓ بن مالک انصاری
حضرت عثمانؓ	حضرت اوسؓ بن ثابت انصاری
حضرت ابوعبیدہ جراحؓ	حضرت سعدؓ بن معاذ انصاری

[1] پوری تفصیل معجم البلدان مدینہ منورہ کے ذکر میں ہے [2] تفصیل ابن ہشام صفحہ ۲ میں ہے،

Marfat.com

مہاجرین	انصار
حضرت زبیرؓ بن العوام	حضرت سلامہؓ بن وقش
حضرت مصعب بن عمیرؓ	حضرت ابوایوبؓ انصاری
حضرت عمار بنؓ یاسر	حضرت حذیفہ بنؓ یمان
حضرت ابوذر غفاریؓ	حضرت منذر بنؓ عمرو
حضرت سلمان فارسیؓ	حضرت ابودرداءؓ
حضرت بلالؓ	حضرت ابورویحہؓ
حضرت ابوحذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ	حضرت عباد بن بشرؓ
حضرت سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نفیل	حضرت ابیؓ بن کعب

مواخات کا رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کے لئے قائم کیا گیا، کہ بے خانماں مہاجرین کا چند روزہ انتظام ہو جائے لیکن درحقیقت یہ عظیم الشان اغراض اسلامی کی تکمیل کا سامان تھا،

اسلام تہذیب اخلاق و تکمیل فضائل کی شہنشاہی ہے، اس سلطنت الٰہی کے وزراء ارباب تدبیر، سپہ سالاران لشکر ہر قابلیت کے لوگ درکار ہیں، شرف صحبت کی برکت سے مہاجرین میں ان قابلیتوں کا ایک گروہ تیار ہو چکا تھا، اور ان میں یہ وصف پیدا ہو چکا تھا، کہ ان کی درس گاہ تربیت سے اور ارباب استعداد بھی تربیت پا کر نکلیں، اس بنا پر جن لوگوں میں رشتہ اخوت قائم کیا گیا، ان میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا، کہ استاد

Marfat.com

اور شاگردیں وہ اتحاد مذاق موجود ہو، جو تربیت پذیری کے لئے ضرور ہے تفحص، اور استقصا سے معلوم ہوتا ہے، کہ جو جس شخص کا بھائی بنایا گیا، دونوں میں یہ اتحاد مذاق ملحوظ رکھا گیا، اور جب اس بات پر لحاظ کیا جائے، کہ اتنی کم مدت میں سینکڑوں اشخاص کی طبیعت اور فطرت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا، قریباً ناممکن ہے، تو تسلیم کرنا پڑے گا، کہ یہ شان نبوت کی خصوصیات میں سے ہے،

حضرت سعید بن زیدؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، ان کے والد زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ملت ابراہیمی کے پیرو ہو چکے تھے، اور گویا اسلام کے مقدمۃ الجیش تھے حضرت سعیدؓ نے ان ہی کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی، اس لئے اسلام کا نام سننے کے ساتھ انہوں نے لبیک کہا، ان کی ماں بھی ان کے ساتھ یا ان سے پہلے اسلام لائیں، حضرت عمرؓ انہی کے گھر میں، اور ان ہی کی ترغیب سے اسلام کی طرف مائل ہوئے تھے علم و فضل کے لحاظ سے فضلائے صحابہ میں تھے، ان کی اخوت حضرت ابی بن کعبؓ سے قائم کی گئی جنہوں نے یہ مرتبہ حاصل کیا، کہ حضرت عمرؓ ان کو سید المسلمین کہتے تھے، بارگاہ نبوت میں منصب انشاء پرست پہلے وہی ممتاز ہوئے، فن قرأت کے وہ امام تسلیم کئے جاتے ہیں[1]

حضرت ابو حذیفہؓ عتبہ بن ربیعہ کے فرزند تھے، جو قریش کا رئیس اعظم تھا، اس مناسبت سے انکو حضرت عباد بن بشرؓ کا بھائی بنایا گیا، جو قبیلہ اشہل کے سردار تھے،

حضرت ابو عبیدہؓ جراح جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امین الامۃ کا خطاب دیا تھا، ایک طرف تو فاتح شام ہونے کی قابلیت رکھتے تھے، دوسری طرف اسلام کے

[1] اصابہ ذکر ابی بن کعبؓ

Marfat.com

مقابلہ میں پدری اور فرزندی کے جذبات ان پر کچھ اثر نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ غزوہ بدر میں جب ان کے باپ ان کے مقابلہ میں آئے، تو انہوں نے پہلے حقوق ابوت کی مراعات کی لیکن بالآخر اسلام پر باپ کو نثار کر دینا پڑا، ان کی تربیت میں حضرت سعدؓ بن معاذ دیئے گئے، جو قبیلہ اوس کے رئیس اعظم تھے، ان میں بھی ایثار کا وصف نمایاں طور پر نظر آتا ہے، بنو قریظہ ان کے حلیف تھے، اور عرب میں حلیف کا رشتہ اخوت اور ابوت کے برابر ہوتا تھا، تاہم غزوہ بنی قریظہ میں جب اسلام کا مقابلہ پیش آیا، تو انہوں نے اپنے چار سو حلیفوں کو اسلام پر نثار کر دیا،

حضرت بلالؓ اور حضرت ابو رویحہؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، اور حضرت ابو درداءؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت حذیفہؓ بن یمان، حضرت مصعبؓ اور حضرت ابو ایوبؓ میں وہ وحدت موجود تھی، جس کی بدولت نہ صرف شاگرد بلکہ استاد بھی شاگرد سے اثر پذیر ہو سکتا تھا، حضرت عبد الرحمٰن بنؓ عوف مدینہ میں آئے، تو پنیر سر پر رکھ کر بیچتے تھے، حضرت سعد بن الربیعؓ کی صحبت میں جو امیر الامراء تھے، دولت اور امارت کے جس درجہ پر پہنچے ہم اوپر لکھ آئے ہیں

انصار کی مہاجرین کی مہمانی اور ہمدردی کا جو حق ادا کیا، دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، بحرین جب فتح ہوا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ میں اس کو انصار میں تقسیم کر دینا چاہتا ہوں، انہوں نے عرض کی، کہ پہلے ہمارے بھائی مہاجروں کو اتنی ہی زمین عنایت فرما لیجیے، تب ہم لینا منظور کریں گے"

ایک دفعہ ایک فاقہ زدہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، کہ سخت بھوکا

Marfat.com

ہوں، آپ نے گھر میں دریافت فرمایا، کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب آیا کہ "صرف پانی" آپ نے حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، کوئی ہے جو ان کو آج اپنا مہمان بنائے، حضرت ابو طلحہؓ نے عرض کی: "میں حاضر ہوں"۔ غرض وہ اپنے گھر لوا گئے، لیکن وہاں بھی برکت تھی، بیوی نے کہا صرف بچوں کا کھانا موجود ہے، انہوں نے بیوی سے کہا، چراغ بجھا دو، اور وہی کھانا مہمان کے سامنے لاکر رکھدو، تینوں ساتھ کھانے پر بیٹھے، میاں بیوی بھوکے بیٹھے رہے اور اس طرح ہاتھ چلاتے رہے، کہ گویا کھا رہے ہیں، اسی واقعہ[1] کے بارہ میں یہ آیت اتری ہے

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (حشر-۱) اور گو ان کو خود تنگی ہو، تاہم اپنے پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں

صفہ اور اصحاب صفہ اصحاب صفہ اسلامی لغت کا ایک متداول لفظ ہے، گو اس کی حقیقت سے لوگ اچھی طرح واقف تھے،

"صفہ" سائبان کو کہتے ہیں، یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبویؐ کے ایک کنارہ پر مسجد سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا، صحابہؓ میں سے اکثر تو مشاغل دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی تجارت یا زراعت وغیرہ بھی کرتے تھے، لیکن چند لوگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت پذیری پر نذر کر دی تھی، ان لوگوں کے بال بچے نہ تھے، اور جب شادی کر لیتے، تو اس حلقہ سے نکل آتے تھے، ان میں ایک ٹولی دن کو جنگل سے لکڑیاں چن لاتی اور بیچ کر اپنے بھائیوں کے لئے کچھ کھانا مہیا کرتی،

یہ لوگ دن کو بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے، اور حدیثیں سنتے، اور رات کو اسی چبوترہ

[1] صحیح بخاری و فتح الباری، فضائل انصارؓ

صفہ پر پڑ رہتے، حضرت ابو ہریرہؓ بھی انہی لوگوں میں تھے، ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہمد دونوں چیزیں کبھی ایک ساتھ مہیا نہ ہو سکیں، چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے کہ راتوں تک لٹک آتی تھی، اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں لوٹ کر لاتے، اور چھت میں لگا دیتے کھجوریں جو ٹپک ٹپک کر گرتیں، یہ اٹھا کر کھا لیتے، کبھی دو، دو دن کھانے کو نہیں ملتا تھا، اکثر ایسا ہوتا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے، اور نماز پڑھاتے، یہ لوگ آ کر شریک نماز ہوتے، لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز کی حالت میں گر پڑتے، باہر کے لوگ آتے، اور ان کو دیکھتے، تو سمجھتے، کہ دیوانے ہیں[1]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا تو مسلمؓ ان کے پاس بھیج دیتے، اور جب دعوت کا کھانا آتا، تو ان کو بلا لیتے، اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے، اکثر ایسا ہوتا، کہ راتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مہاجرین اور انصار پر تقسیم کر دیتے یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک، دو، دو کو اپنے ساتھ لے جائے، اور ان کو کھانا کھلائے،

حضرت سعدؓ بن عبادہ نہایت فیاض اور دولت مند تھے، وہ کبھی کبھی اسی اسی مہمانوں کو اپنے ساتھ لے کر جاتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کا اس قدر خیال رکھتے تھے، کہ جب ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ زہراؓ نے درخواست کی، کہ میرے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے نیل پڑ گئے ہیں، مجھ کو ایک کنیز عنایت ہو، تو فرمایا، کہ یہ نہیں ہو سکتا، کہ میں تم کو دوں، اور صفہ والے بھوکے رہیں[2]"

---

[1] صحیح ترمذی باب معیشۃ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2] زرقانی جلد ۱ صفحہ ۳۰۴ مصر، ذکر اصحاب صفہ و مسجد نبوی، [3] ایضاً

راتوں کو عموماً یہ لوگ عبادت کرتے، اور قرآن مجید پڑھا کرتے، ان کے لئے ایک معلّم مقرر تھا، اس کے پاس جاکر پڑھتے، اسی بنا پر ان میں سے اکثر قاری کہلاتے تھے، دعوت اسلام کے لئے کہیں بھیجنا ہوتا، تو یہ لوگ بھیجے جاتے تھے، غزوہ معونہ میں انہی میں سے ستر آدمی اسلام سکھانے کے لئے بھیجے گئے تھے،

ان کی تعداد گھٹتی اور بڑھتی رہتی تھی، کل مجموعی تعداد ۷۰۰ تک پہنچ چکی تھی کبھی ایک زمانہ میں اس قدر تعداد نہیں ہوئی، نہ صفہ میں اس قدر گنجائش تھی، ان لوگوں کا مفصل حال[1] ابن الاعرابی احمد بن محمد البصری المتوفی ۳۰۴ھ (جو ابن مندہ کے استاد تھے) نے ایک الگ تصنیف میں لکھا ہے، سلمی نے بھی ان کے حالات میں ایک الگ کتاب لکھی[2] ہے،

مدینہ کے یہود اور ان سے معاہدہ

مورخین عرب کا بیان ہے، کہ مدینہ کے یہود نسلاً یہودی تھے، اور اس تقرب سے عرب میں آئے تھے، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو عمالقہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا تھا لیکن تاریخی قرائن سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی، گو یہود تمام دنیا میں پھیلے، لیکن انہوں نے اپنے نام کہیں نہیں بدلے، آج بھی وہ جہاں ہیں، اسرائیلی نام رکھتے ہیں، بخلاف اس کے عرب کے یہودیوں کے نام نضیر، قینقاع، مرحب، حارث وغیرہ ہوتے تھے، جو خالص عربی نام ہیں، یہود عموماً بزدل اور دنی الطبع ہوتے ہیں، چنانچہ

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۳۲ [2] حافظ سیوطی نے دو صفحہ کا ایک رسالہ اصحاب صفہ کے نام میں لکھا ہے، اس رسالہ میں سو آدمیوں کے نام بہ ترتیب ہجا مذکور ہیں، [3] اصحاب صفہ کا حال بخاری باب المغازی وغیرہ اور صحیح مسلم جلد ۲ میں مذکور ہے، زرقانی نے اور کتابوں سے لے کر اضافہ کیا ہے، میں نے یہ واقعات بخاری و مسلم کے علاوہ زرقانی ہی کے حوالہ سے لکھے ہیں (نیز مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۳۷ میں بھی ہیں)

Marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے لڑنے کے لئے کہا، تو بولے،

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ (مائدہ ۔۲۴) تم مع اپنے خدا کے جاؤ، اور لڑو، ہم یہاں بیٹھے رہیں گے،

بخلاف اس کے مدینہ کے یہود نہایت دلیر، شجاع اور بہادر تھے،

ان قرائن عقلی کے علاوہ ایک بڑے مورخ (یعقوبی) نے صاف تصریح کی ہے کہ قریظہ اور نضیر عرب تھے، جو یہودی بن گئے تھے،

ثم كانت وقعة بني نضير وهم فخذ من جذام الا انهم تهودوا ..... وكذلك قريظة[2]

پھر بنو نضیر کا معرکہ ہوا، یہ قبیلہ جذام کا ایک خاندان تھا لیکن یہودی ہو گیا تھا، اور اسی طرح قریظہ بھی،

مورخ مسعودی نے بھی کتاب الاشراف والتنبیہ میں ایک اور روایت لکھی ہے کہ "یہ جذام کے قبیلے سے تھے کسی زمانہ میں عمالقہ سے اور ان کی بت پرستی سے بیزار ہو کر حضرت موسیٰ پر ایمان لائے، اور شام سے نقل مکان کر کے حجاز چلے آئے"

یہ تین قبیلے تھے، بنو قینقاع، بنو نضیر اور قریظہ مدینہ کے اطراف میں آباد تھے، اور مضبوط برج اور قلعے بنا لئے تھے،

انصار کے جو دو قبیلے تھے یعنی اوس اور خزرج، ان میں باہم جو اخیر معرکہ ہوا تھا جنگ

---

[1] مستر گولیوس نے یہود سے متعلق تفصیل سے محققانہ بحث کی ہے، ان کا میلان رائے یہ ہے، اور غالباً صحیح ہے، کہ یہودیوں کی اس بستی آبادی میں ایک دو خاندان اصل یہودی بھی تھے، عرب جو یہودی ہوتے گئے، وہ بھی ان میں شامل ہوتے گئے،

[2] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۳ مطبوعہ یورپ صفحہ ۴۷۲،

Marfat.com

بعاث) اس نے انصار کا زور بالکل توڑ دیا تھا، یہود اس مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے، کہ انصار باہم کبھی متحد نہ ہونے پائیں،

ان اسباب کی بنا پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو پہلا کام یہ تھا، کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائیں، آپؐ نے انصار اور یہود کو بلا کر حسب ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا جس کو دونوں فریق نے منظور کیا، یہ معاہدہ ابن ہشام میں پورا مذکور ہے، خلاصہ یہ ہے،

۱۔ خونبہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا، اب بھی قائم رہے گا،

۲۔ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی، اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا

۳۔ یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے،

۴۔ یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئیگی، تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا

۵۔ کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا،

۶۔ مدینہ پر کوئی حملہ ہوگا، تو دونوں فریق شریک یک دگر ہوں گے

۷۔ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا، تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی،

واقعات متفرقہ | اس سال انصار میں سے دو نہایت معزز شخصوں نے جو مقربین خاص میں تھے، وفات پائی، حضرت کلثومؓ بن ہدم، اور حضرت اسعدؓ بن زرارہ، کلثومؓ وہ شخص ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قبا میں تشریف لائے، تو انہی کے مکان میں ٹھہرتے اکثر

Marfat.com

بڑے بڑے صحابہ بھی ان ہی کے گھر اُترے تھے، حضرت اسعدؓ بن زرارہ ان چھ شخصوں میں ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مکہ میں جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور ابن سعد کی روایت کے موافق ان چھ شخصوں میں جس نے سب سے پہلے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا، یہی اسعدؓ تھے، یہ فخر بھی انہی کو حاصل ہے کہ سب سے پہلے انہی نے مدینہ میں آکر جمعہ کی نماز قائم کی

چونکہ یہ قبیلہ بنی نجار کے نقیب تھے، اس لئے ان کی وفات کے بعد اس قبیلہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی، کہ ان کے بجائے کوئی شخص اس منصب پر مقرر کیا جائے، چونکہ یہ احتمال تھا، کہ کوئی شخص مقرر ہوگا، تو اوروں کو رشک ہوگا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ "میں خود تمہارا نقیب[1] ہوں"، چونکہ آپؐ کی ننہال اسی قبیلہ میں تھی، اس لئے اور قبائل کو رشک اور منافست کا موقع نہ تھا،

حضرت اسعد کی وفات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت صدمہ ہوا، منافقین اور یہود نے یہ طعنہ دینا شروع کیا، کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر پیغمبر ہوتے، تو ان کو یہ صدمہ کیوں پہنچتا، آپؐ نے سنا، تو فرمایا،

لا املك لنفسی ولا لصاحبی من	میں اپنے لئے اور اپنے ساتھیوں کے لئے
الله شیئا (طبری صفحہ ۱۲۶۱)	خدا کے ہاں کوئی اختیار نہیں رکھتا،

یہ عجیب اتفاق ہے، کہ عین اسی زمانہ میں دو بڑے رئیسان کفر نے بھی وفات پائی یعنی ولید بن المغیرۃ، جو حضرت خالد کا باپ تھا، اور عاص بن وائل سہمی جس کے بیٹے

[1] طبری صفحہ ۱۲۶۱ و ۱۲۶۲،

حضرت عمروبن عاصؓ ہیں، جو فاتح مصر اور حضرت امیر معاویہؓ کے وزیر اعظم تھے،

اسی زمانہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ولادت ہوئی، ان کے والد حضرت زبیرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی تھے، اور ان کی والدہ (حضرت اسماءؓ) حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اور حضرت عائشہؓ کی بے مات بہن تھیں، اب تک مہاجرین میں سے کسی کے اولاد نہیں ہوئی تھی، اس لئے یہ مشہور ہو گیا، کہ یہودیوں نے جادو کر دیا ہے، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے، تو مہاجرین نے خوشی کا نعرہ مارا،

اب تک نمازوں میں صرف دو رکعتیں تھیں، اب ظہر، عصر و عشا میں چار چار ہو گئیں، لیکن سفر کے لئے اب بھی وہی دو رکعتیں قائم رہیں،

Marfat.com

سنہ ۲ھ

تحویل قبلہ و آغاز غزوات

(اس سال سے اسلام کی زندگی میں دو عظیم الشان واقعات پیدا ہوتے ہیں، ایک یہ کہ اسلام اپنے لئے ایک خاص قبلہ قرار دیتا ہے جو اب ۵/۴ کروڑ قلوب کا مرکز ہے، دوسرا یہ کہ دشمنان اسلام اب مخالفت کے لئے تلوار اٹھاتے ہیں، اور مسلمان اس کی مدافعت کے لئے تیار ہوتے ہیں)

تحویل قبلہ شعبان سنہ ۲ھ | ہر گروہ، ہر قوم اور ہر مذہب کے لئے ایک خاص امتیازی شعار ہوتا ہے جس کے بغیر اس قوم کی مستقل ہستی قائم نہیں رہ سکتی، اسلام نے یہ شعار قبلہ نماز قرار دیا جو اصل مقصد کے علاوہ اور بہت سے حکم و اسرار کا جامع ہے، اسلام کا خاص نمایاں وصف مساوات عام جمہوریت اور توحید عمل ہے یعنی تمام مسلمان یکساں اور متحد الجہۃ نظر آئیں مذہب اسلام کا رکن اعظم نماز ہے جس سے ہر روز پانچ وقت کام پڑتا ہے، نماز کی اصلی صورت یہ ہے کہ جمعیت اور افراد کثیر کے ساتھ ادا کی جائے لیکن اس طرح کہ ہزاروں لاکھوں اشخاص کی متفرد ہستیاں مٹ کر ایک ہستی بن جائے اسی بنا پر نماز جماعت میں ایک امام ہوتا ہے کہ مقتدیوں کی ایک ایک حرکت اس کے اشاروں سے وابستہ ہوتی ہے، اس لئے ضروری ہے

Marfat.com

کہ سب کا مرجع عمل بھی ایک نظر آئے، یہی اصول ہے جس کی بنا پر نماز کا ایک قبلہ قرار پایا، اور اس شعار کا دائرہ اس قدر وسیع کیا گیا، کہ اس قبلہ کی طرف رُخ کرنا ہی کفر کے دائرہ سے نکل آنا ہے، اب صرف یہ بحث باقی تھی، کہ قبلہ کس سمت قرار دیا جائے، یہودی اور عیسائی بیت المقدس کو قبلہ سمجھتے تھے، کیونکہ ان کی قومی اور مذہبی ہستی بیت المقدس سے وابستہ تھی، لیکن ابراہیمؑ بت شکن کے جانشین کے لئے صرف کعبہ قبلہ ہو سکتا تھا، جو اس توحید اعظم کی یادگار اور توحید خالص کا سب سے بڑا مظہر ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ میں تھے، دو ضرورتیں ایک ساتھ درپیش تھیں، ملت ابراہیمی کی تاسیس و تجدید کے لحاظ سے کعبہ کی طرف رخ کرنے کی ضرورت تھی، لیکن یہ مشکل تھی، کہ قبلہ کی جو اصلی غرض ہے یعنی امتیاز اور اختصاص، وہ نہیں حاصل ہوتی تھی، کیونکہ مشرکین اور کفار بھی کعبہ ہی کو اپنا قبلہ سمجھتے تھے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابراہیم کے سامنے نماز ادا کرتے تھے، جس کا رُخ بیت المقدس کی طرف تھا، اس طرح دونوں قبلے سامنے آجاتے تھے، مدینہ میں دو گروہ آباد تھے، مشرکین جن کا قبلہ کعبہ تھا، اور اہل کتاب جو بیت المقدس کی سمت نماز ادا کرتے تھے، شرک کے مقابلہ میں، یہودیت اور نصرانیت دونوں کو ترجیح تھی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مدت یعنی (۱۶) مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی، لیکن جب مدینہ میں اسلام زیادہ پھیل گیا، تو اب کوئی ضرورت نہ تھی، کہ اصل قبلہ کو چھوڑ کر دوسری طرف رُخ کیا جاتا، اس بنا پر یہ آیت اتری، اور دفعۃً قبلہ بدل گیا[1]

[1] اس مضمون میں جس قدر واقعات ہیں وہ صحیح بخاری (حدیث قبلہ نماز) اور فتح الباری شرح صحیح بخاری سے ماخوذ ہیں،

Marfat.com

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر دو،
وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ	اور جہاں کہیں رہو اسی کی طرف منہ
شَطْرَهُ (بقرہ - ۱۸)	پھیرو،

تحویل قبلہ نے یہودیوں کو سخت برہم کر دیا، ان کو مشرکین کے مقابلہ میں مذہبی تفوق کا دعویٰ تھا، اور اسلام سے پہلے مشرکین بھی ان کے مذہبی امتیاز کے معترف تھے، یہاں تک کہ (جیسا ابوداؤد میں روایت ہے) جن لوگوں کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی، وہ منتیں مانتے تھے، کہ بچہ زندہ رہے گا، تو ہم اس کو یہودی بنائیں گے، اسلام نے ان کے اس مذہبی اعزاز کو صدمہ پہنچایا، تاہم چونکہ اب تک اسلام کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا، اس لئے وہ فخر کرتے تھے، کہ اسلام بھی انہی کے قبلہ کی طرف رُخ کرتا ہے، جب اسلام نے قبلہ بھی بدل دیا، تو ان کی ناراضی اور برہمی کا پیالہ بالکل لبریز ہو گیا، انہوں نے یہ طعنہ دینا شروع کیا، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہر بات میں ہماری مخالفت کرنا چاہتے ہیں، اس لئے قبلہ بھی مخالفت کے ارادہ سے بدل دیا ہے، دو دلے اور ضعیف الایمان مسلمانوں کو یہ بات کھٹکتی تھی، کہ قبلہ بدلنے کی چیز نہیں، اور اس سے بے استقلالی اور تزلزل اعتقاد کا اظہار ہوتا ہے، اس بنا پر قبلہ کی اصلیت اور ضرورت اور تحویل قبلہ کے مصالح کے متعلق چند آیتیں اتریں، جن سے یہ مشکلیں حل ہوتی ہیں،

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا	سفہاء یہ اعتراض کریں گے، کہ مسلمانوں کا جو
وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا	قبلہ تھا، اس سے ان کو کس نے پھیر دیا،

Marfat.com

عَلَيْهَا قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ
وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ
عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ
الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى
عَقِبَيْهِ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً
اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ

(بقرہ ۔ ۱۷)

کہہ دو، مشرق و مغرب سب خدا ہی کا ہے
تیرا جو پہلے قبلہ تھا (کعبہ) اس کو جو ہم نے پھر
قبلہ کر دیا، تو اس کی وجہ یہ ہے، کہ یہ معلوم ہو
جائے، کہ پیغمبر کا پیرو کون ہے، اور پیچھے پھر جانے
والا کون ہے، اور بے شبہ یہ قبلہ نہایت گراں اور
ناگوار ہے، بجز ان لوگوں کے جن کو خدا نے
ہدایت دی ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ
الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَ
اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ
وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ

(بقرہ ۔ ۲۲)

پورب پچھم رخ کرنا ہی کوئی ثواب کی بات نہیں
ثواب تو یہ ہے، کہ آدمی خدا پر، قیامت پر،
ملائکہ پر، خدا کی کتابوں پر، پیغمبروں پر ایمان
لائے، اور خدا کی محبت میں عزیزوں کو، یتیموں
کو، مسکینوں کو، مسافروں کو، سائلوں کو، غلاموں
کو (آزاد کرانے میں) اپنی دولت دے
دے،

ان آیتوں میں خدا نے پہلے یہ بتایا، کہ قبلہ خود کوئی مقصود بالذات نہیں، خدا
کی عبادت کے لئے پورب پچھم سب برابر ہیں، خدا ہر جگہ ہے، ہر سمت ہے، ہر طرف ہے پھر

Marfat.com

قبلہ کی تعیین کی ضرورت بتائی، کہ وہ اختصاصی شعار ہے، اور اصلی اور نمایشی مسلمانوں کو الگ کر دیتا ہے، بہت سے یہودی تھے، جو منافقانہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ نمازیں بھی شرکت کرتے تھے، یہ اسلام کے لئے مار آستین تھے، لیکن جب قبلہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ سے بدل گیا، تو نفاق کا راز بالکل فاش ہو گیا، کوئی یہودی کسی طرح یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا، کہ جو چیز اس کی قومیت، مذہب، بلکہ اس کی ہستی کی بنیاد ہے (یعنی بیت المقدس) اسی سے اس کا رشتہ ٹوٹ جائے پھر دوبارہ خدا نے اس نکتہ واضح کر دیا، کہ کسی خاص قبلہ کی طرف رُخ کرنا اصلی ثواب نہیں بلکہ ثواب درحقیقت ایمان اور اعمال صالحہ کا نام ہے،

Marfat.com

سلسلۂ غزوات[1]

کیا عجیب بات ہے، ارباب سیر، مغازی کی داستان جس قدر زیادہ دراز نفسی اور بلند آہنگی سے بیان کرتے ہیں، یورپ اسی قدر اس کو زیادہ شوق سے جی لگا کر سنتا ہے، اور چاہتا ہے، کہ یہ داستان اور پھیلتی جائے، کیونکہ اس کو اسلام کے جور و ستم کا جو مرقع آراستہ کرنا ہے اس کے نقش و نگار کے لئے لہو کے چند قطرے نہیں، بلکہ چشمہ ہائے خون درکار ہیں،

یورپ کے تمام مورخوں نے سیرت نبوی کو اس انداز میں لکھا ہے، کہ وہ لڑائیوں کا ایک مسلسل سلسلہ ہے، جس کا مقصد یہ ہے، کہ لوگ زبردستی مسلمان بنائے جائیں،

لیکن یہ خیال چونکہ واقع میں غلط اور سرتاپا غلط ہے، اس لئے مغازی کی ابتدا سے پہلے ضرور ہے، کہ اس بحث کا فیصلہ کیا جائے

عام خیال یہ ہے، کہ اسلام جب تک مکہ میں تھا، مصائب گوناگون کا آماجگاہ تھا، مدینہ میں آکر اس کی کلفتیں دور ہوئیں، مگر یہ خیال صحیح نہیں، مکہ میں جو مصیبت تھی، گو سخت تھی لیکن

---

[1] غزوات کا سلسلہ جن اسباب سے پیدا ہوا، اور جس قسم کے واقعات غزوات میں پیش آئے، ان کے لئے ہم نے ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے، کیونکہ ضمنی طریقے سے وہ ادا نہیں ہو سکتے تھے، لیکن یہ عنوان اچھی طرح سے اسی وقت ذہن نشین ہو سکتا ہے، کہ ایک دفعہ تمام غزوات سرسری نظر سے گذر جائیں، اس لئے ہم نے اس کو تمام غزوات کے بعد لکھا ہے، ناظرین ابھی سے اس کا خیال رکھیں،

تنہا اور منفرد تھی، مدینہ میں آکر وہ متعدد اور گوناگوں بن گئی، مکہ کل ایک قوم تھا، مدینہ میں انصار کے ساتھ یہود بھی تھے، جو عادات، خصائل، مذہب اور دیانت میں انصار سے بالکل مختلف، اور ان کے حریف مقابل تھے، اس پر ایک تیسری قسم منافقین کا اضافہ ہوا، جو مار آستین ہونے کی وجہ سے دونوں سے زیادہ خطرناک تھے، مکہ اگر قابو میں آ جاتا، تو حرم کی وسعت اثر کی وجہ سے تمام عرب کی گردنیں خم ہو جاتیں، لیکن مدینہ کا اثر چار دیواری تک محدود تھا، مدینہ اب تک بیرونی خطرات سے بالکل مطمئن تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ گاہ ہونے سے اس کو قریش کے غیظ و غضب کا تاراج گاہ بنا دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے چلے آئے، تو چند ہی روز کے بعد قریش نے عبداللہ بن ابی کو جو واقعہ ہجرت کے قبل رئیس الانصار تھا، اور انصار نے اس کی تاجپوشی کی شاہانہ رسم ادا کرنے کے لئے تیاری کر لی تھی، خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے،

انکم اویتم صاحبنا وانا نقسم باللہ	تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے
لتقاتلنہ او لتخرجنہ او لنسیرن الیکم	ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں، کہ یا تو تم لوگ ان
باجمعنا حتی نقتل مقاتلتکم ونستبیح	کو قتل کر ڈالو، یا مدینہ سے نکال دو، ورنہ ہم سب
نساءکم (سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۶۷	لوگ تم پر حملہ کریں گے، اور تم کو تباہ کر کے تمہاری
باب خبر النضیر)	عورتوں پر تصرف کریں گے،

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی، تو آپ عبداللہ کے پاس تشریف لے گئے

لہ بخاری باب التسلیم فی مجلس فیہ اخلاط من المسلمین والمشرکین "س"

Marfat.com

اس کو سمجھایا، کہ "کیا تم خود اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے"۔ چونکہ انصار اکثر مسلمان ہو چکے تھے، اس لئے عبداللہ اس نکتہ کو سمجھا، اور قریش کے حکم کی تعمیل نہ کر سکا، بدر کے بعد پھر قریش نے اسی مضمون کا خط لکھا، چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی،

تاہم قریش کی شہ سے منافقین و یہود مدینہ کا سر پھر چکا تھا، اسی زمانہ میں یعنی بدر سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو الحارث بن خزرج کے محلہ میں سوار ہو کر تشریف لے گئے، ایک جگہ مشرکین و منافقین مدینہ، یہود اور مسلمان بیٹھے تھے، گدھے کے چلنے سے گرد اڑی، تو عبداللہ بن ابی نے منہ پر کپڑا ڈالدیا، اور حقارت سے بولا "گرد نہ اڑاؤ"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع کو سلام کیا، اور کچھ قرآن کی آیتیں سنائیں، عبداللہ نے کہا[1] "اے شخص مجھ کو یہ پسند نہیں، اگر تمہاری بات سچ بھی ہو، تو ہماری مجلس میں آکر ہم کو نہ ستایا کرو، جو تمہارے پاس جائے، اس سے بیان کیا کرو"۔ مسلمان اس تحقیر سے برافروختہ ہو گئے اور قریب تھا کہ کشت و خون ہو جائے، آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ٹھنڈا کیا)

اسی زمانہ کے قریب حضرت سعد بن معاذؓ جو قبیلہ اوس کے رئیس الاعظم تھے، عمرہ کرنے کے لئے مکہ معظمہ گئے، امیہ بن خلف سے اور ان سے مدت کا یارانہ تھا، اور یہ تعلق اسلام کے بعد بھی قائم رہا، اس تعلق سے حضرت سعدؓ اب بھی امیہ ہی کے مہمان ہوئے، ایک دن وہ امیہ کو لے کر کعبہ کے طواف کو نکلے، اتفاق سے ابوجہل سامنے سے آگیا، امیہ سے اس نے پوچھا، کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ امیہ نے کہا "سعد ہیں"۔ ابوجہل نے کہا تم لوگوں نے

---

[1] صحیح مسلم صفحہ ۹۲ جلد و بخاری باب مذکور

صابیوں (کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اسلام کو صابی یعنی مرتد کہتے تھے) کو پناہ دی ہے، میں کبھی یہ نہیں دیکھ سکتا، کہ تم کعبہ میں آسکو، خدا کی قسم اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے، تو بچ کر واپس نہیں جا سکتے تھے۔" حضرت سعدؓ نے کہا، "اگر تم نے ہم کو حج سے روکا تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ روک دیں گے۔" (یعنی شام کی تجارت کا راستہ)

حرم کی تولیت اور مجاورت کی وجہ سے تمام عرب قریش کا احترام کرتا تھا، اور مکہ سے مدینہ تک جو قبائل پھیلے ہوئے تھے، سب قریش کے زیر اثر تھے[1]، اس بنا پر قریش نے تمام قبائل کو اسلام کا مخالف بنا دیا، ہجرت کے چھٹے سال تک یمن وغیرہ کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں پہنچ سکتے تھے، چنانچہ ۶ھ میں جب بحرین سے عبدالقیس کی سفارت آئی، تو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی، کہ مضر کے قبائل ہم کو آپؐ تک پہنچنے نہیں دیتے، اس لئے ہم صرف ایام حج میں جب کہ لڑائی عموماً موقوف ہو جاتی ہے، آپؐ کی خدمت میں آسکتے ہیں[2]،

قریش نے انہی باتوں پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ جیسا کہ انہوں نے عبداللہ بن ابی کو لکھا تھا اس کی تیاریاں کر رہے تھے، کہ مدینہ پر حملہ کر کے اسلام کا استیصال کر دیں، مدت تک یہ حال رہا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو جاگ جاگ کر بسر کرتے تھے، صحیح نسائی میں ہے،

---

[1] یہ پورا واقعہ مزید تفصیل کے ساتھ صحیح بخاری باب المغازی کی ابتدا میں مذکور ہے [2] ابن ہشام واقعات وفود میں ہے وذلک ان قریشا کانوا امام الناس وقادۃ العرب لا ینکرون ذلک وکانت قریش ھی التی نصبت للحرب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [3] وفد بنی عبدالقیس کے ذکر میں صحیح بخاری اور دیگر تمام کتابوں میں یہ واقعہ مذکور ہے،

Marfat.com

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اول جب مدینہ میں آئے
ما قدم المدینۃ یسہر من اللیل	تو راتوں کو جاگا کرتے تھے،

صحیح بخاری باب الجہاد میں ہے، کہ ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا، کہ آج کوئی اچھا آدمی پہرہ دیتا" چنانچہ حضرت سعدؓ وقاص نے ہتھیار لگا کر رات بھر پہرہ دیا، تب آپؐ نے آرام فرمایا۔ اس سے بڑھ کر حاکم کی روایت ہے جس کے یہ الفاظ ہیں،

عن ابی بن کعبؓ قال لما قدم رسول	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اور صحابہؓ جب
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ	مدینہ آئے، اور انصار نے ان کو پناہ
المدینۃ واوتھم الانصار رمتھم	دی، تو تمام عرب ایک ساتھ ان سے
العرب عن قوس واحدۃ وکانوا	لڑنے کو آمادہ ہو گئے، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ
لا یبیتون الا بالسلاح ولا یصبحون	عنہم صبح تک ہتھیار باندھ کر سوتے تھے
الا فیہ[1]،	

مورخین مغازی کی ابتدا انہی واقعات سے کرتے ہیں، کہ اسی سال خدا نے جہاد کی اجازت دی، لیکن ایک دقیقہ بین انہی کی تصریحات سے پتہ لگا سکتا ہے، کہ اصل واقعہ کیا تھا، مواہب لدنیہ اور زرقانی نے لکھا ہے، کہ خدا نے ۱۲ صفر ۲ھ میں جہاد کی اجازت دی، اس کی سند میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے،

---

[1] لباب فی اسباب النزول للسیوطی سورۂ نور آیت وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ الآیۃ، مسند دارمی میں بھی یہ روایت مذکور ہے،

Marfat.com

اول ایۃ نزلت فی الاذن بالقتال	پہلی آیت جو قتال کی اجازت میں نازل ہوئی وہ
اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا	یہ ہے اذن للذین الآیۃ یعنی جن سے لڑائی کی
وان اللہ علی نصرھم لقدیر ہ	جاتی ہے (مسلمان) ان کو بھی اب لڑنے کی اجازت
(زرقانی بحوالہ سنن نسائی	دی جاتی ہے، کیونکہ ان پر ظلم کیا جا رہا ہے، اور
جلد ۱ صفحہ ۴۴۸)	خدا ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے،

تفسیر ابن جریر میں ہے، کہ قتال کے متعلق سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی، وہ یہ ہے،

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ (بقرہ ۔ ۲۴۰) — اور خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو، جو تم سے لڑتے ہیں،

لیکن غور سے دیکھو، کہ دونوں آیتوں میں انہی لوگوں سے لڑنے کی اجازت ہے، جو پہلے مسلمانوں سے لڑنے آتے ہیں، اور اس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ مسلمان درحقیقت لڑنے پر مجبور کئے جاتے تھے

بہرحال واقعہ یہ ہے، کہ مدینہ میں آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا کام حفاظت خود اختیاری کی تدبیر تھی، نہ صرف اپنی اور مہاجرین کی، بلکہ انصار کی بھی، کیونکہ اس جرم میں کہ انصار نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے، قریش نے مدینہ کی بربادی کا فیصلہ کر لیا، اور اپنے تمام قبائل متحدہ میں آگ بھڑکا دی تھی، اس بنا پر آپؐ نے دو تدبیریں اختیار کیں، اول یہ کہ قریش کی شامی تجارت جو ان کا مایہ غرور تھی، بند کر دی جائے، تاکہ وہ صلح پر مجبور ہو جائیں، اور یاد ہوگا، کہ حضرت سعدؓ بن معاذ نے مکہ میں ابوجہل کو اسی کی دھمکی دی تھی، دوسرے یہ کہ مدینہ کے قرب وجوار کے جو قبائل ہیں، ان سے امن وامان کا معاہدہ ہو جائے،

Marfat.com

(غرض ان حالات کی بنا پر غزوہ بدر سے پہلے سو سو، پچاس پچاس کی ٹکڑیاں مکہ کی طرف روانہ کی جانے لگیں، ابواء کی مہم سے پہلے بذات خاص آپ نے کسی مہم میں شرکت نہیں کی، اس ابواء کی مہم سے پہلے جو صفر ۲ھ میں واقع ہوئی، اور جس میں آپ نے خود شرکت فرمائی تھی، ارباب سیر نے تین مہم کا ذکر کیا ہے، جنکو ان کی زبان میں "سریہ" کہتے ہیں، سریہ حمزہؓ سریہ عبیدہ بن حارثؓ، سریہ سعد بن ابی وقاصؓ، لیکن ان میں سے کسی مہم میں کوئی کشت و خون نہیں ہوا، یا بچ بچاؤ ہو گیا، یا بچ کر نکل گئے، ارباب سیر نے ان سرایا کا مقصد یہ بتایا ہے، کہ یہ قریش کے تجارتی قافلہ کو چھیڑنے کے لئے بھیجے جاتے تھے یعنی حضرت سعدؓ کی تہدید کے مطابق ان کی شامی تجارت کو بند کرنا مقصود تھا، مخالفین کہتے ہیں، کہ صحابہ کو غارت گری کی تعلیم دی جاتی تھی، لیکن یہ الزام کس قدر جہالت پر مبنی ہے، کہ اول تو اسلام کی شریعت میں یہ سخت گناہ ہے، ثانیاً واقعہ کیا بتاتا ہے؟ کیا ان میں سے کسی مہم میں بھی یہ مذکور ہے، کہ صحابہؓ نے قافلہ کا مال لوٹ لیا، ثالثاً اگر ان سرایا کا مقصد لوٹنا اور ڈاکہ ڈالنا ہی ہوتا تھا، تو قریش کے قافلہ تجارت کے سوا یہ مقصد کہیں اور نہیں حاصل ہو سکتا تھا؟)

اطراف کے جن قبائل کے پاس معاہدہ کے لئے مہم بھیجی گئی، ان میں سب سے پہلے جہینہ کا قبیلہ ہے، جہینہ کا قبیلہ مدینہ سے تین منزل پر آباد تھا، اور ان کا کوہستان دور تک پھیلا ہوا تھا، ان سے معاہدہ ہوا، کہ وہ فریقین سے یکساں[1] تعلقات رکھیں گے، یعنی دونوں سے

---

[1] اس واقعہ کا ذکر مورخین نے مستقل طور پر نہیں کیا، بلکہ جہاں سب سے پہلے سریہ حمزہ کا ذکر کیا ہے، وہاں محمد بن جہینی رئیس قبیلہ کی نسبت لکھا ہے کان موادعا للفریقین یعنی اس نے دونوں فریق سے صلح کر رکھی تھی،

Marfat.com

الگ رہیں گے۔

صفر ۲ھ میں آپ ساٹھ مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے، اور ابوا تک گئے (جس کے قریب ہی غزوہ ابوا یا غزوہ ودان واقع ہوا ہے) جہاں آپ کی والدہ ماجدہ کا مزار ہے، ابوا کا صدر مقام فرع ہے، جو ایک وسیع قصبہ ہے، اور جہاں قبیلہ مزینہ آباد ہے اور جو مدینہ سے تقریباً ۸ منزل (۸۰ میل) ہے، یہ مدینہ کی اخیر سرحد ہے، ان اطراف میں قبیلہ بنو ضمرہ آباد تھا، اور یہ نواح ان کی حدود حکومت میں داخل تھے، یہاں آپ نے چند روز قیام کر کے بنو ضمرہ سے معاہدہ کیا، جن کا سردار مخشی بن عمرو ضمری تھا، معاہدہ کے یہ الفاظ تھے،

ھذا کتاب من محمد رسول اللہ	یہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تحریر
لبنی ضمرۃ انھم امنون علی	ہے، بنو ضمرہ کے لئے، ان لوگوں کی جان
اموالھم وانفسھم وان لھم النصر	اور مال محفوظ رہے گا، اور جو شخص ان پر
علی من رامھم الا ان یحاربوا فی	حملہ کرے گا، اس کے مقابلہ میں ان کی مدد
دین اللہ ما بل بحر صوفہ وان	کی جائے گی، بجز اس صورت کے کہ
النبی اذا دعاھم لنصرہ اجابوہ	یہ لوگ مذہب کے مقابلہ میں لڑیں، اور
الخ (روض الانف جلد ۲ صفحہ ۵۸	پیغمبر جب ان کو مدد کے لئے بلائیں گے، تو
وزرقانی جلد ۱ صفحہ ۴۵۹)	یہ مدد کو آئیں گے،

تمام محدثین مغازی کی ابتدا اسی واقعہ سے کرتے ہیں، صحیح بخاری میں بھی اسی کو اول الغزوات قرار دیا ہے،

قریباً ایک مہینہ کے بعد کرز بن جابر فہری نے جو مکہ کے رؤسا میں تھا، مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشی لوٹ لئے، اس کا تعاقب کیا گیا، لیکن وہ بچ کر نکل گیا تھا (کرز بعد کو مسلمان ہوئے، اور فتح مکہ میں تنہا راہ چلتے شہید ہوئے)

جمادی الثانی یعنی اس واقعہ کے تیسرے مہینے آپؐ دو سو مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے، اور مقام ذوالعشیرہ میں پہنچ کر بنو مدلج سے معاہدہ کیا، یہ مقام مدینہ سے ۹ منزل پر ینبوع کے نواحی میں ہے،

بنو مدلج بنو ضمرہ کے حلیف تھے، اور چونکہ بنو ضمرہ پہلے اسلام کے معاہدہ میں داخل ہو چکے تھے، اس لئے انہوں نے آسانی سے یہ شرطیں منظور کر لیں[2]

چند روز کے بعد یعنی رجب ۲ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ بن جحش کو بارہ آدمیوں کے ساتھ بطن نخلہ کی طرف بھیجا، یہ مقام مکہ اور طائف کے بیچ میں مکہ سے ایک شبانہ روز کی مسافت پر ہے، آپؐ نے حضرت عبداللہ کو ایک خط دیکر فرمایا تھا،

---

[1] اصابہ ذکر کرز فہری [illegible] میں تسلیم کرتا ہوں کہ مورخین [illegible] پہلے واقعوں کی نسبت لکھا ہے، کہ ان کا مقصد قریش کے کاروان کو لوٹنا تھا، لیکن اتفاق سے کاروان [illegible] اور بچ کر نکل گیا، لیکن میں واقعات کا پابند ہوں، رائے اور قیاس سے غرض نہیں، اس قدر واقعہ ہے [illegible] حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مقامات تک گئے اور وہاں کے قبائل سے معاہدہ کیا، اس سے آگے مورخین کا قیاس ہے، کہ قریش کے کاروان پر حملہ کرنا مقصود تھا، گو یہ مقصود حاصل نہ ہو سکا، اگر خدانخواستہ کاروان کا لوٹنا ہی مقصود تھا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ اس قدر بے تدبیر فرض کرنا پڑے گا، کہ ہر مرتبہ ناکامی ہوتی تھی، اور قافلہ بچ بچ کر نکل جاتا تھا، یہاں تک کہ بعد بھی میدان میں اس قسم کی ناکامی ہوئی، اور قافلہ صحیح و سلامت نکل گیا

Marfat.com

کہ دو دن کے بعد اس کو کھولنا، حضرت عبداللہؓ نے خط کھولا، تو لکھا تھا، کہ "مقام نخلہ میں قیام کرو، اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ، اور اطلاع دو" اتفاق یہ کہ قریش کے چند آدمی جو شام سے تجارت کا مال لئے آتے تھے، سامنے سے نکلے، حضرت عبداللہؓ نے ان پر حملہ کیا، ان میں سے ایک شخص عمرو بن الحضرمی مارا گیا، دو گرفتار ہوئے، اور مال غنیمت ہاتھ آیا، حضرت عبداللہؓ نے مدینہ میں آکر یہ واقعہ بیان کیا، اور غنیمت کی چیزیں پیش کیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ "میں نے تم کو یہ اجازت نہیں دی تھی" غنیمت کے قبول کرنے سے بھی آپؐ نے انکار فرمایا، صحابہؓ نے حضرت عبداللہؓ سے نہایت برہم ہو کر کہا،

صنعتم مالم تومروا بہ وقاتلتم	تم نے وہ کام کیا (قافلہ لوٹنا) جس کا تم کو حکم نہیں
فی الشہر الحرام ولم تومروا بقتال	دیا گیا تھا، اور ماہ حرام میں لڑے، حالانکہ اس
(طبری - ۱۲۷۵)	مہینہ میں تم کو لڑنے کا حکم نہ تھا،

جو لوگ گرفتار اور قتل ہوئے، وہ بڑے معزز خاندان کے لوگ تھے، عمرو بن الحضرمی جو مقتول ہوا، عبداللہ حضرمی کا بیٹا تھا، جو حرب بن امیہ (امیر معاویہؓ کے دادا) کا حلیف[1] تھا حرب قریش کا رئیس اعظم تھا، اور عبدالمطلب کے بعد ریاست عام اسی کو حاصل ہوئی تھی جو لوگ گرفتار ہوئے، یعنی عثمان و نوفل دونوں مغیرہ کے پوتے[2] تھے، مغیرہ ولید کا باپ حضرت خالدؓ کا دادا، اور حرب کے بعد دوسرے درجہ کا رئیس تھا، اس بنا پر اس واقعہ نے تمام قریش کو مشتعل کر دیا، اور ثار یعنی انتقام خون کی بنیاد قائم ہو گئی، معرکہ بدر کا سلسلہ

[1] [illegible] حضرمی [2] طبری صفحہ ۱۲۷۴

اسی واقعہ سے وابستہ ہے، حضرت عروہ بن زبیرؓ، حضرت عائشہؓ کے بھانجے تھے، انہوں نے تصریح کی ہے، کہ غزوہ بدر اور تمام لڑائیاں، جو قریش سے پیش آئیں، سب کا سبب یہی حضرمی کا قتل ہے، علامہ طبری لکھتے ہیں[1]،

وکان الذی هاج وقعة بدر وسائر الحروب التی کانت بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین مشرکی قریش فیما قال عروة بن الزبیر ما کان من قتل واقد بن عبد اللہ السهمی عمرو بن الحضرمی

اور جس نے بدر کے واقعہ کو ابھارا، اور وہ تمام لڑائیاں چھیڑ دیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین قریش میں پیش آئیں، سب کا سبب یہی تھا، کہ واقد سہمی نے حضرمی کو قتل کر دیا،

چونکہ غزوہ بدر تمام غزوات کی اصلی بنیاد ہے، اس لئے ہم پہلے اس واقعہ کو سادہ صورت میں رکھ کر پھر تفصیل سے اس کے متعلق گفتگو کریں گے،

---

[1] صفحہ ۱۲۸۴ ج ۲ س

Marfat.com

غزوۂ بدر

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

رمضان سنہ ۲ھ | بدر ایک گاؤں کا نام ہے، جہاں سال کے سال میلہ لگتا ہے، یہ مقام اس نقطہ کے قریب ہے، جہاں شام سے مدینہ جانے کا راستہ دشوار گذار گھاٹیوں میں سے ہو کر گذرتا ہے، مدینہ منورہ سے تقریباً ۸ میل کے فاصلہ پر ہے،

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں قریش نے ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں، عبداللہ بن ابی کو انہوں نے لکھ بھیجا، کہ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دو یا ہم آکر ان کے ساتھ تمہارا بھی فیصلہ کر دیتے ہیں، قریش کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں مدینہ کی طرف گشت لگاتی رہتی تھیں، کرز فہری مدینہ کی چراگاہوں تک آکر غارت گری کر گیا تھا،

حملہ کی سب سے بڑی ضروری چیز مصارف جنگ کا بندوبست تھا، اس لئے اب کے موسم میں قریش کا جو کاروان تجارت شام کو روانہ ہوا، اس سرو سامان سے روانہ ہوا، کہ مکہ کی تمام آبادی نے جس کے پاس جو رقم تھی، کل کی کل دے دی

لہ ابن سعد صفحہ ۔ میں ابوسفیان سردار قافلہ کا قول لکھا ہے واللہ ما بمکۃ من قرشی ولا قرشیۃ لہ نش و

نہ صرف مرد بلکہ عورتیں جو کاروبار تجارت میں بہت کم حصہ لیتی ہیں، ان کا بھی ایک ایک فرد اس میں شریک تھا، قافلہ ابھی شام سے روانہ نہیں ہوا تھا، کہ حضرمی کے قتل کا اتفاقیہ واقعہ پیش آگیا جس نے قریش کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا،

اسی اثنا میں یہ غلط خبر مکہ معظمہ میں پھیل گئی، کہ مسلمان قافلہ کے لوٹنے کو آرہے ہیں، قریش کے غیظ و غضب کا بادل بڑے زور شور سے اٹھا، اور تمام عرب پر چھا گیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حالات کی اطلاع ہوئی، تو آپ نے صحابہ کو جمع کیا، اور واقعہ کا اظہار فرمایا حضرت ابوبکرؓ وغیرہ نے جاں نثارانہ تقریریں کیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی طرف دیکھتے تھے، کیونکہ انصار نے بیعت کے وقت صرف یہ اقرار کیا تھا، کہ وہ اس وقت تلوار اٹھائیں گے، جب دشمن مدینہ پر چڑھ آئے، حضرت سعدؓ بن عبادہ (سردار خزرج) نے اٹھ کر کہا "کیا حضور کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ خدا کی قسم! آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں"

یہ صحیح مسلم کی روایت ہے، بخاری میں ہے، کہ حضرت مقدادؓ نے کہا، کہ "ہم موسیٰ کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے، کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں، ہم لوگ آپ کے داہنے سے، بائیں سے، سامنے سے، پیچھے سے لڑیں گے"۔ انکی اس تقریر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چمک اٹھا،

غرض ۱۲ رمضان ۲ھ کو آپ تقریباً تین سو جاں نثاروں کے ساتھ شہر سے نکلے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۵) صاعدا الا بعث بہ معنا ہمارے مورخین کو اسباب و نتائج کی جستجو نہیں ہوتی، اس لئے انہوں نے اس واقعہ کو محض ایک واقعہ کی حیثیت سے لکھ دیا ہے، لیکن ان کو احساس نہیں کہ مکہ کو تمام سرمایہ کے اگل دینے کی ضرورت کیا تھی؟

Marfat.com

ایک میل چل کر فوج کا جائزہ لیا، جو کم عمر تھے، واپس کر دیئے گئے، کہ ایسے پرخطر موقع پر بچوں کا کام نہیں عمیرؓ بن ابی وقاص ایک کمسن بچہ تھے، جب ان سے واپسی کو کہا گیا، تو رو پڑے، آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی عمیرؓ کے بھائی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے کمسن سپاہی کے گلے میں تلوار حمائل کی، اب فوج کی تعداد ۳۱۳ تھی، جس میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے، چونکہ غیبت کی حالت میں منافقین اور یہود کی طرف سے اطمینان نہ تھا، اس لئے ابولبابہ بنؓ عبدالمنذر کو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا، اور حکم دیا، کہ مدینہ کو واپس جائیں عالیہ (مدینہ کی بالائی آبادی) پر عاصم بن عدی کو مقرر فرمایا، ان انتظامات کے بعد آپ بدر کی طرف بڑھے، جدھر سے اہل مکہ کی آمد کی خبر تھی، دو خبر رساں بسبسہ اور عدی آگے روانہ کر دیئے گئے تھے، کہ قریش کی نقل و حرکت کی خبر لائیں، روحاء، منصرف، ذات اجذال، معلاۃ، اثیل سے گذرتے ہوئے ۱۷ رمضان کو بدر کے قریب پہنچے، خبر رسانوں نے خبر دی کہ قریش وادی کے دوسرے سرے تک آ گئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہیں رک گئے اور فوجیں اتر پڑیں،

مکہ معظمہ سے قریش بڑے سروسامان سے نکلے تھے، ہزار آدمی کی جمعیت تھی، سو سواروں کا رسالہ تھا، روسائے قریش سب شریک تھے، ابولہب مجبوری کی وجہ سے نہ آسکا تھا، اس لئے اپنی طرف سے اس نے قائم مقام بھیج دیا تھا، رسد کا یہ انتظام تھا، کہ امرائے قریش یعنی عباس (بن مطلب) عتبہ بن ربیعہ، حارث بن عامر، نضر بن الحارث

لہ ابن سعد صفحہ ۶، ۲ منتخب کنز العمال بروایت ابن عساکر، بدر

ابوجہل، امیہ وغیرہ وغیرہ باری باری ہر روز دس دس اونٹ ذبح کرتے، اور لوگوں کو کھلاتے تھے[1] عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا، فوج کا سپہ سالار تھا،

قریش کو بدر کے قریب پہنچ کر جب معلوم ہوا، کہ ابوسفیان کا قافلہ خطرہ کی زد سے نکل گیا ہے، تو قبیلہ زہرہ اور عدی کے سرداروں نے کہا "اب لڑنا ضروری نہیں" لیکن ابوجہل نے نہ مانا، زہرہ اور عدی کے لوگ واپس چلے گئے، باقی فوج آگے بڑھی

قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے، انہوں نے مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا، بخلاف اس کے مسلمانوں کی طرف چشمہ یا کنواں تک نہ تھا، زمین ایسی ریتلی تھی، کہ اونٹوں کے پاؤں ریت میں دھنس دھنس جاتے تھے، حضرت حبابؓ بن منذر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی، کہ "جو مقام انتخاب کیا گیا ہے، وحی کی رو سے ہے، یا فوجی تدبیر ہے" ارشاد ہوا، کہ "وحی نہیں ہے" حضرت حبابؓ نے کہا، کہ "بہتر ہوگا، کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے، اور آس پاس کے کنویں بیکار کر دیئے جائیں" آپؐ نے یہ رائے پسند فرمائی، اور اسی پر عمل کیا گیا، تائید ایزدی اور حسن اتفاق سے مینہ برس گیا، جس سے گرد بیٹھ گئی، اور جابجا پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنا لئے گئے، کہ وضو اور غسل کے کام آئیں، اس قدرتی احسان کا خدا نے قرآن مجید میں بھی ذکر کیا ہے،

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ (انفال - ۲۰) اور جب کہ خدا نے آسمان سے پانی برسایا، کہ تم کو پاک کرے،

---

[1] معارف ابن قتیبہ (باب اسماء المطعمین من قریش فی غزاۃ بدر) و سیرت ابن اسحاق بروایت ابن ہشام غزوۂ بدر ۲ھ ابن ہشام

پانی پر اگرچہ قبضہ کر لیا گیا لیکن ساقی کوثر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیض عام تھا، اس لئے دشمنوں کو بھی پانی پینے کی عام اجازت تھی[1] یہ رات کا وقت تھا، تمام صحابہؓ نے کمر کھول کھول کر رات بھر آرام کیا لیکن صرف ایک ذات تھی (ذات نبوی) جو صبح تک بیدار اور مصروف دعا رہی، صبح ہوئی، تو لوگوں کو نماز کے لئے آواز دی، بعد نماز جہاد پر وعظ فرمایا[2]،

قریش جنگ کے لئے بیتاب تھے، تاہم کچھ نیک دل بھی تھے، جن کے دل خونریزی سے لرزتے تھے، ان میں حکیم بن حزام (جو آگے چل کر اسلام لائے) نے سردار فوج عتبہ سے جا کر کہا: "آپ چاہیں، تو آج کا دن آپ کی نیک نامی کی ابدی یادگار رہ جائے" عتبہ نے کہا کیونکر؟ حکیم نے کہا قریش کا جو مطالبہ ہے، وہ صرف حضرمی کا خون ہے، وہ آپ کا حلیف تھا آپ اس کا خونبہا ادا کر دیجئے" عتبہ نیک نفس آدمی تھا، اس نے نہایت خوشی سے منظور کیا، لیکن چونکہ ابوجہل کا اتفاق رائے ضرور تھا، حکیم عتبہ کا پیغام لے کر گئے، ابوجہل ترکش سے تیر نکال کر چمکا رہا تھا، عتبہ کا پیغام سن کر بولا "ہاں عتبہ کی بزدلی نے جواب دے دیا" عتبہ کے فرزند حضرت ابوحذیفہؓ اسلام لا چکے تھے، اور اس لشکر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تھے، اس بنا پر ابوجہل نے یہ بدگمانی کی، کہ عتبہ اس لئے لڑائی سے جی چراتا ہے، کہ اس کے بیٹے پر آنچ نہ آئے،

ابوجہل نے حضرمی کے بھائی عامر کو بلا کر کہا، دیکھتے ہو تمہارا خونبہا تمہاری آنکھ کے سامنے آ کر نکلا جاتا ہے، عامر نے عرب کے دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ ڈالے، اور گرد اڑا کر

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۶۔ [2] منتخب کنز العمال حاشیہ بر روایت مسند ابن حنبل و ابن ابی شیبۃ،

واعمواہ واعمواہ کا نعرہ مارنا شروع کیا، اس واقعہ نے تمام فوج میں آگ لگادی،

عتبہ نے ابوجہل کا طعنہ سنا، تو غیرت سے سخت برہم ہوا، اور کہا میدان جنگ بتا دیگا کہ نامردی کا داغ کون اٹھاتا ہے، یہ کہہ کر مغفر مانگا، لیکن اس کا سر اس قدر بڑا تھا، کہ کوئی مغفر اس کے سر پر ٹھیک نہ اترا، مجبوراً سر سے کپڑا لپیٹا، اور لڑائی کے ہتھیار سجے،

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ کو خون سے آلودہ کرنا پسند نہیں فرماتے تھے صحابہؓ نے میدان کے کنارے ایک پتھر کا سائبان تیار کیا، کہ آپؐ اس میں تشریف رکھیں، حضرت سعدؓ بن معاذ دروازہ پر تیغ بکف کھڑے ہوئے، کہ کوئی ادھر نہ بڑھنے پائے،

اگرچہ بارگاہ الٰہی کی طرف سے نصرت کا وعدہ ہو چکا تھا، عناصر عالم آمادہ مدد تھے، ملائکہ کی فوجیں ہمرکاب تھیں، تاہم عالم اسباب کے لحاظ سے آپ نے اصول جنگ کے مطابق فوجیں مرتب کیں، مہاجرین کا علم حضرت مصعب بن عمیرؓ کو عنایت فرمایا، خزرج کے علمبردار حضرت حُبابؓ بن منذر اور اوس کے حضرت سعدؓ بن معاذ مقرر ہوئے،

صبح ہوتے ہوتے آپ نے صف آرائی شروع کی، دست مبارک میں ایک تیر تھا، اس کے اشارہ سے صفیں قائم کرتے تھے، کہ کوئی شخص تل بھر آگے یا پیچھے نہ رہنے پائے، لڑائی میں شور و غل عام بات ہے، لیکن منع کر دیا گیا، کہ کسی کے منہ سے آواز تک نہ نکلنے پائے،

اس موقع پر بھی جب کہ دشمن کی عظیم الشان تعداد مقابل تھی، اور مسلمانوں کی طرف ایک آدمی بھی آکر بڑھ جاتا، تو کچھ نہ کچھ مسرت ہوتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ تن وفا تھے (حضرت) حذیفہؓ بن الیمان، اور (حضرت) حُسیلؓ دو صحابی کہیں سے آرہے تھے، راہ میں کفار نے روکا،

Marfat.com

کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کو جا رہے ہو، انہوں نے انکار کیا، اور عدم شرکت کا وعدہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، تو صورت حال عرض کی، فرمایا، ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے، ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے،

اب دو صفیں آمنے سامنے مقابل تھیں، حق و باطل، نور و ظلمت، کفر و اسلام،

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَى كَافِرَةٌ (آل عمران - ۲)

جو لوگ باہم لڑے، ان میں تمہارے لئے عبرت کا سامان ہے، ایک خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا، اور دوسرا منکر خدا تھا،

یہ عجیب منظر تھا، کہ اتنی وسیع دنیا میں توحید کی قسمت صرف چند جانوں پر منحصر تھی، صحیحین میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی، دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتے تھے "خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے، آج پورا کر" محویت اور بیخودی کے عالم میں چادر کندھے پر سے گر گر پڑتی ہے، اور آپ کو خبر تک نہ ہوتی تھی کبھی سجدہ میں گرتے تھے اور فرماتے تھے، کہ خدایا! اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے، تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا"

اس بیقراری پر بندگان خاص کو رقت آگئی حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی، حضور! خدا اپنا وعدہ وفا کرے گا، آخر روحانی تسکین کے ساتھ،

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ (قمر - ۳)

فوج کو شکست دی جائے گی، اور وہ پشت پھیر دیں گے،

لہ صحیح مسلم (باب الوفاء بالعہد، کتاب الجہاد والسیر) ص"

پڑھتے ہوئے لب مبارک فتح کی پیشین گوئی سے آشنا ہوئے،

قریش کی فوجیں اب بالکل قریب آگئیں، تاہم آپ نے صحابہؓ کو پیش قدمی سے روکا،

اور فرمایا، کہ جب دشمن پاس آجائیں، تو تیر سے روکو،

یہ معرکہ جاں بازی اور ایثار کا سب سے بڑا حیرت انگیز منظر تھا، دونوں فوجیں سامنے آئیں، تو لوگوں کو نظر آیا، کہ خود ان کے جگر کے ٹکڑے تلوار کے سامنے ہیں، حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے (جو اب تک کافر تھے) میدان جنگ میں بڑھے، تو حضرت ابوبکرؓ تلوار کھینچ کر نکلے، عتبہ میدان میں آیا، تو حضرت حذیفہؓ (عتبہ کے فرزند تھے) اس کے مقابلہ کو نکلے، حضرت عمرؓ کی تلوار ماموں کے خون سے رنگین تھی،

لڑائی کا آغاز یوں ہوا، کہ سب سے پہلے عامر حضرمی، جس کو بھائی کے خون کا دعویٰ تھا آگے بڑھا، مہجع حضرت عمرؓ کا غلام اس کے مقابلہ کو نکلا، اور مارا گیا

عتبہ جو سردار لشکر تھا، ابوجہل کے طعنہ سے سخت برہم تھا، سب سے پہلے وہی بھائی، اور بیٹے کو لے کر میدان میں نکلا اور مبارز طلبی کی، عرب میں دستور تھا، کہ نامور لوگ کوئی امتیازی نشان لگا کر میدان جنگ میں جاتے تھے، عتبہ کے سینہ پر شتر مرغ کے پر تھے، حضرت عوفؓ، حضرت معاذؓ، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ مقابلہ کو نکلے، عتبہ نے نام پوچھا، اور جب یہ معلوم ہوا، کہ انصار ہیں، تو عتبہ نے کہا، ہم کو تم سے غرض نہیں، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب کر کے پکارا، کہ "محمدؐ! یہ لوگ ہمارے جوڑ نہیں"[۲] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق

[۱] استیعاب ذکر عبدالرحمن بن ابی بکرؓ [۲] سیرت ابن ہشام (۳۰۸ مطبع محمد علی مصر) [۳] کتب حدیث میں الفاظ میں اختلاف

انصار ہٹ آئے، اور حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبیدہؓ میدان میں آئے، چونکہ یہ لوگ خود پہنے تھے، جس سے چہرے چھپ گئے تھے، عتبہ نے پوچھا تم کون ہو، سب نے نام و نسب بتائے، عتبہ نے کہا "ہاں اب ہمارا جوڑ ہے"

عتبہ حضرت حمزہؓ سے، اور ولید حضرت علیؓ سے مقابل ہوا، اور دونوں مارے گئے لیکن عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہؓ کو زخمی کیا، حضرت علیؓ نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہؓ کو کندھے پر اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، حضرت عبیدہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، کیا میں دولت شہادت سے محروم رہا؟ آپؐ نے فرمایا "نہیں! تم نے شہادت پائی" حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا، آج ابو طالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے، کہ ان کے اس شعر کا مستحق میں ہوں،

ونسلمہ حتی نصرع حولہ ونذھل عن ابنائنا والحلائل،

ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس وقت دشمنوں کے حوالہ کریں گے، جب ان کے گرد لڑ کر مر جائیں گے، اور ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں سے بھلا نہ دیئے جائیں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۲) میں، ابو داؤد کتاب الجہاد میں ہے، کہ عتبہ نے کہا، کہ ہم کو اپنے برادران زاد سے غرض ہے تم سے کام نہیں، انصاری محدثین نے اس کا مطلب یہ قرار دیا ہے، کہ اس سے انصار کی توہین منظور نہ تھی، بلکہ یہ غرض تھی، کہ انتقام خون کا مطالبہ قریش سے ہے، انصار سے نہیں، لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا، کہ وہ انصار کو اپنا ہمسر نہیں سمجھتے تھے، صحیح روایتوں میں مذکور ہے، کہ جب ابو جہل انصار کے ہاتھ سے مارا گیا، تو مرتے وقت اس نے کہا کاش! مجھ کو فلاحوں (کاشتکاروں) کے سوا کسی اور نے مارا ہوتا، انصار کھیتی کا پیشہ کرتے تھے، جو قریش کے نزدیک معیوب تھا، (ابن سعد غزوہ بدر، وبدایہ ونہایہ ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۲۷۳ مصر) ۵۲ زرقانی، ان واقعات میں روایتیں مختلف ہیں، لیکن سب ہمرتبہ ہیں، اس لئے جو روایت اختیار کر لی جائے، قابل الزام نہیں،

Marfat.com

سعید بن العاص کا بیٹا عبیدہ، سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا صف سے نکلا اور پکارا، کہ میں ابو کرش ہوں" حضرت زبیرؓ اس کے مقابلہ کو نکلے، اور چونکہ اس کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں، تاک کر آنکھ میں برچھی ماری، وہ زمین پر گرا، اور مر گیا، برچھی اس طرح پیوست ہو گئی تھی، کہ حضرت زبیرؓ نے اس کی لاش پر پاؤں اڑا کر کھینچا، تو بڑی مشکل سے نکلی لیکن دونوں سرے خم ہو گئے، یہ برچھی یادگار رہی، یعنی حضرت زبیرؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگ لی، پھر چاروں خلفاء کے پاس منتقل ہوتی رہی، پھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس آئی[1]

حضرت زبیرؓ نے اس معرکہ میں کئی کاری زخم اٹھائے، شانہ پر جو زخم تھا، اتنا گہرا تھا کہ اچھے ہو جانے پر اس میں انگلی چلی جاتی تھی، چنانچہ ان کے بیٹے (عروہ) بچپن میں ان زخموں سے کھیلا کرتے تھے، جس تلوار سے لڑے تھے، وہ لڑتے لڑتے کر گئی تھی، چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہوئے، تو عبدالملک نے عروہ سے کہا، تم زبیرؓ کی تلوار پہچان لوگے؟ انہوں نے کہا "ہاں" عبدالملک نے پوچھا کیونکر؟ بولے کہ بدر کے معرکہ میں اس میں دندانے پڑ گئے تھے، عبدالملک نے تصدیق کی، اور یہ مصرع پڑھا بھن فلول من قراع الکتاب عبدالملک نے تلوار عروہ کو دے دی انہوں نے اس کی قیمت لگوائی، تو تین ہزار ٹھہری، اس کے قبضہ پر چاندی کا کام تھا[2]

اب عام حملہ شروع ہو گیا، مشرکین اپنے بل بوتے پر لڑ رہے تھے، لیکن ادھر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سربسجدہ صرف خدا کی قوت کا سہارا ڈھونڈھ رہا تھا،

---

[1] صحیح بخاری غزوہ بدر میں پورا واقعہ منقول ہے۔ [2] یہ پوری تفصیل صحیح بخاری غزوہ بدر کے ذکر میں ہے،

Marfat.com

ابوجہل کی شرارت اور دشمنی اسلام کا عام چرچا تھا، اس بنا پر انصار میں سے معوذؓ اور معاذؓ دو بھائیوں نے عہد کیا تھا، کہ یہ شقی جہاں نظر آئے گا، یا اس کو مٹا دیں گے یا خود مٹ جائیں گے،

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا بیان ہے، کہ میں صف میں تھا، کہ دفعۃً مجھ کو داہنے بائیں دو نوجوان نظر آئے، ایک نے مجھ سے کان میں پوچھا، کہ ابوجہل کہاں ہے؟ میں نے کہا، برادر زادہ! ابوجہل کو پوچھ کر کیا کرے گا؟ بولا کہ میں نے خدا سے عہد کیا ہے، کہ ابوجہل کو جہاں دیکھ لوں گا یا اسے قتل کروں گا، یا خود لڑ کر مارا جاؤں گا" میں جواب نہیں دینے پایا تھا، کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے کانوں میں یہی باتیں کہیں، میں نے دونوں کو اشارہ سے بتایا، کہ ابوجہل وہ ہے، بتانا تھا، کہ دونوں باز کی طرح جھپٹے، اور ابوجہل خاک پر تھا، دونوں جوان عفراء کے بیٹے تھے معوذؓ و معاذؓ، ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے عقب سے آکر معاذؓ کے بائیں شانہ پر تلوار ماری جس سے بازو کٹ گیا لیکن تسمہ باقی لگا رہا، معاذؓ نے عکرمہ کا تعاقب کیا، وہ بچ کر نکل گیا، معاذ اسی حالت میں لڑ رہے تھے لیکن ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہوتی تھی، ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا، کہ تسمہ بھی الگ ہو گیا، اور اب وہ آزاد تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی سے پہلے ارشاد فرمایا تھا، کہ "کفار کے ساتھ جو لوگ آئے ہیں، ان میں سے ایسے بھی لوگ ہیں، جو خوشی سے نہیں، بلکہ قریش کے جبر سے آئے ہیں" ان لوگوں کے نام بھی آپ نے بتا دیے تھے، ان میں ابوالبختری بھی تھا، مجذر کی نظر (جو انصار کے حلیف تھے) ابوالبختری پر پڑی، مجذر نے کہا، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے قتل سے

لہ بعض روایتوں میں معاذ بن عمرو، معاذ بن عفراء ہے،

Marfat.com

منع فرمایا ہے، اس لئے تجھ کو چھوڑ دیتا ہوں، ابوالبختری نے ساتھ اس کا ایک رفیق بھی تھا ابوالبختری نے کہا اس کو بھی؟ مجذر نے کہا "نہیں" ابوالبختری نے کہا، تو میں خاتونان عرب کا یہ طعنہ نہیں سن سکتا، کہ ابوالبختری نے اپنی جان بچانے کے لئے رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا، یہ کہہ کر ابوالبختری یہ رجز پڑھتا ہوا، مجذر پر حملہ آور ہوا، اور مارا گیا،

لن یسلم ابن حرۃ زمیلہ — شریف زادہ اپنے رفیق کو چھوڑ نہیں سکتا،

حتی یموت او یری سبیلہ — جب تک کہ مر نہ جائے یا وہ اپنا راستہ نہ دیکھ لے

عتبہ اور ابوجہل کے مارے جانے سے قریش کا پائے ثبات اکھڑ گیا، اور فوج میں بے دلی چھا گئی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید دشمن امیہ بن خلف بھی جنگ بدر میں شریک تھا، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے اس سے کسی زمانہ میں معاہدہ کیا تھا، کہ وہ مدینہ میں آئے گا تو یہ اس کی جان کے ضامن ہوں گے، بدر میں اس دشمن خدا سے انتقام لینے کا خوب موقع تھا لیکن چونکہ عہد کی پابندی اسلام کا شعار ہے، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے چاہا، کہ وہ بچکر نکل جائے، اس کو لے کر ایک پہاڑ پر چلے گئے، اتفاق یہ کہ حضرت بلالؓ نے دیکھ لیا انصار کو خبر کر دی، دفعۃً لوگ ٹوٹ پڑے، انہوں نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا، لوگوں نے اس کو قتل کر دیا لیکن اس پر بھی قناعت نہیں کی، اور امیہ کی طرف بڑھے، انہوں نے امیہ سے کہا، کہ تم زمین پر لیٹ جاؤ، یہ لیٹ گیا تو اس پر چھا گئے، کہ لوگ اس کو مارنے نہ پائیں، لیکن لوگوں نے ان کی ٹانگوں کے اندر سے ہاتھ ڈال کر اس کو قتل کر دیا، حضرت عبدالرحمن کی بھی

Marfat.com

ایک ٹانگ زخمی ہوئی، اور زخم کا نشان مدتوں تک قائم رہا،

ابوجہل اور عتبہ وغیرہ کے قتل کے بعد قریش نے سپر ڈالدی، اور مسلمانوں نے انکو گرفتار کرنا شروع کر دیا،

حضرت عباس، عقیل (حضرت علیؓ کے بھائی) نوفل، اسود بن عامر، عبداللہ بن زمعہ اور بہت سے بڑے بڑے معزز لوگ گرفتار ہوئے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، کہ کوئی شخص جاکر خبر لائے، ابوجہل کا کیا انجام ہوا؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جاکر لاشوں میں دیکھا، تو زخمی پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا، بولے تو ابوجہل ہے؟ اس نے کہا، ایک شخص کو اس کی قوم[1] نے قتل کر دیا، تو یہ فخر کی کیا بات ہے، ابوجہل نے ایک دفعہ انکو پتھر مارا تھا، انہوں نے اس کے انتقام میں اس کی گردن پر پاؤں رکھا، ابوجہل نے کہا، او بکری چرانے والے! دیکھ تو کہاں پاؤں رکھتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود اس کا سر کاٹ لائے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر ڈالدیا[2]،

مغربی مورخین کو جن کے نزدیک عالم اسباب میں جو کچھ ہے، صرف اسباب ظاہری کے نتائج ہیں، حیرت ہے، کہ تین سو پیدل آدمیوں نے ایک ہزار، جن میں سو سواروں کا رسالہ تھا کیونکر فتح پائی، لیکن تائید آسمانی نے بارہا ایسے حیرت انگیز مناظر دکھائے ہیں، تاہم اس واقعہ میں ظاہر بینوں کے اطمینان کے سامان بھی موجود ہیں، اول تو قریش میں باہم اتفاق نہ تھا عتبہ سردار لشکر لڑنے پر راضی نہ تھا، قبیلہ زہرہ کے لوگ بدر تک آکر واپس چلے گئے، پانی برسنے

---

[1] یہ پورا واقعہ صحیح بخاری میں ہے، لیکن چونکہ کتاب المغازی میں نہیں، بلکہ کتاب الوکالۃ میں ہے، اس لئے ارباب سیر کی نظر نہیں پڑتی [2] صحیح بخاری غزوہ بدر، [3] ایضاً،

Marfat.com

سے موقع جنگ کی یہ حالت ہوگئی تھی، کہ قریش جہاں صف آرا تھے، وہاں کیچڑ اور دلدل کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل تھا، قریش مرعوب ہو کر اسلامی فوج کا تخمینہ غلط کر رہے تھے یعنی اپنی تعداد سے دوگنا، چنانچہ قرآن مجید میں ہے،

يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۝ (آل عمران - ۲)

وہ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو اپنے آپ سے دوگنا دیکھ رہے تھے۔

کفار کی فوج میں کوئی ترتیب اور صف بندی نہ تھی، بخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دست مبارک میں تیر لے کر نہایت ترتیب سے صفیں درست کی تھیں، مسلمان رات کو اطمینان سے سوئے تھے، صبح اٹھے، تو تازہ دم تھے، بخلاف اس کے کفار بے اطمینانی کی وجہ سے رات کو سو نہ سکے،

تاہم یہ اسباب ہیں، ان کا اجتماع اور تہیہ بھی تائید الٰہی ہے، پھر قریش اور مسلمانوں کی فوج کا باہم مقابلہ کرو، تو نظر آئے گا، کہ عام فوجی نظر کیا مسلمانوں کی فتح کی مقتضی تھی، قریش کی فوج میں بڑے بڑے دولتمند تھے، جو تنہا تمام فوج کی رسد کا سامان کرتے تھے مسلمانوں کے پاس کچھ نہ تھا، قریش کی تعداد ایک ہزار تھی، مسلمان صرف ۳۰۰ تھے، قریش میں سو سوار تھے مسلمانوں کی فوج میں صرف دو گھوڑے تھے مسلمانوں میں بہت کم سپاہی تمام ہتھیاروں سے پورے تھے، اور ادھر قریش کا ہر سپاہی لوہے میں غرق تھا،

بایں ہمہ خاتمہ جنگ پر معلوم ہوا، کہ مسلمانوں میں سے صرف ۱۴ اشخاص نے شہادت پائی، جن میں مہاجر اور باقی انصار تھے، لیکن دوسری طرف قریش کی اصلی طاقت ٹوٹ گئی اور

Marfat.com

روسائے قریش جو شجاعت میں نامور اور قبائل کے سپہ سالار تھے، ایک ایک کر کے مارے گئے، ان میں شیبہ، عتبہ، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ بن الاسود، عاص بن ہشام، امیہ بن خلف، نبیہ بن الحجاج قریش کے سرتاج تھے، قریباً ۷۰ آدمی قتل اور اسی قدر گرفتار ہوئے اسیران جنگ میں سے عقبہ اور نضر بن الحارث قتل کر دیئے گئے، باقی گرفتار ہو کر مدینہ میں آئے ان میں حضرت عباسؓ، عقیل (حضرت علیؓ کے بھائی) ابوالعاص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد) بھی تھے،

لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، کہ جہاں کوئی لاش نظر آتی تھی آپؐ اس کو زمین میں دفن کرا دیتے تھے لیکن اس موقعہ پر کشتوں کی تعداد زیادہ تھی، اس لئے ایک ایک کا الگ الگ دفن کرانا مشکل تھا، ایک وسیع کنواں تھا، تمام لاشیں آپ نے اس میں ڈلوا دیں، لیکن امیہ کی لاش پھول کر اس قابل نہیں رہی تھی، کہ جگہ سے ہٹائی جاوے، اس لئے وہیں خاک میں دبا دی گئی،

اسیران جنگ جب مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے، تو حضرت سودہؓ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ بھی تشریف رکھتی تھیں، ان قیدیوں میں ان کے عزیز سہیل بن عمر بھی تھے، ان پر نگاہ پڑی، تو بے ساختہ بول اٹھیں، کہ تم نے بھی عورتوں کی طرح خود بیڑیاں پہن لیں، یہ نہ ہو سکا، کہ لڑ کر مر جاتے[2]،

اسیران جنگ دو، دو، چار، چار صحابہ کو تقسیم کر دیئے گئے، اور ارشاد ہوا، کہ اسلام کے ساتھ

---

[1] روض الانف، [2] ابن ہشام

رکھے جاتے، صحابہؓ نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا، کہ ان کو کھانا کھلاتے تھے، اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے تھے، ان قیدیوں میں ابو عزیز بھی تھے، جو حضرت مصعبؓ بن عمیر کے بھائی تھے انکا بیان ہے، کہ مجھ کو جن انصاریوں نے اپنے گھر میں قید کر رکھا تھا، جب صبح یا شام کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے، اور خود کھجوریں اٹھا لیتے، مجھ کو شرم آتی، تو میں روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا، لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے، اور مجھ ہی کو واپس دیتے، اور یہ اس بنا پر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کی تھی، کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے[1]

قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو تھا، جو نہایت فصیح اللسان تھا، اور عام مجمعوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا، یا رسول اللہ اس کے دو نیچے کے دانت اکھڑوا دیجیے، کہ پھر اچھا نہ بول سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اگر میں اس کے عضو بگاڑوں گا (مثلہ) تو گو نبی ہوں لیکن خدا اس کی جزا میں میرے اعضا بھی بگاڑے گا[2]

حضرت عباسؓ کے بدن پر کرتا نہ تھا، لیکن ان کا قد اس قدر اونچا تھا، کہ کسی کا کرتہ ان کے بدن پر ٹھیک نہیں اترتا تھا، عبداللہؓ بن ابی (رئیس المنافقین) نے کہ حضرت عباسؓ کا ہم قد تھا، اپنا کرتہ منگوا کر دیا، صحیح بخاری میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کے کفن کے لئے جو کرتہ عنایت فرمایا تھا، وہ اسی احسان کا معاوضہ[3] تھا

عام روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آکر صحابہ سے مشورہ کیا کہ اسیران

---

[1] طبری صفحہ ۱۳۳۸، [2] ایضاً صفحہ ۱۳۴۴، [3] صحیح بخاری صفحہ ۴۲۳ (باب الکسوۃ للاساری)

Marfat.com

جنگ کے معاملہ میں کیا کیا جائے، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی، کہ سب اپنے ہی عزیز واقارب ہیں، فدیہ لیکر چھوڑ دیئے جائیں، لیکن حضرت عمرؓ کے نزدیک اسلام کے مسئلہ میں دوست دشمن، عزیز وبیگانہ، قریب وبعید کی تمیز نہ تھی، اس لئے انہوں نے یہ رائے دی کہ سب قتل کر دیئے جائیں، اور ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر کی رائے پسند کی، اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا، اس پر خدا کا عتاب آیا، اور یہ آیت اتری،

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا	اگر خدا کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا، تو جو کچھ تم نے
اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (الانفال-۹)	لیا، اس پر بڑا عذاب نازل ہوتا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ پر یہ عتاب ربانی سنکر رو پڑے

یہ روایت تمام تاریخوں میں مذکور اور احادیث میں بھی موجود ہے، لیکن سبب عتاب کے بیان میں اختلاف ہے، ترمذی میں جو روایت ہے، اس کا ماحصل یہ ہے، کہ اس وقت تک مال غنیمت کے متعلق احکام نہیں آئے تھے، عرب کے عام دستور کے موافق صحابہ غنیمت میں مصروف ہو گئے، اس پر عتاب آیا، لیکن چونکہ اس کے متعلق پہلے کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا اس لئے یہ جرم معاف کر دیا گیا، اور حکم آیا، کہ مال غنیمت جو ہاتھ آچکا حلال ہے،

قرآن مجید میں عتاب کے بعد یہ الفاظ ہیں،

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا	تو جو تم نے لوٹا ہے، اب کھاؤ، کہ
طَيِّبًا (الانفال-۹)	حلال طیب ہے،

اس آیت میں صاف تصریح ہے، کہ مال جو ہاتھ آیا تھا، حلال کر دیا گیا، اور وہ

Marfat.com

مال غنیمت تھا، غرض صحیح مسلم اور ترمذی دونوں سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ عتاب فدیہ لینے یا مال غنیمت کے لوٹنے پر تھا، صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں، کہ جب عتاب کی آیت نازل ہوئی تو آپؐ رونے لگے، اور جب حضرت عمرؓ نے سبب دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا ابکی الذی عرض علی اصحابک من اخذھم الفداء یعنی تمہارے ساتھیوں نے جو فدیہ لیا، اس پر جو خدا کی طرف سے پیش کیا گیا، اس پر میں رو رہا ہوں" عموماً لوگوں نے غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے، کہ عتاب اس پر آیا، کہ اسیران جنگ کو قتل کیوں نہ کر ڈالا گیا، چنانچہ لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے،

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ (الانفال - ۹)

کسی نبی کو یہ مناسب نہیں، کہ بغیر اچھی طرح خونریزی کرنے کے لوگوں کو قیدی بنائے،

لیکن اس آیت کا صرف یہ ماحصل ہے، کہ میدان جنگ میں جب تک کافی خونریزی نہ ہو چکے، قیدی بنانا مناسب نہیں، اس سے یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے، کہ اگر خونریزی سے پہلے لوگ گرفتار کر لئے گئے، تو لڑائی کے بعد بھی قتل کئے جا سکتے ہیں،

بہرحال اسیران جنگ سے چار چار ہزار درہم فدیہ لیا گیا، لیکن جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے، وہ چھوڑ دیئے گئے، ان میں سے جو لکھنا جانتے تھے، ان کو حکم ہوا کہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں[۲]، تو چھوڑ دیئے جائیں گے، حضرت زید بن ثابتؓ نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا،

---

[۱] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۴۷، [۲] طبقات ابن سعد صفحہ ۱۴۱

Marfat.com

انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی، کہ حضرت عباسؓ ہمارے بھانجے ہیں، ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات کی بنا پر گوارا نہیں فرمایا، اور ان کو بھی فدیہ ادا کرنا پڑا، فدیہ کی عام مقدار ۴ ہزار درہم تھی لیکن امراء سے زیادہ لیا گیا حضرت عباسؓ دولتمند تھے، اس لئے ان سے بھی زیادہ رقم وصول کی گئی، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، لیکن ان کو کیا معلوم تھا، کہ اسلام نے جو مساوات قائم کی، اس میں قریب و بعید، عزیز و بیگانہ، عام و خاص کے تمام تفرقے مٹ چکے تھے، لیکن ایک طرف تو ادائے فرض کی یہ مساوات تھی، دوسری طرف محبت کا یہ تقاضا تھا، کہ حضرت عباسؓ کی کراہ سن کر رات کو آپؐ آرام نہ فرما سکے، لوگوں نے ان کی گرہ کھولی، تو آپ نے آرام فرمایا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابو العاص بھی اسیران جنگ میں آئے تھے، ان کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو (جو ان کی زوجہ تھیں اور مکہ میں تھیں) کہلا بھیجا، کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں، حضرت زینبؓ کا جب نکاح ہوا تھا، تو حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں انکو ایک قیمتی ہار دیا تھا، حضرت زینبؓ نے زر فدیہ کے ساتھ وہ ہار بھی گلے سے اتار کر بھیجدیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا، تو ۲۵ برس کا محبت انگیز واقعہ یاد آگیا، آپ بے اختیار رو پڑے، اور صحابہؓ سے فرمایا، کہ تمہاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دو، سب نے تسلیم کی گردنیں جھکا دیں، اور وہ ہار واپس کر دیا،

لہ بخاری صفحہ ۷۲، ۵ (جلد اول کتاب المغازی) لہ تاریخ طبری صفحہ ۴۴۸ و ابو داؤد،

(ابوالعاص رہا ہو کر مکہ آئے، اور حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیجدیا، ابوالعاص بہت بڑے تاجر تھے، چند سال کے بعد بڑے سروسامان سے شام کی تجارت لے کر نکلے، واپسی میں مسلمانوں کے دستوں نے انکو مع تمام مال واسباب گرفتار کرلیا، اسباب ایک ایک سپاہی پر تقسیم ہوگیا، یہ چھپکر حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے، انہوں نے پناہ دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا، کہ اگر مناسب سمجھو، تو ابوالعاص کا اسباب واپس کردو، پھر تسلیم کی گردنیں جھک گئیں، اور سپاہیوں نے ایک ایک دھاگا تک لاکر واپس کردیا، اب یہ دار ایسا نہ تھا جو خالی جاتا، ابوالعاص مکہ آئے، اور تمام شرکا کو حساب سمجھا کر دولت اسلام سے فائز ہوئے اور کہدیا، کہ میں اس لئے یہاں آکر اور حساب سمجھا کر جاتا ہوں، تاکہ یہ نہ کہو، کہ ابوالعاص ہمارا روپیہ کھا کر تقاضہ کے ڈر سے مسلمان ہوگیا)

بدر کی خبر مکہ میں پہنچی، تو گھر گھر ماتم تھا لیکن غیرت کی وجہ سے قریش نے منادی کرا دی، کہ کوئی شخص رونے نہ پائے، اس لڑائی میں اسود کے تین لڑکے مارے گئے تھے اس کا دل امنڈا آتا تھا لیکن قومی عزت کے خیال سے رو نہیں سکتا تھا، اتفاق یہ کہ ایک دن کسی طرف سے رونے کی آواز آئی سمجھا کہ قریش نے رونے کی اجازت دیدی ہے، نوکر سے کہا، دیکھنا کون روتا ہے؟ کیا رونے کی اجازت ہوگئی میرے سینہ میں آگ لگ رہی ہے جی کھول کر رولوں، تو تسکین ہوجائے، آدمی نے آکر کہا، کہ ایک عورت کا اونٹ گم ہوگیا ہے اس کے لئے رو رہی ہے، اسود کی زبان سے بے اختیار یہ شعر نکلے،

انبکی ان تضل لہا بعیر — اونٹ کے گم ہونے پر روتی ہے،

ویمنعها من النوم السہود	اور اس کو نیند نہیں آتی، اونٹ
ولا تبکی علی بکر ولکن	پر مت رو، بدر پر آنسو بہا، جہاں
علی بدر تقاصرت الحدود	قسمت نے کمی کی، تجھ کو روتا ہے
فبکی ان بکیت علی عقیل	تو عقیل پر رو، اور حارث پر رو
وبکی حارثًا اسد الاسود	"شیروں کا شیر تھا"

(عمیر بن وہب قریش میں اسلام کا سخت دشمن تھا) اور صفوان بن امیہ حجر میں بیٹھے ہوئے مقتولین بدر کا ماتم کر رہے تھے، صفوان نے کہا: "خدا کی قسم اب جینے کا مزہ نہیں"، عمیر نے کہا، سچ کہتے ہو، اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا، اور بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں [illegible] ہو کر جاتا، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر آتا، میرا بیٹا بھی وہاں قید ہے، صفوان نے کہا، تم قرض کی اور بچوں کی فکر نہ کرو، انکا میں ذمہ دار ہوں، عمیر نے گھر آکر تلوار زہر میں بجھائی اور [illegible] پہنچا، حضرت عمرؓ نے اس کے تیور دیکھ لئے، گلا دبائے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، آپ نے فرمایا عمرؓ چھوڑ دو، عمیر قریب آجاؤ، پوچھا کس ارادہ سے آئے ہو، جواب دیا کہ بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں، فرمایا، تلوار کیوں حمائل ہے، عمیر نے کہا، آخر تلواریں بدر میں کس کام آئیں! فرمایا، کیوں نہیں تم نے اور صفوان نے حجر میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی، عمیر کی بات سن کر سناٹے میں آگیا، بے اختیار ہو کر بولا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بیشک تم پیغمبر خدا ہو، بخدا میرے اور صفوان کے سوا اس معاملہ کی کسی کو خبر نہ تھی، قریش جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خبر سننے کے منتظر تھے، انہوں نے عمیر کے مسلمان ہونے کی خبر سنی،

Marfat.com

حضرت عمیرؓ مسلمان ہو کر بہادرانہ مکہ میں آئے، جہاں کا ہر ذرہ اس وقت مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا، ان کو اسلام کے دوستوں سے جس شدت کے ساتھ عداوت تھی، اسی شدت سے وہ اب دشمنان اسلام کے دشمن تھے، یہاں پہنچ کر انہوں نے اسلام کی دعوت کو پھیلایا، ایک اور مجمع کثیر کو اس روشنی سے منور کر دیا[1]

غزوہ بدر کا بیان قرآن میں | اس غزوہ کو دیگر غزوات پر جو امتیازات حاصل ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے، کہ خود خدا نے اپنے کلام پاک میں اس کا مفصل ذکر کیا ہے، اور ایک خاص سورہ (انفال) بدر کے احسانات و نعم کی تفصیل اور بعض مسائل متعلقہ کی توضیح کے لئے مخصوص کر دیا ہے، واقعہ کی اصل حقیقت جاننے کے لئے آسمان کے لئے، ن سے زیادہ صحیح اور کوئی ماخذ موجود نہیں،

(۱) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ	مومن وہ ہیں، کہ جب خدا کا نام لیا جائے تو
وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ	ان کے دل دہل جائیں، اور جب اسکی آیتیں
عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا	پڑھ کر سنائی جائیں، تو ان کا ایمان بڑھ
وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ	جاتا ہے اور وہ اپنے خدا پر بھروسہ کرتے ہیں
يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا	جو نماز پابندی پڑھتے ہیں، اور خدا نے
رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ	ان کو جو روزی دی ہے، اس سے راہ خدا
هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ	میں بھی کچھ دیتے ہیں، یہ ہیں سچے مومن،

[1] (یہ تمام واقعات تاریخ طبری میں بحوالہ عروہ بن زبیرؓ مذکور ہیں صفحہ ۱۳۵)

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ	ان کے لئے خدا کے پاس رہتے ہیں،
كَرِيْمٌ ۝ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ	بخشش ہے اور اچھی روزی ہے جس طرح
مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۖ وَاِنَّ	اے پیغمبر! تیرا خدا تجھ کو حق پر تیرے گھر
فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝	سے (بدر تک) نکال لایا، حالانکہ مسلمانوں
يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا	کا ایک گروہ اس سے ناخوش تھا، وہ تجھ
تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى	سے حق ظاہر ہونے کے پیچھے بھی جھگڑتا ہے گویا
الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ	کہ وہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں
اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا	اور وہ موت کو دیکھ رہے ہیں، اور جب
لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ	خدا تم سے قریش کے قافلہ اور قریش کی
الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ	فوج میں سے ایک کا وعدہ کرتا ہے، کہ وہ
اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ	تمہارے لئے ہے، تم چاہتے ہو کہ بے خرخشہ
دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ	والا گروہ تم کو مل جائے (یعنی قافلہ) اور خدا
يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝	یہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنے حکم سے ثابت
اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ	کرے، اور باطل کو مٹائے، گو گنہگار اس
لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ	سے رنجیدہ ہوں، یاد کرو جب تم اپنے
الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ	پروردگار سے فریاد کر رہے تھے، اس نے
اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ	تمہاری سنی (اور کہا) میں تمہاری لگاتار

Marfat.com

قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ	ہزار فرشتوں سے مدد کرونگا۔ خدا نے یہ صرف
اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ اِذْ	مسلمانوں کی خوشی اور اطمینان قلب کے لئے کیا،
يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ	اور فتح تو صرف خدا کے پاس ہے، خدا غالب
يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً	دانا ہے، یاد کرو، جب تمہارے چین کے لئے
لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ	اپنی طرف سے اونگھ تم پر طاری کر رہا تھا، اور آسمان
رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ	سے پانی برس رہا تھا، کہ تم کو پاک کرے اور شیطان
وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝ اِذْ يُوْحِيْ	کی ناپاکی تم سے دور کرے، اور تمہارے دل مضبوط
رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ	کرے اور ثابت قدم رکھے، یاد کرو جب خدا
فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ فِيْ	فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ
قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا	ہوں مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنا میں کافروں
فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ	کے دل میں رعب ڈال دوں گا، کافروں کی
كُلَّ بَنَانٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ	گردنیں مارو اور ہر جوڑ پر مارو، یہ اس لئے کہ
وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	انہوں نے خدا اور خدا کے رسول سے دشمنی کی ہے
فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ذٰلِكُمْ	اور جو خدا اور خدا کے رسول سے دشمنی کرے گا،
فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ	خدا اسکو سخت عذاب کرنے والا ہے، یہ ہے عذاب
النَّارِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا	اس کا مزہ چکھو، کافروں کے لئے عذاب دوزخ ہے
لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا	مسلمانو! جب میدان جنگ میں کافروں کے

Marfat.com

فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۚ وَمَنْ	مقابل آؤ، تو پشت نہ پھیرو، اور بجز اس کے کہ
يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا	لڑنے کے لئے مڑے یا کسی دستہ کی طرف پھرے
لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ	جو کوئی پشت پھیرے، وہ خدا کا غضب لائیگا
بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ	اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور کیا برا ٹھکانا ہے
جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ فَلَمْ	مسلمانو! ان کافروں کو تم نے نہیں مارا لیکن
تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا	خدا نے مارا ہے اور اے محمدؐ! تم نے نہیں پھینکا،
رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	جب تم نے پھینکا لیکن خدا نے پھینکا، تاکہ اپنی طرف
رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ	سے اہل ایمان کو اچھا انعام دے، خدا دانا،
بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝	اور بینا ہے، اور کافروں کو داؤ پیچ کو کمزور
ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ	کرنے والا ہے، اگر فتح چاہتے تھے، تو فتح آ
الْكٰفِرِيْنَ ۚ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ	چکی، اب اگر رک جاؤ، تو بہتر ہے، اور تم پھر
جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ	مخالفت پر آمادہ ہوگے، تو ہم پھر مسلمانوں
خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَ	کی مدد کریں گے، یاد رکھو! کہ تمہاری جمعیت
لَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـــًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ	کچھ مفید نہیں، گو وہ کتنی ہی کثیر ہو، اور خدا
وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الانفال)	مومنوں کے ساتھ ہے (انفال - ۲)
(۲) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ	اور جان لو، کہ جو مال غنیمت ملے، تو اس کا
خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى	پانچواں حصہ خدا کے لئے، اور اس کے رسول

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنِ	کے لئے، اہل قرابت کے لئے یتیموں کے لئے
السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ	مسکینوں کے لئے، اور مسافروں کے لئے ہے
بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا	اگر خدا پر تم ایمان لا چکے ہو، اور حق و باطل میں
يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى	فرق کر دینے والے دن میں (یعنی بدر میں)
الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	خدا نے اپنے بندے پر جو فتح اتاری، اس کو
قَدِيْرٌ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ	مان چکے، جب دونوں فوجیں آمنے سامنے
الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى	آگئیں، اور خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔
وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَوْ	جب تم قریب کے میدان میں اور قریش کی فوج
تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي	دور کے میدان میں اور قافلہ تم سے نیچے تھا
الْمِيْعَادِ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ	اگر تم ایک دوسرے سے وقت مقرر کر کے
اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا لِّيَهْلِكَ	آتے، تو وقت میں اختلاف ہو جاتا، لیکن،
مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى	(خدا نے یہ اس لئے کر دیا) تاکہ جو ہونے والا تھا،
مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَاِنَّ اللّٰهَ	خدا اس کو کر دے تاکہ جس کو مرنا ہو، وہ بھی
لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اِذْ يُرِيْكَهُمُ	دلیل دیکھ کر مرے، اور جس کو زندہ رہنا ہے
اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا وَ	وہ بھی دلیل دیکھ کر زندہ رہے اور بیشک
لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ	خدا سنتا اور جاننے والا ہے، یاد کرو جب
وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ	خدا تم کو جنگ کی حالت میں ان کو تھوڑا

Marfat.com

اللّٰہَ سَلَّمَ اِنَّہٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ	دکھا رہا تھا، اگر زیادہ کر کے دکھاتا تو تم سست
الصُّدُوْرِ ۝ وَاِذْ یُرِیْکُمُوْھُمْ	پڑ جاتے، اور باہم جھگڑ پڑتے لیکن خدا نے محفوظ
اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْٓ اَعْیُنِکُمْ قَلِیْلًا	رکھا، وہ سب خوبیاں کہ جو سستی و تفرقہ سے
وَّیُقَلِّلُکُمْ فِیْٓ اَعْیُنِھِمْ لِیَقْضِیَ	جب تمہاری نظر میں خدا ان کو تھوڑا دکھا رہا تھا
اللّٰہُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَی	اور تم کو ان کی نگاہ میں، تاکہ جو ہونے والا ہے
اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ یٰٓاَیُّھَا	خدا اس کو پورا کرے، اور اسی کی طرف تمام
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً	معاملے پھرتے ہیں، مسلمانو! جب کسی دستہ فوج
فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا ؕ	سے مقابلہ آپڑے، تو ثابت قدم رہو، اور خدا کو
لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ	اکثر یاد کیا کرو، تاکہ کامیاب ہو، اور خدا اور اس کے
وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا	رسول کی اطاعت کرو، اور جھگڑا نہ کرو، ورنہ سست
وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ	پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، مستقل
اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ وَلَا	رہو، خدا مستقل لوگوں کے ساتھ ہے، اور ان لوگوں
تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ	(یعنی قریش) کی طرح نہ ہو، جو اپنے گھروں سے
بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَیَصُدُّوْنَ	مغرورانہ نمائش اور دکھاوے کے ساتھ اور لوگوں کو
عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ	راہ سے لوگوں کو روکتے ہوئے نکلے، اور خدا ان
مُحِیْطٌ ۝ (الانفال)	کے تمام کاموں کو گھیرے ہوئے ہے،
(۳) مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗٓ اَسْرٰی حَتّٰی	پیغمبر کیلئے یہ مناسب نہ تھا کہ اس کے پاس قیدی

يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ
الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ
عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ
سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ
عَظِيمٌ ۝ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا وَ
اتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (انفال)

ہوں تاآنکہ خوب زمین میں لڑ نہ لے تم دنیا کی دولت
چاہتے ہو قیدی ہوں گے تو فدیہ ہاتھ آئیگا اور
خدا آخرت چاہتا ہے خدا دانا اور توانا ہے اگر خدا کی
تقدیر پہلے نہ ہو چکی ہوتی، تو تم نے جو قیدیوں کے لیا
اس پر دردناک عذاب پہنچتا، اب جو کچھ تم کو غنیمت میں ملا
کھاؤ وہ حلال طیب ہے اور خدا سے ڈرا کرو خدا آمرزگار
اور مہربان ہے

(رکوع ۱۲)

(رکوع) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ
مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي
قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا
أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ
رَحِيمٌ ۝ وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ
خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (الانفال ۱۰)

اے پیغمبر! تمہارے ہاتھ میں جو قیدی ہیں ان سے کہو
لیا گیا ہے اس کے بدلہ وہ نیکی قیدی ہیں ان سے
کہو کہ خدا اگر تمہارے دلوں میں کچھ نیکی عطا کرے گا
اور تمہیں معاف کریگا، وہ بخشش اور مہربانی والا ہے اور
اگر یہ قیدی تجھ سے خیانت کرنا چاہتے ہیں، تو اس سے
پہلے وہ خدا کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں اسی لئے تو خدا
نے انکو تمہارے قابو میں کر دیا، خدا دانا اور باخبر ہے،

خدا نے اسی احسان کو احد کے موقع پر یاد دلایا ہے،

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ
أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

(آل عمران - ۱۳)

یقیناً خدا نے تمہاری بدر میں مدد کی، جب تم
کمزور تھے، تو خدا سے ڈرو تاکہ تم شکر گذار
بن جاؤ،

Marfat.com

غزوۂ بدر پر دوبارہ نظر

سادہ واقعات بیان کرنے کے بعد اب وقت آیا ہے، کہ محققانہ طور سے اس بات پر بحث کی جائے، کہ غزوہ بدر کا مقصد جیسا کہ عام مورخین بیان کیا ہے، کاروان تجارت کو لوٹنا تھا، یا قریش کے حملہ کا دفاع تھا،

میں اس بات سے خوب واقف ہوں، کہ تاریخ اور محکمہ عدالت میں فرق ہے مجھ کو یہ بھی معلوم ہے، کہ تاریخ کا انداز بیان مقدمہ دیوانی یا فوجداری کے فیصلہ لکھنے سے بالکل مختلف ہے اس کو بھی میں تسلیم کرتا ہوں، کہ میرا منصب واقعہ نگاری ہے فیصلہ نویسی نہیں، لیکن موقع ایسا آپڑا ہے، کہ ایک واقعہ تاریخی نے مقدمہ عدالت کی حیثیت حاصل کرلی ہے، اس لئے مجھ کو اپنے منصب سے ہٹ کر فصل مقدمہ کا قلم ہاتھ میں لینا پڑا ہے،

اس بات کا مجھ کو مطلق خوف نہیں، کہ اس فیصلہ میں عام مورخین اور ارباب سیر میرے حریف مقابل ہیں، نہایت جلد نظر آجائے گا، کہ حق اکیلا تمام دنیا پر فتح پاسکتا ہے سلسلہ کلام کے اچھی طرح پیش نظر رکھنے کے لئے سب سے پہلے ہم کو بتا دینا چاہیئے کہ (ہماری تحقیقات کی رو سے) واقعہ کی اصلی صورت کیا تھی،

واقعہ یہ ہے، کہ حضرمی کے قتل نے تمام مکہ کو جوش انتقام سے لبریز کردیا تھا، اور اس

سلسلہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں بھی پیش آگئیں، دونوں فریق ایک دوسرے سے پر حذر رہتے تھے اور جیسا کہ ایسی حالتوں میں عام قاعدہ ہے، غلط خبریں خود بخود مشہور ہو کر پھیل جاتی ہیں، اسی اثنا میں ابوسفیان قافلہ تجارت کے ساتھ شام گیا، اور ابھی وہ شام میں تھا، کہ یہ خبر وہاں مشہور ہو گئی، کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، ابوسفیان نے وہیں سے مکہ کو آدمی دوڑایا کہ قریش کو خبر ہو جائے، قریش نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں، مدینہ میں یہ مشہور ہوا، کہ قریش ایک جمعیت عظیم لے کر مدینہ آرہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدافعت کا قصد کیا، اور بدر کا معرکہ پیش آیا،

اس بحث کے فیصلہ کے لئے سب سے پہلے ان واقعات کو یکجا لکھ دینا چاہیے جن پر دونوں فریق کا اتفاق ہے، تاکہ وہ انفصال بحث میں اصول موضوعہ کے طور پر کام آئیں، وہ یہ ہیں:-

(۱) قرآن مجید میں اگر کسی واقعہ کا صاف ذکر ہے، تو اس کے مقابلہ میں کسی اور روایت کا اعتبار نہ کیا جائے،

(۲) کتب حدیث میں صحت کے لحاظ سے باہم جو فرق مراتب ہے، اس کا لحاظ رکھا جائے گا،

اس قدر تو مسلم ہے، کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر معلوم ہوئی، کہ قریش بڑی تیاری کے ساتھ مکہ سے نکلے ہیں، تو آپ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر ان کا استمزاج کیا، مہاجرین نے نہایت جوش کے ساتھ آمادگی ظاہر کی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی مرضی دریافت کرنا چاہتے تھے، یہ دیکھ کر سعدؓ یا اور کوئی معزز انصاری اٹھے اور کہا، یا رسول اللہ! کیا آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے؟ ہم وہ لوگ نہیں ہیں، جنہوں نے موسیٰ سے کہا تھا، کہ تم اور تمہارا خدا دونوں

Marfat.com

جاکر لڑو، ہم یہیں بیٹھے رہیں گے، خدا کی قسم اگر آپ حکم دیں، تو ہم آگ اور سمندر میں کود پڑیں"

یہ بھی مسلم ہے، کہ صحابہ میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے، جو شرکت سے ہچکچاتے تھے، چنانچہ خود قرآن مجید میں تصریح ہے،

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ (انفال، ۱۰) اور مسلمانوں کا ایک گروہ قطعاً ناخوش تھا،

عموماً ارباب سیر اور محدثین نے تصریح کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی رضامندی جو خاص طور پر دریافت کی، اس کی وجہ یہ تھی، کہ انصار نے مکہ میں جب آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، تو صرف یہ اقرار کیا تھا، کہ جب کوئی دشمن خود مدینہ پر حملہ آور ہوگا، تو انصار مقابلہ کریں گے یہ اقرار نہ تھا، کہ مدینہ سے باہر نکل کر بھی لڑیں گے، ان واقعات کے بعد اب مرکز بحث یہ ہے، کہ یہ واقعات کہاں پیش آئے، ارباب سیر لکھتے ہیں، کہ مدینہ سے جب آپ نکلے، تو صرف قافلہ تجارت پر حملہ کرنا مقصود تھا، دو چار منزل چل کر معلوم ہوا، کہ قریش فوجیں لئے چلے آتے ہیں، اس وقت آپ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا، کہ ان کا عندیہ دریافت فرمائیں، آگے کے واقعات یہیں پیش آئے، لیکن کتب سیر، تاریخ اور تمام دیگر شہادتوں سے بالاتر ایک اور چیز ہمارے پاس موجود ہے، (قرآن) جس کے آگے ہم سب کو گردن جھکا دینی چاہیئے،

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ

جس طرح تجھ کو تیرے خدا نے تیرے گھر سے حق پر نکالا، درآنحالیکہ مسلمانوں کا ایک گروہ اس کو پسند نہیں کرتا تھا، یہ لوگ حق کے ظاہر ہوئے پیچھے تجھ سے حق بات میں جھگڑا کرتے تھے گویا،

اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۔ وَاِذْ	کہ موت کی طرف ہنکائے جارہے ہیں، اور موت کو
يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ	آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اور جب کہ خدا تم سے
اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ غَيْرَ ذَاتِ	یہ وعدہ کرتا تھا کہ دو جماعتوں میں کوئی جماعت تم کو ہاتھ
الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ	آئے گی، اور تم یہ چاہتے تھے کہ بے کھٹکے والی جماعت تم
يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ	کو ہاتھ آجائے، اور اللہ یہ چاہتا تھا، کہ حق کو اپنی باتوں
الْكٰفِرِيْنَ (الانفال-۱)	سے قائم کردے، اور کافروں کی جڑ کاٹ دے،

(۱) ترکیب نحوی کی رو سے وَاِنَّ میں جو واو ہے، حالیہ ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ مسلمانوں کا ایک گروہ جو لڑائی سے جی چراتا ہے، یہ موقع عین وہ موقع تھا جب آپؐ مدینہ سے نکل رہے تھے، نہ کہ مدینہ سے نکل کر جب آپؐ آگے بڑھے، کیونکہ واو حالیہ کے لحاظ سے خروج من البیت اور اس گروہ کے جی چرانے کا وقت اور زمانہ ایک ہی ہونا چاہیئے،

(۲) آیت مذکورہ میں یہ تصریح مذکور ہے، کہ یہ جس وقت کا واقعہ ہے، اس وقت دو گروہ سامنے تھے، ایک کاروان تجارت اور ایک قریش کی فوج، جو مکہ سے آرہی تھی، ارباب سیر کہتے ہیں، کہ آیت قرآنی میں یہ اس وقت کا واقعہ مذکور ہے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے قریب پہنچ چکے تھے، لیکن بدر کے قریب پہنچکر تو کاروان تجارت صحیح سلامت بچ کر نکل گیا تھا اس وقت یہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ دونوں میں سے ایک کا وعدہ ہے اس لئے یہ بالکل ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے نص کے مطابق یہ واقعہ اس وقت کا ہونا چاہیئے، جب دونوں گروہ کے ہاتھ آنے کا احتمال ہوسکتا ہو، اور یہ صرف وہ وقت ہوسکتا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر

Marfat.com

میں تھے، اور دونوں طرف کی خبریں آگئی تھیں، کہ ادہر ابوسفیان کاروان تجارت لے کر چلا ہے، اور ادہر قریش جنگ کے سروسامان کے ساتھ مکہ سے نکل چکے ہیں،

(۳) سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر ہے، کہ قرآن مجید کی آیت مذکورہ بالا میں کفار کے دو فریق کا خدا نے بیان کیا ہے ایک قافلہ تجارت اور دوسرا صاحب شوکت یعنی کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے آرہے تھے آیت میں تصریح ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ایسی تھی جو چاہتی تھی، کہ کارواں تجارت پر حملہ کیا جائے، خدا نے ان لوگوں پر ناراضی ظاہر کی اور فرمایا،

وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ	اور تم چاہتے ہو، کہ بے خرخشہ والا گروہ تم کو
تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ	ہاتھ آجائے، اور خدا یہ چاہتا ہے، کہ اپنی
الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ	باتوں سے حق کو قائم کردے، اور کافروں
الْكٰفِرِيْنَ (الانفال - ۱۰)	کی جڑ کاٹ دے،

ایک طرف وہ لوگ ہیں، جو قافلہ تجارت پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، دوسری طرف خدا ہے جو چاہتا ہے، کہ حق کو قائم کردے، اور کافروں کی جڑ کاٹ دے، اب سوال یہ ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دو میں سے کس کے ساتھ ہیں، عام روایتوں کے مطابق اس سوال کا کیا جواب ہوگا، میں اس تصور سے کانپ اٹھتا ہوں،

(۴) اب واقعہ کی نوعیت پر غور کرو، واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے اس سروسامان کے ساتھ نکل رہے ہیں، کہ تین سو سے زیادہ جانباز مہاجر و انصار ساتھ ہیں ان میں فاتح خیبرؓ اور حضرت امیر حمزہؓ سید الشہداء بھی ہیں جن میں سے ہر ایک بجائے خود ایک

لشکر ہے، باوجود اس کے (جیسا کہ قرآن مجید میں یہ تصریح مذکور ہے) ڈر کے مارے کچھ صحابہ کا دل بیٹھا جاتا ہے، اور ان کو نظر آتا ہے، کہ کوئی ان کو موت کے منہ میں لئے جاتا ہے،

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	اور مسلمانوں کی ایک جماعت کارہ تھی،
لَكَارِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ	وہ تجھ سے حق ظاہر ہوئے پیچھے بھی جھگڑا
بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ	کرتی تھی، گویا کہ موت کی طرف ہنکائے
اِلَى الْمَوْتِ (انفال۔۱)	جا رہے ہیں،

اگر صرف قافلہ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا، تو یہ خوف، یہ اضطراب، یہ پہلوتہی کس بنا پر تھی، اس سے پہلے بارہا (بقول ارباب سیر) قافلہ قریش پر حملہ کرنے کے لئے تھوڑے تھوڑے آدمی بھیجدیئے گئے تھے، اور کبھی ان کو ضرر نہیں پہنچا تھا، اس دفعہ اس قافلہ کا اتنا ڈر ہے کہ تین سو چیدہ اور منتخب ہے، اور پھر لوگ ڈر کے مارے سہمے جاتے ہیں، یہ قطعی دلیل ہے، کہ مدینہ ہی میں خبر آگئی تھی، کہ قریش مکہ سے جمعیت عظیم لے کر مدینہ پر آرہے ہیں،

(۵) قرآن مجید میں ایک اور آیت اسی بدر کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس وقت جب آپؐ مدینہ ہی میں تشریف رکھتے تھے، چنانچہ صحیح بخاری تفسیر سورہ نساء میں تصریحاً مذکور ہے، آیت یہ ہے،

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	بجز معذوروں کے، وہ لوگ جو بیٹھ رہے اور
غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ	وہ لوگ جو خدا کی راہ میں اپنے مال اور جان
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ	سے جہاد کرتے ہیں، برابر نہیں ہو سکتے، خدا

Marfat.com

اَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً (نساء - ۱۳)	نے جو مجاہدین کو مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں، درجہ میں فضیلت دی ہے،

صحیح بخاری میں اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے، کہ یعنی وہ لوگ جو بدر میں شریک نہیں ہوئے، اور وہ جو شریک ہوئے، دونوں برابر نہیں ہو سکتے، صحیح بخاری میں یہ بھی ہے، کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو پہلے غیر اولی الضرر کا جملہ نہ تھا، یہ آیت سن کر حضرت عبداللہ بن مکتومؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنے اندھے پن کا عذر کیا، اس پر وہیں یہ جملہ نازل ہوا "غیر اولی الضرر" یعنی معذوروں کے سوا، یہ صاف اس بات کی دلیل ہے، کہ مدینہ ہی میں معلوم ہو گیا تھا، کہ قافلہ پر حملہ کرنا نہیں بلکہ لڑنا اور جان دینا ہے،

(۶) کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے لئے بدر میں آئے ان کی نسبت قرآن مجید میں ہے،

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (انفال - ۶)	اور ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو اپنے گھروں سے مغرورانہ، نمائشی اور خدا کی راہ سے روکتے ہوئے نکلے،

اگر قریش صرف قافلہ تجارت کے بچانے کے لئے نکلتے تو خدا یہ کیوں کہتا کہ وہ اظہار شان، اور دکھاوے کے لئے خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہوئے نکلے؟ اس میں اظہار شان اور دکھاوے کی کیا بات تھی، اور خدا کی راہ سے لوگوں کو روکنا کیا تھا؟ البتہ چونکہ درحقیقت وہ

Marfat.com

مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے نکلے تھے جس سے مقصود اپنے زور اور قوت کا اعلان و نمائش اور اسلام کی ترقی کا انسداد تھا، اس لئے خدا نے اس کو غرور و نمائش اور صد عن سبیل اللہ کہا،

(قرآن مجید کے بعد احادیث نبوی کا درجہ ہے، احادیث کی متعدد کتابوں میں غزوۂ بدر کا مفصل اور مجمل ذکر ہے لیکن حضرت کعبؓ بن مالک والی حدیث کے سوا، اور کسی حدیث میں یہ واقعہ میری نظر سے نہیں گذرا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں قریش کے قافلہ تجارت کے لوٹنے کے لئے نکلے تھے،

حضرت کعب کی حدیث یہ ہے۔

عن عبد اللہ بن کعب قال کعبؓ	کعبؓ کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
لم اتخلف عن رسول اللہ (صلی اللہ	وسلم کو چھوڑ کر میں کسی غزوہ سے پیچھے نہیں رہا
علیہ وسلم) فی غزوۃ غزاھا الا غزوۃ	بجز غزوہ تبوک کے، اور ہاں! غزوہ بدر میں
تبوک غیر انی کنت تخلفت فی غزوۃ	بھی شریک نہ تھا، اور جو اس میں شریک نہ ہوا
بدر ولم یعاتب احد تخلف عنھا	اس پر کچھ عتاب نہیں ہوا، کیونکہ آنحضرت
انما خرج النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)	صلی اللہ علیہ وسلم، قریش کے قافلہ کے لئے
یریدعیر قریش حتی جمع اللہ	نکلے تھے، کہ خدا نے دونوں فریق کو اچانک
بینہ وبینھم علی غیر میعاد،	مقابل کر دیا،

اس کے برخلاف حضرت انسؓ کی حدیث ہے جو صحیح مسلم ہے،

۱۔عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	انس سے مروی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

شاور حين بلغه اقبال ابی سفیان
قال فتکلم ابو بکر رض فاعرض عنه ثم
تکلم عمر رض فاعرض عنه فقام
سعد بن عبادة رض فقال ایانا تریدیں
یارسول الله والذی نفسی بیده
لو امرتنا ان نخیضها البحر
لاخضناها. ولو امرتنا ان
نضرب اکبادها الی برك الغماد
لفعلنا قال فندب رسول الله صلی
الله علیه وسلم الناس فانطلقوا حتی
نزلوا بدرا

کو جب ابو سفیان کے آنے کی خبر معلوم ہوئی، تو
آپ نے مشورہ طلب کیا، حضرت ابو بکر رض بولے
تو آپ نے توجہ نہ فرمائی، پھر حضرت عمر رض بولے،
آپ نے ان کی طرف بھی توجہ نہ کی، پھر حضرت سعد رض
بن عبادہ کھڑے ہوئے، اور کہا، یا رسول اللہ! کیا
آپ کا روئے خطاب ہم (انصار) کی طرف ہے،
خدا کی قسم! اگر دریا میں سواری ڈالنے کا آپ حکم دیں
تو ہم ڈال دیں گے، اور اگر برک الغماد تک جانے کا
حکم دیں گے، تو ہم کریں گے، حضرت انس رض کہتے ہیں
کہ اس کے بعد آپ نے لوگوں کو شرکت جنگ کی دعوت
دی، لوگ چل پڑے، اور بدر پر اترے،

۲- وردت علیهم روایا قریش وفیهم
غلام اسود لبنی الحجاج فاخذوه
فکان اصحاب رسول الله صلی الله علیه
وسلم یسألونه عن ابی سفیان واصحابه
فیقول ما لی علم بابی سفیان ولکن
هذا ابو جهل وعتبة وشیبة و

اور پہلے قریش کا ہراول آکر اترا، اس میں
بنی حجاج کا ایک حبشی غلام تھا، مسلمانوں نے
اس کو گرفتار کر لیا، اور اس سے ابو سفیان کا
حال پوچھنے لگے، وہ کہتا تھا مجھے ابو سفیان
کی خبر نہیں، لیکن یہ ابو جہل، عتبہ، شیبہ، امیہ
بن خلف آرہے ہیں، جب وہ یہ کہتا، تو لوگ

Marfat.com

امیۃ بن خلف فاذا قال ذلک ضربوہ
فقال نعم انا اخبرکم ھذا ابوسفیان
فاذا ترکوہ سألوہ فقال ما لی بابی
سفیان علم ولکن ھذا ابوجھل و
عتبۃ وشیبۃ وامیۃ بن خلف فی الناس
فاذا قال ھذا ایضا ضربوہ ورسول
اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) قائم یصلی و
لما رای ذلک انصرف قال والذی نفسی
بیدہ لتضربونہ اذا صدقکم وتترکونہ
اذا کذبکم (صحیح مسلم باب غزوۃ بدر)

اس کو مارتے، وہ کہتا، اچھا ابوسفیان کو بتاتا
ہوں، تب اس کو چھوڑ دیتے، تو پھر پوچھتے، تو وہ کہتا
مجھ کو ابوسفیان کی خبر نہیں، لیکن ابوجہل، عتبہ
شیبہ، امیہ بن خلف، روسائے قریش آئے ہے
ہیں، لیکن جب وہ یہ کہتا، تب بھی اس کو مارتے،
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے،
آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس
کے ہاتھ میں میری جان ہے، جب وہ سچ کہتا ہے
تو تم اس کو مارتے ہو، اور جب جھوٹ بولتا ہے
تو چھوڑ دیتے ہو،

حدیث کے پہلے ٹکڑے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب ابوسفیان کے آنے کا حال معلوم ہوا، اسی وقت آپ نے مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا، اور انصار سے اعانت کی خواہش کی، اور یہ متفقاً ثابت ہے، کہ ابوسفیان کی آمد کا حال مدینہ ہی میں معلوم ہو چکا تھا، اس بنا پر یہ محقق طور پر ثابت ہو گیا، کہ اس غزوہ کی شرکت کے لئے آپ نے انصار سے مدینہ ہی میں خواہش کی تھی، ورنہ اگر باہر نکل کر یہ معاملہ پیش آتا، جیسا کہ کتب سیرت میں مذکور ہے، تو اس وقت انصار وہاں کہاں ہوتے؟ اور نیز اسی ٹکڑے میں مذکور ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کے بعد لوگوں کو شرکت کی دعوت دی، حالانکہ ارباب سیر کے مطابق واقع یہ ہونا چاہیے کہ

Marfat.com

انصار معاہدہ اور معمول سابق کے خلاف شرکت کے لئے نکلے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان کا عندیہ دریافت فرمایا، اور اس کے بعد شرکت کے لئے آمادہ کیا، ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک مجنونانہ بات ہے،

حدیث کے دوسرے ٹکڑے سے بہ وضاحت تمام محقق ہوتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے یا کسی اور طریقہ سے یہ پہلے ہی سے معلوم تھا، کہ تجارتی قافلہ کا نہیں، بلکہ جنگی فوج کا مقابلہ ہے، گو عام لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو،

اس حدیث میں ایک گرہ اور کھولنا ہے، اگر پہلے صرف ابوسفیان کا آنا معلوم ہوا تھا، اور قریش کے حملہ کی خبر نہ تھی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس اصرار اور سروسامان سے کیوں اجتماع کا اہتمام فرماتے؟ اس لئے ابوسفیان کی آمد کے بجائے موقع کا اقتضاء یہ ہے کہ جب مشرکین مکہ کی آمد کی خبر معلوم ہوئی، چنانچہ اسی واقعہ کو ان ہی الفاظ کے ساتھ امام احمد بن حنبل[1] نے مسند میں، ابن ابی شیبہ نے مصنف[2] میں، ابن جریر نے تاریخ[3] میں اور بیہقی نے دلائل میں روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے، اور اس کے راوی معرکہ بدر کے ہیرو اسد اللہ علی بن ابی طالب ہیں،

عن علی قال لما قدمنا المدینة	حضرت علی فرماتے ہیں، کہ جب ہم مدینہ آئے،
اصبنا من ثمارها فاجتویناها	تو وہاں پھل کھانے کو ملے، جو ہمارے ناموافق
واصابنا بها وعك وكان النبی صلی	مزاج تھے، اس لئے ہم لوگ بیمار ہو گئے، آنحضرت
الله علیه وسلم یتخبر عن بدر فلما	صلی اللہ علیہ وسلم بدر کو پوچھا کرتے تھے، جب

[1] جلد اول صفحہ [illegible] [2] منتخب کنز العمال غزوہ بدر [3] جلد ۳ صفحہ (۱۲۸)

Marfat.com

بلغنا ان المشرکین قد اقبلوا سار رسول	ہم کو خبر ملی، کہ مشرکین آرہے ہیں، تو رسول اللہ صلے
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی بدر وبدر	اللہ علیہ وسلم بدر کو چلے، بدر ایک کنویں کا نام ہے
بئر نسبقنا المشرکین الیہا،	جہاں ہم مشرکین سے پہلے پہنچ گئے،

(اس کے بعد بدر کے تمام واقعات وجزئیات مذکور ہیں)

اس میں صاف تصریح ہے، کہ مشرکین مکہ کے حملہ کی خبر سنکر آپ نکلے تھے، اور بدر آ کر قیام فرمایا تھا، اس پوری حدیث میں ابوسفیان کے قافلہ تجارت کا ذکر تک نہیں ہے،

ان قطعی نصوص کے بعد اگرچہ کسی استدلال کی ضرورت نہیں لیکن لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِی کے طور پر واقعات ذیل پر لحاظ کرنا چاہیئے،

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے قریش کے قافلوں پر حملہ کرنے کے لئے جس قدر سرایا بھیجے، اور جن میں بیس بیس آدمی سے لے کر سو سو، دو دو سو تک کی جمعیت تھی ان میں کبھی کسی انصاری کو نہیں بھیجا، ارباب سیر اس امر کو بتصریح لکھتے ہیں، اور اس تصریح کی اس لئے ضرورت سمجھتے ہیں، کہ انصار نے بیعت کے وقت مدینہ سے باہر نکلنے کا اقرار نہیں کیا تھا، اس بنا پر اگر اس دفعہ بھی مدینہ سے نکلنے کے وقت قافلہ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا، تو انصار ساتھ نہ ہوتے حالانکہ (۲) واقعہ میں انصار کی تعداد مہاجرین سے زیادہ تھی یعنی کل فوج ۳۰۵ تھی، جن میں ۷۰ مہاجرین اور باقی سب انصار تھے،

یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ جس وقت مدینہ سے آپ نکلے یہ خبر آچکی تھی، کہ قریش مدینہ پر آرہے ہیں، اسی بنا پر آپ نے انصار کو مخاطب کیا، کیونکہ معاہدہ بیعت کے موافق اب انصار سے

Marfat.com

کام لینے کا وقت آچکا تھا،

(۲) مکہ سے جو قافلہ تجارت کے لئے شام کو جایا کرتا تھا، مدینہ کے پاس سے ہو کر گذرتا تھا، مدینہ سے مکہ تک جس قدر قبائل آباد تھے عموماً قریش کے زیر اثر تھے، بخلاف اس کے مدینہ سے شام تک کے حدود تک قریش کا اثر نہ تھا، اس بنا پر اگر کاروان تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا، تو شام کی طرف بڑھنا تھا، یہ بالکل خلاف قیاس ہے، کہ کاروان تجارت شام سے آرہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو چکی ہے، اور آپ بجائے اس کے کہ شام کی طرف بڑھیں مکہ کی طرف جاتے ہیں، اور پانچ منزل مکہ کی طرف جا کر خبر آتی ہے، کہ قافلہ بچ کر نکل گیا، اور قریش سے جنگ پیش آجاتی ہے،

(۳) واقعات کی ترتیب یہ ہے:۔

۱۔ قریش نے عبداللہ بن ابی کو خط لکھا، کہ محمد اور ان کے رفقا کو مدینہ سے نکالدو، ورنہ ہم مدینہ آکر تم کو برباد کردیں گے، (بحوالہ سنن ابی داؤد اوپر گذر چکا ہے)

۲۔ ابوجہل نے سعد بن معاذؓ سے کہا، کہ تم نے ہمارے مجرموں کو پناہ دی ہے، اگر امیہ کی ضمانت نہ ہوتی، تو میں تم کو قتل کر دیتا،

۳۔ کرز بن جابر نے جمادی الثانی ۲ھ میں مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ لوٹ لئے،

۴۔ اس کے بعد ہی رجب ۲ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش کو تجسس کے لئے بھیجا، کہ قریش کی نقل و حرکت کی خبر لائیں،

Marfat.com

(۵) عبداللہ بن جحش نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف) قریش کا ایک مختصر سا قافلہ لوٹ لیا، اور ایک آدمی قتل اور دو اسیر کئے،

قریش نے مکہ میں جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا، اس کو پیش نظر رکھو، پھر یہ خیال کرو کہ ان کا جوش انتقام کسی طرح کم نہیں ہوتا، اور وہ عبداللہ بن ابی کو لکھتے ہیں، کہ ہم مدینہ آکر تم کو، اور محمدؐ دونوں کو فنا کر دیں گے، کرز فہری مدینہ پر چھاپہ مارتا ہے، اسی اثنا میں قریش کا اشتعال اس سے اور بڑھ جاتا ہے، کہ حضرت عبداللہؓ بن جحش نے ان کا قافلہ لوٹ لیا، اور ان کے دو معزز خاندان کے ممبر اسیر کر لئے، ان تمام باتوں کے ساتھ قریش صبر کرتے ہیں، اور کسی قسم کے انتقام کا ارادہ نہیں کرتے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قافلہ کو جس میں مکہ کی کل کائنات تھی، لوٹنے کے لئے نکلتے ہیں، تب مجبوراً ان کو مدافعت کے لئے نکلنا پڑتا ہے، اس پر بھی بدر کے قریب پہنچ کر جب ان کو معلوم ہوتا ہے، کہ قافلہ بچ کر نکل گیا، تو ان کے بڑے بڑے سردار، اور خود عتبہ جو سالار لشکر تھا، رائے دیتا ہے، کہ اب لڑنے کی ضرورت نہیں، واپس چلنا چاہیئے، کیا واقعات کا یہ نقشہ قریش کے جوش عداوت، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نبوت کے موافق ہے،

۶۔ ارباب سیر عموماً لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں صحابہؓ کو کاروان تجارت پر حملہ کرنے کی ترغیب دی، تو لوگوں نے چنداں مستعدی ظاہر نہیں کی، کیوں کہ لوگ سمجھے، کہ کوئی مہم اور معرکہ و جہاد نہیں ہے، بلکہ صرف تحصیل غنیمت ہے، اس لئے جن لوگوں کو ماں کی حاجت تھی، وہ گئے لیکن ہم دیکھتے ہیں، کہ انصار میں جس قدر اعیان قوم اور سردار لشکر

Marfat.com

تھے، سب گئے، زر و مال کے محتاج اگر تھے، تو مہاجرین تھے لیکن جانے والوں میں انصار کی تعداد مہاجرین سے دگنی لگتی ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استمزاج کے جواب میں جن لوگوں نے جاں نثارانہ فقرے کہے تھے، مہاجرین میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و مقدادؓ تھے، اور انصار میں حضرت سعدؓ بن عبادہؓ تھے حضرت سعدؓ بن عبادہ غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے، اور مدینہ سے باہر نہیں جا سکے تھے، اس لئے قطعاً یہ تسلیم کرنے پڑے گا، کہ حضرت سعدؓ نے یہ جواب مدینہ ہی میں دیا تھا، اور وہیں قریش کے حملہ کا حال معلوم ہو گیا تھا، اور اس لئے یہ قطعی ہے، کہ مدینہ ہی میں اس بات کی ضرورت پیش آئی تھی، کہ انصار کا استمزاج کیا جائے،

۸۔ عام ارباب سیر بلکہ احادیث کی کتابوں میں بھی منقول ہے، کہ غزوہ بدر میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو چلنے کی ترغیب دی، تو کچھ لوگ آمادہ نہ ہوئے اور کسمسائے جس کی وجہ یہ تھی، کہ وہ جانتے تھے، کہ جہاد یا غزوہ نہیں ہے، صرف قافلہ کا مال لوٹنا ہے، اس لئے یہ اپنی مرضی پر موقوف ہے، جس کا جی چاہے جائے، اور جس کا جی چاہے نہ جائے، طبری میں ہے،

قالوا لما سمع رسول اللہ (صلی اللہ علیہ	لوگوں نے بیان کیا ہے، کہ جب آنحضرت صلی اللہ
وسلم) بابی سفیان مقبلا من الشام	علیہ وسلم نے ابوسفیان کا شام سے روانہ ہونا،
ندب المسلمین الیہم وقال ھذہ	سنا تو مسلمانوں کو بلایا، اور فرمایا، کہ یہ قریش کا
عیر قریش فیہا اموالھم فاخرجوا	قافلہ آرہا ہے، جس میں ان کا مال ہے، چلو، شاید
الیہا لعل اللہ ان ینفلکموھا	خدا تم کو اس میں سے مال غنیمت دلوا دے، لوگ

ف صحیح مسلم و صحیح بخاری غزوہ بدر

Marfat.com

فانتدب الناس فتخلف بعضهم وثقل بعضهم وذلك انهم لم يظنوا ان رسول الله يلقى حربا (ص ۱۲۹۳)	آمادہ ہوئے لیکن بعضوں نے پہلوتہی کی کیونکہ وہ سمجھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی لڑائی پیش نہیں آئے گی،

لیکن یہ واقعات صریح آیات قرآنی کے خلاف ہیں، قرآن مجید میں بہ تصریح موجود ہے کہ جو لوگ مدینہ سے نکلتے ہوئے کسماتے تھے، وہ عدم ضرورت کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس وجہ سے، کہ ان کو یہ نظر آتا تھا، کہ موت کے منہ میں جا رہے ہیں

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ	اور مسلمانوں کا ایک فریق نکلنے سے ناراض تھا،
يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ	وہ تجھ سے حق کے متعلق جھگڑتا تھا، بعد اس کے
كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ	کہ حق ظاہر ہو گیا تھا، وہ گویا موت کی طرف
(الانفال - ۱۰)	ہنکائے جا رہے ہیں،

(۶) تمام کتب احادیث اور سیر میں تصریح ہے، کہ مدینہ منورہ سے ایک میل چل کر (مقام بیر ابی عنبیہ میں) آپ نے فوج کا جائزہ لیا، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ اس بنا پر واپس بھیج دیئے گئے، کہ ان کی عمریں پندرہ برس سے کم تھیں، یا یہ کہ سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے، اگر صرف قافلہ کا لوٹنا مقصود ہوتا، تو یہ کام نوخیز نوجوان زیادہ خوبی سے انجام دے سکتے ہیں، لیکن چونکہ واقع میں جہاد مقصود تھا، جو فریضۂ الٰہی ہے، اور اس کے لئے بلوغ کی قید ہے اس لئے نابالغ لوگ واپس کر دیئے گئے، کہ ابھی اس کے اہل نہیں،

۷۔ حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب[1] میں روایت کی ہے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] استیعاب تذکرہ سعد بن خیثمہ اور اصابہ اور طبقات میں یہ واقعہ باختلاف الفاظ منقول ہے،

نے لوگوں کو قافلہ قریش پر حملہ کرنے کی ترغیب دی، تو خثیمہؓ نے جو ایک انصاری تھے، اپنے بیٹے سعدؓ سے کہا، کہ مجھے جانے دو، اور تم یہاں مستورات کی خبر گیری کرو، سعدؓ نے کہا حضور! اگر کوئی اور موقع ہوتا، تو ضرور میں آپ کو اپنے اوپر ترجیح دیتا لیکن یہ شہادت کا درجہ ہے میں اس کو کیونکر چھوڑ سکتا ہوں، چنانچہ قرعہ اندازی ہوئی، اور سعدؓ کے نام قرعہ نکلا، سعدؓ شریک جنگ ہو کر شہید ہوئے،

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے، کہ قافلہ لوٹنا نہیں، بلکہ جہاد پیش نظر تھا، اور لوگوں کو دولت شہادت حاصل ہونے کی آرزو تھی،

غزوہ بدر کا اصلی سبب عرب کا خاصہ قومی تھا، کہ جب کسی قبیلہ کا کوئی آدمی کسی طریقہ سے کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تھا، تو ایک سخت ہنگامہ کارزار قائم ہو جاتا تھا، دونوں طرف ٹڈی دل امنڈ آتا تھا، اور خون کی ندیاں بہہ جاتی تھیں، یہ لڑائیاں، برسوں تک قائم رہتی تھیں، قبیلے کے قبیلے کٹ جاتے تھے، تاہم یہ سلسلہ بند نہیں ہوتا تھا، عرب لکھے پڑھے نہ تھے، تاہم مقتول کا نام کاغذ پر درج ہو کر خاندان میں وراثتہً چلا آتا تھا، بچوں کو یہ نام یاد کرایا جاتا تھا، کہ بڑے ہو کر اس خون کا انتقام لینا ہے، داحس اور بسوس کی قیامت خیز لڑائیاں جو چالیس چالیس برس قائم رہیں، اور جن میں ہزاروں لاکھیں جانیں برباد ہوئیں، اسی بنا پر ہوئیں، عربی زبان میں اس انتقام کو ثار کہتے ہیں، اور یہ عرب کی قومی تاریخ کا سب سے بڑا اہم لفظ ہے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، حضرت عبداللہؓ بن جحش کے واقعہ میں عمرو بن حضرمی قتل کر دیا گیا تھا، حضرمی عتبہ بن ربیعہ کا حلیف تھا، جو تمام قریش کا سردار تھا، بدر اور تمام غزوات

کا سلسلہ اسی خون کا انتقام تھا، عروہ بن زبیرؓ (حضرت عائشہ کے بھانجے) نے اس واقعہ کو بہ تصریح بیان کیا ہے،

وکان الذی ھاج وقعۃ بدر وسائر الحروب التی کان بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین مشرکی قریش فیما قال عروۃ بن الزبیر ما کان من قتل واقد بن عبد اللہ التمیمی عمرو بن الحضرمی (تاریخ طبری ص۱۲۸۳)	جس چیز نے غزوہ بدر اور دیگر وہ تمام لڑائیاں برپا کیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اور مشرکین عرب کے درمیان واقع ہوئیں، وہ جیسا کہ عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے، کہ عمرو بن حضرمی کا قتل کیا جانا ہے، جس کو واقد بن عبداللہ تمیمی نے قتل کر دیا تھا،

ایک عام غلطی جس نے واقعہ بحث طلب میں غلطی پیدا کر دی ہے، یہ ہے، کہ سب سے پہلے جو لڑائی کفار سے ہوئی، وہ بدر تھی، حالانکہ بدر سے پہلے لڑائیاں شروع ہو چکی تھیں، عروہ بن الزبیرؓ نے غزوہ بدر کے متعلق عبدالملک کو جو خط لکھا تھا، اس کے ابتدائی فقرے یہ ہیں،

ان ابا سفیان بن حرب اقبل من الشام فی قریب من سبعین راکبا من قبائل قریش فذکروا	ابوسفیان بن حرب تقریباً ستر سوار کے ساتھ شام سے آرہا تھا، جو کل کے کل قریشی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے اس کا

لہ عبداللہ بن جحش جن کی سرداری میں یہ قتل واقع ہوا، حضرت حمزہؓ نے بھانجے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں زاد بھائی تھے، قاتل یعنی واقد بن عبداللہ حضرت عمرؓ کے خاندان کے حلیف تھے، اور حضرت عمرؓ کے آغاز خلافت تک زندہ رہے، دیکھو طبقات ابن سعد، ذکر عبداللہ بن جحش و واقد بن عبداللہ،

Marfat.com

لرسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) واصحابہ وقد کانت الحرب بینہم فقتلت قتلیٰ وقتل ابن الحضرمی فی اناس بنخلۃ واسرت اسارٰی من قریش ..... وکانت تلک الوقعۃ ھاجہ الحرب بین رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وبین قریش واول ما اصاب بہ بعضہم بعضا من الحرب وذلک قبل مخرج ابی سفیان واصحابہ الی الشام (طبری ص ۱۲۸۵)

تذکرہ ہوا، اور دونوں فریق میں لڑائی شروع ہو چکی تھی، اور ادھر کے چند لوگ جن میں ابن حضرمی بھی تھا، مارے جا چکے تھے، اور کچھ قیدی بھی ہو چکے تھے، ..... اور اسی واقعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش میں جنگ برپا کر دی تھی، اور یہی سب سے پہلا واقعہ تھا، جس میں دونوں فریق نے ایک دوسرے کو صدمہ پہنچایا، اور یہ لڑائی ابوسفیان کی روانگی شام سے پہلے وقوع میں آچکی تھی؛

اس میں تصریح ہے، کہ ابوسفیان جب شام کو روانہ بھی نہیں ہوا تھا، اسی وقت لڑائی شروع ہو چکی تھی، غزوہ بدر، ابوسفیان کی واپسی شام کے بعد واقع ہوا ہے،

اصلیت واقعہ کی تحقیق کا سب سے بڑا اصلی ذریعہ یہ ہے، کہ خود حریفان جنگ کی شہادت بہم پہنچائی جائے، اس قسم کی شہادتیں بہت کم ہاتھ آسکتی ہیں، لیکن خوش قسمتی سے یہاں اس قسم کی شہادت موجود ہے، حضرت حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) غزوہ بدر میں شریک تھے، اور اس وقت تک کافر تھے، وہ عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ برس بڑے

Marfat.com

تھے، اور گو زمانہ جاہلیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت رکھتے تھے اور نبوت کے بعد بھی یہ محبت قائم رہی، تاہم فتح مکہ تک ایمان نہیں لائے، وہ روسائے قریش میں تھے حرم کا ایک بڑا منصب یعنی رفادہ ان ہی کے ہاتھ میں تھا، دار الندوہ کے مہتمم اور مالک بھی وہی تھے، وہ مروان بن حکم کے زمانہ خلافت تک زندہ رہے، ایک دفعہ وہ مروان سے ملنے گئے مروان نے نہایت تعظیم و تکریم کی، صدر مجلس سے اٹھ کر ان کے پاس آ بیٹھا، اور کہا بدر کا واقعہ بیان کیجیے، انہوں نے واقعہ کے ابتدائی حالات بیان کر کے کہا، کہ جب ہماری فوجیں میدان میں اتریں، تو میں عتبہ کے پاس گیا، اور میں نے اس سے کہا،

یا ابا الولید هل لك ان تذهب	اے ابو الولید! کیا تم چاہتے ہو، کہ تمام
بشرف الیوم الیوم ما بقیتا قال	عمر کے لئے ساری نیک نامی تم ہی کو ہاتھ آئے
افعل ماذا؟ قلت انکم لا	عتبہ نے کہا کیونکر؟ میں نے کہا تم (یعنے
تطلبون من محمد الا دم	قریش) محمد سے ابن حضرمی کے خون کے سوا
ابن الحضرمی و هو حلیفك	اور کچھ نہیں چاہتے، اور وہ تمہارا حلیف تھا،
فتحمل دیته فترجع	اس لئے تم اس کا خون بہا ادا کر دو، کہ سب
بالناس[2]	لوگ واپس چلے جائیں،

عتبہ نے یہ تجویز پسند کی لیکن ابو جہل نے نہیں مانا، اور حضرمی کے بھائی عامر حضرمی کو بلا کر کہا خون کا بدلہ سامنے ہے، کھڑے ہو کر قوم سے دہائی دو، عامر عرب کے دستور کے مطابق ننگا

[1] اصابہ تذکرہ حکیم بن حزام، [2] طبری صفحہ ۱۳۱۳ و سیرۃ ابن ہشام بمناہ، ذکر غزوہ بدر،

Marfat.com

ہوگیا، اور پکارا،

واعمرا ۔ واعمرا ۔ ہائے عمر (حضرمی) ہائے عمر

آغاز جنگ کے وقت سب سے پہلے جو شخص میدان جنگ میں نکلا، وہ یہی عامر حضرمی تھا،

حکیم بن حزام اور عامر حضرمی غزوہ بدر تک کافر تھے، عتبہ و ابوجہل جو سرداران قریش تھے کفر پر تادم مرگ قائم رہے، اگر اس درجہ کے لوگ غزوہ بدر کو حضرمی کے خون کا انتقام سمجھتے تھے، اور سمجھتے رہے، تو ہم کو کچھ پرواہ نہیں کرنی چاہیئے، کہ اوروں نے جو اس کے سینکڑوں برس بعد پیدا ہوئے، اس کا سبب قافلہ تجارت کا بچانا سمجھا، وشتان ما بینہما

ایک ضروری نکتہ | گو یہ امر اب قطعی طور پر ثابت ہوگیا، کہ غزوہ بدر کا سبب کاروان تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا، تاہم اس گرہ کا کھولنا ضرور ہے، کہ ایسے صاف اور صریح واقعہ کے متعلق تمام ارباب سیر نے متفقاً کیوں غلطی کی؟ اور صحیح بخاری وغیرہ میں یہ تصریحات کیوں پائی جاتی ہیں، کہ بدر کی ابتدا قافلہ ہی پر حملہ کرنے کی غرض سے ہوئی تھی،

اصل یہ ہے، کہ اصول جنگ کے موافق اکثر غزوات میں یہ ظاہر نہیں کیا جاتا تھا کہ کدھر جانا، اور کس غرض سے جانا مقصود ہے؟ صحیح بخاری (غزوہ تبوک) میں حضرت کعبؓ بن مالک جو مشہور صحابی ہیں، ان کا قول نقل کیا ہے،

ولم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرید غزوۃ الا ورّی بغیرہا

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تھے، تو کسی اور موقع

لہ پوری تفصیل طبری صفحہ ۱۳۱ میں ہے،

Marfat.com

ورای بغیرھا کا توریہ فرماتے،

"توریہ" کے معنی شارحین بخاری نے یہ لکھے ہیں، کہ آپ ایسے موقع پر مبہم اور محتمل المعنین الفاظ استعمال فرماتے تھے" گو میرے نزدیک یہ کلیہ اس معنی میں صحیح نہیں، تاہم واقعات کے استقصا سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے، کہ بعض موقعوں پر واقعہ اس طرح مبہم رکھا جاتا تھا، کہ لوگ مختلف قیاس پیدا کرتے تھے، یہی وجہ ہے، کہ جنگ بدر میں سعد بن خثیمہؓ کو پہلے ہی یہ معلوم ہو گیا تھا، کہ قافلہ نہیں، بلکہ فوج کا مقابلہ ہے، بخلاف اس کے صحیح بخاری میں انہی کعبؓ بن مالک کا قول منقول ہے، کہ بدر میں صرف قافلہ سے تعرض کرنا مقصود نہ تھا،

دیباچہ میں ہم لکھ آئے ہیں، کہ راوی (جس میں صحابہ بھی داخل ہیں) بہت سے موقعوں پر جو واقعہ بیان کرتا ہے، وہ حقیقت میں واقعہ نہیں، بلکہ اس کا استنباط ہوتا ہے یعنی اس نے اس کو یونہی سمجھا، بدر میں بھی یہی صورت پیش آئی، اور اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، کہ صحابہؓ نے مختلف قیاس کئے، اور جو قیاس (رائے) عام کے مناسب تھا وہی پھیل گیا،

بدر کے نتائج (بدر کے معرکہ نے مذہبی اور ملکی حالت پر گوناگون اثرات پیدا کئے، اور حقیقت میں یہ اسلام کی ترقی کا قدم اولیں تھا، قریش کے تمام بڑے بڑے روساء جن میں سے ایک ایک اسلام کی ترقی کی راہ میں سد آہن تھا، فنا ہو گئے، عتبہ اور ابوجہل کی موت نے قریش کی ریاست عامہ کا تاج ابوسفیان کے سر پر رکھا جس سے دولت اموی کا آغاز ہوا لیکن قریش کے اصلی زور قوت کا معیار گھٹ گیا

مدینہ میں اب تک عبداللہ بن ابی بن سلول علانیہ کافر تھا لیکن اب وہ بظاہر اسلام

کے دائرہ میں آگیا، گو تمام عمر منافق رہا، اور اسی حالت میں جان دی، قبائل عرب جو سلسلہ واقعات کا رخ دیکھتے تھے، اگرچہ رام نہیں ہوئے لیکن سہم گئے،

ان موافق حالات کے ساتھ مخالف اسباب میں بھی انقلاب شروع ہوگیا یہود سے معاہدہ ہوچکا تھا، کہ ہر معاملہ میں یک سو رہیں گے لیکن اس فتح نمایاں نے ان میں حسد کی آگ بھڑکا دی، اور وہ اس کو ضبط نہ کرسکے، چنانچہ اس کی تفصیل یہودیوں کے واقعات میں بالتفصیل آتی ہے،

قریش کو پہلے صرف حضرمی کا رونا تھا، بدر کے بعد ہر گھر ماتم کدہ تھا، اور مقتولین بدر کے انتقام کے لئے مکہ کا بچہ بچہ مضطر تھا، چنانچہ سویق کا واقعہ اور احد کا معرکہ اسی جوش کا مظہر تھا)

غزوہ سویق، ذی الحجہ ۲ھ | ابوسفیان اب قریش کا رئیس تھا، اور اس منصب کا سب سے بڑا فرض غزوہ بدر کا انتقام تھا، اس نے بدر سے مشرکین کی واپسی پر نذر مانی تھی، کہ جب تک مقتولان بدر کا انتقام نہ لے گا، نہ غسل جنابت کرے گا، نہ سر میں تیل ڈالے گا، چنانچہ دو سو شتر سواروں کے ساتھ مدینہ پر بڑھا، یہود کی نسبت معلوم تھا، کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں مدد دیں گے، اس لئے پہلے حیی بن اخطب کے پاس گیا، لیکن اس کے دروازہ نہ کھولا، مایوس ہوکر سلام بن مشکم کے پاس آیا، وہ یہود بنی نضیر کا سردار تھا، اور تجارتی خزانہ اسی کے زیر اہتمام رہتا تھا، اس نے بڑے جوش سے استقبال کیا، خوشگوار کھانے کھلائے، شراب پلوائی اور مدینہ کے مخفی راز بتائے، صبح کو ابوسفیان عریض پر حملہ آور ہوا جو مدینہ سے ۳ میل کے فاصلہ پر ہے، ایک انصاری کو جن کا نام سعدؓ بن عمر تھا، قتل کیا، چند مکانات اور گھانس کے انبار جلا دیئے

Marfat.com

ان باتوں سے اس کے نزدیک قسم پوری ہوگئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی، تو آپؐ نے تعاقب کیا، ابوسفیان کے پاس رسد کا سامان صرف ستو تھا گھبراہٹ میں ستو کے بورے پھینکتا گیا، جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے، عربی میں ستو کو سویق کہتے ہیں، یہ واقعہ غزوہ سویق کے نام سے مشہور ہے

حضرت فاطمہؓ زہرا کی شادی ذی الحجہ ۲ھ

حضرت فاطمہؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے کمسن تھیں، اب ان کی عمر ۱۸ برس کی ہو چکی تھی، اور شادی کے پیغام آنے لگے تھے، ابن سعد نے روایت کی ہے، کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی، آپ نے فرمایا، جو خدا کا حکم ہوگا، پھر حضرت عمرؓ نے جرأت کی، انکو بھی آپ نے کچھ جواب نہیں دیا، بلکہ وہی الفاظ فرمائے لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی، حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابن سعد کی اکثر روایتیں حضرت فاطمہؓ کے حال میں روایت کی ہیں، لیکن اس کو نظر انداز کر دیا ہے،

بہرحال حضرت علیؓ نے جب درخواست کی، تو آپ نے حضرت فاطمہؓ کی مرضی دریافت کی، وہ چپ رہیں، یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا، آپ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لئے کیا ہے، بولے کچھ نہیں، آپ نے فرمایا "اور وہ حطمیہ زرہ کیا ہوئی" (جو جنگ میں ہاتھ آئی تھی) عرض کی وہ تو موجود ہے، آپ نے فرمایا بس وہ کافی ہے،

ناظرین کو خیال ہوگا، کہ بڑی قیمتی چیز ہوگی، لیکن اگر وہ اس کی مقدار جاننا چاہتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ صرف سوا سو روپے[1] زرہ کے سوا، اور جو کچھ حضرت علیؓ کا سرمایہ تھا، وہ ایک

[1] غلطی سے پہلے اور دوسرے ایڈیشن میں سوا روپیہ چھپ گیا ہے اس کی تصحیح کر لی جائے،

Marfat.com

بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی حضرت علیؓ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہؓ زہرا کے نذر کیا حضرت علیؓ اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس رہتے تھے، شادی کے بعد ضرورت ہوئی، کہ الگ گھر لیں حضرت حارثہؓ بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے جن میں سے وہ کئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نذر کر چکے تھے حضرت فاطمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، کہ انہی سے کوئی اور مکان دلوا دیجئے آپ نے فرمایا کہ کہاں تک؟ اب ان سے کہتے شرم آتی ہے حضرت حارثہؓ نے سنا، تو دوڑے آئے، کہ حضور میں اور میرے پاس جو کچھ ہے سب آپؐ کا ہے، خدا کی قسم! میرا جو مکان آپ لے لیتے ہیں، مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہ جائے غرض انہوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا حضرت فاطمہؓ اس میں اٹھ گئیں

شہنشاہ کونین نے سیدہ عالم کو جو جہیز دیا، وہ یہ تھا کی چارپائی چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں، دو مٹی کے گھڑے تھے،

حضرت فاطمہؓ جب نئے گھر میں جا لیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے، دروازہ پر کھڑے ہو کر اذن مانگا، پھر اندر آئے، پھر برتن میں پانی منگوایا، دونوں ہاتھ اس میں دھوئے اور حضرت علیؓ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا، پھر حضرت فاطمہؓ کو بلایا وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں، ان پر بھی پانی چھڑکا، اور فرمایا، کہ میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل تر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے

واقعات متفرقہ ۲ھ | مورخین کے بیان کے مطابق اسی سال رمضان مبارک کے روزے فرض

لہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد اور اصابہ سے ماخوذ ہے،

Marfat.com

ہوئے، صدقہ عید الفطر کا حکم بھی اسی سال سے جاری ہوا، پہلے آپ نے ایک خطبہ دیا، جس میں اس صدقہ کے فضائل بیان فرمائے، پھر صدقہ کا حکم دیا،

عید الفطر کی نماز با جماعت عیدگاہ میں بھی اسی سال ادا فرمائی، اس سے پہلے عید کی نماز نہیں ہوتی تھی،

ارباب سیر کی ترتیب کے مطابق غزوہ بنی قینقاع کا ذکر بھی اسی سال کے واقعات میں ہونا چاہیے تھا لیکن اتصال اور تسلسل واقعہ کی بنا پر وہ آئندہ مذکور ہوگا،

Marfat.com

سنہ ۳ھ

غزوۂ اُحد[1]

(وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ[2] (آل عمران ۱۴)

عرب میں صرف ایک شخص کا قتل لڑائی کا ایک سلسلہ چھیڑ دیتا تھا، جو سینکڑوں برس تک ختم نہیں ہو سکتا تھا، طرفین میں سے جس کو شکست ہوتی تھی، وہ انتقام کو ایسا فرض مؤبد جانتا تھا جس کے ادا کئے بغیر اس کی ہستی قائم نہیں رہ سکتی، بدر میں قریش کے ستر آدمی مارے گئے تھے، جن میں اکثر وہ تھے، جو قریش کے تاج و افسر تھے، اس بنا پر تمام مکہ جوش انتقام سے لبریز تھا،

قریش کا کاروان تجارت، جو جنگ بدر کے زمانہ میں نفع کثیر کے ساتھ شام سے واپس آرہا تھا، اس کا راس المال حصہ داروں کو تقسیم کر دیا گیا، لیکن زر منافع امانت کے طور پر محفوظ تھا،

قریش کو کشتگان بدر کے ماتم سے فرصت ملی، تو اس فرض کے ادا کا خیال آیا، چند سرداران قریش جن میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا، ان لوگوں کو جن کے عزیز و اقارب جنگ بدر

---

[1] مدینہ منورہ سے شمالی جانب قریباً ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ کا نام ہے [2] صحیح بخاری باب غزوہ احد میں ہے کہ یہ آیت غزوہ احد میں نازل ہوئی،

Marfat.com

میں قتل ہو چکے تھے، ساتھ لے کر ابوسفیان کے پاس گئے، اور کہا، کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہماری قوم کا خاتمہ کر دیا، اب انتقام کا وقت ہے، ہم چاہتے ہیں، کہ مال تجارت کا جو نفع اب تک جمع ہے، وہ اس کام میں صرف کیا جائے، یہ ایک ایسی درخواست تھی، جو پیش ہونے سے پہلے قبول کر لی گئی تھی، لیکن قریش کو اب مسلمانوں کے قوت و زور کا اندازہ ہو چکا تھا وہ جانتے تھے، کہ جنگ بدر میں جس سامان سے وہ گئے تھے، اس سے اب کچھ زیادہ درکار ہے عرب میں جوش پھیلانے اور دلوں کو گرمانے کا سب سے بڑا آلہ شعر تھا، قریش میں دو شاعر شاعری میں مشہور تھے، عمرو جمحی، اور مسافع، عمرو جمحی غزوہ بدر میں گرفتار ہو گیا تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقتضائے رحم سے اس کو رہا کر دیا تھا، قریش کی درخواست پر وہ اور مسافع مکہ سے نکلے، اور تمام قبائل قریش میں اپنی آتش بیانی سے آگ لگا آئے،

لڑائیوں میں ثابت قدمی اور جوش جنگ کا بڑا ذریعہ خاتونان حرم تھیں، جس لڑائی میں خاتونیں ساتھ ہوتی تھیں، عرب جانوں پر کھیل جاتے تھے، کہ شکست ہو گئی، تو عورتیں بے حرمت ہوں گی، بہت سی عورتیں ایسی تھیں، جن کی اولاد جنگ بدر میں قتل ہو چکی تھی، اس لئے وہ خود جوش انتقام سے لبریز تھیں، اور انہوں نے منتیں مانی تھیں، کہ اولاد کے قاتلوں کا خون پی کر دم لیں گے، غرض جب فوجیں تیار ہوئیں، تو بڑے بڑے معزز گھرانوں کی عورتیں بھی فوج میں شامل ہوئیں، ان میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں[1]،

---

[1] طبری جلد ۳ صفحہ ۳۸۶، زرقانی جلد ۲ صفحہ ۳۰ نے ان چھ خواتین کے سوا سلافہ بنت سعد اور عمیرہ بنت علقمہ وقادر عاتق کا اضافہ کیا ہے ان میں خناس اور عمیرہ کے سوا باقی خواتین بعد کو مسلمان ہو گئیں، خناس اور عمیرہ کے اسلام کے متعلق کچھ معلوم نہیں (زرقانی علی المواہب)

Marfat.com

۱۔ ہند — عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ماں

۲۔ ام حکیم — عکرمہ (فرزند ابوجہل) کی بیوی

۳۔ فاطمہ (بنت ولید) — حضرت خالدؓ کی بہن،

۴۔ برزہ — مسعود ثقفی جو طائف کا رئیس تھا، اس کی بیٹی،

۵۔ ریطہ — عمروؓ بن العاص کی زوجہ،

۶۔ خناس — حضرت مصعبؓ بن عمیر کی ماں،

حضرت حمزہؓ نے ہند کے باپ عتبہ کو بدر میں قتل کیا تھا، جبیر بن مطعم کا چچا بھی حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا، اس بنا پر ہند کے وحشی کو جو جبیر کا غلام اور حربہ اندازی میں کمال رکھتا تھا، حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا، اور یہ اقرار ہوا، کہ اس کارگذاری کے صلہ میں وہ آزاد کر دیا جائے گا،

حضرت عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا گو اسلام لا چکے تھے لیکن اب تک مکہ ہی میں مقیم تھے، انہوں نے تمام حالات لکھ کر ایک تیز رو قاصد کے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجے، اور قاصد کو تاکید کی، کہ تین رات دن میں مدینہ پہنچ جائے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبریں پہنچیں، تو آپؐ نے پانچویں شوال ۳ھ کو، دو خبر رساں جن کے نام انس اور مونس تھے، خبر لانے کے لئے بھیجے، انہوں نے آکر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا، اور مدینہ کی چراگاہ (عریض) کو ان کے گھوڑوں نے صاف کر دیا،

Marfat.com

آپ نے حبابؓ بن منذر کو بھیجا، کہ فوج کی تعداد کی خبر لائیں، انہوں نے آکر صحیح تخمینہ سے اطلاع دی، چونکہ شہر پر حملہ کا اندیشہ تھا، ہر طرف پہرے بٹھا دیئے گئے، حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت سعدؓ بن معاذ ہتھیار لگا کر تمام رات مسجد نبوی کے دروازہ پر پہرہ دیتے رہے،

صبح کو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا، مہاجرین نے عموماً، اور انصار میں سے اکابر نے رائے دی، کہ عورتیں باہر قلعوں میں بھیجدی جائیں، اور شہر میں پناہ گیر ہو کر مقابلہ کیا جائے، عبداللہ بن ابی بن سلول، جو اب تک کبھی شریک مشورہ نہیں کیا گیا، اس نے بھی یہی رائے دی، لیکن ان نوخیز صحابہؓ نے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے، اس بات پر اصرار کیا کہ شہر سے نکل کر حملہ کیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے، اب لوگوں کو ندامت ہوئی، کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلاف مرضی نکلنے پر مجبور کیا، سب نے عرض کی، کہ ہم اپنی رائے سے باز آتے ہیں، ارشاد ہوا، کہ "پیغمبر کو زیبا نہیں، کہ ہتھیار پہن کر اتار دے"

قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب پہنچے، اور کوہ احد پر پڑاؤ ڈالا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھ کر ایک ہزار صحابہؓ کے ساتھ شہر سے نکلے، عبداللہ بن ابی تین سو کی جمعیت لے کر آیا تھا، لیکن یہ کہہ کر واپس چلا گیا، کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میری رائے نہ مانی" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اب صرف سات سو صحابہؓ رہ گئے، ان میں ایک سو زرہ پوش تھے، مدینہ سے نکل کر فوج کا جائزہ لیا گیا، اور جو لوگ کمسن تھے، واپس کر دیئے

---

[1] طبری (جلد ۳ صفحہ ۱۳۸۹ مطبوعہ یورپ) "س" (۲) زرقانی جلد ۲ صفحہ ۲۵ "س"

Marfat.com

گئے، ان میں حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت براء بن عازبؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عرابہؓ اوسی بھی تھے، لیکن جاں نثاری کا یہ ذوق تھا، کہ نوجوانوں میں سے جب حضرت رافع بن خدیجؓ سے کہا گیا، کہ تم عمر میں چھوٹے ہو، واپس جاؤ، تو وہ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے، کہ قد اونچا نظر آئے، چنانچہ ان کی یہ ترکیب چل گئی، اور وہ لے لئے گئے[1]، سمرۃ ایک نوجوان، جو ان کے ہم سن تھے، انہوں نے یہ دلیل پیش کی، کہ میں رافع کو لڑائی میں پچھاڑ لیتا ہوں، اس لئے اگر ان کو اجازت ملتی ہے، تو مجھ کو بھی ملنی چاہیئے، دونوں کا مقابلہ کرایا گیا، اور سمرہؓ نے رافعؓ کو زمین پر دے مارا، اس بنا پر ان کو بھی اجازت مل گئی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی، حضرت مصعبؓ بن عمیر کو علم عنایت کیا، حضرت زبیرؓ بن عوام رسالے کے افسر مقرر ہوئے، حضرت حمزہؓ کو اس حصہ فوج کی کمان ملی، جو زرہ پوش[2] نہ تھے، پشت کی طرف احتمال تھا، کہ دشمن ادھر سے آئیں، اس لئے پچاس تیر اندازوں کا دستہ متعین فرمایا، اور حکم دیا، کہ گو لڑائی فتح ہو جائے تاہم وہ جگہ سے نہ ہٹیں، حضرت عبداللہ بن جبیرؓ ان تیر اندازوں کے افسر مقرر ہوئے،

قریش کو بدر میں تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے انہوں نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی،

---

[1] طبری جلد ۲ صفحہ ۱۳۹۱ (یہ طبری کی روایت ہے لیکن بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت رافعؓ کو اجازت مل جانے کی وجہ یہ تھی، کہ وہ اس نوجوانی ہی میں تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کا یہ حال معلوم ہوا، تو ان کو شرکت کی اجازت دے دی، ابن ہشام ذکر غزوہ احد، زرقانی جلد ۲ صفحہ ۲۹ و بدایہ ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۲۱ س ۹ [2] ایضاً صفحہ ۱۳۹۴،

میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا، میسرہ عکرمہ کو دیا جو ابوجہل کے فرزند تھے، سواروں کا دستہ صفوان بن امیہ کی کمان میں تھا، جو قریش کا مشہور رئیس تھا، تیر اندازوں کے دستے الگ تھے، جن کا افسر عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا، طلحہ علمبردار تھا، دو سو گھوڑے کوتل رکاب میں تھے، کہ ضرورت کے وقت کام آئیں،

سب سے پہلے طبل جنگ کے بجائے خاتونان قریش دف پر اشعار پڑھتی ہوئی بڑھیں، جن میں کشتگان بدر کا ماتم، اور انتقام خون کے رجز تھے، ہند (ابوسفیان کی بیوی) آگے آگے اور چودہ عورتیں ساتھ ساتھ تھیں، اشعار یہ تھے،

نحن بنات الطارق	ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں
نمشی علی النمارق	ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں،
ان تقبلوا نعانق	اگر تم بڑھ کر لڑو گے، تو ہم تم سے گلے ملیں گے
او تدبروا نفارق	اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گے

لڑائی کا آغاز اس طرح ہوا، کہ ابوعامر جو مدینہ منورہ کا ایک مقبول عام شخص تھا، اور مدینہ چھوڑ کر مکہ میں آباد ہو گیا تھا، ڈیڑھ سو آدمیوں کے ساتھ میدان میں آیا، اسلام سے پہلے زہد اور پارسائی کی بنا پر تمام مدینہ اس کی عزت کرتا تھا چونکہ اس کو خیال تھا، کہ انصار جب اس کو دیکھیں گے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دیں گے، میدان میں آکر پکارا "مجھ کو پہچانتے ہو؟ میں ابوعامر ہوں" انصار نے کہا "ہاں او بدکار! ہم تجھ کو پہچانتے ہیں، خدا تیری آرزو بر نہ لائے"

Marfat.com

قریش کا علمبردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا "کیوں مسلمانو! تم میں کوئی ہے، کہ یا مجھ کو جلد دوزخ میں پہنچا دے، یا خود میرے ہاتھوں بہشت میں پہنچ جائے"۔ حضرت علیؓ مرتضیٰ نے صف سے نکلکر کہا "میں ہوں"۔ یہ کہہ کر تلوار ماری، اور طلحہ کی لاش زمین پر تھی طلحہ کے بعد اس کے بھائی عثمان نے جس کے پیچھے پیچھے عورتیں اشعار پڑھتی آتی تھیں، علم ہاتھ میں لیا، اور رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا،

ان علی اھل اللواء حقا — علمبردار کا فرض ہے، کہ نیزہ کو خون میں

ان تخضب الصعدۃ او تندقا — رنگ دے، یا وہ ٹکرا کر ٹوٹ جائے

حضرت حمزہؓ مقابلہ کو نکلے، اور شانہ پر تلوار ماری، کہ کمر تک اتر آئی، ساتھ ہی ان کی زبان سے نکلا، کہ "ساقی حجاج کا بیٹا ہوں"۔

اب عام جنگ شروع ہو گئی، حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو دجانہؓ فوجوں کے دل میں گھسے، اور صفین کی صفیں صاف کر دیں، حضرت ابو دجانہؓ عرب کے مشہور پہلوان تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک میں تلوار لے کر فرمایا: "کون اس کا حق ادا کرتا ہے" اس سعادت کے لئے دفعۃً بہت سے ہاتھ بڑھے لیکن یہ فخر حضرت ابو دجانہؓ کے نصیب میں تھا، اس غیر متوقع عزت نے ان کو بادۂ شجاعت سے مست کر دیا، سر پہ سرخ رومال باندھا، اور اکڑتے تنتے ہوئے فوج سے نکلے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "یہ چال خدا کو سخت ناپسند ہے لیکن اس وقت پسند ہے"۔ حضرت ابو دجانہؓ فوجوں کو چیرتے، لاشوں پر لاشے گراتے بڑھے چلے جاتے تھے، یہاں تک کہ ہند سامنے آگئی، اس کے سر پر تلوار رکھ

---

[1] یہ اس بات پر طنز تھا، کہ مسلمان ایسا سمجھتے ہیں،

Marfat.com

کر اٹھالی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار اس قابل نہیں، کہ عورت پر آزمائی جائے،

حضرت حمزہؓ دو دستی تلوار مارتے جاتے تھے، اور جس طرف بڑھتے تھے صفیں کی صفیں صاف ہوتی جاتی تھیں، اسی حالت میں سباع غبشانی سامنے آگیا، پکارے کہ او ختانۃ النساء کے بچے کہاں جاتا ہے؟ یہ کہہ کر تلوار ماری، وہ خاک پر ڈھیر تھا،

وحشی جو ایک حبشی غلام تھا، اور جس سے جبیر بن مطعم اس کے آقا نے وعدہ کیا تھا، کہ اگر وہ حمزہؓ کو قتل کر دے، تو آزاد کر دیا جائے گا، وہ حضرت حمزہؓ کی تاک میں تھا حضرت حمزہؓ برابر آئے، تو اس نے چھوٹا سا نیزہ جس کو حربہ کہتے ہیں، اور جو خاص حبشیوں کا ہتھیار ہے، پھینک کر مارا، جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا، حضرت حمزہؓ نے اس پر حملہ کرنا چاہا، لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے، اور روح پرواز کر گئی[1]،

کفار کے علمبردار لڑ لڑ کر قتل ہو جاتے تھے، تاہم علم گرنے نہیں پاتا تھا، ایک کے گرنے سے پہلے دوسرا جانباز بڑھ کر علم کو ہاتھ میں لے لیتا تھا، ایک شخص نے جس کا نام صواب تھا، جب علم ہاتھ میں لیا، تو کسی نے بڑھ کر اس زور سے تلوار ماری، کہ دونوں ہاتھ ساتھ کٹ کر گر گئے لیکن وہ قومی علم کو اپنی آنکھوں سے خاک پر نہیں دیکھ سکتا تھا، علم کے گرنے کے ساتھ سینہ کے بل زمین پر گرا، اور علم کو سینہ سے دبا لیا، اسی حالت میں یہ کہتا ہوا مار گیا، کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا[2]، علم دیر تک خاک پر پڑا رہا، آخر ایک بہادر خاتون (عمرہ بنت علقمہ) دلیرانہ بڑھی، اور علم کو ہاتھ میں لے کر بلند کیا، یہ دیکھ کر ہر طرف سے قریش سمٹ آئے اور اکھڑے ہوئے

[1] صحیح بخاری باب قتل حمزہؓ صفحہ ۵۰۳، [2] ابن ہشام و طبری جلد ۲ صفحہ ۱۴۰۱، س

پاؤں پھر جم گئے،

ابو عامر کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا لیکن اس کے بیٹے حضرت حنظلہؓ اسلام لا چکے تھے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باپ کے مقابلہ میں لڑنے کی اجازت مانگی لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گوارا نہ کیا، کہ بیٹا باپ پر تلوار اٹھائے، حضرت حنظلہؓ نے کفار کے سپہ سالار (ابو سفیان) پر حملہ کیا، اور قریب تھا، کہ ان کی تلوار ابو سفیان کا فیصلہ کر دے، کہ دفعۃً پہلو سے شداد بن الاسود نے جھپٹ کر ان کے وار کو روکا، اور ان کو شہید کر دیا، تاہم لڑائی کا پلہ مسلمانوں ہی کی طرف بھاری تھا، علم برداروں کے قتل، اور حضرت علیؓ اور حضرت ابو دجانہؓ کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اکھڑ گئے، بہادر نازنینیں جو رجز سے دلوں کو ابھار رہی تھیں، بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹیں، اور مطلع صاف ہو گیا، لیکن ساتھ ہی مسلمانوں نے لوٹ شروع کر دی، یہ دیکھ کر تیر انداز جو پشت پر مقرر کئے گئے تھے، وہ بھی غنیمت پر جھکے،

حضرت عبداللہ بن جبیر نے بہت روکا، لیکن وہ رک نہ سکے، تیر اندازوں کی جگہ خالی دیکھ کر خالد نے عقب سے حملہ کیا، عبداللہ بن جبیر چند جانبازوں کے ساتھ جم کر لڑے، لیکن سب کے سب شہید ہوئے، اب راستہ صاف تھا، خالد نے سواروں کے دستہ کے ساتھ نہایت بے جگری سے حملہ کیا، لوگ لوٹنے میں مصروف تھے، مڑ کر دیکھا، تو تلواریں برس رہی ہیں، بدحواسی میں دونوں فوجیں اس طرح باہم مل گئیں، کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے، حضرت مصعبؓ بن عمیر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت میں مشابہ

(سیرۃ النبی، فرزند احمد صفحہ ۵۷۹)

Marfat.com

اور علمبردار تھے، ابن قمیہ نے ان کو شہید کر دیا، اور غل مچ گیا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت پائی، اس آواز سے عام بدحواسی چھا گئی، بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اکھڑ گئے، بدحواسی میں اگلی صفیں پچھلی صفوں پر ٹوٹ پڑیں، اور دوست دشمن کی تمیز نہ رہی، حضرت حذیفہؓ کے والد (یمان) اس کش مکش میں آ گئے، اور ان پر تلواریں برس پڑیں، حضرت حذیفہؓ چلاتے رہے، کہ میرے باپ ہیں، لیکن کون سنتا تھا، غرض وہ شہید ہو گئے اور حضرت حذیفہؓ نے ایثار کے لہجہ میں کہا "مسلمانو! خدا تم کو بخش دے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر دیکھا، تو صرف گیارہ جاں نثار پہلو میں تھے، جن میں حضرت علی مرتضیٰؓ حضرت ابوبکرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت ابو دجانہؓ، حضرت طلحہؓ کا نام بہ تخصیص معلوم ہے، صحیح بخاری میں یہ روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ رہ گئے تھے،

اس ہلچل اور اضطراب میں اکثروں نے تو بالکل ہمت ہار دی، لیکن جاں بازوں کا بھی زور نہیں چلتا تھا، جو جہاں تھا، وہیں گھر کر رہ گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی کو خبر نہ تھی، حضرت علی تلوار چلاتے، اور دشمنوں کی صفیں الٹتے جاتے تھے، لیکن مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ نہ تھا، حضرت انسؓ کے چچا ابن نضر لڑتے بھڑتے موقع سے آگے نکل گئے، دیکھا، تو حضرت عمرؓ نے مایوس ہو کر ہتھیار پھینک دیا ہے، پوچھا یہاں کیا کرتے ہو؟ بولے اب لڑ کر کیا کریں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو شہادت پائی" ابن نضر

---

[1] صحیح بخاری غزوہ احد صفحہ ۵۸۱، [2] یہ عام ارباب سیر کی روایت ہے، صحیح بخاری میں یہ واقعہ مذکور ہے لیکن حضرت عمرؓ کا نام نہیں ہے

Marfat.com

نے کہا" ان کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے"۔ یہ کہہ کر فوج میں گھس گئے، اور لڑ کر شہادت پائی، لڑائی کے بعد جب ان کی لاش دیکھی گئی، تو اسی سے زیادہ تیر، تلوار اور نیزے کے زخم تھے، کوئی شخص پہچان تک نہ سکا، ان کی بہن نے انگلی دیکھ کر پہچانا،

جاں نثاران خاص برابر لڑتے جاتے تھے لیکن نگاہیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈھتی تھیں، سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک کی نظر پڑی، چہرہ مبارک پر مغفر تھا لیکن آنکھیں نظر آتی تھیں، حضرت کعبؓ نے پہچان کر پکارا" مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں"۔ یہ سنکر ہر طرف سے جاں نثار ٹوٹ پڑے، کفار نے اب ہر طرف سے ہٹ کر اسی رُخ پر زور دیا، دل کا دل ہجوم کر کے بڑھتا تھا لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا، ایک دفعہ ہجوم ہوا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" کون مجھ پر جان دیتا ہے"۔ زیادؓ بن سکن پانچ انصاری لے کر اس خدمت کے ادا کرنے کے لئے بڑھے، اور ایک ایک نے جانبازی سے لڑ کر جانیں فدا کر دیں، حضرت زیادؓ کو یہ شرف حاصل ہوا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، کہ ان کا لاشہ قریب لاؤ، لوگ اٹھا کر لائے، کچھ کچھ جان باقی تھی، قدموں پر منہ رکھ دیا، اور اسی حالت میں جان دی،

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہاں نیاز مندے کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسید بانگی

(ایک بہادر مسلمان اس عالم میں بھی بے پروائی کے ساتھ کھڑا کھجوریں کھا رہا تھا، اس نے

---

[1] صحیح بخاری غزوہ احد صفحہ ۹۰۵، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۸، باب ثبوت الجنۃ للشہید" س" [2] صحیح مسلم غزوہ احد میں ہے کہ سات انصاری تھے، اور ساتوں نے باری باری اپنی جانیں فدا کیں)

Marfat.com

بڑھ کر پوچھا، کہ "یا رسول اللہ! اگر میں مارا گیا، تو کہاں ہوں گا؟" آپ نے فرمایا: "جنت میں" اس بشارت سے بے خود ہو کر وہ اس طرح کفار پر ٹوٹ پڑا، کہ مارا گیا،)

عبداللہ بن قمیہ جو قریش کا مشہور بہادر تھا صفوں کو چیرتا پھاڑتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آگیا، اور چہرہ مبارک پر تلوار ماری، اس کے صدمہ سے منفر کی دو کڑیاں چہرہ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں، چاروں طرف سے تلواریں اور تیر برس رہے تھے، یہ دیکھ کر جاں نثاروں نے آپ کو دائرہ میں لے لیا، ابو دجانہؓ جھک کر سپر بن گئے، اب جو تیر آتے تھے، ان کی پیٹھ پر آتے تھے، حضرت طلحہؓ نے تلواروں کو ہاتھ پر روکا، ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا بے درد رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر تیر برسا رہے تھے، اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے،

رب اغفر قومی فانھم لا یعلمون[2] اے خدا میری قوم کو بخش دے، وہ جانتے نہیں،

حضرت ابو طلحہؓ جو انسؓ نے علاقی باپ تھے مشہور قدر انداز تھے، انہوں نے اس قدر تیر برسائے کہ دو تین کمانیں ان کے ہاتھ میں ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گئیں، انہوں نے سپر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر اوٹ کر لیا تھا، کہ آپ پر کوئی وار نہ آنے پائے، آپ کبھی گردن اٹھا کر دشمنوں کی فوج کی طرف دیکھتے، تو عرض کرتے، کہ آپ گردن نہ اٹھائیں، ایسا نہ ہو، کہ کوئی تیر لگ جائے، یہ میرا سینہ سامنے ہے[3] (حضرت سعدؓ وقاص بھی مشہور تیر انداز تھے اور اس وقت آپ کے رکاب میں حاضر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ترکش ان کے آگے ڈال دیا، اور فرمایا، کہ "تم پر میرے ماں باپ قربان" تیر مارتے جاؤ،[4]

[1] صحیح بخاری غزوہ احد صفحہ ۵۷۹، [2] صحیح مسلم غزوہ احد جلد ۲ صفحہ ۹۰، [3] صحیح بخاری غزوہ احد صفحہ ۵۸۰، [4] ایضاً صفحہ ۵۸۰)

Marfat.com

اسی حالت میں آپؐ کی زبان سے عبرت کے لہجہ میں یہ لفظ نکلا "وہ قوم کیا فلاح پا سکتی ہے جو اپنے پیغمبر کو زخمی کرتی ہے" بارگاہ خداوندی میں یہ الفاظ پسند نہ آئے، اور یہ آیت اتری،

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ — تم کو اس معاملہ میں کچھ اختیار نہیں،

چنانچہ صحیح بخاری غزوہ احد میں یہ واقعہ مذکور ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت قدموں کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے کہ دشمن ادھر نہیں آسکتے تھے، ابوسفیان نے دیکھ لیا، فوج لے کر پہاڑی پر چڑھا لیکن حضرت عمرؓ اور چند صحابہؓ نے پتھر برسائے جس سے وہ آگے نہ بڑھ سکا،

آپؐ کی وفات کی خبر مدینہ میں پہنچی، تو اخلاص شعار نہایت بیتابی کے ساتھ دوڑے جناب فاطمہؓ زہرا نے آکر دیکھا، تو ابھی تک چہرۂ مبارک سے خون جاری تھا حضرت علیؓ سپر میں بھر کر پانی لائے جناب سیدہؓ دھوتی تھیں لیکن خون نہیں تھمتا تھا، بالآخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا، اور زخم پر رکھ دیا، خون فوراً تھم گیا،

ابوسفیان سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر پکارا، کہ "یہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؟" آپؐ نے حکم دیا، کہ کوئی جواب نہ دے، ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کا نام لے کر پکارا اور جب کچھ آواز نہ آئی، تو پکار کر بولا "سب مارے گئے" حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا، بول اٹھے "او دشمن خدا ہم سب زندہ ہیں"

ابوسفیان نے کہا،

طبری صفحہ ۱۰۱۴-۱۰۱۱، صحیح بخاری غزوہ احد جلد ۲ صفحہ ۵۸۴۔

Marfat.com

اعلی ھبل[1] — اے ہبل! تو اونچا رہ،

صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کہا،

اللہ اعلی واجل — خدا اونچا اور بڑا ہے،

ابوسفیان نے کہا،

لنا العزّی ولا عزّی لکم — ہمارے پاس عزیٰ[2] ہے تمہارے پاس نہیں،

صحابہؓ نے کہا،

اللہ مولانا ولا مولی لکم — خدا ہمارا آقا ہے اور تمہارا کوئی آقا نہیں،

ابوسفیان نے کہا "آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے، فوج کے لوگوں نے مردوں کے ناک کان کاٹ لئے ہیں، میں نے یہ حکم نہیں دیا تھا، لیکن مجھ کو معلوم ہوا، تو کچھ رنج بھی نہیں ہوا[3]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مستورات اور بچوں کو حضرت یمانؓ اور حضرت ثابتؓ کی حفاظت میں مدینہ کے پاس کے قلعوں میں بھیجدیا تھا، ان لوگوں کو شکست کی خبر معلوم ہوئی، تو سب کو چھوڑ کر احد کی طرف بڑھے، حضرت ثابتؓ مشرکوں کے ہاتھ سے مارے گئے، حضرت یمانؓ کو مسلمان ہجوم میں پہچان نہ سکے، ان پر تلواریں برس پڑیں، ان کے صاحبزادے حضرت حذیفہؓ نے ہر چند "ہاں ہاں" کہا، اور پہچنوایا، کہ میرے باپ ہیں، لیکن ہنگامہ میں کون سنتا تھا، حذیفہؓ یہ کہہ کر رہ گئے، کہ "مسلمانو! خدا تمہارے اس گناہ کو بخش دے"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یمانؓ کا خوں بہا مسلمانوں کی طرف سے ادا کرنا چاہا، لیکن

---

[1] بت کا نام ہے [2] بت کا نام ہے لغتی معنی عزت کے ہیں، [3] یہ تمام تفصیل بخاری غزوہ احد کے ذکر میں ہے،

حضرت حذیفہؓ نے معاف کر دیا، ابن ہشام میں یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے، صحیح بخاری میں بھی ہے لیکن مختصر ہے،

خاتونان قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے یہ بھی بدلہ لیا، ان کے ناک، کان کاٹ لئے، ہند (حضرت امیر معاویہؓ کی ماں) نے ان پھولوں کا ہار بنایا، اور اپنے گلے میں ڈالا، حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئی، اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا، اور چبا گئی، لیکن گلے سے اتر نہ سکا، اس لئے اگل دینا پڑا، تاریخوں میں ہند کا لقب جو جگر خوار لکھا جاتا ہے، اسی بنا پر لکھا جاتا ہے، ہند فتح مکہ میں ایمان لائی لیکن جس طرح ایمان لائی، وہ عبرت خیز ہے تفصیل آگے آئے گی،

اس غزوہ میں اکثر خاتونان اسلام نے بھی شرکت کی، حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلیمؓ جو حضرت انسؓ کی ماں تھیں، زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں، صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے منقول ہے، کہ میں نے حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ کو دیکھا، کہ پائنچے چڑھائے ہوئے مشک بھر بھر کر لاتی تھیں، اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں، مشک خالی ہو جاتی تھی، تو جا کر بھر لاتی تھیں، ایک اور روایت میں ہے، کہ حضرت ام سلیطؓ نے بھی، جو حضرت ابو سعیدؓ خدری کی ماں تھیں، یہی خدمت انجام دی،

عین اس وقت جب کہ کافروں نے عام حملہ کر دیا تھا، اور آپ کے ساتھ صرف چند جاں نثار رہ گئے تھے، حضرت ام عمارہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں، اور سینہ سپر

---

(۱) صفحہ ۵۸۱ کتاب المغازی، غزوہ احد (۲) صحیح بخاری صفحہ ۵۸۲، ذکر ام سلیط،

ہوگئیں، کفار جب آپؐ پر بڑھتے تھے، تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں، ابن قمیہ جب دراتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا، تو حضرت ام عمارہؓ نے بڑھ کر روکا، چنانچہ کندھے پر زخم آیا، اور غار پڑ گیا، انہوں نے بھی تلوار ماری لیکن وہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا، اس لئے کارگر نہ ہوئی،

حضرت صفیہؓ (حضرت حمزہؓ کی بہن) شکست کی خبر سن کر مدینہ سے نکلیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ کو بلا کر ارشاد کیا، کہ حمزہؓ کی لاش نہ دیکھنے پائیں، حضرت زبیرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا، بولیں، کہ میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی، لاش پر گئیں، خون کا جوش تھا، اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے لیکن اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہہ کر چپ ہوگئیں، اور مغفرت کی دعا مانگی،

انصار میں سے ایک عفیفہ کے باپ، بھائی، شوہر سب اس معرکہ میں مارے گئے تھے، باری باری میں سخت حادثوں کی خبر کانوں میں پڑتی جاتی تھی لیکن وہ ہر بار صرف یہی پوچھتی تھی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا خیر ہیں، اس نے پاس آکر چہرہ مبارک دیکھا، اور بے اختیار پکار اٹھی[۳]

کل مصیبۃ بعدک جلل — تیرے ہوتے سب مصیبتیں ہیچ ہیں،

میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا — اے شہ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

(مسلمانوں کی طرف سے ستر آدمی مارے گئے، جن میں زیادہ تر انصار تھے لیکن مسلمانوں کے

---

[۱] ابن ہشام صفحہ ۸۴ (مطبع محمد علی مصر) [۲] طبری (۱۴۲۱) [۳] طبری صفحہ ۱۴۲۹،

Marfat.com

افلاس کا یہ حال تھا، کہ اتنا کپڑا بھی نہ تھا، کہ شہدا کی پردہ پوشی ہو سکتی، حضرت مصعبؓ بن عمیر ایک صحابی تھے، کہ ان کا پاؤں چھپایا جاتا، تو سر کھل جاتا، اور سر ڈھانکا جاتا، تو پاؤں کھل جاتا، آخر پاؤں اذخر کی گھاس سے چھپا دیئے گئے، یہ وہ حیرت انگیز منظر تھا، کہ بعد کو بھی یہ واقعہ جب مسلمانوں کو یاد آجاتا، تو آنکھیں تر ہو جاتیں، شہدا، بے غسل اسی طرح خون میں لتھڑے ہوئے دو، دو ملا کر ایک ایک قبر میں دفن کئے گئے، جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا، اس کو مقدم کیا جاتا، ان شہدا پر نماز جنازہ بھی اس وقت نہیں پڑھی گئی[1]، آٹھ برس کے بعد وفات سے دو ایک برس پہلے، جب آپؐ ادھر سے گذرے، تو بے اختیار آپ پر رقت طاری ہوئی، اور اس طرح آپؐ نے پر درد کلمات فرمائے جیسے کوئی زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہا ہے، اور اس کے بعد آپؐ نے ایک خطبہ دیا، کہ "مسلمانو! تم سے یہ خوف نہیں کہ پھر مشرک بن جاؤ گے، لیکن یہ ڈر ہے، کہ دنیا میں نہ پھنس جاؤ"

دونوں فوجیں جب میدان سے الگ ہوئیں، تو مسلمان زخم سے چور تھے، تاہم یہ خیال کر کے کہ ابوسفیان مسلمانوں کو مغلوب سمجھ کر دوبارہ حملہ آور نہ ہو، آپؐ نے مسلمانوں کی طرف روئے خطاب کر کے فرمایا، کہ کون ان کا تعاقب کرے گا، فوراً ستر آدمیوں کی ایک جماعت

---

[1] یہ صحیح بخاری کی روایت ہے لیکن دوسری کتابوں میں بعض ایسی روایتیں بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ پر تو خصوصیت کے ساتھ اور دوسرے شہدا پر بھی نماز جنازہ پڑھی یہ شہدا ایک ایک کر کے اور بعض میں ہے کہ دس دس کر کے لائے جاتے تھے، اور آپ ان پر نماز جنازہ پڑھتے تھے، اور حضرت حمزہؓ کی لاش مبارک پر ہر جماعت کے ساتھ گویا ستر یا سات دفعہ نماز ادا کی گئی، شرح معانی الآثار طحاوی باب الصلوۃ علی الشہداء، ونصب الرایہ زیلعی باب احادیث الصلوۃ [illegible] مطبوعہ کلکتہ) [2] یہ تمام واقعات صحیح بخاری غزوہ احد کے متفرق ابواب میں ہیں،

Marfat.com

اس مہم کے لئے تیار ہوگئی، جن میں حضرت ابوبکرؓ اور زبیرؓ بھی داخل تھے،

ابوسفیان احد سے روانہ ہوکر جب مقام روحا پر پہنچا، یہاں خیال آیا، کہ کام ناتمام رہ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی سے گمان تھا، دوسرے ہی دن سے آپ نے اعلان کرادیا، کہ کوئی واپس نہ جائے، چنانچہ حمراء الاسد تک جو مدینہ سے ۸ میل ہے تشریف لے گئے، قبیلہ خزاعہ اس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا لیکن درپردہ اسلام کا طرف دار تھا، اس کا رئیس معبد خزاعی شکست کی خبر سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور واپس جاکر ابوسفیان سے ملا، ابوسفیان نے اپنا ارادہ ظاہر کیا، معبد نے کہا: "میں دیکھتا آیا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سروسامان سے آرہے ہیں، کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے" غرض ابوسفیان واپس گیا یہی واقعہ ہے جس کو مورخین نے تکثیر غزوات کے شوق سے ایک نیا غزوہ بنا لیا ہے، اور حمراء الاسد کا ایک نیا عنوان قائم کیا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے، تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا، آپؐ جس طرف سے گذرتے تھے، گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں، آپؐ کو عبرت ہوئی کہ سب کے عزیز و اقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہیں، لیکن حمزہؓ کا کوئی نوحہ خواں نہیں ہے رقت کے جوش میں آپؐ کی زبان سے بے اختیار نکلا،

اما حمزۃ فلا بواکی لہ — لیکن حمزہ کا کوئی رونے والا نہیں،

انصار نے یہ الفاظ سنے تو تڑپ اٹھے سب نے جاکر اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ دولت کدہ پر جاکر

(۱) صحیح بخاری صفحہ ۵۸۴ ج ۲ (۲) طبری صفحہ ۱۴۲۰، ۱۴۲۹ (۳) مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۸۴ ج ۲

حضرت حمزہؓ کا ماتم کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا، تو دروازہ پر پردہ نشینان انصار کی بھیڑ تھی، اور حضرت حمزہؓ کا ماتم بلند تھا، ان کے حق میں دعائے خیر کی، اور فرمایا میں تمہاری ہمدردی کا شکر گذار ہوں، لیکن مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں (عرب میں دستور تھا کہ مردوں پر عورتیں زور زور سے نوحہ اور بین کرتی تھیں، کپڑے پھاڑ لیتی تھیں، گال نوچتی، گالوں پر تھپڑ مارتی تھیں، اور چیختی چلاتی تھیں، یہ رسم بد اسی دن سے بند کر دی گئی، اور فرمایا گیا، کہ آج سے کسی مردہ پر نوحہ نہ کیا جائے، یہ بھی بعد کو ارشاد ہوا، کہ اس طرح ماتم کرنا مسلمانوں کی شان نہیں[۲])

(قرآن مجید میں سورہ آل عمران میں غزوہ احد کا مفصل ذکر موجود ہے)

واقعات متفرقہ ۳ھ اس سال یعنی ۳ھ میں حضرت امام حسن (رضی اللہ عنہ) کی ولادت ہوئی، رمضان کی پندرھویں تاریخ تھی، اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے جو حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں، اور غزوہ بدر کے زمانہ میں بیوہ ہو گئی تھیں، نکاح کیا، اسی سال حضرت عثمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے شادی کی،

وراثت کا قانون بھی اسی سال نازل ہوا، اب تک وراثت میں ذوی الارحام کا کوئی حصہ نہ تھا، ان کے حقوق کی بھی تفصیل کی گئی، مشرکہ کا نکاح مسلمان سے اب تک جائز تھا، اس سال اس کی بھی تحریم نازل ہوئی،

---

[۱] ابن ہشام غزوہ احد اور مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۸۴، [۲] صحیح بخاری کتاب الجنائز ص۱۷۶

سنہ ۴ھ

سلسلۂ غزوات[1] و سرایا

تمام قبائل عرب بجز ایک دو کے اسلام کے دشمن تھے، دشمنی زیادہ تر اس بنا پر تھی، کہ ہر قبیلہ بت پرستی کو اپنا دین و آئین سمجھتا تھا، اسلام اسی کو مٹاتا تھا، اس کے ساتھ قریش کا اثر تمام عرب تھا، حج کے زمانہ میں تمام قبائل مکہ میں جمع ہوتے تھے، اور قریش ان کو اسلام کی دشمنی پر برانگیختہ کرتے تھے، ایک اور بڑا سبب یہ تھا، کہ تمام قبائل کی وجہ معاش لوٹ اور غارتگری تھی، اور اسلام اس کو نہ صرف قولاً بلکہ عملاً بھی روکتا تھا، اس لئے وہ جانتے تھے، کہ اسلام اگر قائم ہوگیا، تو ہمارے ذرائع معاش بند ہوجائیں گے، تاہم بدر کی فتح نے ایک عام رعب بٹھا دیا تھا جس کی وجہ سے تمام قبیلے اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھ گئے، لیکن احد کی شکست نے حالت بدل دی، اور دوبارہ تمام قبائل دفعۃً اٹھ کھڑے ہوئے، سیرت نبوی میں سرایا (چھوٹی چھوٹی لڑائیاں) کا جو ایک وسیع سلسلہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے اسی زنجیر کی کڑیاں ہیں، عام مورخوں نے اگرچہ اپنی عادت کے موافق ان لڑائیوں کے ذکر میں ان کے اسباب سے بحث نہیں کی، لیکن ابن سعد نے طبقات میں اور ائمہ فن

---

[1] غزوہ اور سریہ میں جو فرق ہے، اس کی نسبت علمائے سیرت مختلف الرائے ہیں، زیادہ مقبول یہ رائے ہے، کہ جس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک ہوں، وہ غزوہ کے نام سے موسوم ہے، اور جس میں صحابہ افسر مقرر کرکے بھیج دیئے جاتے تھے، وہ سریہ کہلاتا ہے

نے قریباً ہر واقعہ کا سبب لکھدیا ہے یعنی کسی خاص قبیلہ نے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدافعت کے لئے فوجیں بھیجیں،

سریہ ابی سلمہ

۱۔ سب سے پہلے ۱ محرم ۴ھ میں طلحہ اور خویلد نے اپنے قبیلہ کو جو نجد کے کوہستانی علاقہ قطن میں رہتا تھا، مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی، تو آپ نے حضرت ابو سلمہؓ کو ایک سو پچاس مہاجرین اور انصار کے ساتھ اس طرف روانہ کیا، یہ خبر سنکر ان کی جماعت منتشر ہوگئی،[1]

سریہ ابن انیس

۲۔ اس کے بعد محرم ۴ھ میں سفیان بن خالد جو قبیلہ لحیان کا تھا، اور جو کوہستان عرنہ کا رئیس تھا، مدینہ پر حملہ کا قصد کیا، اس کے مقابلہ کے لئے آپ نے حضرت عبداللہ بن انیسؓ کو بھیجا جنہوں نے لطائف الحیل سے موقع حاصل کیا، اور سفیان کو قتل کر دیا[2]

صفر ۴ھ میں ابو براء کلابی[3] جو قبیلہ کلاب کا رئیس تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور درخواست کی، کہ چند لوگوں کو میرے ساتھ کر دیجئے، کہ میری قوم کو اسلام کی دعوت دیں، آپ نے فرمایا "مجھ کو نجد کی طرف سے ڈر ہے" ابو براء نے کہا، ان کا میں ضامن

---

[1] ابن سعد ص۳۵ (جلد ۲ قسم اول) اصل عبارت یہ ہے بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان طلیحۃ وسلمۃ ابنی خویلد قد سارا فی قومھما من الطاعۃ یدعوانھا الی حرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [2] طبقات ابن سعد ص۳۶ اصل عبارت یہ ہے وذلک انہ بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سفیان بن خالد الھذلی قد جمع الجموع لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [3] ابو براء بعد کو اسلام لائے یا نہیں، اس میں اہل علم کا اختلاف ہے، ذہبی کہتے ہیں، کہ صحیح یہ ہے کہ یہ اسلام نہیں لائے [illegible] کہ انکے قبول اسلام کی کوئی روایت نہیں ہے، تاہم بعض روایات کی بنا پر ایک جماعت کا خیال ہے کہ اسلام لائے تھے زرقانی جلد ۲ ص۳۶۰ [4] (اور یہ کچھ لے جائیں) دیتا، عامر بن طفیل جو ان اطراف کا رئیس تھا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ میرے تمہارے درمیان تین باتیں ہیں، بادیہ کے مالک تم ہو اور شہروں کا میں ہوں یا اپنے بعد مجھ کو اپنا جانشین بناؤ، ورنہ غطفان کو لے کر میں چڑھ آؤنگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہیں فرمایا تھا، اس لئے اس کی طرف سے ڈر تھا (صحیح بخاری غزوۃ الرجیع و رعل و ذکوان)

Marfat.com

ہوں" آپؐ نے منظور فرمایا، اور ستر انصار ساتھ کر دیئے، یہ لوگ نہایت مقدس اور درویش تھے، اور اکثر اصحاب صفہ میں سے تھے، ان کا معمول تھا، کہ دن بھر لکڑیاں چنتے، شام کو فروخت کر کے کچھ اصحاب صفہ کی نذر کرتے کچھ اپنے لئے رکھتے،

بیر معونہ

ان لوگوں نے بیر معونہ پہنچکر قیام کیا، اور حرام بن ملحان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دے کر عامر بن طفیل (بن مالک بن جعفر کلابی و عامری) کے پاس بھیجا جو قبیلہ کا رئیس تھا، عامر نے حرام کو قتل کر دیا، اور آس پاس کے جو قبائل تھے یعنی عصیہ، رعل، ذکوان سب کے پاس آدمی دوڑا دیئے، کہ تیار ہو کر آئیں، ایک بڑا لشکر تیار ہو گیا، اور عامر کی سرداری میں آگے بڑھا، صحابہؓ حرام کی واپسی کے منتظر تھے، جب دیر لگی، تو خود روانہ ہوئے، راستہ میں عامر کی فوج کا سامنا ہوا، کفار نے ان کو گھیر لیا، اور سب[1] کو قتل کر دیا، صرف عمرو (بن[2]) امیہؓ کو عامر نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا، کہ "میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی، میں تجھ کو آزاد کرتا ہوں" یہ کہہ کر ان کی چوٹی کاٹی، اور چھوڑ دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی، تو اس قدر صدمہ ہوا، کہ تمام عمر کبھی نہیں ہوا، مہینہ بھر نماز فجر میں ان ظالموں کے حق میں بددعا کی، حضرت عمرو بن امیہؓ نے (واپسی میں راستہ میں بنی عامر کے) دو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا (جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امان دے چکے تھے) مگر حضرت عمرو بن امیہؓ کو اس کا علم نہ تھا،

---

(۱) صحابہ کی اس جماعت میں حضرت کعبؓ بن زید بھی تھے، کفار نے سمجھا، کہ یہ بھی شہید ہو گئے، لیکن ان میں جان باقی تھی، اور بعد کو زندہ بچ گئے، اور غزوہ خندق میں شہید ہوئے، زرقانی جلد ۲ صفحہ ۸۸ "س" (۲) حضرت عمرو بن امیہؓ اور حضرت منذر بن محمد بن عقبہ انصاری پیچھے تھے، جب یہ مقام حادثہ پر پہنچے، تو حضرت منذرؓ کو شہید کر دیا گیا، اور حضرت عمرو بن امیہؓ کو گرفتار کر لیا گیا، اور بعد کو وہ چھوڑ دیئے گئے، زرقانی جلد ۲ صفحہ ۸۹ "س"

وہ یہ سمجھے، کہ ہم نے بنی عامر سے ان کی بیوفائی کا بدلہ لے لیا، جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے ساتھ کیا تھا (جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو) اس پر آپ نے ناراضی ظاہر فرمائی، اور دونوں کے خونبہا ادا کر دینے کا اعلان فرمایا،

واقعہ رجیع

انہی دنوں عضل اور قارہ جو دو مشہور قبیلے تھے، ان کے چند آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے چند لوگوں کو ہمارے ہاں بھیجیے کہ اسلام کے احکام اور عقائد سکھائیں، آپ نے دس شخص ساتھ کر دیئے، جن کے سردار حضرت عاصم بن ثابتؓ تھے، یہ لوگ جب مقام رجیع پر پہنچے، جو عسفان اور مکہ کے وسط میں ہے، تو ان غداروں نے بدعہدی کی، اور قبیلہ بنو لحیان کو اشارہ کیا، کہ ان کا کام تمام کر دیں، بنو لحیان، دو سو آدمی لے کر جن میں ایک سو تیر انداز تھے، ان لوگوں کے تعاقب میں چلے، اور ان کے قریب آ گئے، ان لوگوں نے بڑھ کر ایک ٹیکرے پر پناہ لی، تیر اندازوں نے ان سے کہا، کہ اتر آؤ، ہم تم کو امن دیتے ہیں، حضرت عاصمؓ نے کہا "میں کافر کی پناہ میں نہیں آتا" یہ کہہ کر خدا سے خطاب کیا، کہ "اپنے پیغمبر کو خبر پہنچا دے" غرض وہ سات آدمیوں کے لڑ کر تیر اندازوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے (قریش نے چند آدمیوں کو بھیجا، کہ عاصمؓ کے بدن سے گوشت کا ایک لوتھڑا کاٹ لائیں، کہ ان کی شناخت ہو، قدرت خداوندی نے شہید مسلم کی یہ تحقیر گوارا نہ کی، شہد کی مکھیوں نے لاش پر پر ڈال دیا، قریش ناکام پھر گئے) لیکن (تین) شخصوں نے

لہ (البدایہ النہایہ ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۷۳، زرقانی جلد ۲ صفحہ ۹۱) (۲ بخاری (کتاب المغازی) نے اس موقعہ پر جن تیسرے بزرگ کا ذکر کیا ہے ان کا نام نہیں لکھا ہے، ابن اسحاق نے انکا نام حضرت عبداللہ بن طارق بتایا ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ اسی موقع پر شہید کر دیئے گئے تھے لیکن دوسری روایتوں میں ہے یہاں سے آگے چل کر مکہ کے راستہ میں بمقام ظہران انکی شہادت ہوئی (زرقانی جلد ۲ صفحہ ۹۱)

Marfat.com

جن (میں سے دو) کے نام حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ (بن الدثنہ) تھے، کافروں کے وعدہ پر اعتماد کیا، اور ٹیکرے سے اتر آئے، کافروں نے بدعہدی کر کے ان کی مشکیں کس لیں اور مکہ میں لے جا کر بیچ ڈالا حضرت خبیبؓ نے جنگ احد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا اس لئے ان کو حارث کے بیٹوں نے خریدا کہ باپ کے بدلہ میں قتل کریں گے، چند روز انہی کے گھر میں رہے، ایک دن حارث کی نواسی کو کھلا رہے تھے، اتفاق سے ہاتھ میں چھری تھی، بچی کی ماں اتفاقاً کہیں سے آ گئی، دیکھا، کہ حضرت خبیبؓ کے ہاتھ میں ننگی چھری ہے، کانپ اٹھی، حضرت خبیبؓ نے کہا کیا تو یہ سمجھی ہے، کہ میں اس کو قتل کر دوں گا؟ ہمارا یہ کام نہیں"، خاندان حارث ان کو حرم کے حدود سے باہر لے گیا، اور قتل کرنا چاہا، انہوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی، قاتلوں نے اجازت دیدی، انہوں نے دو رکعت نماز پڑھ کر کہا "دیر تک پڑھنے کو جی چاہتا تھا، لیکن تم کو خیال ہوگا، کہ موت سے ڈرتا ہوں" پھر یہ اشعار پڑھے،

وما ان ابالی حین اقتل مسلما	جب میں اسلام کے لئے قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھ کو
علی ای شق کان للہ مصرعی	اس کی پرواہ نہیں کہ کس پہلو قتل کیا جاؤں گا
وذلک فی ذات الالٰہ وان یشاء	یہ جو کچھ ہے خالصاً خدا کے لئے ہے، اگر وہ چاہے گا
یبارک علی اوصال شلو ممزع	تو جسم کے ان پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکت نازل کریگا

اسی زمانہ سے دستور ہے، کہ کسی کو قتل کرتے ہیں، تو مقتول پہلے دو رکعت نماز ادا کر لیتا ہے،

---

(۱) حارث کے بیٹے ابو سروعہ جنہوں نے حضرت خبیبؓ کو شہید کیا تھا، بعد کو مسلمان ہوئے، اور شرف صحابیت سے سرفراز ہوئے، زرقانی جلد ۲ صفحہ ۲۰۶ س ۲ (۲) صحیح بخاری میں استرہ لکھا ہے" س"

Marfat.com

لئے (اور یہ مستحب سمجھا جاتا ہے)

دوسرے صاحب حضرت زیدؓ تھے، ان کو صفوان بن امیہ نے قتل کے ارادہ سے خریدا تھا، ان کے قتل کے وقت قریش کے معزز سردار تماشا دیکھنے آئے جن میں ابوسفیان بھی تھا، جب قاتل نے تلوار ہاتھ میں لی، تو ابوسفیان نے کہا "سچ کہنا اس وقت تمہارے جی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کئے جائیں، تو کیا تم اس کو اپنی خوش قسمتی نہ سمجھتے؟" بولے "خدا کی قسم! میں تو اپنی جان کو اس کے برابر بھی عزیز نہیں رکھتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوؤں میں کانٹا چبھ جائے" صفوان نے غلام نسطاس[1] نے اس کی گردن ماردی،

ان لڑائیوں کا سلسلہ یہود کی لڑائیوں سے مل جاتا ہے، اور چونکہ یہود کے واقعات اور ان کی سرگذشت تاریخ اسلام سے گوناگوں تعلق رکھتی ہے، اس لئے ہم ان کے واقعات مستقل حیثیت سے لکھتے ہیں، اور اس غرض کے لئے کسی قدر ہم کو پچھلے زمانہ کی طرف واپس آنا پڑے گا،

---

[1] طبری ۳۵ و طبقات ابن سعد اشعار اور اکثر جزئیات واقعہ صحیح بخاری غزوۃ الرجیع سے لئے گئے ہیں، نیز صحیح بخاری ھل یبتاع رجل من لدن یبتاع رجل وصلی رکعتین عند القتل (۲) اس نماز کے استحباب کی اس وجہ سے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خبیبؓ کے اس فعل کی اطلاع ملی تو آپ نے اس کو پسند فرمایا (شرح سیر کبیر سرخسی ادنی ص۱۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس استحسان نے اس نماز کو استحباب کا درجہ عطا فرمایا (الروض الانف جلد ۲ ص۱۷۱) محدثین کی اصطلاح میں اس صورت حال کو تقریر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں، یعنی حضور کے سامنے کوئی فعل کیا گیا، اور حضور کو اس کی اطلاع ہوئی، مگر آپ نے اس پر انکار نہ کیا ہو، تو اس سے بھی اس فعل کا مسنون و مستحب یا جائز ہونا سمجھا جائے گا" س"

[2] نسطاس نے بعد کو اسلام قبول کیا، زرقانی جلد ۲ صفحہ ۹۴" س"

Marfat.com

واقعات متفرقہ سنہ ۴ | اسی سال شعبان میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی،

اسی سال ازواج مطہرات میں سے حضرت زینبؓ بنت خزیمہ نے انتقال فرمایا جن سے اسی سال نکاح بھی ہوا تھا،

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو حکم دیا، کہ وہ عبرانی لکھنا پڑھنا سیکھ لیں، اور فرمایا۔ کہ مجھ کو یہودیوں پر اطمینان نہیں، تاریخوں میں لکھا ہے، کہ حضرت زید نے صرف پندرہ دن میں عبرانی زبان سیکھ لی، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ مدینہ میں عبری زبان سے لوگ بہت کچھ آشنا تھے،

اسی سال شوال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح فرمایا،

اسی سال یہودیوں نے آپ کے سامنے ایک یہودی کا مقدمہ پیش کیا، اور آپؐ نے توراۃ کے مطابق رجم کا حکم دیا (تفصیل ان واقعات کی دوسرے حصوں میں آئے گی)

بعض مورخوں کے نزدیک شراب کی حرمت کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا لیکن اس میں روایتیں نہایت مختلف ہیں، پوری تحقیق احکام شرعیہ کے ذکر میں آئے گی،

Marfat.com

یہودیوں کے ساتھ معاہدہ اور جنگ

سنہ ۲ھ و سنہ ۳ھ و سنہ ۴ھ

اوپر گذر چکا ہے، کہ یہود مدت دراز سے مدینہ پر فرمانروا تھے، انصار نے آکر ان کے ساتھ تعلقات پیدا کئے، اور رفتہ رفتہ حریفانہ اقتدار حاصل کیا لیکن جنگ بعاث نے ان کی قومی طاقت توڑ دی، اور اب وہ اس قابل نہیں رہے تھے، کہ یہود سے ہمسری کا دعوی کر سکتے،

یہود کے تین قبیلے تھے، قینقاع، نضیر، قریظہ یہ سب مدینہ کے اطراف و حوالی میں آباد تھے، اور عموماً زمیندار، دولتمند، تجارت پیشہ اور صناع تھے، قینقاع زرگری کا پیشہ کرتے تھے اور چونکہ سب سے زیادہ بہادر اور شجاع تھے، اس لئے ہمیشہ ان کے پاس اسلحہ جنگ کے ذخیرے مہیا رہتے تھے، انصار عموماً ان کے مقروض اور زیر بار تھے، ملکی اور تجارتی افسری کے ساتھ ان لوگوں کا مذہبی اور علمی اثر بھی تھا، انصار عموماً بت پرست اور جاہل تھے، اس بنا پر وہ یہود کو عزت کی آنکھ سے دیکھتے، اور ان کو اپنے سے زیادہ مہذب اور شائستہ سمجھتے تھے، جن لوگوں کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے، وہ منت مانتے تھے، کہ اگر ہمارا بیٹا زندہ رہے گا، تو ہم اس کو یہودی بنا دیں گے، چنانچہ مدینہ میں اس قسم کے بہت سے جدید الیہودیۃ[1] موجود تھے

---

[1] ابوداؤد (جلد ۲ صفحہ ۹) کتاب الجہاد، باب السیر

یہود میں امتداد زمانہ سے نہایت اخلاق ذمیمہ پیدا ہو گئے تھے، ان کے امتیازی خصائص زندگی یہ تھے، کہ ہر طرف لین دین کا کاروبار پھیلا رکھا تھا، اور تمام آبادی ان کے قرضوں میں زیر بار تھی، اور چونکہ تنہا وہی صاحب دولت تھے، اس لئے نہایت بیرحمی سے سود کی بڑی بڑی شرحیں مقرر کرتے تھے، اور قرضہ کی کفالت میں لوگوں کے بال بچے یہاں تک کہ مستورات کو رہن رکھواتے تھے، کعب اشرف نے خود اپنے انصاری دوستوں سے یہی خواہش کی تھی[1]، اور مختلف طریقوں سے لوگوں کے مال اور جائداد پر تصرف کرتے تھے،

طماعی اور حرص کی شدت سے یہ حالت تھی، کہ معصوم بچوں کو دو چار روپے کے زیور کے لئے پتھر سے مار ڈالتے تھے[2]، دولت کی بہتات سے زنا اور بدکاری کا عام رواج تھا، اور چونکہ زیادہ تر امراء اس کے مرتکب ہوتے تھے، اس لئے ان کو سزا نہیں دے سکتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے دریافت فرمایا، کہ "کیا تمہاری شریعت میں زنا کی سزا صرف درہ مارنا ہے؟" اس نے کہا، نہیں بلکہ سنگسار کرنا ہے، لیکن ہمارے شرفاء میں زنا کی کثرت ہو گئی، اور جب کوئی شریف اس جرم میں پکڑا جاتا، تو ہم اس کو چھوڑ دیتے، البتہ عام آدمیوں کو یہ سزا دیتے تھے، بالآخر یہ قرار پایا، کہ سنگسار کرنے کی سزا درہ سے بدل دی جائے تاکہ شریف اور رذیل سب کو یکساں سزا دی جا سکے[3]،

اسلام مدینہ میں آیا، تو یہود کو نظر آیا، کہ اب ان کا جابرانہ اور خود غرضانہ اقتدار قائم نہیں

---

[1] بخاری و مسلم ذکر کعب اشرف [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۶ کتاب الدیات باب اذا قتل بحجر او بعصا "س"

[3] اسباب النزول واحدی صفحہ ۱۵۱ و صحیح مسلم (صفحہ ۹۱) ذکر رجم الیہود "س"

رہ سکتا، اسلام جس قدر روز بروز مدینہ میں پھیلتا جاتا تھا، اسی قدر یہودیوں کے مذہبی وقار کو جو ان کو مدتوں سے حاصل تھا، زوال ہوتا جاتا تھا، مدینہ کے مشرکین میں یہودیت جو تدریجاً پھیل رہی تھی، دفعۃً رک گئی، نئے نئے فتوحات کی بدولت انصار جس قدر دولتمند ہوتے جاتے تھے، یہودیوں کے شکنجوں سے آزاد ہوتے جاتے تھے، یہودیوں میں جو اخلاق بد عموماً پھیلے ہوئے تھے اور جن پر دولتمندی اور مذہبی پیشوائی نے پردہ ڈال رکھا تھا، اب ان کا راز فاش ہونے لگا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ ان سے معاہدہ کیا تھا کہ ان کے جان و مال سے کچھ تعرض نہیں کیا جائے گا، اور ان کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہوگی، لیکن منصب نبوت کی حیثیت سے ذمائم اخلاق پر وعظ اور تذکیر آپ کا فرض نبوت تھا، قرآن مجید میں ان کے اخلاق کی پردہ دری پر صاف صاف آیتیں نازل ہوتی تھیں،

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (مائدہ ۵-۶)	وہ جھوٹ باتوں کے سننے والے، اور مال حرام کے بڑے کھانے والے ہیں،
وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (مائدہ ۵-۹)	اور تو ان میں سے اکثروں کو دیکھے گا، کہ گناہ اور تعدی کی طرف بڑی تیزی سے بڑھتے ہیں،
وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ○ (نساء - ۲۲)	اور چونکہ یہ سود خوری کرتے ہیں، حالانکہ ان کو سود سے منع کر دیا گیا ہے، اور چونکہ یہ لوگوں کا مال خورد برد کر جاتے ہیں،

ان اسباب نے تمام یہود میں اسلام کی طرف سے سخت ناراضی پھیلا دی، انہوں نے

Marfat.com

طرح طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں دینی اور اسلام کے خلاف کوششیں کرنی شروع کیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا، کہ ان کی ہر طرح کی ایذا رسانیوں کی برداشت کریں،

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (آل عمران)

اور اہل کتاب اور مشرکوں سے تم بہت سی ایذا (کی باتیں) سنو گے، اور اگر صبر کئے رہو اور پرہیزگاری پر قائم رہو، تو یہ ہمت کے کام ہیں (آل عمران - ۱۹)

یہودیوں نے معمول کر لیا تھا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام علیکم کرتے تو بجائے السلام علیک کے السام علیک کہتے تھے جس کے معنی یہ ہیں، کہ تجھ کو موت آئے ایک دفعہ حضرت عائشہؓ بھی موجود تھیں، انہوں نے سنا، تو ان کو سخت غصہ آیا، اور بے اختیار ہو کر بول اٹھیں، کہ "کمبختو! تم کو موت آئے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ "نرمی سے کام لو" حضرت عائشہؓ نے کہا "آپ نے کچھ سنا بھی، کہ ان لوگوں نے کیا کہا؟ آپ نے ارشاد فرمایا، کہ ہاں! لیکن یہ کافی ہے، کہ میں نے علیک کہہ دیا[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف مجاملت اور درگذر پر ہی اکتفا نہیں فرماتے تھے، اکثر معاشرت کی باتوں میں یہود کے ساتھ اتفاق فرماتے، اور ان کی مذہبی توقیر قائم رکھنا چاہتے تھے، اہل عرب کی عادت تھی، کہ بالوں میں مانگ نکالتے تھے، بخلاف اس کے یہودی بالوں کو یوں ہی چھوڑ دیتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہودیوں ہی کی موافقت کرتے تھے،

---

[1] یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں موجود ہے،

Marfat.com

صحیح بخاری میں ہے،

وکان یحب موافقۃ اھل الکتاب فیما لم یؤمر فیہ بشئی (بخاری کتاب اللباس باب الفرق) (ج صفحہ ۸۵۴)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں میں جن میں کوئی خاص حکم الٰہی نہیں ہوتا تھا، اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے، تو دیکھا، کہ یہودی عاشورہ کے دن روزہ رکھتے، آپؐ نے بھی حکم دیا، کہ لوگ عاشورہ کا روزہ رکھیں[1] کسی یہودی کا جنازہ گذرتا، تو آپؐ تعظیماً کھڑے ہو جاتے،

ایک دفعہ ایک یہودی نے حضرت موسیٰؑ کی فضیلت اس طرح بیان کی، جس سے ظاہر ہوتا تھا، کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہیں، اس پر ایک انصاری کو غصہ آگیا، انہوں نے اس کو تھپڑ مارا، یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، آپؐ نے فرمایا "مجھ کو اور پیغمبروں پر (ایسی فضیلت نہ دو جس سے ان کا نقص لازم آئے) قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہو جائیں گے، اور سب سے پہلے مجھ کو ہوش آئے گا، اس وقت میں دیکھوں گا، کہ موسیٰ عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہیں[2]"

احکام الٰہی جو قرآن مجید میں نازل ہوئے تھے، سرتاپا اہل کتاب کے ساتھ رات اور معاشرت کی ترغیب میں تھے،

---

[1] بخاری جلد اول صفحہ ۵۶۲ (باب اتیان الیہود النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین قدم المدینۃ) [2] بخاری جلد ۱ صفحہ ۶۱۵ س کتاب الجنائز، [3] بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۶۸ تفسیر سورہ اعراف،

Marfat.com

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ (مائدہ - ۱)

اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے،

عموماً ان کی قدر و منزلت کا خیال دلایا جاتا تھا،

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (بقرہ - ۱۵)

اے بنی اسرائیل! میری نعمتوں کا خیال کرو جو میں نے تم کو دیں، اور یہ کہ میں نے تم کو تمام عالم پر فضیلت دی،

تبلیغ اسلام کی حیثیت سے جو کچھ اس وقت ان کے سامنے پیش کیا جاتا تھا صرف اس قدر تھا،

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (آل عمران - ۷)

کہہ دو کہ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جس کو ہم تم دونوں یکساں مانتے ہیں وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں، اور اس کا کسی کو شریک نہ بنائیں، اور ہم میں سے کوئی خدا کو چھوڑ کر کسی کو اپنا رب نہ بنائے، تو اگر وہ منہ پھیر لیں، تو تم کہہ دو، کہ اچھا تم گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں،

ان تمام باتوں میں سے ایک بھی ان کے معتقدات اور مزعومات کے خلاف نہ تھی لیکن ان تمام مہربانیوں اور اظہار لطف و مدارات کا جو صلہ تھا یہ تھا کہ انہوں نے ہر طرح سے

Marfat.com

اسلام کی خانہ براندازی کا عزم لیا،

اسلام کی عظمت اور وقار کم کرنے کے لئے مشرکوں سے کہتے تھے کہ مذہب میں مسلمانوں سے تو تم ہی اچھے ہو،

وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا (نساء - ۸) اور کافروں کی نسبت کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے یہ زیادہ ہدایت یافتہ ہیں،

مذہب اسلام کی بے اعتباری پھیلانے کے لئے یہاں تک آمادہ ہوئے کہ مسلمان ہو کر پھر مرتد ہو جائیں، تاکہ لوگوں کو خیال ہو کہ اگر یہ مذہب سچا ہوتا، تو اس کو قبول کر کے کوئی کیوں چھوڑ دیتا،

وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اٰمِنُوا بِالَّذِي اُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ اٰمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (آل عمران - ۸) اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ مسلمانوں پر جو اترا ہے، اس پر صبح کو ایمان لاؤ، اور شام کو اس سے پھر جاؤ، شاید کہ وہ لوگ (مسلمان) بھی اس سے پھر جائیں،

ان باتوں کے علاوہ اسلام کی بربادی کی ملکی تدبیریں اختیار کیں، وہ یہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کو جو قوت ہے، وہ اس وجہ سے ہے، کہ انصار کے دو قبیلے "اوس" اور "خزرج" جو باہم لڑتے بھڑتے رہتے تھے، اسلام نے ان کو باہم متحد کر دیا ہے، ان دونوں کو اگر پھر لڑا دیا جائے، تو اسلام خود بخود فنا ہو جائے گا، عرب میں پچھلی کینہ آوریوں کو تازہ کر دینا نہایت آسان کام تھا، ایک دفعہ دونوں قبیلوں کے بہت سے آدمی جلسہ میں بیٹھ کر بات چیت کر رہے

تھے، چند یہودیوں نے اس صحبت میں جاکر جنگ بعاث کا تذکرہ چھیڑا، یہ وہ لڑائی تھی، جس میں انصار کے یہ دونوں قبیلے آپس میں لڑے تھے، اور اسی لڑائی نے ان کی تمام قوت برباد کر دی تھی، اس لڑائی کے تذکرہ نے دونوں کو پرانے واقعے یاد دلائے، اور دفعۃً عداوت کی دبی ہوئی آگ بھڑک اٹھی، لعن وطعن سے گذر کر تلواریں کھنچ گئیں، حسن اتفاق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوگئی، آپ نے فوراً موقع پر پہنچکر وعظ وپند سے دونوں فریق کو ٹھنڈا کیا، اس پر یہ آیت اتری،

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ (آل عمران - ۱۰)	مسلمانو! اگر تم اہل کتاب کے بعض لوگوں کا کہا مانو گے، تو وہ تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا دیں گے،

منافقین کا ایک گروہ پہلے سے موجود تھا جو اگرچہ بظاہر مسلمان ہوگیا تھا، لیکن درحقیقت اسلام کا سخت دشمن تھا، اس گروہ کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا، یہودیوں نے اس کو نہایت آسانی سے درپردہ ملا لیا، اور ان کے ساتھ مل کر سازش شروع کی، اتفاق یہ کہ عبداللہ بن ابی پہلے سے بھی بنی نضیر کا حلیف اور ہم پیمان تھا،

قریش نے بدر سے پہلے عبداللہ بن ابی کو لکھا تھا، کہ مسلمانوں کو نکال دو، ورنہ ہم آکر تمہارا استیصال کر دیں گے، لیکن جب اس میں کامیابی نہیں ہوئی جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، تو بدر کے بعد انہوں نے یہود کو خط لکھا،

لہ اصابہ فی احوال الصحابہ للحافظ ابن الحجر عسقلانی مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۱۸۸

Marfat.com

انکم اهل الحلقة والحصون و انکم تقاتلن صاحبنا او لنفعلن کذا وکذا، ولا یحول بیننا وبین خدم نسائکم شیٔ[1]	تم لوگوں کے پاس اسلحہ جنگ اور قلعہ جات ہیں، تم ہمارے حریف (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑو، ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ یہ کریں گے، اور یہ کوئی چیز ہم کو تمہاری عورتوں کے کڑوں تک پہنچنے سے روک نہ سکے گی،

ابوداؤد نے چونکہ بنونضیر کے ذکر میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، اس لئے صرف بنونضیر کا نام لیا ہے، ورنہ قریش کا خط عام یہود کے نام تھا، اور نتیجہ بھی عام تھا، اسی بنا پر محدث حاکم نے بنونضیر اور قینقاع دونوں کے واقعہ کو ایک ہی واقعہ خیال کیا ہے، غرض اب حالت یہ ہوگئی تھی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو گھر سے نکلتے تھے، تو یہودیوں کی وجہ سے جان کا خطرہ رہتا تھا، حضرت طلحہؓ بن براء ایک صحابی تھے (انہوں نے انتقال کے وقت) وصیت کی، کہ اگر میں رات کے وقت مروں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہ کرنا، اس لئے کہ یہود کی طرف سے ڈر ہے، ایسا نہ ہو، کہ میری وجہ سے آپ پر حادثہ گذر جائے، چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابوداؤد وغیرہ کی سند سے پورا واقعہ نقل کیا ہے[2]،

شوال ۲ھ غزوہ بنی قینقاع

بدر کی فتح نے یہود کو زیادہ اندیشہ ناک کر دیا، ان کو علانیہ نظر آیا، کہ اسلام اب ایک طاقت بنا جاتا ہے، اور چونکہ قبائل یہود میں سب سے زیادہ جری اور بہادر قینقاع تھے، اس لئے سب سے پہلے انہی نے اعلان جنگ کی جرأت کی، آنحضرت

[1] سنن ابی داؤد، ذکر نضیر (کتاب الخراج والامارۃ) ص ۲۰۴ [2] دیکھو اصابہ ترجمہ طلحہؓ بن براء [3] طبقات ابن سعد (جلد ۲ قسم اول ص ۱۹)

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معاہدہ کیا تھا سب سے پہلے انہی نے اس کی عہد شکنی کی، ابن ہشام و طبری نے ابن اسحاق کی روایت سے عاصم بن قتادہ انصاری کی روایت نقل کی ہے،

ان بنی قینقاع کانوا اول یھود نقضوا ما بینھم وبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحاربوا فیما بین بدر واحد	بنو قینقاع پہلے یہود تھے جنہوں نے اس معاہدہ کو جو ان میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا، توڑ ڈالا، اور بدر اور احد کے درمیانی زمانہ میں مسلمانوں سے لڑائی کی،

ابن سعد نے بنو قینقاع کے ذکر میں لکھا ہے،

فلما کانت وقعۃ بدر اظھروا البغی والحسد ونبذوا العھد والمرۃ	واقعہ بدر میں یہودیوں نے شورش اور حسد ظاہر کیا، اور عہد کو توڑ ڈالا،

ایک اتفاقیہ سبب پیش آگیا جس نے اس آگ کو اور بھڑکا دیا، ایک انصاری (کی بیوی) مدینہ کے بازار میں ایک یہودی کی دکان میں (نقاب پوش آئیں) یہودیوں نے ان کی بے حرمتی کی، ایک مسلمان یہ دیکھ کر غیرت سے بیتاب ہو گیا، اور اس نے یہودی کو مار ڈالا یہودیوں نے مسلمان کو قتل کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ حالات معلوم ہوئے، تو ان کے پاس تشریف لائے، اور فرمایا، کہ "خدا سے ڈرو، ایسا نہ ہو تم پر بھی بدر والوں کی طرح عذاب آئے" بولے کہ "ہم قریش نہیں ہم سے معاملہ پڑے گا، تو ہم دکھا دیں گے، کہ لڑائی کا نام ہے" چونکہ انکی طرف سے نقض عہد اور اعلان جنگ ہو گیا مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی کی، وہ قلعہ بند ہوئے، پندرہ دن تک محاصرہ رہا، بالآخر اس پر راضی ہوئے،

Marfat.com

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ کریں گے، ان کو منظور ہوگا، عبداللہ بن ابی ان کا حلیف تھا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی، کہ جلا وطن کر دیئے جائیں[1]، غرض وہ اذرعات میں جو شام کے علاقہ میں ہے، جلا وطن کر دیئے گئے، یہ سات سو شخص تھے جن میں تین سو زرہ پوش تھے، یہ شوال ۲ھ کا واقعہ ہے،

قتل کعب بن اشرف ربیع الاول ۳ھ

یہودیوں میں کعب بن اشرف ایک مشہور شاعر تھا، اس کے باپ اشرف نے جو قبیلہ طے سے تھا، مدینہ میں بنو نضیر کا حلیف ہو کر اس قدر عزت اور اعتبار پیدا کیا، کہ ابو رافع بن ابی الحقیق جو یہود کا مقتدا، اور تاجر الحجاز جس کا خطاب تھا، اس کی لڑکی سے شادی کی، کعب[2] اس کے بطن سے پیدا ہوا، اس دو طرفہ رشتہ داری کی بنا پر کعب یہود اور عرب برابر کا تعلق رکھتا تھا، اور شاعری کی وجہ سے قوم پر اس کا عام اثر تھا، رشتہ رشتہ دولتمندی کی وجہ سے تمام یہودیان عرب کا رئیس بن گیا، یہودی علماء اور مذہبی پیشوایان مذہب کی تنخواہیں مقرر کیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے، اور علماء یہود اس سے ماہواریں لینے آئے، تو اس نے ان لوگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق رائے دریافت کی، اور جب اپنا ہم خیال بنا لیا، تب ان کے مقررہ روزینے جاری کئے،

اس کو اسلام سے سخت عداوت تھی، بدر کی لڑائی میں سرداران قریش مارے گئے تو اس کو نہایت صدمہ ہوا، تعزیت کے لئے مکہ گیا، کشتگان بدر کے پر درد مرثیے جن میں انتقام کی ترغیب

---

[1] عام ارباب سیر کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قتل کر دینا چاہتے تھے، عبداللہ بن ابی کے اصرار سے مجبور ہو گئے، لیکن سنن ابی داؤد میں جس طرح یہ واقعہ مذکور ہے اس سے اس قیاس کی غلطی ثابت ہوتی ہے [2] صحیح بخاری باب قتل الناقم المشرک [3] الخمیس صفحہ ۴۶۴ [4] زرقانی جلد ۲ صفحہ ۹ بحوالہ ابن اسحاق وغیرہ،

Marfat.com

تھی، لوگوں کو جمع کر کے نہایت درد سے پڑھتا، اور روتا اور رلاتا تھا، ابن ہشام نے ان واقعات کے ساتھ اشعار بھی نقل کئے ہیں، اگرچہ اس قسم کے اشعار اکثر مصنوعی ہیں، تاہم جہاں تک اس زمانہ کی زبان معلوم ہوتی ہے، ہم ایک دو شعر نقل کرتے ہیں،

طحنت رحی بدر لمهلك اهله	جنگ بدر کی چکی نے اہل بدر کو پیس ڈالا،
ولمثل بدر تستهل وتدمع	بدر جیسے واقعات کے لئے رونا پیٹنا چاہیئے،
كم قد اصيب به من ابيض ماجد	کتنے شریف، سپید و بارونق چہرے، جن کے
ذی بهجة تاوی اليه الضيّع	یہاں اہل حاجت پناہ لیتے تھے، مارے گئے،

مدینہ میں واپس آیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہنا، اور لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف برانگیختہ کرنا شروع کیا[1]،

عرب میں شاعری کا وہ اثر تھا، جو آج یورپ میں بڑے بڑے ملکی مدبروں کی پرجوش تقریروں اور نامور اخبارات کی تحریروں کا ہوتا ہے، تنہا ایک شاعر قبیلہ کے قبیلہ کو شعر کے اثر سے آگ لگا دیتا تھا،

ایک روایت میں ہے، کہ مکہ میں چالیس آدمی لے کر گیا، وہاں ابوسفیان سے ملا، اور اس کو بدر کے انتقام پر برانگیختہ کیا، اور ابوسفیان سب کو لے کر حرم میں آیا، سب نے حرم کا

---

[1] ابوداؤد میں ہے وکان کعب بن اشرف یهجو النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویحرض علیہ کفار قریش (ابوداؤد جلد ۲ باب کیف کان اخراج الیہود کتاب الخراج والامارۃ) س" ابن سعد میں ہے کان رجلا شاعرا یهجو النبی واصحابه و یحرض علیہ (تفسیر ابن جریر طبری جلد منثورہ) میں ہے ان کعب بن اشرف انطلق الی المشرکین من کفار قریش فاستجاشهم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وامرهم ان یغزوہ" س"

پردہ تھام کر معاہدہ کیا، کہ بدر کا انتقام لیں گے،

اس پر اکتفا نہ کرکے قصد کیا، کہ چپکے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرا دے

علامہ یعقوبی اپنی تاریخ میں بنو نضیر کے واقعہ میں لکھتے ہیں،

کعب بن اشرف الیہودی الذی اراد ان یمکر برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کعب بن اشرف یہودی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکے میں قتل کر دینا چاہا،

اس روایت کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے، جو حافظ ابن حجر نے فتح الباری (ذکر کعب اشرف) میں عکرمہ کی سند سے نقل کی ہے، کہ کعب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت میں بلایا، اور لوگوں کو متعین کر دیا کہ جب آپ تشریف لائیں، تو دھوکے سے آپ کو ہلاک کر دیں، حافظ ابن حجر نے گو لکھا ہے، کہ اس روایت کی سند میں ضعف ہے لیکن جب قرائن اور دیگر شواہد موجود ہیں، تو یہ ضعف رفع ہو جاتا ہے،

فتنہ انگیزی کا زیادہ اندیشہ ہوا، تو آپ نے بعض صحابہؓ سے شکایت کی، اور آپ کی مرضی حضرت محمد بن مسلمہ بہ مشورہ رؤسائے اوس جا کر اس کو ربیع الاول ۳ھ میں قتل کر دیا ارباب روایت نے لکھا ہے، کہ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے آپ کی خدمت میں یہ بھی عرض کیا تھا، کہ ہم کو کچھ کہنے کی اجازت دی جائے، ارباب سیر نے اس کے معنی یہ لگائے ہیں، کہ انہوں نے جھوٹ باتیں کہنے کی اجازت مانگی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی کیونکہ الحرب خدعۃ لڑائی میں دھوکا دینا جائز ہے لیکن بخاری کی روایت میں صرف یہ لفظ ہے

لخمیس مضمراہ، غالباً یہ وہی پہلا واقعہ ہے ابن خمیس نے اس کے متعلق مزید تفصیل بیان کی ہے ۲ جلد ۱ ص ۲۵۹ ت س ۲ ابن سعد

Marfat.com

فاذن لی ان اقول، ہم کو اجازت دی جائے، کہ ہم گفتگو کریں،

اس سے غلط گوئی کی اجازت کہاں نکلتی ہے؟ (لیکن جو گفتگو ہوئی، اس سے کعب اور عمومًا یہود کے اخلاق اور دلی خیالات کا پتہ چلتا ہے) حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کہا "ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دے کر تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لیا، اور ہم سے بار بار صدقہ مانگا جاتا ہے، اب تمہیں سے کچھ رکھ کر قرض لینا ہے" کعب نے کہا "تم خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اکتا جاؤ گے" اچھا قرض کے لئے اپنی بیویوں کو رہن رکھو" محمد بن مسلمہؓ نے کہا "تمہارے اس حسن و جمال کے سبب سے ہم کو اپنی بیویوں پر وفاداری کا یقین نہیں" اس نے کہا "اچھا اپنے بچوں کو گرو رکھو" انہوں نے کہا، "اس سے تو تمام عرب میں ہماری بدنامی ہوگی، ہم اپنے ہتھیار گرو رکھیں گے، اور تم جانتے ہو آج کل ان کی جیسی ضرورت ہے"

صحیح بخاری میں جو روایت ہے اس میں قتل کا واقعہ اس طرح منقول ہے، کہ ان لوگوں نے دوستانہ طریقہ سے اس کو گھر سے بلایا، پھر بال سونگھنے کے بہانہ سے اس کی چوٹی پکڑ لی اور قتل کر ڈالا[1] لیکن روایت میں یہ مذکور نہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کی اجازت دی تھی، اس وقت تک عرب میں ان طریقوں سے قتل کر دینا معیوب بات نہ تھی، آگے چل کر نہایت مفصل طور سے ایک مستقل عنوان میں یہ بحث آئے گی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح تدریج کے ساتھ ان طریقوں کی اصلاح کی،

غزوہ بنو نضیر ربیع الاول ۴ھ	حضرت عمرو بن امیہؓ نے قبیلہ عامر کے (جو) دو آدمی قتل کر دیئے تھے، اور جن کا خوں بہا اب تک واجب الادا تھا، اور جس کا ایک حصہ معاہدہ کی رو سے یہود

[1] زرقانی جلد ۲ صفحہ ۱۳ و صحیح بخاری قتل کعب بن اشرف، [2] صحیح بخاری باب قتل کعب، کتاب المغازی

بنی نضیر پر واجب الادا تھا، اس کے مطالبہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے قبول کیا لیکن درپردہ یہ سازش کی، کہ ایک شخص چپکے سے بالاخانہ پر چڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر گرادے، اتفاق سے اس وقت آپؐ بالاخانہ کی دیوار کے سایہ میں کھڑے تھے، عمرو بن جحاش ایک یہودی اس ارادہ سے کوٹھے پر چڑھا، آپ کو اس کے ارادہ کا حال معلوم ہوگیا، اور آپؐ فوراً مدینہ واپس چلے آئے،

اوپر گذر چکا ہے، کہ قریش نے بنو نضیر کو کہلا بھیجا تھا، کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دو، ورنہ ہم خود آکر تمہارا استیصال کر دیں گے، بنو نضیر پہلے سے اسلام کے دشمن تھے قریش کے پیغام نے انکو اور زیادہ آمادہ کر دیا، بنو نضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپؐ تیس آدمیوں کو لے کر آئیں، ہم بھی اپنے احبار لے کر آئیں گے، آپؐ کا کلام سنکر اگر ہمارے احبار آپؐ کی تصدیق کریں گے، تو ہم کو بھی کچھ عذر نہ ہوگا، چونکہ وہ بغاوت کی تیاری کر چکے تھے آپؐ نے کہلا بھیجا کہ جبتک تم ایک معاہدہ نہ لکھدو، میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا، لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوئے آپؐ یہود بنی قریظہ کے پاس تشریف لے گئے، اور ان سے تجدید معاہدہ کی درخواست کی انہوں

---

(۱) بنی نضیر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کے متعلق جو گفتگو فرمائی، اس کی دو تشریحیں کی گئی ہیں، ایک تشریح تو وہ ہے جس کو مصنف نے اختیار فرمایا ہے، دوسری تشریح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر سے جو گفتگو فرمائی تھی، اس کا ماحصل یہ ہے کہ قبیلہ بنی عامر کو دیت کسطرح ادا کی جائے، اور ان کے یہاں دیت کا دستور کیا ہے، بنی نضیر اور قبیلہ عامر کے باہم تعلقات اچھے تھے اس لئے ان سے اس مسئلہ میں گفتگو قرین قیاس بھی ہے (سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۷) (۲) یہ روایت ابن ہشام وغیرہ میں مذکور ہے زرقانی نے موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے جو صحیح ترین مغازی ہے یہ عبارت نقل کی ہے وکانوا اتعدوا لقریش فی قتالہ صلی اللہ علیہ وسلم فحضوھم علی القتال ودنوھم علی العورۃ (زرقانی جلد ۲ صفحہ ۹۳) یعنی ان [illegible] قریش سے درپردہ سازش کر کے ان کو آمادہ جنگ کیا، اور ان کو مخفی موقع بتائے،

Marfat.com

نے تعمیل کی، بنو نضیر کے لئے یہ نظیر موجود تھی، کہ ان کے برادران دینی نے معاہدہ لکھدیا ہے لیکن وہ کسی طرح معاہدہ کرنے پر راضی نہ ہوئے، بالآخر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا، کہ آپ تین آدمی لے کر آئیں، ہم بھی تین عالم ساتھ لے کر آتے ہیں، یہ علماء اگر آپ پر ایمان لائیں گے، تو ہم بھی ایمان لائیں گے، آپ نے منظور فرمایا لیکن راہ میں آپ کو صحیح ذریعہ سے معلوم ہوا، کہ یہود تلواریں باندھ کر تیار ہیں، کہ جب آپ تشریف لائیں، تو آپ کو قتل کر دیں[1]

بنو نضیر کی سرکشی کے مختلف اسباب تھے، وہ نہایت مضبوط قلعوں میں پناہ گزین تھے جن کا فتح کرنا آسان نہ تھا، اس کے ساتھ عبداللہ بن ابی نے کہلا بھیجا تھا، کہ تم اطاعت نہ کرنا، بنو قریظہ تمہارا ساتھ دیں گے، اور میں دو ہزار آدمی لے کر تمہاری اعانت کو آؤں گا، قرآن مجید میں ہے،

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ	تم نے دیکھا، منافق اپنے کافر بھائیوں سے
لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ	کہتے ہیں، تم نکلو گے، تو ہم بھی تمہارے ساتھ
الْكِتَابِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ	نکلیں گے، اور ہم تمہارے باب میں کسی کا کہنا
مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا	مانیں گے، اور اگر تم سے کوئی لڑا، تو ہم بھی تمہاری
وَاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ (سورۂ حشر ۲)	مدد کو آئیں گے،

[1] یہ تمام تفصیل سنن ابی داؤد خبر النضیر کتاب الخراج والامارۃ ص" تعجب ہے، کہ ارباب سیرت ابوداؤد کی اس روایت سے بالکل بے خبر ہیں، [2] فتح الباری غزوہ بنو نضیر جلد سابع صفحہ ۲۵۰ فتح الباری میں یہ روایت ابن مردویہ سے نقل کی ہے اور لکھا ہے، کہ اس کی سند صحیح ہے، صحیح بخاری سے بھی معلوم ہوتا ہے، کہ بنو نضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قسم کی عیاری کا ارادہ کیا تھا، بخاری میں ترجمۃ الباب یہ ہے باب حدیث بنی النضیر وغزوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایہم فی دیۃ الرجلین وما ارادوا من الغدر برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لیکن بنو نضیر کے تمام خیالات غلط نکلے، بنو قریظہ نے ان کا ساتھ نہیں دیا، اور منافق علانیہ اسلام کے مقابلہ میں آ نہیں سکتے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کیا، قلعہ کے گرد جو ان کے نخلستان تھے، ان کے چند درخت کٹوا دیئے، سہیلی نے روض الانف میں لکھا ہے کہ سب نخلستان نہیں کاٹا گیا، بلکہ صرف لینہ جو ایک خاص قسم کی کھجور ہے، اور عرب کی عام خوراک نہیں ہے، اس کے درخت کٹوا دیئے گئے، قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر ہے،

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا	تم نے لینہ کے جو درخت کٹوائے، اور جس
قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ	تنہ قائم رہنے دیئے، سب خدا کے حکم سے تھا،
وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِيْنَ (سورۃ حشر ۱۰)	تاکہ خدا فاسقوں کو رسوا کرے،

ممکن ہے، کہ درختوں کے جھنڈ سے کمین گاہ کا کام لیا جاتا ہو، اس لئے وہ صاف کرا دیئے گئے کہ محاصرہ میں کوئی چیز حائل نہ ہو[1]،

بالآخر بنو نضیر اس بات پر راضی ہوئے، کہ جس قدر مال و اسباب اونٹوں پر لے جا سکیں لیجائیں، اور مدینہ سے باہر نکل جائیں، چنانچہ سب گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے، ان میں سے معزز روسا مثلاً سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن الربیع، حیی بن اخطب خیبر چلے گئے

---

[1] مصنف کے اس قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے، کہ امام احمد کے نزدیک درخت وغیرہ میدان جنگ میں اسی وقت کاٹے جاتے ہیں، جب کہ کاٹے بغیر چارہ کار نہ ہو، محدثین نے امام احمد کا یہ قول اسی واقعہ کے ضمن میں لکھا ہے، نیز اس موقع پر یہ بھی لکھا ہے، کہ اسحاق کا قول ہے، کہ اگر دشمن درختوں کے آڑ میں ہو، تو ان میں آگ لگا دینا سنت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک اس موقع پر درخت کا کاٹنا جنگی ضرورت کا اقتضا تھا، عمدۃ القاری جلد ۱۹ صفحہ ۶۱ س"

Marfat.com

وہاں لوگوں نے ان کا اس قدر احترام کیا، کہ خیبر کا رئیس تسلیم کر لیا[1]، اس واقعہ کو اس غرض سے یاد رکھنا چاہیئے، کہ یہ غزوہ خیبر کی داستان کا دیباچہ ہے،

بنو نضیر اگرچہ وطن چھوڑ کر نکلے لیکن اس شان سے نکلے، کہ جشن کا دھوکا ہوتا تھا، اونٹوں پر سوار تھے، ساتھ ساتھ باجا بجتا جاتا تھا، مطربہ عورتیں دف بجاتی اور گاتی تھیں، عروہ بن الورد عبسی مشہور شاعر کی بیوی کو یہود نے خرید لیا تھا، وہ بھی ساتھ ساتھ تھی، اہل مدینہ کا بیان ہے، کہ اس سروسامان کی سواری کبھی ان کی نظر سے نہیں گذری تھی[2]، ہتھیاروں کا ذخیرہ جو ان لوگوں نے چھوڑا اس میں پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں تھیں، ان کے جانے کے بعد یہ جھگڑا پیش آیا، کہ انصار کی اولاد جنہوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا، اور یہودی ان کو اتحاد مذہب کی وجہ سے ساتھ لئے جاتے تھے، انصار نے ان کو روک لیا، کہ ہم ان کو نہ جانے دیں گے، اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری،

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ یعنی مذہب میں زبردستی نہیں ہے،

ابوداؤد نے کتاب الجہاد "باب فی الاسیر یکرہ علی الاسلام" کے عنوان کے نیچے اس واقعہ کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے نقل کیا ہے،

---

[1] طبری صفحہ ۱۴۵۲، [2] یہ تفصیل طبری میں ہے (صفحہ ۱۴۵۲ ج ۶)

Marfat.com

سنہ ۵ھ

غزوہ مریسیع، واقعہ افک، و غزوہ احزاب

قریش اور یہود کی متفقہ سازش نے اب مکہ سے لے کر مدینہ تک آگ لگا دی، جس قدر قبائل تھے سب نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں، سب سے پہلے انمار اور ثعلبہ نے یہ ارادہ کیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو گئی، ۱۰ محرم ۵ھ کو آپ مدینہ سے چار سو صحابہؓ لے کر نکلے اور ذات الرقاع تک تشریف لے گئے لیکن آپ کی آمد سنکر وہ پہاڑوں میں بھاگ گئے،

ربیع الاول ۵ھ میں یہ خبر آئی کہ دومۃ الجندل میں کفار کی ایک عظیم الشان فوج جمع ہو رہی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار کی جمعیت لے کر مدینہ سے نکلے، انکو خبر ہوئی، تو وہ بھاگ گئے،

غزوہ مریسیع یا بنی مصطلق شعبان ۵ھ

خزاعہ ایک قبیلہ تھا، جو قریش کا حلیف اور ہم عہد تھا، قریش کو ایک زمانہ میں یہ خیال آیا، کہ ہم ابراہیم کی نسل سے ہیں، اس لئے ہم کو اوروں سے

---

[1] ابن سعد غزوہ ذات الرقاع صفحہ ۴۳ صحیح بخاری سے ظاہر ہوتا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع خندق کے بعد واقع ہوا صلوٰۃ الخوف سب سے پہلے اسی غزوہ میں ادا کی گئی، [2] ابن اسحاق نے جس کی پیروی طبری اور ابن ہشام نے کی ہے، اس غزوہ کو ۶ھ میں ذکر کیا ہے موسیٰ بن عقبہ کی روایت ۵ھ میں واقع ہوا، امام بخاری نے بھی صحیح میں اس اختلاف کا ذکر کیا ہے لیکن غلطی سے ۵ھ کے بجائے ابن عقبہ کی طرف ۶ھ کی نسبت کی ہے، علامہ ابن حجر نے فتح الباری (جلد ۷ صفحہ ۳۳۲) میں بیہقی، حاکم، موسیٰ بن عقبہ اور بخاری کی روایتوں سے ۵ھ کو ترجیح دی ہے، ابن سعد نے بھی ۵ھ ہی لکھا ہے تفصیل کے لئے دیکھو فتح الباری،

Marfat.com

باب میں ممتاز ہونا چاہیئے، حج کا ایک بڑا رکن عرفات کے میدان میں قیام کرنا ہے، لیکن چونکہ یہ میدان حرم کی حدود سے باہر ہے، قریش نے یہ قاعدہ قرار دیا، کہ لوگ عرفات میں جائیں لیکن ہم کو عرفات کے بجائے مزدلفہ میں ٹھہرنا چاہیئے، جو حدود حرم کے اندر ہے، اسی قسم کی اور امتیازی باتیں قائم کیں، ان خصائص کی بنا پر اپنا لقب احمس رکھا، لیکن اس قدر فیاضی کی کہ جو لوگ ان پابندیوں کو قبول کر لیتے تھے، ان کو بھی یہ لقب دے دیتے، اور ان سے رشتہ ناطہ کرتے تھے، قبیلہ خزاعہ کو بھی یہ شرف عطا کیا تھا

خزاعہ کا ایک خاندان بنو المصطلق کہلاتا تھا، وہ مقام مریسیع میں جو مدینہ منورہ سے ۹ منزل ہے آباد تھا، اس خاندان کا رئیس حارث بن ابی ضرار تھا، اس نے قریش کے اشارہ سے یا خود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ہوئی، تو مزید تحقیقات کے لئے حضرت زید بن حضیب کو بھیجا، انہوں نے واپس آکر خبر کی تصدیق کی، آپ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا، ۳ شعبان کو فوجیں مدینہ سے روانہ ہوئیں، مریسیع میں خبر پہنچی، تو حارث کی جمعیت منتشر ہو گئی، اور وہ خود بھی کسی طرف نکل گیا، لیکن مریسیع میں جو لوگ آباد تھے، انہوں نے صف آرائی کی، اور دیر تک جم کر تیر برساتے رہے، مسلمانوں نے دفعۃً ایک ساتھ حملہ کیا، تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے، دس آدمی مارے گئے، اور باقی گرفتار ہو گئے، جن کی تعداد تقریباً ۶۰۰ سو تھی غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں،

یہ ابن سعد کی روایت ہے، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] یہ واقعات ابن ہشام نے تفصیل سے لکھے ہیں (صفحہ ۶۰۰ جلد اول) [2] باب العتق [3] کتاب الجہاد والسیر

نے بنو المصطلق پر اس حالت میں حملہ کیا، کہ وہ بالکل بیخبر اور غافل تھے، اور اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے، ابن سعد[1] نے اس روایت کو بھی نقل کیا ہے لیکن لکھا ہے، کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے، اس پر حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا، کہ صحیحین کی روایت پر سیرت کی روایتوں کو ترجیح نہیں ہو سکتی لیکن واقعہ یہ ہے، کہ صحیحین کی روایت بھی اصول حدیث کے رو سے قابل حجت نہیں، کہ اس روایت کا سلسلہ نافع تک پہنچکر ختم ہو جاتا ہے، اور جنگ میں شریک ہونا تو ایک طرف نافع نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا بھی نہ تھا، اس لئے یہ روایت اصطلاح محدثین میں منقطع[2] ہے،

یہ لڑائی ایک معمولی لڑائی تھی لیکن اتفاق سے بعض شہرت پذیر واقعات ایسے پیش آئے جن کی وجہ سے اس لڑائی کا خاص عنوان قائم کیا جاتا ہے، اس جنگ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ غنیمت کے لالچ سے بہت سے منافقین بھی فوج میں داخل ہو گئے تھے، یہ بدباطن ہر موقع پر فتنہ انگیزی کی کوشش کرتے تھے، ایک دن ایک چشمہ سے پانی لینے پر ایک مہاجر اور انصاری میں جھگڑا ہو گیا، انصاری نے عرب کے قدیم طریقہ پر یا للانصار کا نعرہ مارا (انصار کی جے) مہاجر نے بھی یا معاشر المہاجرین کے نعرہ سے جواب دیا، نعرے سنکر مہاجرین و انصار نے تلواریں کھینچ لیں، اور قریب تھا، کہ جنگ چھڑ جائے لیکن چند لوگوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا،

---

[1] طبقات ابن سعد جلد مغازی صفحہ ۴۴ و ۴۵ [2] معلوم ہوتا ہے، کہ مصنف نے صرف آغاز سند کو ملاحظہ فرما کر اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے، ورنہ متن حدیث کے بعد تصریح ہے کہ حدثنی ھذا الحدیث عبد اللہ بن عمرؓ وکان فی ذلک الجیش یعنی نافع نے اس روایت کو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے سنا، جو اس لڑائی میں شریک تھے (مسلم کتاب الجہاد و بخاری کتاب [illegible] میں تصریح کے بعد یہ روایت منقطع نہیں رہتی ہے) ۱۲ س

عبداللہ بن ابی جو رئیس المنافقین تھا، اس کو موقع ہاتھ آیا، انصار سے مخاطب ہو کر کہا کہ "تم نے یہ بلا خود مول لی ہے، مہاجرین کو تم نے بلا کر اتنا کر دیا، کہ وہ خود تم سے برابر کا مقابلہ کرتے ہیں، اب بھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا ہے، تم دستگیری سے ہاتھ اٹھا لو، تو وہ خود یہاں سے نکل جائیں گے،

یہ واقعہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا، حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، غصہ سے بیتاب ہو گئے، اور عرض کی، کہ کسی کو ارشاد ہو، کہ اس منافق کی گردن اڑا دے، آپ نے فرمایا، کہ کیا تم یہ چرچا پسند کرتے ہو، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ والوں کو قتل کر دیا کرتے ہیں، یہ عجیب بات ہے، کہ عبداللہ بن ابی جس درجہ کا منافق اور دشمن اسلام تھا، اس کے صاحبزادے کہ ان کا نام بھی عبداللہ تھا، اسی قدر اسلام کے جاں نثار تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کی بنا پر یہ خبر پھیل گئی تھی، کہ آپ عبداللہ بن ابی کے قتل کا حکم دینے والے ہیں، یہ سن کر وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، اور کہا، کہ "دنیا جانتی ہے، کہ میں باپ کا کس قدر خدمت گذار ہوں، لیکن اگر یہ مرضی ہے، تو مجھ ہی کو حکم ہو، میں ابھی اس کا سر کاٹ لاتا ہوں، ایسا نہ ہو، کہ آپ کسی اور کو حکم دیں، اور میں غیرت و محبت کے جوش میں آکر قاتل کو قتل کر دوں" آپ نے اطمینان دلایا، کہ "قتل کے بجائے میں اس پر مہربانی کروں گا" یہ ارشاد اس طرح پورا ہوا، کہ جب وہ مرا، تو کفن کے لئے آپؐ نے خود پیراہن مبارک عنایت فرمایا، جنازہ کی نماز

---

[1] دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۷۲۸، [2] یہ تمام واقعات نہایت تفصیل سے ابن سعد اور طبری کے لکھے ہیں، اور صحیح بخاری کے مختلف ابواب میں بھی مذکور ہیں،

پڑھائی، حضرت عمرؓ نے دامن تھام لیا، کہ منافق کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں، لیکن دریائے کرم کا بہاؤ کون روک سکتا تھا۔

حضرت جویریہؓ کا واقعہ | لڑائی میں جو لوگ گرفتار ہوئے، ان میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں، جو حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں، ابن اسحاق کی روایت ہے، جو بعض حدیث کی کتابوں میں بھی ہے، کہ تمام اسیران جنگ لونڈی غلام بنا کر تقسیم کر دیئے گئے، حضرت جویریہؓ حضرت ثابتؓ بن قیس کے حصہ میں آئیں، انہوں نے حضرت ثابتؓ سے درخواست کی، کہ مکاتب کر دو یعنی مجھ سے کچھ روپیہ لے کر چھوڑ دو، حضرت ثابتؓ نے منظور کیا، حضرت جویریہؓ کے پاس روپیہ نہ تھا، چاہا، کہ لوگوں سے چندہ مانگ کر یہ رقم ادا کر دیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی آئیں، حضرت عائشہؓ بھی وہاں موجود تھیں،

ابن اسحاق نے حضرت عائشہؓ کی زبانی روایت کی ہے، جو یقیناً ان کی ذاتی رائے ہے، کہ چونکہ حضرت جویریہؓ نہایت شیریں ادا تھیں، میں نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے دیکھا، تو سمجھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ان کے حسن وجمال کا وہی اثر ہوگا، جو مجھ پر ہوا، غرض وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں (آپ نے فرمایا، اگر اس سے بہتر برتاؤ تمہارے ساتھ کیا جائے، تو قبول کروگی؟ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری طرف سے روپیہ میں ادا کر دوں، اور تم کو اپنی زوجیت میں لے لوں، حضرت جویریہؓ نے کہا میں نے منظور کیا) آپ نے تنہا وہ رقم ادا کر دی، اور ان سے شادی کر لی،

یہ ابن اسحاق کی روایت ہے، جو ابن ہشام اور ابوداؤد[1] دونوں میں موجود ہے، لیکن دوسرے

[1] ابوداؤد کتاب العتق،

طریق روایت میں اس سے زیادہ واضح بیان مذکور ہے،

اصل واقعہ یہ ہے، کہ حضرت جویریہؓ کا باپ (حارث) رئیس عرب تھا حضرت جویریہؓ جب گرفتار ہوئیں، تو حارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، اور کہا کہ میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی میری شان اس سے بالاتر ہے آپ اس کو آزاد کر دیں، آپ نے فرمایا کیا یہ بہتر نہ ہوگا، کہ خود جویریہؓ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے، حارث نے جا کر جویریہؓ سے کہا، کہ محمدؐ نے تیری مرضی پر رکھا، دیکھنا مجھ کو رسوا نہ کرنا، انہوں نے کہا "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں" چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کر لی،

یہ روایت حافظ ابن حجر نے اصابہ میں، ابن مندہ سے نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے" ابن سعد میں بھی یہ روایت مذکور ہے، ابن سعد نے طبقات میں یہ روایت بھی کی ہے، کہ حضرت جویریہؓ نے والد نے ان کا زر فدیہ ادا کیا، اور جب وہ آزاد ہوگئیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا،

اس نکاح کا اثر

حضرت جویریہؓ سے جب آپ نے نکاح کیا، تو تمام اسیران جنگ جو اہل فوج کے حصہ میں آگئے تھے، دفعۃً رہا کر دیئے گئے، فوج نے کہا، کہ جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کرلی، وہ غلام نہیں ہو سکتا[1]

واقعہ افک

واقعہ افک یعنی حضرت عائشہؓ پر منافقین نے جو تہمت لگائی، وہ اسی لڑائی سے واپسی میں پیش آیا تھا، احادیث اور سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کو نہایت تفصیل سے نقل کیا ہے

[1] سنن ابی داؤد کتاب العتق رباب فی بیع المکاتب اذا فسخت المکاتبۃ ۱۲ س

Marfat.com

لیکن جس واقعہ کی نسبت قرآن مجید میں صاف مذکور ہے، کہ سننے کے ساتھ لوگوں نے یہ کیوں نہیں کہدیا کہ بالکل افترا ہے" اس کو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں،

البتہ اس واقعہ سے یہ اندازہ کرنا چاہیئے کہ محض جھوٹ اور بیہودہ خبر بھی کس طرح پھیل جاتی ہے، یہ خبر اصل میں منافقین نے مشہور کی تھی لیکن بعض مسلمان بھی دھوکے میں آ گئے جن کو تہمت لگانے کی سزا دی گئی جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں مذکور ہے،

آج کل عیسائی مورخوں نے بھی قدیم منافقوں کی طرح اس واقعہ کو اس جوش سے لکھا ہے، کہ خود بخود ان کے قلم میں روانی آ گئی ہے لیکن ہم ان سے توقع بھی یہی کر سکتے تھے،

یہ تمام لڑائیاں اس عام جنگ کا پیش خیمہ تھیں، جو تمام عرب اور یہود متفقہ قوت سے کرنا چاہتے تھے، اور جس کو جنگ احزاب کہتے ہیں،

غزوہ احزاب یعنی تمام عرب کی متحدہ جنگ و تعدادشدہ

بنو نضیر[1] مدینہ سے نکل کر خیبر پہنچے تو انہوں نے ایک نہایت عظیم الشان سازش شروع کی، ان کے رؤسا میں سے سلام بن ابی الحقیق، حیی بن اخطب، کنانہ بن الربیع وغیرہ مکہ معظمہ گئے اور قریش سے مل کر کہا" اگر ہمارا ساتھ دو تو اسلام

---

[1] طبری میں ہے کان الذی جرغزوۃ رسول اللہ الخندق فیما قیل ما کان من اجلاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی النضیر عن دیارھم (جلد ۳ صفحہ ۱۳/۱۴) مغازی کی سب سے معتبر کتاب مغازی موسیٰ بن عقبہ ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری (جلد ۷ صفحہ ۳۰۱) غزوہ احزاب کے ذکر میں یہ عبارت نقل کی ہے، خرج حیی بن اخطب بعد قتل بنی النضیر الی مکۃ یحرض قریشا علی حرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخرج کنانۃ بن الربیع بن ابی الحقیق یسعی فی بنی غطفان ویحضھم علی قتال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ان لھم نصف تمر خیبر فاجابہ عیینۃ بن حصن بن حذیفۃ بن بدر الفزاری الی ذلک وکتبوا الی حلفائھم من بنی اسد فاجابوا الی ذلک وخرج طلیحۃ بن خویلد فیمن اطاعہ الخ

کا استیصال کیا جا سکتا ہے"۔ قریش اس کے لئے ہمیشہ تیار تھے، قریش کو آمادہ کر کے یہ لوگ قبیلہ غطفان کے پاس گئے، اور ان کو لالچ دیا، کہ خیبر کا نصف محاصل ان کو ہمیشہ دیا کریں گے، (اور یہ پہلے سے بھی تیار تھے، قصہ غزوہ معونہ میں یاد ہوگا، کہ عامر رئیس قبیلہ نے اسی غطفان کے حملہ کی دھمکی دی تھی، اس لئے یہ فوراً تیار ہو گئے) بنو اسد غطفان کے حلیف تھے، غطفان نے ان کو لکھ بھیجا، کہ تم بھی فوجیں لے کر آؤ، قبیلہ بنو سلیم سے قریش کی قرابت تھی، اس تعلق سے انہوں نے بھی ساتھ دیا، بنو سعد کا قبیلہ یہود کا حلیف تھا، اس بنا پر یہود نے ان کو بھی آمادہ کیا غرض تمام قبائل عرب سے لشکر گراں تیار ہو کر مدینہ کی طرف بڑھا فتح الباری میں تصریح ہے کہ ان کی تعداد (دس ہزار) تھی[2]،

یہ لشکر تین مستقل فوجوں میں تقسیم (تھا) غطفان کی فوجیں عیینہ بن حصن فزاری کی کمان میں تھیں، جو عرب کا مشہور سردار تھا، بنو اسد طلیحہ کی افسری میں تھے، اور ابوسفیان (بن حرب) سپہ سالار کل تھا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سنیں تو صحابہؓ سے مشورہ کیا، حضرت سلمانؓ فارسی ایرانی ہونے کی وجہ سے خندق کے طریقہ سے واقف تھے، انہوں نے رائے دی، کہ کھلے میدان میں نکل

---

[1] صحیح بخاری غزوۃ الرجیع (۲) طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم اول صفحہ ۴۷ و فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۳۰۱ ج ۳ س" (۳) طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم اول صفحہ ۴۶ ج ۳ س" (۴) افسروں کی یہ تفصیل پورے لشکر کی نہیں ہے، بلکہ مصنف نے صرف مشہور قبائل کے فوجی افسروں کا تذکرہ کر دیا ہے، اس سلسلہ میں مورخین نے دوسرے قبائل کے فوجی افسروں کے نام بھی بتائے ہیں چنانچہ بنو سلیم سفیان بن عبد شمس کی افسری میں تھے، قبیلہ اشجع کا سردار مسعود بن رخیلہ تھا، بنو مرہ حارث بن عوف کے ماتحت تھے، حارث اور طلیحہ بعد کو مسلمان ہو گئے تھے، زرقانی جلد ۲ صفحہ ۱۲۱، طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم اول صفحہ ۴۷ ج ۳ س" (۵) طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم اول صفحہ ۴۷ ج ۳ س"

Marfat.com

کر مقابلہ کرنا مصلحت نہیں، ایک محفوظ مقام میں لشکر جمع کیا جائے، اور گرد خندق کھود لی جائے خندق دراصل فارسی کندہ کا معرب ہے جس کے معنی "کھودے گئے" کے ہیں، کاف، خ سے اور ہائے ہوز قاف سے بدل گئی ہے جس طرح پیادہ سے بیدق ہو گیا ہے،

تمام لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا، اور خندق کھودنے کے آلات مہیا کئے گئے مدینہ میں تین جانب مکانات اور نخلستان کا سلسلہ تھا جو شہر پناہ کا کام دیتا تھا، صرف شامی رُخ کھلا ہوا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار صحابہؓ کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر اسی مقام میں خندق کی تیاریاں شروع کیں، یہ ذوقعدہ ۵ھ کی ۸ تاریخ تھی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود خود قائم کئے، داغ بیل ڈال کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم کی، خندق کا عمق پانچ گز رکھا گیا، بیس دن میں ۳ ہزار متبرک ہاتھوں سے انجام پائی،

یاد ہوگا، کہ جب مسجد نبوی بن رہی تھی، تو سرور دو جہاں مزدوروں کی صورت میں تھے آج بھی وہی عبرت انگیز منظر ہے، جاڑے کی راتیں ہیں، تین تین دن کا فاقہ ہے، مہاجرین اور انصار اپنی پیٹھوں پر مٹی لاد لاد کر پھینکتے ہیں، اور جوش محبت میں ہم آواز ہو کر کہتے ہیں،

نحن الذی بایعوا محمدًا　　علی الجہاد ما بقینا ابدًا

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مٹی پھینک رہے ہیں شکم مبارک پر گرد اٹ گئی ہے، اسی حالت میں یہ رجز زبان پر ہے،

واللہ لولا اللہ ما اہتدینا　　ولا تصدقنا ولا صلینا

فَاَنْزَلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا　　وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا

اِنَّ الْاُلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا　　اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

اَبَيْنَا کا لفظ جب آتا تھا، تو آواز زیادہ بلند ہو جاتی تھی، اور مکرر کہتے تھے، اس کے ساتھ انصار کے حق میں دعا بھی دیتے جاتے تھے، اور یہ موزون الفاظ زبان پر آتے تھے،

اللھم انہ لاخیر الاخیر الاخرۃ　　فبارک فی الانصار والمھاجرۃ

پتھر کھودتے کھودتے اتفاقاً ایک سخت چٹان آگئی کسی کی ضرب کام نہیں دیتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تین دن کا فاقہ تھا، اور پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا آپ نے دست مبارک سے پھاوڑا مارا، تو چٹان ایک تودہ خاک تھی[1]،

سُلع کی پہاڑی کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی گئی، مستورات شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیجدی گئیں، اور چونکہ بنو قریظہ کے حملہ کا اندیشہ تھا، اس لئے حضرت سلمہ بن اسلمؓ ۳۰۰ آدمیوں کے ساتھ متعین کئے گئے، کہ ادھر سے حملہ نہ ہونے پائے،

بنو قریظہ کے یہود اب تک الگ تھے، لیکن بنو نضیر نے ان کے ملا لینے کی کوشش کی، حیی بن اخطب (حضرت صفیہؓ کا باپ) خود قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا، اس نے ملنے سے انکار کیا، حیی نے کہا "میں فوجوں کا دریائے بیکراں لایا ہوں، قریش اور تمام عرب احد آیا ہے، اور ایک محمدؐ کے خون کا پیاسا ہے، یہ موقع ہاتھ سے دینے کے قابل نہیں اب اسلام کا خاتمہ ہے"، کعب اب بھی راضی نہ تھا، اس نے کہا "میں نے محمدؐ کو ہمیشہ صادق الوعد پایا، ان سے عہد شکنی کرنا خلاف مروت ہے" لیکن حیی کا جادو رائگاں نہیں جا سکتا تھا،

[1] صحیح بخاری غزوہ احزاب، [2] ایضاً،

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حال معلوم ہوا، تو تحقیق اور اتمام حجت کے لئے سعدؓ بن معاذ اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کو بھیجا، اور فرمادیا، کہ اگر درحقیقت بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے تو وہاں سے آکر اس خبر کو مبہم لفظوں میں بیان کرنا، کہ لوگوں میں بے دلی نہ پھیلنے پائے، دونوں صاحبوں نے بنو قریظہ کو معاہدہ یاد دلایا، تو انہوں نے کہا "ہم نہیں جانتے محمدؐ کون ہے اور معاہدہ کیا چیز ہے"

غرض بنو قریظہ نے اس بے شمار فوج میں اور اضافہ کر دیا، قریش، یہود اور قبائل عرب کی دس ہزار فوجیں تین حصوں میں تقسیم ہو کر مدینہ کے تین طرف اس زور شور سے حملہ آور ہوئیں کہ مدینہ کی زمین دہل گئی،

اس معرکہ کی تصویر خود اللہ تعالیٰ نے کھینچی ہے،

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ	جب کہ دشمن اوپر کی طرف اور نشیب کی طرف
مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ	سے آپڑے، اور جب آنکھیں ڈگنے لگیں،
بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ	اور کلیجے منہ میں آگئے، اور تم خدا کی نسبت طرح
بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۠ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ	طرح کے گمان کرنے لگے، تب مسلمانوں کی
الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا	جانچ کا وقت آگیا، اور وہ بڑے زور کے
شَدِيْدًا (سورۃ الاحزاب - ۲)	زلزلے میں ڈالدیئے گئے،

فوج اسلام میں منافقوں کی تعداد بھی شامل تھی، جو بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے، لیکن موسم کی سختی، رسد کی قلت، متواتر فاقے، راتوں کی بے خوابی بے شمار فوجوں کا ہجوم ایسے آفات تھے، جنہوں نے ان کا پردہ فاش کر دیا، آآکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت

Marfat.com

انگنی شروع کی، کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں، ہم کو شہر میں واپس چلے جانے کی اجازت دی جائے،

يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا (الاحزاب - ۲)	کہتے ہیں، کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں، اور وہ کھلے نہیں، بلکہ ان کو بھاگنا مقصود ہے،

لیکن جاں نثاران اسلام کا طلائے اخلاص اسی کسوٹی پر آزمانے کے قابل تھا،

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ۝ (الاحزاب - ۳)	جب مسلمانوں نے قبائل کی فوجیں دیکھیں، تو بول اٹھے یہ وہی ہے، جس کا وعدہ خدا نے اور اس کے رسول نے کیا تھا، اور خدا اور اس کا رسول دونوں سچے تھے، اور اس بات نے ان کے یقین اور اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا،

قریباً ایک مہینہ تک اس سختی سے محاصرہ قائم رہا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ پر تین تین فاقے گذر گئے، ایک دن صحابہؓ نے بیتاب ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے شکم کھول کر دکھائے، کہ پتھر بندھے ہیں، لیکن جب آپ نے شکم مبارک کھولا، تو ایک کے بجائے دو پتھر تھے[1]، محاصرہ اس قدر شدید اور پرخطر ہو گیا تھا، کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا، کہ کوئی ہے، جو باہر نکل کر محاصرین کی خبر لائے؟ تین دفعہ آپؐ نے یہ الفاظ فرمائے، لیکن حضرت زبیرؓ کے سوا اور کوئی صدا نہیں آئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی موقع پر حضرت زبیرؓ کو حواری کا لقب[2] دیا،

[1] شمائل ترمذی، عرب کی عادت تھی کہ سخت بھوک میں پتھر باندھتے تھے جن سے کمر نہیں جھکنے پاتی تھی۔ [2] صحیح بخاری، ذکر غزوہ

Marfat.com

محاصرین نے ادہر تو خندق کا محاصرہ کر رکھا تھا، اور دوسری سمت اس غرض سے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے اہل وعیال یہی قلعوں میں پناہ گزین تھے محاصرین خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے، اس لئے دور سے تیر اور پتھر برساتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے مختلف حصوں پر فوجیں تقسیم کر دی تھیں، جو محاصرین کے حملوں کا مقابلہ کرتی تھیں، ایک حصہ خود آپ کے اہتمام میں تھا،

محاصرہ کی سختی دیکھ کر آپؐ کو خیال آیا، کہ ایسا نہ ہو، انصار ہمت ہار جائیں، اس لئے آپ نے غطفان سے اس شرط پر معاہدہ کرنا چاہا، کہ مدینہ کی پیداوار کا ایک ثلث ان کو دیدیا جائے، حضرت سعدبنؓ عبادہ اور حضرت سعدبنؓ معاذ کو جو رؤسائے انصار تھے، بلا کر مشورہ کیا، دونوں نے عرض کی، کہ اگر یہ خدا کا حکم ہے، تو انکار کی مجال نہیں، لیکن اگر رائے ہے، تو یہ عرض ہے کہ کفر کی حالت میں بھی کوئی شخص ہم سے خراج مانگنے کی جرأت نہ کر سکا، اور اب تو اسلام نے ہمارا پایہ بہت بلند کر دیا ہے، یہ استقلال دیکھ کر آپ کو اطمینان ہوا، حضرت سعدؓ نے معاہدہ کا کاغذ ہاتھ میں لے کر تمام عبارت مٹا دی[1]، اور کہا، ان لوگوں سے جو بن آئے کر دکھائیں،

(بقیہ حاشیہ ۴۲۴) احزاب (صحیح مسلم کتاب الفضائل لیکن ابن ہشام میں، اس موقعہ پر حضرت حذیفہ بن یمانؓ کا نام ہے، اس لئے محدثین میں ان دو ناموں کے واقعوں کی تطبیق میں اختلاف ہے، حافظ ابن حجر اور زرقانی نے بدلائل یہ ثابت کیا ہے، کہ محاصرین میں سے قریش کی تحقیق حال کے لئے حضرت حذیفہؓ اور بنو قریظہ کی تحقیق خبر کے لئے حضرت زبیرؓ گئے ہیں، یہ تفصیل واقدی اور نسائی نے اپنی روایتوں میں کی ہے، فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۳۱۲، زرقانی جلد ۲ صفحہ ۱۳۰)

(طبری جلد ۳ صفحہ ۴۷۴)

Marfat.com

اب مشرکوں کی طرف سے حملہ کا یہ انتظام کیا گیا، کہ قریش کے مشہور جنرل یعنی ابوسفیان خالد بن ولید، عمرو بن العاص، ضرار بن الخطاب، جبیرہ کا ایک ایک دن مقرر ہوا، ہر جنرل اپنی باری کے دن پوری فوج کو لے کر لڑتا تھا، خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے، لیکن خندق کا عرض چونکہ زیادہ نہ تھا، اس لئے باہر سے تیر اور پتھر برساتے تھے،

چونکہ اس طریقہ میں کامیابی نہیں ہوئی، اس لئے قرار پایا، کہ اب عام حملہ کیا جائے تمام فوجیں یکجا ہوئیں، قبائل کے تمام سردار آگے آگے تھے، خندق ایک جگہ سے اتفاقاً کم عریض تھی، یہ موقع حملہ کے لئے انتخاب کیا گیا، عرب کے مشہور بہادروں یعنی ضرار، جبیرہ، نوفل، عمرو بن عبدود نے خندق کے اس کنارے سے گھوڑوں کو مہمیز کیا، تو اس پار تھے، ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدود تھا، وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا، جنگ بدر میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا، اور قسم کھائی تھی، کہ جب تک انتقام نہ لوں گا، بالوں میں تیل نہ ڈالونگا، اس وقت اس کی عمر ۹۰ برس کی تھی، تاہم سب سے پہلے وہی آگے بڑھا، اور عرب کے دستور کے موافق پکارا، کہ مقابلہ کو کون آتا ہے، حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا "میں" لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا، کہ یہ عمرو بن عبدود ہے، حضرت علیؓ بیٹھ گئے، لیکن عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہیں آتا تھا، عمرو نے دوبارہ پکارا، اور پھر وہی صرف ایک صدا جواب میں تھی، تیسری دفعہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ عمرو ہے، تو حضرت علیؓ نے عرض کی، ہاں! میں جانتا ہوں، کہ یہ عمرو ہے، غرض آپؐ نے اجازت دی، خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی، سر پر عمامہ باندھا،

عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دنیا میں اگر مجھ سے تین باتوں کی درخواست کرے تو ایک ضرور قبول کرونگا، حضرت علیؓ نے عمرو سے پوچھا، کہ کیا واقعی یہ تیرا قول ہے پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی،

حضرت علیؓ — میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لا،

عمرو — یہ نہیں ہو سکتا،

حضرت علیؓ — لڑائی سے واپس چلا جا

عمرو — میں خاتونان قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا

حضرت علیؓ — مجھ سے معرکہ آرا ہو،

عمرو ہنسا، اور کہا مجھ کو امید نہ تھی، کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائے، حضرت علیؓ پیادہ تھے، عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا، گھوڑے سے اتر آیا، اور پہلی تلوار گھوڑے کے پاؤں پر ماری، کہ کونچیں کٹ گئیں، پھر پوچھا، کہ تم کون ہو، آپ نے نام بتایا، اس نے کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا، آپ نے فرمایا "ہاں لیکن میں چاہتا ہوں" عمرو اب غصہ سے بیتاب تھا، پہلے سے تلوار نکالی، اور آگے بڑھ کر وار کیا، حضرت علیؓ نے سپر پر روکا لیکن تلوار سپر میں ڈوب کر نکل آئی، اور پیشانی پر لگی، گو زخم کاری نہ تھا، تاہم یہ طغرا آپ کی پیشانی پر یادگار رہ گیا، قاموس میں لکھا ہے، کہ حضرت علیؓ کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے جس کی وجہ یہ تھی، کہ آپ کی پیشانی پر دو زخموں کے نشان تھے، ایک عمرو کے ہاتھ کا، اور ایک ابن ملجم کا دشمن کا وار ہو چکا، تو حضرت علیؓ نے وار کیا، ان کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اتر آئی، ساتھ ہی حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا، اور فتح کا اعلان ہو گیا، عمرو کے بعد ضرار اور جبیرہ نے

Marfat.com

حملہ کیا، لیکن جب ذوالفقار کا ہاتھ بڑھا، تو پیچھے ہٹنا پڑا، حضرت عمر فاروقؓ نے ضرار کا تعاقب کیا، ضرار نے مڑ کر برچھے کا وار کرنا چاہا، لیکن روک لیا، اور کہا عمر! اس احسان کو یاد رکھنا،

نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گرا، صحابہؓ نے تیر مارنے شروع کئے، اس نے کہا "مسلمانو! میں شریفانہ موت چاہتا ہوں" حضرت علیؓ نے درخواست منظور کی، اور خندق میں اتر کر تلوار سے مارا، کہ شریفوں کے شایاں تھا،

حملہ کا یہ دن بہت سخت تھا، تمام دن لڑائی رہی، کفار ہر طرف سے تیر اور پتھروں کا مینہ برسا رہے تھے، اور ایک دم کے لئے یہ بارش تھمنے نہ پاتی تھی، یہی دن ہے جس کا ذکر احادیث میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متصل[1] چار نمازیں قضا ہوئیں، متصل تیر اندازی اور سنگ باری سے جگہ سے ہٹنا ناممکن تھا،

مستورات جس قلعہ میں تھیں، بنو قریظہ کی آبادی سے متصل تھا، یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمعیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے، قلعہ پر حملہ کیا، ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا، اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈھ رہا تھا، حضرت صفیہؓ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی) نے دیکھ لیا، مستورات کی حفاظت کے لئے حضرت حسانؓ (شاعر) متعین کر دیئے

---

[1] یہ حالات اگرچہ مجملاً تمام کتابوں میں ہیں، لیکن ہم نے جو تفصیل لکھی ہے، ابن سعد اور خمیس سے ماخوذ ہے،

[2] اس امر میں محدثین میں سخت اختلاف ہے، کہ چار نمازیں قضا ہوئیں یا ایک، اور چار قضا ہوئیں، تو ایک ہی دن، یا کئی دن کی ملا کر، زرقانی میں یہ بحث مفصل ہے)

گئے تھے، حضرت صفیہؓ نے ان سے کہا، کہ اتر کر اس کو قتل کر دو، ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ دے گا،
حضرت حسانؓ کو ایک عارضہ ہو گیا تھا، جس نے ان میں اس قدر جبن پیدا کر دیا تھا، کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، اس بنا پر اپنی معذوری ظاہر کی، اور کہا، کہ میں اس کام کا ہوتا، تو یہاں کیوں ہوتا، حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑی، اور اتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری، کہ سر پھٹ گیا، حضرت صفیہؓ چلی آئیں، اور حسانؓ سے کہا کہ ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ، حسانؓ نے کہا جانے بھی دیجئے مجھ کو اس کی ضرورت نہیں، حضرت صفیہؓ نے کہا، اچھا جاؤ، اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو، کہ یہودی مرعوب ہو جائیں، لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہؓ ہی کو انجام دینا پڑی، یہودیوں کو یقین ہوا، کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج متعین ہے، اس خیال سے پھر انہوں نے حملہ کی جرأت نہ کی[1]،

محاصرہ کو جس قدر طول ہوتا جاتا تھا، محاصرہ کرنے والے بہت ہارتے جاتے تھے، دس ہزار آدمیوں کو رسد پہنچانا آسان کام نہ تھا، پھر باوجود سردی کے موسم کے اس زور کی ہوا چلی کہ طوفان آگیا، خیموں کی طنابیں اکھڑ اکھڑ گئیں، کھانے کے دیگچے چولہوں پر الٹ الٹ جاتے تھے، اس واقعہ نے فوجوں سے بڑھ کر کام کیا، اسی بنا پر قرآن مجید نے اس باد صرصر کو عسکر الٰہی سے تعبیر کیا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا	مسلمانو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو، جب
نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ	کہ تم پر فوجیں آپڑیں، تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی

[1] مدنی بحوالہ طبرانی مفہار و ابو یعلی بسند حسن، دیکھو صفحہ ۱۲۹ جلد ۲ و ابن ہشام،

Marfat.com

جُنُوْدًا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا (الاحزاب-۲) اور فوجیں بھیجیں، جو تم کو دکھائی نہیں دیتی تھیں،

نعیم بن مسعود اشجعی ایک غطفانی رئیس تھے، قریش اور یہود دونوں ان کو مانتے تھے وہ اسلام لاچکے تھے لیکن کفار کو اس کا علم نہ تھا، انہوں نے قریش اور یہود سے الگ الگ جاکر کچھ اس قسم کی باتیں کیں، جس سے دونوں میں پھوٹ پڑ گئی

ابن اسحٰق کی روایت ہے، کہ نعیم نے اس تفرقہ اندازی میں دونوں سے (ایسی) باتیں کہیں، جن سے دونوں ایک دوسرے سے بدگمان ہوجائیں، اور اس بنا پر کہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الحَرْبُ خُدْعَۃٌ کی تعلیم کی تھی لیکن ابن اسحاق نے روایت کی سند بیان نہیں کی، اور اگر کرتے بھی تو ابن اسحاق کا پایہ نہیں، کہ ایسا واقعہ محض ان کی سند سے قبول کر لیا جاوے، اس کے علاوہ واقعات اس قسم کے جمع تھے، کہ دونوں فریقوں کا اتحاد تعبیر اس کے توڑ دیا جا سکتا تھا، کہ کوئی غلط بات بیان کی جائے، ابن اسحاق کی روایت میں بھی اس قدر مذکور ہے، کہ نعیم نے یہود سے کہا، کہ قریش تو چار دن کے بعد یہاں سے چلے جائیں گے، تمہارا اور مسلمانوں کا ہموطنی کا ساتھ ہے، اس لئے تم کیوں بیچ میں پڑ کر ہمیشہ کے لئے لڑائی مول لیتے ہو، اور اگر اس پر آمادہ ہی ہو، تو قریش سے کہو، کہ وہ کچھ معزز آدمی ضمانت کے طور پر تمہارے ہاں بھجوا دیں، کہ اگر قریش لڑائی کا فیصلہ کئے بغیر جانا چاہیں، تو تم ان لوگوں کو روک لینا

یہ بھی ظاہر ہے، کہ یہود بنی قریظہ اول اول نقض عہد پر راضی نہ تھے، اور کہتے تھے کہ ہم

Marfat.com

محمدؐ سے معاہدہ کیوں توڑیں لیکن حیی بن اخطب نے اسی شرط پر ان کو راضی کیا تھا، کہ قریش چلے گئے، تو میں خیبر چھوڑ کر تمہارے پاس آجاؤں گا" قریش اس قسم کی ضمانت نہیں منظور کر سکتے تھے اس لئے جب انہوں نے انکار کیا ہوگا، تو دونوں میں خود پھوٹ پڑ گئی ہوگی، اس کے لئے ایک صحابی کو دروغ بیانی کی کیا ضرورت تھی[1]

بہر حال موسم کی سختی، محاصرہ کا امتداد، آندھی کا زور، رسد کی قلت، یہود کی علیحدگی یہ تمام اسباب ایسے جمع ہو گئے تھے، کہ قریش کے پائے ثبات اب ٹھہر نہیں سکتے تھے، ابوسفیان نے فوج سے کہا، رسد ختم ہو چکی، موسم کا یہ حال ہے، یہود نے ساتھ چھوڑ دیا، اب محاصرہ بیکار ہے" یہ کہہ کر طبل رحیل بجنے کا حکم دیا، غطفان بھی اس کے ساتھ روانہ ہو گئے، بنو قریظہ محاصرہ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلے آئے، اور مدینہ کا افق ۲۰، ۲۲ دن تک غبار آلود رہ کر صاف ہو گیا،

---

[1] مصنف کے اس خیال کی تائید مغازی موسیٰ بن عقبہ کی، روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو مختصراً مصنف ابن ابی شیبہ میں اور تفصیل کے ساتھ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے، اس روایت کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ بنو قریظہ نے اس جنگ میں شرکت اسی شرط کے ساتھ کی تھی، کہ قریش ضمانت کے طور پر اپنے کچھ معزز آدمی بنو قریظہ کے سپرد کریں گے لیکن انہوں نے یہ شرط پوری نہیں کی، اور اس سے ان کے دل میں قریش کی طرف سے بے اطمینانی پیدا ہوئی، اور انہوں نے خفیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط کے ساتھ مصالحت کا پیغام بھیجا، کہ بنو نضیر کو جو خیبر کو جلاوطن کر دیئے گئے تھے، پھر مدینہ میں آنے کی اجازت دے دی جائے، نعیم بن مسعود نقفی جو اسی موقع پر مسلمان ہونے آئے تھے، ایک ایسے آدمی تھے، جو پیٹ کے ہلکے تھے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دانستہ راز کے طور پر بنو قریظہ کے اس مخفی پیغام کا ذکر فرما دیا، انہوں نے جا کر یہ قریش تک پہنچا دیا، اس سے قریش کو بنو قریظہ سے بدگمانی پیدا ہو گئی، اور اس طرح قریش اور بنو قریظہ کے اتفاق کا رشتہ ٹوٹ گیا، دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ کتاب المغازی غزوہ خندق والبدایۃ والنہایہ ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۱۳، مصر ۲ س"

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ	اور خدا نے کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا،
لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ	کہ ان کو کچھ ہاتھ نہ آیا، اور مسلمانوں کو لڑنے کی
الْقِتَالَ (الاحزاب - ۳)	نوبت نہ آنے دی،

اس معرکہ میں فوج اسلام کا جانی نقصان کم ہوا، لیکن انصار کا سب سے بڑا بازو ٹوٹ گیا، یعنی حضرت سعدؓ بن معاذ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے، زخمی ہوئے، اور پھر جانبر نہ ہو سکے ان کے زخم کھانے کا واقعہ موثر اور عبرت انگیز ہے،

حضرت عائشہؓ جس قلعہ پناہ گزین تھیں حضرت سعد بن معاذ کی ماں بھی وہیں ان کے ساتھ تھیں، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے، کہ میں قلعہ سے نکل کر باہر پھر رہی تھی، عقب سے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی، مڑ کر دیکھا، تو سعدؓ ہاتھ میں حربہ لئے جوش کی حالت میں بڑی تیزی سے بڑھے جا رہے ہیں، اور یہ شعر زبان پر ہے،

لَبِّثْ قَلِيْلًا يُدْرِكْكَ الْهَيْجَا حَمَلْ	لَا بَأْسَ بِالْمَوْتِ اِذَا الْمَوْتُ نَزَلْ
ذرا ٹھہر جانا، کہ لڑائی میں ایک اور شخص پہنچ جائے،	وقت جب آگیا، تو موت سے کیا ڈر ہے،

حضرت سعدؓ کی ماں نے سنا تو پکاریں، بیٹا دوڑ کر جا، تو نے دیر لگا دی، سعدؓ کی اس قدر چھوٹی تھی، کہ ان کے دونوں ہاتھ باہر تھے، حضرت عائشہؓ نے سعد کی ماں سے کہا، کاش سعدؓ کی زرہ لمبی ہوتی، اتفاق یہ کہ ابن العرقہ نے تاک کر کھلے ہاتھ پر تیر مارا جس سے اکحل کی رگ کٹ گئی، خندق کا معرکہ ہو چکا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے مسجد کے صحن میں ایک

لہ ابن ہشام و طبری و خمیس،

Marfat.com

خیمہ کھڑا کرایا، اور ان کی تیمارداری شروع کی، اس لڑائی میں رفیدہ ایک خاتون شریک تھیں، جو اپنے پاس دوائیں رکھتی تھیں، اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں، یہ خیمہ انہیں کا تھا، اور وہ علاج کی نگران تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دست مبارک میں منقص[2] لے کر داغا لیکن پھر ورم کر آیا، دوبارہ داغا لیکن پھر فائدہ نہ ہوا، کئی دن کے بعد یعنی بنو قریظہ کی ہلاکت کے بعد زخم کھل گیا، اور انہوں نے وفات پائی،

بنو قریظہ کا خاتمہ اوپر گذر چکا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز قیام میں یہود کے ساتھ معاہدہ کیا تھا، اور ان کو جان و مال اور مذہب ہر چیز میں امن و آزادی بخشی، جب قریش نے ان کو تحریض و تہدید کا خط لکھا، تو وہ آمادہ بغاوت ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے تجدید معاہدہ کرنی چاہی، بنو نضیر نے انکار کیا، اور وہ جلا وطن کر دیئے گئے لیکن بنو قریظہ نے نئے سرے سے معاہدہ کر لیا، چنانچہ ان کو امن دیدیا گیا، صحیح مسلم میں ان واقعات کو اختصار کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا ہے،

عن ابن عمرؓ ان یھود بنی النضیر — حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے،

---

[1] رفیدہ کا بیان ہے، حافظ ابن حجر نے اصابہ (ذکر رفیدہ) میں امام بخاری کی ادب المفرد سے نقل کیا ہے، کہ رفیدہ ایک خاتون تھیں، جو زخمیوں کا علاج کرتی تھیں، حضرت سعدؓ انہی کے پاس علاج کے لئے رکھے گئے تھے، ابن سعد نے رفیدہ کے ذکر میں لکھا ہے، کہ ان کا ایک خیمہ مسجد نبوی کے پاس تھا، اسی میں وہ بیماروں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں، صحیح بخاری میں بھی رفیدہ کے خیمہ اور ان کے جراح خانہ کا ذکر ہے [2] مسلم باب التداوی [3] واقدی نے یہی بن اخطب کی زبانی بنو قریظہ کے اس معاہدہ کر کے ٹھہر جانے کے واقعہ کو ان کی سازشی چال ظاہر کیا ہے، حیی بن اخطب نے کہا، کہ وہ اس لئے ٹھہر گئے ہیں، تاکہ موقع پا کر کفار سے مل کر مسلمانوں پر حملہ کر سکیں، مغازی واقدی صفحہ ۳۶۲، کلکتہ) س"

Marfat.com

وقریظۃ حاربوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی النضیر وا قر قریظۃ ومن علیہم (صحیح مسلم ذکر اجلاء الیہود من الحجاز)

بنو نضیر اور قریظہ کے یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کی۔ تو آپ نے بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا۔ اور قریظہ کو رہنے دیا اور ان پر احسان کیا،

بنو نضیر جب جلا وطن ہوئے، تو ان کے رئیس اعظم حیی بن اخطب، ابو رافع سلام بن ابی الحقیق خیبر میں جا کر آباد ہوئے، اور وہاں ریاست عام حاصل کر لی، جنگ احزاب ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھی، قبائل عرب میں دورہ کر کے تمام ملک میں آگ لگا دی، اور قریش کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے، اس وقت تک قریظہ معاہدہ پر قائم تھے لیکن حیی ابن اخطب نے ان کو بہکا کر توڑ لیا، اور ان سے وعدہ کیا، کہ خدانخواستہ اگر قریش حملہ سے دست بردار ہو کر چلے گئے، تو میں خیبر چھوڑ کر یہیں آ رہوں گا، چنانچہ اس نے یہ عہد وفا کیا،

قریظہ نے احزاب میں علانیہ شرکت[1] کی، اور شکست کھا کر ہٹ آئے، تو اسلام کے سب سے بڑے دشمن حیی بن اخطب کو ساتھ لائے[2]،

اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، کہ ان کا آخری فیصلہ کیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب سے فارغ ہو کر حکم دیا، کہ ابھی لوگ ہتھیار نہ کھولیں اور قریظہ کی طرف بڑھیں، قریظہ اگر

---

[1] مرڈیم سیور صاحب ارباب سیرت کی یہ روایت تسلیم نہیں کرتے، کہ بنو قریظہ نے اس جنگ میں کوئی عملی حصہ لیا تھا، انکا استدلال یہ ہے، کہ اگر ایسا ہوتا، تو قرآن مجید میں جہاں احزاب کا ذکر ہے، وہاں اس کا ذکر ضرور ہوتا، لیکن قرآن میں صاف یہ الفاظ ہیں وانزل الذین ظاہروھم من اھل الکتاب، مظاہرت (امداد) سے بڑھ کر اور کون لفظ درکار ہے [2] طبری (جلد ۲ صفحہ ۴۸۷ "س") وابن ہشام صفحہ ۴۶۹ جلد دوم،

صلح وآشتی سے پیش آتے، تو قابل اطمینان تصفیہ کے بعد ان کو امن دیا جاتا، لیکن وہ مقابلہ کا فیصلہ کر چکے تھے، فوج سے آگے بڑھ کر جب حضرت علیؓ ان کے قلعوں کے پاس پہنچے، تو انہوں نے علانیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) گالیاں دیں، غرض ان کا محاصرہ کیا گیا، اور تقریباً ایک مہینہ محاصرہ رہا، بالآخر انہوں نے درخواست پیش کی، کہ حضرت سعدؓ بن معاذ جو فیصلہ کریں ہم کو منظور ہے،

حضرت سعدؓ بن معاذ اور ان کا قبیلہ (اوس) قریظہ کا حلیف اور ہم عہد تھا، عرب میں یہ تعلق ہم نسبی سے بڑھ کر تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور کی،

قرآن مجید میں جب تک کوئی خاص حکم نہیں آتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تورات کے احکام کی پابندی فرماتے تھے، چنانچہ اکثر مسائل مثلاً قبلہ نماز، رجم، قصاص بالمثل وغیرہ وغیرہ میں جبتک خاص وحی نہیں آئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات ہی کی پابندی فرمائی حضرت سعدؓ نے جو فیصلہ کیا یعنی یہ کہ لڑنے والے قتل کئے جائیں، عورتیں اور بچے قید ہوں، مال واسباب غنیمت قرار دیا جائے، تورات کے مطابق تھا، تورات کتاب تثنیہ اصحاح ۲۰ آیت ۱۰ میں ہے:

"جب کسی شہر پر حملہ کے لئے تو جائے، تو پہلے صلح کا پیغام دے، اگر وہ صلح تسلیم کرلیں، اور

(طبری جلد ۳ صفحہ ۵۰۴ س ۹) میں ہے حتی اذا دنا من الحصون سمع منہا مقالۃ قبیحۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہم، شیخ سلم جلد ۲ صفحہ ۷۷ (باب جواز قتال من نقض العہد وجواز انزال اہل الحصون علی حکم حاکم عدل اہل للحکم س) اور نیز بخاری (باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب س) میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے، مارگولیس صاحب فرماتے ہیں، کہ "چونکہ سعدؓ بن معاذ کو اس جنگ میں ایک قریظی نے تیر سے زخمی کیا تھا، جس سے بالآخر وہ ہلاک ہوگئے، اس لئے انہوں نے بنو قریظہ کے لئے ایسا بے رحمانہ فیصلہ کیا"، لیکن وہ تیر انداز ابن العرقہ قریشی تھا، قریظی نہ تھا، صحیح بخاری ومسلم میں صاف تصریح ہے،

Marfat.com

تیرے لئے دروازے کھول دیں، تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں، سب تیرے غلام ہو جائیں گے لیکن اگر صلح نہ کریں، تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے، تو جس قدر مرد ہوں، سب قتل کر دے، باقی بچے، عورتیں، جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں، سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گے۔"

احادیث میں مذکور ہے، کہ سعدؓ نے جب یہ فیصلہ کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ تم نے یہ آسمانی فیصلہ کیا، یہ اسی تورات کے حکم کی طرف اشارہ تھا، یہودیوں کو جب یہ حکم سنایا گیا، تو جو فقرے ان کی زبان سے نکلے، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے، کہ وہ خود بھی اسی فیصلہ کو حکم الٰہی کے موافق سمجھتے تھے،

حیی بن اخطب جو ان تمام فتن کا بانی تھا، مقتل میں لایا گیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس نے نظر اٹھا کر دیکھا، اور یہ فقرے کہے،

اما واللہ مالمت نفسی فی	ہاں خدا کی قسم! مجھ کو اس کا افسوس نہیں، کہ میں نے کیوں
عداوتك ولكنه من يخذل الله	تیری عداوت کی لیکن بات یہ ہے، کہ جو شخص خدا کو چھوڑ
يخذل	دیتا ہے، خدا بھی اس کو چھوڑ دیتا ہے،

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا،

ايها الناس انه لا باس بامر الله كتاب	لوگو! خدا کے حکم کی تعمیل میں کچھ مضائقہ نہیں، یہ ایک
وقدر ورحمة كتبها الله على	حکم الٰہی تھا، یہ لکھا ہوا تھا، ایک سزا تھی، جو خدا نے
بني اسرائيل[1]	بنی اسرائیل پر لکھی تھی،

[1] مضمون عبارت ابن ہشام (غزوہ بنی قریظہ) میں ہے، طبری میں بھی تقریباً یہی الفاظ ہیں،

Marfat.com

حیی بن اخطب کی نسبت یہ بات خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے، کہ جب وہ جلاوطن ہو کر خیبر جا رہا تھا، تو اس نے یہ معاہدہ کیا تھا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کسی کو مدد نہ دیگا[1]، اس معاہدہ پر اس نے خدا کو ضامن کیا تھا لیکن احزاب میں اس نے اس معاہدہ پر جس طرح تعمیل کی، اس کا حال ابھی گذر چکا،

بنو قریظہ کے متعلق مخالفین اسلام نے بڑے زور کے ساتھ ظلم و بیرحمی کا اعتراض کیا ہے لیکن واقعات حسب ذیل ہیں،

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آکر ان کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کیا جس میں ان کے مذہب کو پوری آزادی دی گئی، اور جان و مال کی حفاظت کا اقرار کیا گیا

۲۔ بنو قریظہ رتبہ میں بنو نضیر سے کم تھے یعنی بنو نضیر کا کوئی آدمی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تھا، تو اس کو صرف آدھا خونبہا دینا پڑتا تھا، بخلاف اس کے بنو قریظہ پورا خونبہا ادا کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ پر یہ احسان کیا، کہ ان کا درجہ بنو نضیر کے برابر کر دیا

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کی جلاوطنی کے وقت بنو قریظہ سے دوبارہ تجدید معاہدہ کی،

۴۔ باوجود ان باتوں کے عہد شکنی کی، اور جنگ احزاب میں شریک ہوئے

۵۔ ازواج مطہرات قلعہ میں حفاظت کے لئے بھیجی گئی تھیں، ان پر حملہ کرنا چاہا،

۶۔ حیی بن اخطب جو بغاوت کے جرم میں جلاوطن کر دیا گیا تھا، جس نے تمام عرب کو

---

[1] الاستیعاب بر حاشیہ اصابہ ج ۱ ص ۱۲۰ و بروایت مصنف ابن ابی شیبہ کتاب المغازی، باب بنی قریظہ میں بھی مذکور ہے، ص ۲۰۰ ابوداؤد جلد ۲ کتاب الدیات، باب النفس

برانگیختہ کرکے جنگ احزاب قائم کردی تھی، اس کو اپنے ساتھ لائے جو آتش جنگ کے اشتعال کا دیباچہ تھا،

ان حالات کے ساتھ بنو قریظہ کے ساتھ اور کیا سلوک کیا جاسکتا تھا،

یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے، کہ عرب میں محالفت کا معاہدہ اخوت حقیقی کے برابر تھا، بنو قریظہ انصار کے حلیف تھے، اور اسی بنا پر تمام انصار (اوس) نے ان کی نہایت الحاح کے ساتھ سفارش کی حضرت سعد بن معاذؓ اوس کے سردار تھے، اور دراصل معاہدہ کے وہی ذمہ دار تھے اور سخت کشمکش میں تھے، ان کے حلیفوں کی موت وحیات کا مسئلہ تھا جن کی حمایت پر کل انصار (اوس) مصر تھے لیکن حضرت سعد بن معاذؓ اس فیصلہ کے سوا اور کیا کرسکتے تھے،

مقتولین کی تعداد ارباب سیر نے ۶۰۰ سے زائد بیان کی ہے لیکن صحاح میں ۴۰۰ ہے، ان میں صرف ایک عورت تھی، اور وہ اس قصاص میں ماری گئی تھی، کہ اس نے قلعہ پر سے ایک پتھر گرا کر ایک مسلمان (خلادؓ) کو قتل کردیا تھا، اس عورت نے جس جرأت اور دلیری سے جان دی سنن ابی داؤد میں وہ حسب ذیل حیرت انگیز طریقہ سے مذکور ہے

اس کو معلوم ہوچکا تھا، کہ مقتولین کی فہرست میں اس کا نام بھی ہے قتل گاہ میں مجرم آتے اور عدم کو روانہ ہوتے جاتے تھے، ایک ایک کا نام پکارا جارہا تھا، اور یہ ہوشربا صدا بار بار اس کے کانوں میں آتی تھی لیکن وہ بے تکلف حضرت عائشہؓ سے باتیں کرتی جاتی، اور بات بات پر ہنستی جاتی تھی، دفعۃً قاتل نے اس کا نام پکارا، وہ بے تکلف اٹھ کھڑی ہوئی حضرت

(۱) ابن ہشام غزوہ بنی قریظہ، (۲) ابوداؤد کتاب الجہاد، باب قتل النساء ص

عائشہؓ نے پوچھا کہاں؟ بولی میں نے ایک جرم کیا تھا، اس کی سزا اٹھانے جاتی ہوں، خوشی خوشی قتل گاہ میں آئی، اور تلوار کے نیچے سر رکھدیا،

حضرت عائشہؓ جب اس واقعہ کو بیان کرتی تھیں، تو نہایت حیرت کے لہجہ میں بیان کرتی تھیں،

ریحانہ کا غلط واقعہ

متعدد ارباب سیر نے لکھا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ کے قیدیوں میں سے ایک یہودی عورت جس کا نام ریحانہ تھا، اس کی نسبت حکم دیا، کہ الگ کر لیجائے اور پھر چند روز کے بعد اس کو اپنے حرم میں داخل کر لیا چنانچہ جن مورخین نے لکھا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لونڈیوں سے بھی متمتع ہوتے تھے، انہوں نے دو مثالیں پیش کی ہیں، ایک یہی ریحانہ اور دوسری ماریہ قبطیہ عیسائی مورخوں نے اس واقعہ کو صحیح قرار دے کر نہایت ناگوار صورت میں دکھایا ہے، ایک مورخ نہایت طعن آمیز الفاظ میں لکھتا ہے کہ بانی اسلام جب سات سو مقتولین کی لاشوں کے تڑپنے کا تماشا دیکھ چکا، تو گھر پر آکر تفریح خاطر کے لئے .....

لیکن حقیقت یہ ہے، کہ سرے سے یہ واقعہ ہی غلط ہے،

ریحانہ کے حرم میں داخل ہونے کی جس قدر روایتیں ہیں، سب واقدی یا ابن اسحٰق سے ماخوذ ہیں لیکن واقدی نے تصریح بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تھا، سعد نے واقدی کی جو روایت نقل کی ہے، اس میں خود ریحانہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں

فاعتقنی وتزوجنی — پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو آزاد کر دیا، اور مجھ سے نکاح کر لیا

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں محمد بن الحسن کی تاریخ مدینہ سے جو روایت نقل کی ہے،

Marfat.com

اس کے الفاظ یہ ہیں،

وکانت ریحانۃ القرظیۃ زوج النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تسکنہ

اور ریحانہ قرظیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ (محترم) تھیں، اس مکان میں رہتی تھیں،

حافظ ابن مندہ کی کتاب (طبقات الصحابہؓ) تمام محدثین مابعد کا ماخذ ہے، اس میں الفاظ ہیں،

واستسری ریحانۃ من بنی قریظۃ ثم اعتقھا فلحقت باھلھا واحتجبت وھی عند اھلھا

ریحانہ کو گرفتار کیا، اور پھر آزاد کر دیا، تو وہ اپنے خاندان میں چلی گئیں، اور وہیں پردہ نشین ہو کر رہیں،

حافظ ابن حجر اس عبارت کو نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

وھذہ فائدۃ جلیلۃ اغفلھا ابن الاثیر

حافظ ابن مندہ کی عبارت سے صاف ثابت ہوتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو آزاد کر دیا تھا، اور وہ اپنے خاندان میں جا کر بیویوں کی طرح پردہ نشین ہو کر رہیں،

ہمارے نزدیک محقق واقعہ یہی ہے، اور اگر یہی مان لیا جائے، کہ وہ حرم نبوی میں آئیں، تب بھی قطعاً وہ منکوحات میں تھیں، کنیز نہ تھیں[۲]،

---

[۱] دیکھو اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر ریحانہ (جلد ۲ صفحہ ۶۳۰۹ س)، [۲] حضرت ریحانہ کے متعلق کتب سیر میں تین قسم کی روایتیں ہیں، ایک یہ کہ آپ نے ان کو آزاد کر دیا، اور وہ اپنے خاندان والوں کے پاس جا کر پردہ نشین ہو کر رہیں، یہ روایت ابن مندہ کی ہے، مگر اس کی تائید میں کوئی دوسری روایت نہیں ہے، دوسری قسم کی روایت یہ ہے کہ آپ نے ان کو آزاد کر کے مثل دیگر امہات المسلمین کے رکھنا چاہا، مگر انہوں نے اس کی غیر معمولی ذمہ داری محسوس کر کے باندی بن کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا قبول کیا، یہ روایت ابن اسحاق کی ہے، تیسری قسم کی یہ روایت ہے، کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مختار بنا دیا، تو انہوں نے اسلام قبول کیا، تو آپ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا، یہ روایت واقدی کی ہے ابن سعد نے واقدی سے مختلف سلسلوں سے اسی روایت کو ذکر کیا ہے، اور واقدی نے اسی کو اثبت کہا ہے، دیکھئے کتاب البدایہ ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۳۰۵، اور امام ذہبی نے بھی زوجیت ہی کی تائید کی ہے، بحوالہ سابق، تفصیل کے لئے دیکھئے اصابہ ذکر ریحانہ ۶ س"

حضرت زینبؓ سے نکاح ۵ھ

اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا، نکاح ایک معمولی بات ہے، اور اس کی تفصیل کا موقعہ ازواج مطہراتؓ کا عنوان ہے لیکن اس واقعہ میں ایسے حالات جمع ہو گئے جنہوں نے مخالفین کے نزدیک اس کو ایک مہتم بالشان مسئلہ بنا دیا، عیسائی مورخوں نے اس واقعہ کو نہایت آب و رنگ سے لکھا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص و نکتہ چینی (عیاذاً باللہ) کے لئے ان کے نزدیک اور کوئی واقعہ یکار آمد نہیں ہو سکتا،

ہم اس واقعہ کو تفصیل سے لکھتے ہیں جس سے اس نکتہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرانا مقصود ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات پر نکتہ چینی کا موقع جو دشمنوں کو ہاتھ آتا ہے، اس کا اصلی مخرج کیا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ کو جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے متبنیٰ بنا لیا تھا، جب وہ سن بلوغ کو پہنچے، تو آپ نے ان کی شادی حضرت زینبؓ سے کرنی چاہی، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھیری بہن تھیں، (ان کی ماں اُمیمہ عبد المطلب کی بیٹی تھیں) لیکن چونکہ وہ غلام رہ چکے تھے، اس لئے حضرت زینبؓ کو یہ نسبت گوارا نہ تھی،

وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح آپ
اراد ان یزوجہا زید بن حارثۃ مولاہ	غلام زید سے کر دینا چاہا۔ تو انہوں نے ناپسند
فکرھت ذلک[1]	کیا،

[1] فتح الباری تفسیر سورہ احزاب، بحوالہ ابن ابی حاتم،

Marfat.com

لیکن بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل ارشاد کے لحاظ سے راضی ہوگئیں، قریباً ایک سال تک حضرت زیدؓ کے نکاح میں رہیں، لیکن دونوں میں ہمیشہ شکر رنجی رہتی تھی، یہاں تک کہ زیدؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر شکایت کی، اور ان کو طلاق دینا چاہا،

جاء زید بن حارثۃ فقال یا رسول اللہ	زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، اور
ان زینب اشتد علی لسانھا وانا ارید	عرض کی، کہ زینب مجھ سے زبان درازی کرتی ہیں، اور
ان اطلقھا[1]	ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار ان کو سمجھاتے تھے، کہ طلاق نہ دیں، قرآن مجید میں ہے:-

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ	اور جب کہ تم اس شخص سے جس پر خدا نے اور تم نے
اَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ	احسان کیا تھا یہ کہتے تھے، کہ اپنی بیوی کو نکاح میں
وَاتَّقِ اللّٰہَ (الاحزاب - ۵)	لئے رہو، اور خدا سے خوف کرو،

لیکن کسی طرح صحبت برآر نہ ہوسکے، اور آخر حضرت زیدؓ نے، انکو طلاق دیدی حضرت زینبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن تھیں، اور آپ ہی کی تربیت میں پلی تھیں، آپ کے فرمانے سے انہوں نے یہ رشتہ منظور کر لیا تھا جو ان کے نزدیک ان کے خلاف شان تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو مساوات اسلامی قائم کرنا چاہتے تھے، اس میں آزاد و غلام کی کوئی تمیز نہ تھی، اس حال جب وہ مطلقہ ہوگئیں، تو آپ نے ان کی دلجوئی کے لئے خود ان سے نکاح کر لینا چاہا، لیکن عرب میں اس وقت تک متبنی اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا، اس لئے عام لوگوں کے خیال سے

[1] فتح الباری تفسیر سورہ احزاب، بحوالہ روایت عبدالرزاق از معمر از قتادہ،

Marfat.com

آپؐ تامل فرماتے تھے لیکن چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی، اور اس کا مٹانا مقصود تھا، اس لئے یہ آیت نازل ہوئی،

وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ	اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو، جس کو
وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ	خدا ظاہر کر دینے والا ہے، اور تم لوگوں سے ڈرتے
تَخْشٰهُ (الاحزاب)	ہو، حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیئے،

غرض آپؐ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیا، اور جاہلیت کی ایک قدیم رسم کہ متبنی اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے مٹ گئی، اس بنا پر منافقوں اور بدگویوں نے طعنے دیئے، لیکن امر حق کے اجرا میں مطاعن کا آماجگاہ بننا لازمی ہے،

واقعہ کی اصلی اور سادہ حقیقت یہ تھی، مخالفوں نے اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہے، گو سراپا کذب و افترا ہے لیکن ہم کو تسلیم کرنا پڑتا ہے، کہ انہوں نے رنگ آرائی کے لئے سیاہی ہمارے ہی ہاں سے مستعار لی ہے،

تاریخ طبری میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیدؓ سے ملنے کے لئے ان کے گھر گئے، زیدؓ نہ تھے، حضرت زینب کپڑے پہن رہی تھیں، اسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ لیا، اور یہ الفاظ کہتے ہوئے باہر نکل آئے،

سبحان اللّٰه العظيم، سبحان اللّٰه	پاک ہے، خدا بزرگ، پاک ہے، وہ خدا جو دلوں
مصرف القلوب[1]	کو پھیر دیتا ہے،

[1] تاریخ طبری آغاز واقعات ۵ھ ہجری،

Marfat.com

حضرت زیدؓ کو یہ حالات معلوم ہوئے، تو انہوں نے آنحضرت اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی، کہ زینبؓ اگر آپ کو پسند آگئی ہوں، تو میں ان کو طلاق دے دوں"

میں نے یہ بیہودہ روایت اپنے دل پر سخت جبر کر کے نقل کی ہے "نقل کفر کفر نہ باشد" یہی روایت ہے، جو عیسائی مورخوں کا مایۂ استناد ہے لیکن ان غریبوں کو یہ معلوم نہیں، کہ اصول فن کے لحاظ سے یہ روایت کس پایہ کی ہے، مورخ طبری نے یہ روایت واقدی کے ذریعہ سے نقل کی ہے، جو مشہور کذاب اور دروغ گو ہے، اور جس کا مقصد اس قسم کی بے ہودہ روایتوں سے یہ تھا، کہ عباسیوں کی عیش پرستی کے لئے سند ہاتھ آئے،

طبری کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اس قسم کی بیہودہ روایتیں نقل کی ہیں لیکن محدثین نے انکو اس قابل نہیں سمجھا، کہ ان سے تعرض کیا جائے، حافظ ابن حجر سخت روایت پرست ہیں، تاہم فتح الباری (سورہ احزاب کی) تفسیر میں جہاں اس واقعہ سے بحث کی ہے، لکھتے ہیں،

وورد ت آثار اخری اخرجها	اور، اور بہت سی روایتیں ہیں، جن کو ابن ابی
ابن ابی حاتم والطبری ونقلها	حاتم اور طبری نے روایت کیا ہے، اور اکثر
کثیر من المفسرین لا ینبغی	مفسرین نے ان کو نقل کر دیا ہے، ان روایتوں
التشاغل بها	میں مشغول نہ ہونا چاہیئے،

حافظ ابن کثیر جو مشہور محدثین میں ہیں، اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

ذکر ابن ابی حاتم وابن جریر ههنا	ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے اس موقع
آثارا عن بعض السلف رضی اللہ عنهم	پر بعض اسلاف سے چند روایتیں نقل کی ہیں

Marfat.com

احببنا ان نضرب عنها صفحا بعد ما صححناها فلا نوردها وقد روی الامام احمد ههنا ایضا من روایۃ حماد بن زید عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ فیہ غرابۃ ترکنا سیاقہ ایضًا

جن کو ہم اس لئے نظر انداز کر دینا چاہتے ہیں، کہ وہ غلط ہیں، اور امام احمد نے بھی اس واقعہ کے متعلق انس سے ایک روایت نقل کی ہے، جو غریب ہے، ہم نے اس کا ذکر بھی چھوڑ دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے، کہ اس وقت منافقوں کا بہت زور تھا حضرت عائشہؓ پر لوگوں نے جو تہمت لگائی، وہ بھی اسی سال کا واقعہ ہے، منافقین ان خبروں کو اس طرح پھیلاتے تھے کہ بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتی تھیں، یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ کی تہمت میں خود چند مسلمان بھی آلودہ ہو گئے جن کو شریعت کے موافق قذف کی سزا دی گئی یہی روایتیں ہیں، جو بچی کھچی غیر محتاط کتابوں میں باقی رہ گئیں لیکن وہ محدثین جن کا معیار تحقیق بلند ہے اور عدالت روایت کے حاکمان مجاز ہیں مثلاً امام بخاری، امام مسلم وغیرہ ان کے ہاں ان روایتوں کا ذکر تک نہیں آتا،

واقعات متفرقہ ۵ھ اس سال کی تاریخ مذہبی میں سب سے اہم واقعات عورتوں کے متعلق متعدد اصلاحی احکام کا نزول ہے، اب تک مسلمان عورتیں عام جاہلانہ طریق سے چلتی پھرتی تھیں اور اسی قسم کے لباس و زیور پہنتی تھیں، اب حکم ہوا، کہ شریف عورتیں گھر سے نکلیں، تو ایک بڑی چادر اوڑھ کر گھونگھٹ نکال لیا کریں جس سے منہ بھی چھپ جائے، آنچل سینہ پر ڈال کر چلیں، پاؤں جھٹک جھٹک کر نہ چلیں، پردہ کی اوٹ سے بولیں تصنع اور بناؤ کی بولی نہ بولیں، ازواج مطہرات کے لئے غیر مردوں کے سامنے آنا قطعاً ممنوع ہوا،

Marfat.com

منہ بولے بیٹے کی بیوی سے جاہلیت میں بیاہ ناجائز تھا، اس رسم کی اصلاح بھی اسی سال ہوئی، زنا کی سزا سو کوڑے بھی اسی سال نازل ہوئی عفیف عورتوں پر الزام لگانا جاہلیت کا ایک معمولی فعل تھا، اور ان کمزوروں کے پاس اس حملہ کے روکنے کے لئے کوئی قانونی سپر نہ تھی، اس سال حد قذف نازل ہوئی جس کی رو سے بغیر شہادت کے تنہا اتہام جرم قرار دیا گیا بصورت عدم وجود شہادت لعان کا طریقہ بتایا گیا یعنی زن و شو دونوں اپنی بیگناہی اور فریق ثانی کی دروغگوئی کا بحلف اظہار کریں، اور اس کے بعد ان میں تفرقہ کر دیا جائے،

عرب میں ایک قسم کی طلاق جاری تھی جس کو ظہار کہتے ہیں، اس سال اس قسم کی طلاق غیر موثر قرار دی گئی، اور اس کے لئے کفارہ مقرر کیا گیا،

پانی نہ ملنے کی حالت میں تیمم کی مشروعیت بھی اسی سال کا حکم ہے، بروایت صحیحہ نماز خوف کا حکم قرآن مجید میں اسی سال نازل ہوا جس کی تفصیل مناسب موقعہ پر آئے گی،

---

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۰۷ و سیرت کازرونی قلمی، ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۴۲، نیز فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۶۰۱ دیکھنا چاہیئے،

یہ تمام احکام سورۂ نور میں بتقریب واقعہ افک سنہ ۵ میں نازل ہوئے،

Marfat.com

سنہ ۶ھ

صلح حدیبیہ و بیعت رضوان

ذوقعدہ سنہ ۶ھ

مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنواں ہے جسکو حدیبیہ کہتے ہیں گاؤں بھی اسی کوئیں کے نام سے مشہور ہوگیا چونکہ معاہدہ صلح یہیں لکھا گیا، اس لئے اس واقعہ کو صلح حدیبیہ کہتے ہیں

تاریخ اسلام میں یہ واقعہ نہایت اہم یعنی اسلام کی تمام آیندہ کامیابیوں کا دیباچہ ہے اور اسی بنا پر باوجود اس کے کہ وہ صرف ایک صلح کا معاہدہ تھا، اور صلح بھی بظاہر مغلوبانہ تھی تاہم خدا نے قرآن مجید میں اس کو فتح کا لقب دیا ہے،

کعبہ اسلام کا اصلی مرکز تھا، اسلام کی بنیاد حضرت ابراہیم نے قائم کی تھی، اور یہ لقب اسلام بھی انہی کی ایجاد ہے،

هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (الحج - ۱۰) ابراہیم ہی ہے جس نے تمہارا نام مسلمان رکھا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو شریعت ملی، وہ کوئی نئی شریعت نہ تھی، بلکہ وہی ابراہیمی شریعت تھی،

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ (الحج - ۱۰) تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب،

Marfat.com

زمانہ کے امتداد سے گو اہنی کی اولاد بت پرست بن گئی تھی، تاہم کعبہ جو ابراہیمی یادگار تھا عرب کا قبلہ گاہ عام تھا، تمام عرب اس کو اپنا مشترک ورثہ آبائی سمجھتا تھا، نہ صرف وہ لوگ جو حضرت ابراہیمؑ کے خاندان سے تھے، بلکہ وہ بھی جو قحطانی تھے، اور جن کا سلسلہ نسب اس خاندان سے الگ تھا، عرب کے قبائل سال بھر آپس میں لڑتے رہتے تھے، اور یہی غارتگریاں ان کی بقائے زندگانی کا ذریعہ تھیں، کیونکہ ان کی معاش بھی اسی پر منحصر تھی، تاہم چار مہینے تک جو اشہر حرم کہلاتے تھے، تمام لڑائیاں بند ہو جاتی تھیں، قبائل عرب دور دور سے سفر کر کے آتے اور قبلہ گاہ عام میں عبادت اور عقیدت کے رسوم بجالاتے تھے، وہ قبائل جن میں سے ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہوتا تھا، اب یکجا جمع نظر آتے تھے، اور شیر و شکر ہو کر ملتے تھے، گویا بھائی بھائی ہیں، مسلمان بجبر مکہ سے نکالے گئے تھے، لیکن یہ خیال ان کے دل سے نہیں گیا تھا، اور نہ جا سکتا تھا، کہ کعبہ پر ان کا بھی کم از کم اسی قدر حق ہے، جس قدر اور قبائل کا ہے، اس کے ساتھ مکہ سے مسلمانوں کو گوناگوں تعلقات تھے، وہ ان کا قدیم اور محبوب وطن تھا، مکہ کی یاد ایک پھانس تھی، جو ہر وقت ان کے کلیجے میں کھٹکتی رہتی تھی، حضرت بلالؓ مکہ میں اس قدر ستائے گئے تھے، تاہم جب ان کو مکہ یاد آتا، تو رو دیتے تھے، اور پکار کر یہ اشعار[1] پڑھتے تھے،

الا لیت شعری ھل ابیتنّ لیلۃً	آہ! کیا پھر کبھی وہ دن آسکتا ہے کہ میں مکہ کی وادی
بواد وحولی اذخر وجلیل	میں ایک رات بسر کروں، اور میرے پاس اذخر اور
وھل اردن یوما میاہ مجنۃ	جلیل ہوں، اور کیا وہ دن بھی ہوگا، کہ میں مجنہ کے
وھل یبدون لی شامۃ وطفیل	چشموں پر اتروں، اور شامہ و طفیل مجھ کو دکھائی دیں

[1] یہ اشعار صحیح بخاری میں بھی مذکور ہیں، باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ المدینۃ ۱۲

اکثر مہاجرین جان بچا کر نکل آئے تھے لیکن خاندان اور بال بچے وہیں رہ گئے تھے،

اسلام کے فرائض چہارگانہ میں حج کعبہ ایک رکن اعظم ہے، غرض مختلف اسباب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کا ارادہ کیا، اور اس غرض سے کہ قریش کو کوئی اور احتمال نہ ہو، عمرہ کا احرام باندھا، اور قربانی کے اونٹ ساتھ لئے، یہ بھی حکم دیا، کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ آئے، صرف تلوار جو عرب میں سفر کا ضروری آلہ سمجھی جاتی تھی، پاس رکھی جائے، اس میں بھی یہ شرط ہے، کہ نیام میں بند ہو،

چونکہ مہاجرین عموماً اور اکثر انصار اس سعادت کے منتظر تھے، ۱۴۰۰ اشخص اس سفر میں ہمرکاب ہوئے، مقام ذوالحلیفہ میں پہنچ کر قربانی کی ابتدائی رسمیں ادا ہوگئیں یعنی قربانی کے اونٹ ساتھ تھے، ان کی گردنوں میں قربانی کی علامت کے طور پر لوہے کے نعل لگا دیئے گئے،

احتیاط کے لئے قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص جس کے اسلام لانے کا حال قریش کو معلوم نہ تھا پہلے بھیجدیا گیا، کہ قریش کے ارادہ کی خبر لائے، جب قافلہ عُسفان کے قریب پہنچا، اس نے آکر خبر دی، کہ قریش نے تمام قبائل (احابیش) کو یکجا کر کے کہدیا ہے، کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ میں کبھی نہیں آسکتے،

غرض قریش نے بڑے زور شور سے مقابلہ کی تیاری کی، قبائل متحدہ کے پاس پیغام بھیجا، وہ جمعیت لے کر آئے، مکہ سے باہر بلدح ایک مقام پر فوجیں فراہم ہوئیں، خالد بن ولید جو اب تک اسلام نہیں لائے تھے، دو سو سوار لے کر جن میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا، مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے بڑھے، اور غمیم تک پہنچ گئے، جو رابغ اور جحفہ کے درمیان ہے،

(ساق معہ الھدی واحرم بالعمرۃ لیامن الناس من حربہ (ابن ہشام)

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش نے خالد کو طلیعہ بنا کر بھیجا ہے، اور وہ مقام غمیم تک آگئے ہیں، اس لئے کترا کر داہنی طرف سے چلو، فوج اسلام جب غمیم کے قریب پہنچ گئی تو خالد کے گھوڑوں کی گرد اڑتی نظر آئی، وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے گئے، اور قریش کو خبر کی، کہ لشکر اسلام غمیم تک آگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے، اور حدیبیہ میں پہنچ کر مقام کیا، یہاں پانی کی قلت تھی، ایک کنواں تھا، وہ پہلے ہی آمد میں خالی ہوگیا، اعجاز نبوی سے اس میں اس قدر پانی آگیا، کہ سب سیراب ہوگئے،

قبیلہ خزاعہ نے اب تک اسلام نہیں قبول کیا تھا لیکن اسلام کے حلیف اور رازدار تھے، قریش اور عام کفار جو منصوبے اسلام کے خلاف کیا کرتے تھے، وہ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مطلع کر دیا کرتے تھے، اس قبیلہ کے رئیس اعظم بدیل بن ورقا تھے (فتح مکہ میں اسلام لائے) ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا معلوم ہوا، تو چند آدمی ساتھ لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ قریش کی فوجوں کا سیلاب آرہا ہے، وہ آپ کو کعبہ میں نہ جانے دیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش سے جا کر کہدو، کہ ہم عمرہ[1] کی غرض سے آئے ہیں، لڑنا مقصود نہیں، جنگ نے قریش کی حالت زار کر دی ہے اور ان کو سخت نقصان پہنچایا ہے، ان کے لئے یہ بہتر ہے، کہ ایک مدت معین کے لئے معاہدہ صلح کر لیں، اور مجھ کو عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں، اس پر بھی وہ اگر راضی نہیں، تو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں

[1] عمرہ گویا ایک چھوٹا سا حج ہے، جس میں حج کی اکثر رسمیں ادا کی جاتی ہیں (یعنی اس میں حرم کے باہر میقات سے احرام باندھ کر صرف صفا اور مروہ کے درمیان سعی اور کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے، اور بال منڈوائے یا کتروائے جاتے ہیں) ۱۲ ص

یہاں تک لڑوں گا، کہ میری گردن الگ ہو جائے، اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہو کر دے بدیل نے جا کر قریش سے کہا، کہ "میں محمدؐ کے پاس سے پیغام لے کر آیا ہوں، اجازت دو تو کہوں" چند شریر بول اٹھے، کہ ہم کو محمدؐ کے پیغام سننے کی ضرورت نہیں لیکن سنجیدہ لوگوں نے اجازت دی، بدیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرطیں پیش کیں، عروہ بن مسعود ثقفی نے اٹھ کر کہا "کیوں قریش کیا میں تمہارا باپ اور تم میرے بچے نہیں، بولے ہاں، عروہ نے کہا میری نسبت تم کو کوئی بدگمانی تو نہیں، سب نے کہا نہیں، عروہ نے کہا، تو اچھا مجھے اجازت دو، کہ میں خود جا کر معاملہ طے کر دوں محمدؐ نے معقول شرطیں پیش کی ہیں" غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے قریش کا پیغام کا سنایا، اور کہا "محمدؐ فرض کرو، کہ تم نے قریش کا استیصال کر دیا، تو کیا اس کی کوئی اور بھی مثال ہے، کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کر دیا ہو، اس کے سوا اگر لڑائی کا رخ بدلا، تو تمہارے ساتھ جو یہ بھیڑ ہے، گرد کی طرح اڑ جائے گی، حضرت ابوبکرؓ کو اس بدگمانی پر اس قدر غصہ آیا، کہ گالی دے کر کہا، کہ کیا ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ عروہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا، ابوبکرؓ عروہ نے کہا میں ان کی سخت کلامی کا جواب دیتا، لیکن ان کا ایک احسان میری گردن پر ہے جس کا بدلہ ابھی تک میں ادا نہیں کر سکا،

عروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے تکلفانہ طریقے سے گفتگو کر رہا تھا، اور جیسا کہ عرب کا قاعدہ ہے، کہ بات کرتے کرتے مخاطب کی داڑھی پکڑ لیتے ہیں، وہ ریش مبارک پر بار بار ہاتھ ڈالتا تھا، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ جو ہتھیار لگائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر کھڑے تھے، اس جرأت کو گوارا نہ کر سکے، عروہ سے کہا، اپنا ہاتھ ہٹا لے، ورنہ یہ ہاتھ بڑھ کر واپس نہ جا

Marfat.com

سکے گا" عروہ نے حضرت مغیرہؓ کو پہچانا اور کہا" او دغا باز! کیا میں تیری دغا بازی کے معاملہ میں تیرا کام نہیں کر رہا ہوں" (حضرت مغیرہؓ نے چند آدمی قتل کر دیئے تھے، جن کا خونبہا عروہ نے اپنے پاس سے ادا کیا تھا)

عروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی حیرت انگیز عقیدت کا جو منظر دیکھا، اس نے اس پر عجیب اثر کیا، قریش سے جا کر کہا، کہ میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں، یہ عقیدت اور وارفتگی کہیں نہیں دیکھی، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے، کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا، وہ وضو کرتے ہیں، تو پانی جو گرتا ہے، اس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے، بلغم یا تھوک گرتا ہے، تو عقیدت کیش ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں، اور چہرہ اور ہاتھوں میں مل لیتے ہیں[1]،

چونکہ معاملہ ناتمام رہ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خراش بن امیہؓ کو قریش کے پاس بھیجا، لیکن قریش نے ان کی سواری کے اونٹ کو، جو خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کا تھا، مار ڈالا، اور خود ان پر بھی یہی گذرنے والی تھی، لیکن قبائل متحدہ کے لوگوں نے بچا لیا، اور وہ کسی طرح جان بچا کر چلے آئے،

اب قریش نے ایک دستہ بھیجا، کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو، لیکن یہ لوگ گرفتار کر لئے گئے، گو یہ سخت شرارت تھی، کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن عفو اس سے زیادہ وسیع تھا، آپؐ نے سب کو چھوڑ دیا، اور معافی دے دی، قرآن مجید کی اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف

---

[1] بخاری کتاب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب وکتابۃ الشروط" س"

Marfat.com

اشارہ ہے،[1]

وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ	اور وہی خدا ہے، جس نے کہ ہیں ان لوگوں کا ہاتھ
عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ	تم سے اور تمہارا ان سے روک دیا، بعد اس کے کہ
عَلَیْهِمْ (فتح - ۳)	تم کو ان پر قابو دے دیا تھا،

بیعت رضوان | بالآخر آپ نے گفتگو صلح کے لئے حضرت عمرؓ کو انتخاب کیا، لیکن انہوں نے معذرت کی، کہ قریش میرے سخت دشمن ہیں، اور مکہ میں میرے قبیلہ کا ایک شخص بھی نہیں، کہ مجھ کو بچا سکے آپ نے حضرت عثمانؓ کو بھیجا، وہ اپنے ایک عزیز (ابان بن سعید) کی حمایت میں مکہ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا، قریش نے ان کو نظر بند کر لیا، لیکن عام طور پر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ قتل کر ڈالے گئے، یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی، تو آپ نے فرمایا، عثمان کے خون کا قصاص لینا فرض ہے، کہ یہ کہہ کر آپ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہؓ سے جاں نثاری کی بیعت لی، تمام صحابہؓ نے جن میں زن و مرد دونوں شامل تھے، ولولہ انگیز جوش کے ساتھ دست مبارک پر جاں نثاری کا عہد کیا، یہ تاریخ اسلام کا ایک مہتم بالشان واقعہ ہے، اس بیعت کا نام بَیْعَةُ الرِّضْوَان ہے، سورہ فتح میں اس واقعہ کا اور درخت کا ذکر ہے،

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ	خدا مسلمانوں سے راضی تھا، جب کہ وہ تیرے
یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ	ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے،

[1] ان آیتوں کے شان نزول میں سخت اختلاف ہے، لیکن زیادہ معتبر یہی روایت ہے،

Marfat.com

مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا (فتح ۔ ۳)

سو خدا نے جان لیا جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں تھا، تو خدا نے ان پر تسلی نازل کی، اور عاجلانہ فتح دی،

لیکن بعد کو معلوم ہوا، کہ وہ خبر صحیح نہ تھی،

قریش نے سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا، وہ نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھے، چنانچہ لوگوں نے کو "خطیب قریش" کا خطاب دیا تھا، قریش نے ان سے کہہ دیا، صلح صرف اس شرط پر ہو سکتی ہے، کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سال واپس چلے جائیں،

سہیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور دیر تک شرائط پر گفتگو رہی، بالآخر چند شرطوں پر اتفاق ہوا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلا کر حکم دیا، کہ معاہدہ کے الفاظ قلمبند کریں، حضرت علیؓ نے عنوان پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا،

عرب کا قدیم طریقہ تھا، کہ خطوط کے ابتدا میں باسمك اللھم لکھتے تھے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے وہ آشنا نہ تھے، اس بنا پر سہیل بن عمرو نے کہا، کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بجائے وہی قدیم الفاظ لکھے جائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا، آگے کا فقرہ تھا ھذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ یعنی یہ وہ معاہدہ ہے، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم کیا، سہیل نے کہا، اگر ہم آپ کو پیغمبر ہی تسلیم کرتے، تو پھر جھگڑا کیا تھا، آپ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ "گو تم تکذیب کرتے ہو، لیکن خدا کی قسم میں خدا کا پیغمبر ہوں" یہ کہہ کر آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا، کہ اچھا خالی میرا نام لکھو، حضرت علیؓ سے زیادہ کون فرمان گذار ہو سکتا تھا

Marfat.com

لیکن عالم محبت میں ایسے مقام بھی پیش آتے ہیں، جہاں فرمانبری سے انکار کرنا پڑتا ہے، حضرت علیؓ نے کہا میں ہرگز آپ کا نام نہ مٹاؤں گا، آپ نے فرمایا، اچھا مجھ کو دکھاؤ، میرا نام کہاں ہے حضرت علیؓ نے اس جگہ پر انگلی رکھ دی، آپ نے "رسول اللہ" کا لفظ مٹا دیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھنا نہیں آتا تھا، اسی بنا پر آپ کو اُمی کہتے ہیں، یہ واقعہ مسلم میں جہاں منقول ہے، لکھا ہے، کہ آپ نے رسول اللہ کا لفظ مٹا کر ابن عبداللہ لکھ دیا بخاری میں چونکہ یہ واقعہ عام روایت کے خلاف ہے، اس لئے ایک معرکۃ الآرا مباحثہ بن گیا لیکن حقیقت یہ ہے، کہ لکھنے پڑھنے کا کام روزمرہ جب نظر سے گذرتا رہتا ہے، تو ناخواندہ شخص بھی اپنے نام سے حرف آشنا ہو جاتا ہے، اس سے امیت میں فرق نہیں آتا، بے شبہ امی ہونا آپ کا فخر ہے، اور خود قرآن مجید میں یہ وصف، شرف و عزت کے موقع پر استعمال ہوا ہے،

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ (الاعراف-۹)

شرائط صلح یہ تھے:-

۱- مسلمان اس سال واپس چلے جائیں،

۲- اگلے سال آئیں، اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں،

۳- ہتھیار لگا کر نہ آئیں، صرف تلوار ساتھ لائیں، وہ بھی نیام میں اور نیام بھی جُلبان (تھیلا وغیرہ) میں،

لہ صحیح بخاری کی اس روایت میں حضرت علیؓ کا نام، اور ان کی گفتگو مذکور نہیں، یہ تصریح بخاری کی اس روایت میں ہے، جو کہ کتاب المغازی باب عمرۃ القضا میں مذکور ہے، صحیح مسلم میں بھی یہ واقعہ منقول ہے،

Marfat.com

۴۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں، ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں، اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے، تو اس کو نہ روکیں،

۵۔ کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے، تو واپس کر دیا جائے، لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں آجائے، تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا،

۶۔ قبائل عرب کو اختیار ہوگا، کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں، معاہدہ میں شریک ہو جائیں

یہ شرطیں بظاہر مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں، اتفاق یہ کہ عین اس وقت جب کہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا، سہیل کے صاحبزادے (حضرت ابو جندلؓ) جو اسلام لا چکے تھے، اور مکہ میں کافروں نے ان کو قید کر رکھا تھا، اور طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے، کسی طرح بھاگ کر پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے آئے، اور سب کے سامنے گر پڑے سہیل نے کہا: "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صلح کی تعمیل کا یہ پہلا موقع ہے، اس (ابو جندلؓ) کو شرائط صلح کے مطابق مجھ کو واپس دیدو" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابھی معاہدہ قلمبند نہیں ہو چکا" سہیل نے کہا "تو ہم کو صلح بھی منظور نہیں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اچھا ان کو یہیں رہنے دو" سہیل نے نامنظور کیا آپ نے چند دفعہ اصرار کیا لیکن سہیل کسی طرح راضی نہ ہوا، مجبوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کرنا پڑا، ابو جندلؓ کو کافروں نے اس قدر مارا تھا، کہ ان کے جسم پر نشان تھے، مجمع کے سامنے تمام زخم دکھائے اور کہا برادران اسلام! کیا پھر مجھ کو اسی حالت میں دیکھنا چاہتے ہو، میں اسلام لا چکا ہوں کیا پھر مجھ کو کافروں کے ہاتھ میں دیتے ہو، تمام مسلمان تڑپ اٹھے، حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا یا رسول اللہ! کیا آپ پیغمبر برحق نہیں ہیں؟ آپ نے

[1] یہ تمام شرائط کتب سیر کے علاوہ صحیح مسلم (صلح حدیبیہ) میں بھی ہیں۔

Marfat.com

ارشاد فرمایا "ہاں ہوں"۔ حضرت عمرؓ نے کہا، کیا ہم حق پر نہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا "ہاں ہم حق پر ہیں"۔ حضرت عمرؓ نے کہا، تو ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں، آپ نے فرمایا "میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم سے نافرمانی نہیں کر سکتا، خدا میری مدد کرے گا"۔ حضرت عمرؓ نے کہا "کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا، کہ ہم لوگ کعبہ کا طواف کریں گے"۔ آپ نے فرمایا "لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے"۔ حضرت عمرؓ اٹھ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے، اور یہی گفتگو کی، حضرت ابوبکرؓ نے کہا "وہ پیغمبر خدا ہیں، جو کچھ کرتے ہیں، خدا کے حکم سے کرتے ہیں"۔

حضرت عمرؓ کو اپنی ان گستاخانہ معروضات کا جو بے اختیاری میں ان سے سرزد ہوئیں تمام عمرؓ سخت رنج رہا، اور اس کے کفارہ کے لئے انہوں نے نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، خیرات کی، غلام آزاد کئے، بخاری میں اگرچہ ان اعمال کا ذکر اجمالاً ہے لیکن ابن اسحاق نے تفصیل سے یہ تمام باتیں گنائی ہیں،

اس حالت کا گوارا کرنا گو صحابہؓ کی اطاعت شعاری کا سخت خطرناک امتحان تھا، ایک طرف (ظاہر میں) اسلام کی توہین ہے، حضرت ابوجندلؓ بیڑیاں پہنے ہوئے، چودہ سو جاں نثاران اسلام سے استغاثہ کرتے ہیں، سب کے دل جوش سے بھرے ہیں، اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذرا ایما ہو جائے، تو تلوار فیصلہ قاطع کے لئے موجود ہے، دوسری طرف معاہدہ پر دستخط ہو چکے ہیں، اور ایفائے عہد کی ذمہ داری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوجندلؓ کی طرف دیکھا، اور فرمایا،

---

[1] صحیح بخاری کتاب الشروط ۲ ص:

یا ابا جندل اصبر واحتسب فان اللہ	ابوجندل! صبر اور ضبط سے کام لو، خدا تمہارے
جاعل لک ولمن معک من المستضعفین	لئے اور مظلوموں کے لئے کوئی راہ نکالے گا،
فرجا ومخرجا انا قد عقدنا بیننا وبین القوم	صلح اب ہو چکی، اور ہم ان لوگوں سے بدعہدی
صلحا وانا لا نغدر بھم (ابن ہشام)	نہیں کر سکتے،

غرض ابوجندلؓ کو اسی طرح پا بہ زنجیر واپس جانا پڑا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، کہ لوگ یہیں قربانی کریں، لیکن لوگ اس قدر دل شکستہ تھے، کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا، یہانتک کہ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے، تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص آمادہ نہ ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے، اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے شکایت کی، انہوں نے کہا، آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں، بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لئے بال منڈوائیں، آپ نے باہر آکر خود قربانی کی، اور بال منڈوائے، اب جب لوگوں کو یقین ہو گیا، کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی، تو سب نے قربانیاں کیں، اور احرام اتارا،

صلح کے بعد تین دن تک آپ نے حدیبیہ میں قیام فرمایا، پھر روانہ ہوئے، تو راہ میں یہ سورۃ اتری،

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (فتح ۱)	ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی،

تمام مسلمان جس چیز کو شکست سمجھے تھے، خدا نے اس کو فتح کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا، کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے، انہوں نے تعجب سے پوچھا، کہ کیا یہ فتح ہے، ارشاد ہوا، کہ ہاں، صحیح مسلم میں ہے، کہ حضرت عمرؓ کو تسکین ہو گئی، اور مطمئن ہو گئے، نتائج مابعد نے اس

(۱) بخاری کتاب الشروط ص ۳۷۱ (۲) صلح حدیبیہ کے واقعات صحیح بخاری میں نہایت تفصیل سے مذکور ہیں، لیکن اصل موقع یعنی غزوات

Marfat.com

رازِ سربستہ کی عقدہ کشائی کی،

اب تک مسلمان اور کفار ملتے جلتے نہ تھے، اب صلح کی وجہ سے آمد و رفت شروع ہوئی، خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ میں آتے، مہینوں قیام کرتے، اور مسلمانوں سے ملتے جلتے تھے، باتوں باتوں میں اسلامی مسائل کا تذکرہ آتا رہتا تھا، اس کے ساتھ ہر مسلمان اخلاص، حسن عمل، نیکوکاری، پاکیزہ اخلاقی کی ایک زندہ تصویر تھا جو مسلمان کہ جاتے تھے، ان کی صورتیں یہی مناظر پیش کرتی تھیں، اس سے خود بخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھنچے چلے آتے تھے، مورخین کا بیان ہے، کہ اس معاہدہ صلح سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے، کہ کبھی نہیں لائے تھے، حضرت خالدؓ (فاتح شام) اور حضرت عمرو بن عاصؓ (فاتح مصر) کا اسلام بھی اسی زمانہ کی یادگار ہے،

معاہدہ صلح میں جو یہ شرط تھی، کہ جو مسلمان مکہ سے چلا آئے گا، وہ پھر مکہ کو واپس کر دیا جائے گا اس میں صرف مرد داخل تھے، عورتیں نہ تھیں، عورتوں کے متعلق خاص یہ آیت اتری،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ	مسلمانو! جب تمہارے پاس عورتیں ہجرت کر کے
مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ	آئیں، تو ان کی جانچ کر لو، خدا ان کے ایمان کو
بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ	اچھی طرح جانتا ہے، اب اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ
فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ	مسلمان ہیں، تو ان کو کافروں کے ہاں واپس نہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵۸) کے ذکر میں نہیں، بلکہ کتاب الشروط میں، اس بنا پر ارباب سیر کی نگاہ سے یہ واقعات رہ گئے غزوات میں جتنے واقعات ہیں، ہم نے ان کو بھی لیا ہے، باقی جزئیات صحیح مسلم اور ابن ہشام سے ماخوذ ہیں،

Marfat.com

حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ وَ	بھیجو، نہ وہ عورتیں کافروں کے قابل ہیں، اور نہ کافر
اٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ	ان عورتوں کے قابل ہیں، اور ان عورتوں پر ان
اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ	لوگوں نے جو خرچ کیا ہو، وہ تم ان کو دیدو، اور تم
وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ۚ	ان سے شادی کر سکتے ہو، بشرطیکہ ان کے مہر ادا کردو
(ممتحنۃ - ۳)	اور کافرہ عورتوں کو نکاح میں نہ رکھو،

جو مسلمان مکہ مجبوری سے رہ گئے تھے چونکہ کفار ان کو سخت تکلیفیں دیتے تھے اس لئے وہ بھاگ بھاگ کر مدینہ آتے تھے، سب سے پہلے عتبہؓ بن اسید (ابو بصیر) بھاگ کر مدینہ آئے، قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخص بھیجے، کہ ہمارا آدمی واپس کر دیجئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتبہؓ سے فرمایا، کہ واپس جاؤ، عتبہؓ نے عرض کی، کہ آپ مجھ کو کافروں کے پاس بھیجتے ہیں، کہ مجھ کو کفر پر مجبور کریں، آپ نے ارشاد فرمایا، خدا اس کی کوئی تدبیر نکالے گا، حضرت عتبہؓ مجبوراً دو کافروں کی حراست میں واپس گئے لیکن مقام ذوالحلیفہ پہنچ کر انہوں نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، دوسرا شخص جو بچ رہا، اس نے مدینہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، ساتھ ابو بصیر بھی پہنچے، اور عرض کی، کہ آپ کے عہد موافق اپنی طرف سے مجھ کو واپس کر دیا، اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں، یہ کہہ کر مدینہ سے چلے گئے، اور مقام عیص میں جو سمندر کے کنارے ذوالمروہ کے پاس ہے رہنا اختیار کیا، مکہ کے بے کس اور ستم رسیدہ لوگوں کو جب معلوم ہوا، کہ جان بچانے کا ایک ٹھکانا پیدا ہو گیا ہے، تو چوری چھپے بھاگ بھاگ کر یہاں آنے لگے، چند روز کے بعد اچھی خاصی جمعیت ہو گئی، اور اب ان لوگوں نے اتنی قوت حاصل کر لی

کہ قریش کا کاروانِ تجارت جو شام کو جایا کرتا تھا، اس کو روک لیتے تھے، ان حملوں میں جو مالِ غنیمت مل جاتا تھا، وہ ان کی معاش کا سہارا تھا،

قریش نے مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ بھیجا، کہ معاہدہ کی اس شرط سے ہم باز آتے ہیں، اب جو مسلمان چاہے مدینہ جا کر آباد ہو سکتا ہے ہم ان سے تعرض نہ کریں گے آپ نے آوارہ وطن مسلمانوں کو لکھ بھیجا، کہ یہاں چلے آؤ، چنانچہ ابو جندلؓ اور ان کے ساتھی مدینہ میں آ کر آباد ہو گئے، اور کاروانِ قریش کا راستہ بدستور کھل گیا

مستورات میں سے حضرت ام کلثومؓ جو رئیس مکہ (عقبہ بن ابی معیط) کی صاحبزادی تھیں، اور مسلمان ہو چکیں تھیں، مدینہ ہجرت کر کے آئیں، لیکن ان کے ساتھ ان کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید بھی آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی، کہ ان کو واپس دے دیجئے آپ نے منظور نہیں فرمایا، صحابہؓ میں سے جن لوگوں کی ازواج مکہ میں رہ گئی تھیں، اور اب تک کافرہ تھیں، صحابہؓ نے ان کو طلاق دے دی،

لہ تفصیل کتب احادیث سے ہمیں نے نقل کی ہے،

Marfat.com

سلاطین کو اسلام کی دعوت

(آخر سنہ ۶ھ یا شروع سنہ ۷ھ)

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ

حدیبیہ کی صلح سے کسی قدر اطمینان نصیب ہوا، تو وقت آیا، کہ اسلام کا پیغام تمام دنیا کے کانوں میں پہنچا دیا جائے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن تمام صحابہؓ کو جمع کیا، اور خطبہ دیا) "ایھا الناس! خدا نے مجھے تمام دنیا کے لئے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے دیکھو حواریین عیسٰی کی طرح اختلاف نہ کرنا، جاؤ! میری طرف سے پیغام حق ادا کرو" اس کے بعد آپ نے قیصر روم، شہنشاہ عجم، عزیز مصر اور روسائے عرب کے نام دعوت اسلام کے خطوط ارسال فرمائے، جو لوگ خطوط لے کر گئے، اور جن کے نام لے کر گئے، ان کی تفصیل یہ ہے،

(حضرت) دحیہؓ کلبی،	قیصر روم
(حضرت) عبداللہؓ بن حذافہ سہمی،	خسرو پرویز کجکلاہ ایران،
(حضرت) حاطبؓ بن (ابی) بلتعہ	عزیز مصر
(حضرت) عمروؓ بن امیہ	نجاشی بادشاہ حبش

لہ طبری (جلد ۳ صفحہ ۱۵۵۹) س" اور ابن ہشام (باب خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الملوک) س"

Marfat.com

(حضرت) سُلیط بن عمرو بن عبد شمس — روسائے یمامہ

(حضرت) شجاع بن وہب الاسدی — رئیس حدود شام، حارث غسانی،

ایرانیوں نے چند برس پہلے بلاد شام پر حملہ کر کے رومیوں کو شکست دی تھی جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت غُلِبَتِ الرُّوْمُ میں ہے، ہرقل نے اس کے انتقام کے لئے بڑے سروسامان سے فوجیں تیار کیں، اور ایرانیوں پر حملہ کر کے ان کو سخت شکست دی تھی، اس کا شکرانہ ادا کرنے کے لئے وہ حمص سے بیت المقدس آیا تھا، اور اس شان سے آیا تھا کہ جہاں چلتا تھا، زمین پر فرش اور فرش پر پھول بچھاتے جاتے تھے[1]

شام میں عرب کا جو خاندان قیصر کے زیر حکومت رہا کرتا تھا، وہ غسانی خاندان تھا اور اس کا پائے تخت بصریٰ تھا جو دمشق کے علاقہ میں ہے، اور آج کل حوران کہلاتا ہے اس زمانہ میں اس خاندان کا تخت نشین حارث غسانی تھا، دحیہ کلبی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک یہیں بصریٰ میں حارث غسانی کو لا کر دیا، اس نے قیصر کے پاس بیت المقدس میں بھیجدیا، قیصر کو خط ملا، تو اس نے حکم دیا، کہ عرب کا کوئی شخص مل سکے، تو لاؤ، اتفاق یہ کہ ابوسفیان، تجار عرب کے ساتھ غزہ میں مقیم تھے، قیصر کے آدمی ان کو غزہ سے جا کر لائے،

قیصر نے بڑے سامان سے دربار منعقد کیا خود تاج شاہی پہن کر تخت پر بیٹھا، تخت کے چاروں طرف بطارقہ قسیس اور رہبان کی صفیں قائم کیں، اہل عرب کی طرف مخاطب ہو کر کہا تم میں سے

---

[1] ہرقل کا یہ واقعہ فتح الباری (جلد اول صفحہ ۳۱ درس) شرح صحیح بخاری سے لیا گیا ہے، اصل صحیح بخاری (بخاری باب کیف کان بدء الوحی و کتاب الجہاد باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الاسلام والنبوۃ درس) میں مجمل واقعہ ہے، زائد تفصیلیں حافظ ابن حجر نے اور کتابوں سے لی ہیں،

Marfat.com

اس مدعی نبوت کا رشتہ دار کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا "میں" پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی،

قیصر — مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان — شریف ہے،

قیصر — اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعوی کیا تھا؟

ابوسفیان — نہیں،

قیصر — اس خاندان میں کوئی بادشاہ گذرا ہے؟

ابوسفیان — نہیں،

قیصر — جن لوگوں نے یہ مذہب قبول کیا ہے، وہ کمزور لوگ ہیں یا صاحب اثر؟

ابوسفیان — کمزور لوگ ہیں،

قیصر — اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟

ابوسفیان — بڑھتے جاتے ہیں

قیصر — کبھی تم لوگوں کو اسکی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے؟

ابوسفیان — نہیں

قیصر — وہ کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے؟

ابوسفیان — ابھی تک تو نہیں کی لیکن اب جو نیا معاہدہ صلح ہے، اس میں دیکھیں وہ عہد پر قائم رہتا ہے یا نہیں،

قیصر — تم لوگوں نے اس سے کبھی جنگ بھی کی؟

ابوسفیان — ہاں،

قیصر — نتیجہ جنگ کیا رہا؟

ابوسفیان — کبھی ہم غالب آئے، اور کبھی وہ

قیصر — وہ کیا سکھاتا ہے،

ابوسفیان — کہتا ہے، کہ ایک خدا کی عبادت کرو، کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلہ رحم کرو،

اس گفتگو کے بعد قیصر نے مترجم کے ذریعہ سے کہا، کہ تم نے اس کو شریف النسب بتایا پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندانوں سے پیدا ہوتے ہیں، تم نے کہا، کہ اس کے خاندان سے کسی اور نے نبوت کا دعوی نہیں کیا، اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا، کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے، تم تسلیم کرتے ہو، کہ اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا، اگر ایسا ہوتا، تو میں سمجھتا، کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے، تم مانتے ہو، کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا، وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے، تم کہتے ہو، کہ کمزوروں نے پیروی کی ہے، پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں، تم نے تسلیم کیا، کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے، سچے مذہب کا یہی حال ہے، کہ بڑھتا جاتا ہے، تم تسلیم کرتے ہو، کہ اس نے کبھی فریب نہیں کیا، پیغمبر کبھی فریب نہیں کرتے، تم کہتے ہو، کہ وہ نماز اور تقوی و عفاف کی ہدایت کرتا ہے، اگر یہ سچ ہے تو میری قدم گاہ

Marfat.com

تک اس کا قبضہ ہو جائے گا، مجھ یہ ضرور خیال تھا، کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا، کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا، میں اگر وہاں جا سکتا، تو خود اس کے پاؤں دھوتا،

اس گفتگو کے بعد حکم دیا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھا جائے،

فرمان رسالت کے یہ الفاظ تھے،

بسم اللہ الرحمن الرحیم من	بسم اللہ الرحمن الرحیم، محمد کی طرف سے، جو
محمد عبد اللہ ورسولہ الی ھرقل	خدا کا بندہ اور رسول ہے، یہ خط ہرقل کے
عظیم الروم۔ سلام علی من	نام ہے، جو روم کا رئیس اعظم ہے، اس کو
اتبع الھدی۔ اما بعد فانی	سلامتی ہو، جو ہدایت کا پیرو ہے، اس کے بعد
ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم	میں تجھ کو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں،
تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین	اسلام لا، تو سلامت رہے گا، خدا تجھ کو دگنا اجر
فان تولیت فان علیک اثم الاریسیین	دے گا، اور اگر تو نے نہ مانا، تو اہل ملک کا گناہ
وَيَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ	تیرے اوپر ہوگا، اے اہل کتاب ایک ایسی
سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ	بات کی طرف آؤ، جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے،
إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا	وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا اور کسی کو نہ پوجیں، اور
يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ	ہم میں سے کوئی کسی کو (خدا کو چھوڑ کر) خدا نہ
دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا	بنائے، اور اگر تم نہیں مانتے، تو گواہ رہو،

لہ یہ پوری گفتگو صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں منقول ہے، ابتدائے کتاب میں بھی اور باب الجہاد میں بھی،

تا مسلمون	کہ ہم مانتے ہیں،

قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی تھی، اس سے بطارقہ اور اہل دربار سخت برہم ہو چکے تھے، نامہ مبارک کے پڑھے جانے پر اور بھی برہم ہوئے، یہ حالت دیکھ کر قیصر نے اہل عرب کو دربار سے اٹھا دیا، اور گو اس کے دل میں نور اسلام آچکا تھا لیکن تاج و تخت کی تاریکی میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی[1]

خسرو پرویز (شہنشاہ ایران) کے نام جو نامہ مبارک حضرت عبداللہ بن حذافہ لے کر گئے تھے، یہ تھا،

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ من	خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے، محمد پیغمبر کی طرف
محمد رسول اللہ الی کسریٰ	سے کسریٰ (رئیس فارس) کے نام، سلام ہے
عظیم فارس سلام علی من اتبع	اس شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہو اور خدا اور

[1] مسند ابن حنبل صفحہ ۴، جلد ۴ میں ہے، کہ حضرت دحیہؓ کے ساتھ قیصر نے اپنا ایک سفیر خط کا جواب دے کر خدمت نبوی میں بھیجا تھا، اور سفیر کو نبوت کے چند سوالات بتا دیئے تھے، اس نے سوالات پوچھے، آپ نے جوابات دیئے، اور آخر بغیر اسلام لائے، وہ واپس گیا لیکن یہ حدیث صحیح نہیں، اس میں ہے، کہ قیصر کا خط پڑھنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کو بلایا، اور انہوں نے پڑھ کر سنایا، حالانکہ وہ اس وقت اسلام بھی نہیں لائے تھے،

(جامع کے نزدیک حسب تحقیق ابن حجر فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۹۷، و زرقانی جلد ۳ صفحہ ۸۸ و ۸۹ یہ واقعہ دوسرا ہے، اور اس کے بعد کا ہے، اور خود اس حدیث میں تصریح ہے، کہ یہ تبوک کا واقعہ ہے، اور غزوہ تبوک فتح مکہ کے بعد رجب ۹ھ میں پیش آیا ہے، اور حضرت معاویہؓ اس سے ایک یا دو سال پہلے حدیبیہ یا فتح مکہ میں مسلمان ہو چکے تھے، مگر تبوک میں حضرت معاویہؓ کی شرکت کہیں مذکور نہیں، یہ روایت اسی سند کے ساتھ کتاب الاموال ابوعبید القاسم بن سلام صفحہ ۲۵۵ مصر میں بھی موجود ہے)" س"

Marfat.com

الهدی وآمن باللہ ورسولہ و	پیغمبر خدا پر ایمان لائے، اور یہی گواہی دے کہ خدا
شہد ان لا الہ الا اللہ وانی	صرف ایک خدا ہے، اور یہ کہ خدا نے مجھ کو تمام
رسول اللہ الی الناس کافۃ لینذر	دنیا کا پیغمبر مقرر کر کے بھیجا ہے، تاکہ وہ ہر زندہ شخص کو
من کان حیا اسلم تسلم فان ابیت	خدا کا خوف دلائے، تو اسلام قبول کر تو سلامت رہے گا
فعلیک اثم المجوس	ورنہ مجوسیوں کا وبال تیری گردن پر ہوگا،

خسرو پرویز بڑی شوکت وشان کا بادشاہ تھا، اس کی سلطنت میں دربار کو جو عظمت و جلال حاصل ہوا کبھی نہیں ہوا عجم کا طریقہ یہ تھا، کہ سلاطین کو جو خطوط لکھتے تھے، ان میں عنوان پر پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا، نامہ مبارک میں پہلے خدا کا نام اور پھر عرب کے دستور کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تھا خسرو نے اس کو اپنی تحقیر سمجھا، اور بولا کہ "میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے" پھر نامہ مبارک کو چاک کر ڈالا لیکن چند روز کے بعد خود سلطنت عجم کے پرزے اڑ گئے،

نظامی نے شیریں خسرو میں یہ داستان مفصل لکھی ہے، اور اسلامی جوش سے لکھی ہے ہم اس کے چند اشعار اس موقعہ پر نقل کرتے ہیں،

دراں دوراں کہ گیتی رام او بود	ز مشرق تا بہ مغرب نام او بود
رسول ما بہ حجت ہائے قاہر	نبوت در جہاں مے کرد ظاہر
گہے با سنگ خارا راز مے گفت	گہے رنگش حکایت باز مے گفت

لہ اس سے مراد خسرو ہے،

خلائق را ز دعوت جام در داد — به هر کشور صلائے عام در داد
بفرمود از عطا عطرے سرشتند — به نام هر یکے سطرے نوشتند
چو از نام نجاشی باز پرداخت — ز بهر نامهٔ خسرو نامه ساخت
چو قاصد عرضه کرد آن نامهٔ تو — بجوشید از غضب اندام خسرو
ز تیزی گشت هر مویش سنانی — ز گرد رگش آتش فشانی
سوادے دید بر خوی عجب انگیز — نوشته از محمد سوے پرویز!
چو عنوان گاه عالم تاب را دید — تو گفتی سنگ گزیده آب را دید
غرور بادشاهی بردش از راه — که گستاخی که یارد؟ با چو من شاه
که از مهر که با این احترام — نویسد نام خود بالائے نامم
رخ از گرمی چو آتش گاه خود کرد — بخود اندیشه بد کرد، بد کرد!
درید آن نامهٔ گردن شکن را — نه نامه بلکه نام خویشتن را
فرستاده چون دید آن خشم ناکے — به رجعت پائے خود را کرد خاکے
ازان آتش که آن دود تهی داشت — چراغ آگهان را آگهی داشت
ز گرمی آن چراغ گردن افراز — دعا را داد چون پروانه پرواز
عجم زان دعا کسری در افتاد — کلاه از تارک کسری در افتاد
زهے شاهنشهے کز بیم و امید — قلم رانده بر افریدون جمشید

لہ آگہان یعنی ارباب علم "چراغ آگہان" سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں "آگہی داشت" یعنی خبر کی،

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے، کہ نامہ مبارک کے پہنچنے کے بعد خسرو پرویز نے گورنر یمن کو جس کا نام باذان تھا، فرمان بھیجا، کہ کسی شخص کو حجاز بھیجو، کہ اس نئے مدعی نبوت کو پکڑ کر میرے دربار میں لائے، باذان نے دو شخصوں کو جن میں سے ایک کا نام بابویہ تھا، اور دوسرے کا خرخسرہ تھا مدینہ منورہ روانہ کیا، ان دونوں نے بارگاہ رسالت میں آکر عرض کی، کہ شاہنشاہ عالم (کسریٰ) نے تم کو بلایا ہے، اگر تعمیل حکم نہ کروگے، تو وہ تم کو اور تمہارے ملک کو برباد کر دیگا، آپ نے فرمایا تم واپس جاؤ، اور کہدینا، کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایہ تخت تک پہنچے گی، یہ لوگ پیغام پہنچا کر واپس آئے، تو خبر آئی، کہ شیرویہ (خسرو پرویز کا بیٹا) نے خسرو پرویز کو قتل کر ڈالا،

نجاشی (بادشاہ حبش) کو آپ نے دعوت اسلام کا جو خط بھیجا، اس کے جواب میں اس نے عریضہ بھیجا، کہ میں گواہی دیتا ہوں، کہ آپ خدا کے سچے پیغمبر ہیں، حضرت جعفر طیار جو ہجرت کرکے حبش چلے گئے تھے، یہیں موجود تھے، نجاشی نے ان کے ہاتھ پر بیعت اسلام کی، ابن اسحاق نے روایت کی ہے، کہ نجاشی نے اپنے بیٹے کو ساٹھ صاحبوں کے ساتھ بارگاہ رسالت میں عرض نیاز کے لئے بھیجا، لیکن جہاز سمندر میں ڈوب گیا، اور یہ سفارت ہلاک ہوگئی،[2]

عام ارباب سیر لکھتے ہیں، کہ نجاشی نے ۹ھ میں وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف رکھتے تھے، اور یہ خبر سنکر آپ نے غائبانہ اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی، لیکن یہ غلط ہے، صحیح مسلم میں تصریح ہے، کہ جس نجاشی کی نماز جنازہ آپ نے پڑھی وہ یہ نہ تھا، لیکن ابن قیم نے ارباب سیر کی روایت کی تائید کی ہے، اور مسلم کی روایت کے

---

[1] طبری (جلد ۳) صفحہ ۱۵۷۱، [2] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۶۹،

اس ٹکڑہ کو راوی کا وہم بتایا ہے)

جو لوگ ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے، ان میں حضرت ام حبیبہؓ (حضرت امیر معاویہؓ کی بہن) بھی تھیں، ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو لکھ بھیجا کہ ام حبیبہؓ کو شادی کا پیغام سنا دو، اور میرے پاس بھیج دو، نجاشی نے خالدؓ بن سعید بن العاص کو مقرر کیا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایجاب و قبول ادا کیا، نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مہر ادا کیا، جس کی تعداد چار سو اشرفیاں تھیں، نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہوئیں، اور مدینہ کے بندرگاہ میں اتریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نجاشی کے حالات حضرت ام حبیبہؓ سے پوچھا کرتے تھے

عزیز مصر (مقوقس) کو آپؐ نے جو خط لکھا تھا اس کے جواب میں اس نے عربی زبان میں یہ خط لکھا،

لمحمد بن عبد الله من المقوقس	محمد بن عبد اللہ کے نام مقوقس رئیس قبط کی
عظیم القبط سلام علیك اما	طرف سے، سلام علیک کے بعد میں نے آپ کا
بعد فقد قرأت کتابك و	خط پڑھا، اور اس کا مضمون اور مطلب سمجھا مجھ کو
فهمت ما ذکرت فیه وما	اس قدر معلوم تھا، کہ ایک پیغمبر آنے والا
تدعوا الیه وقد علمت ان نبیا	ہے، لیکن میں سمجھتا تھا، کہ وہ شام میں ظہور

(۱) زاد المعاد ج ۱ ص ۵۲ (۲) تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۵۷۰ ج ۱ ص ۹

بقی وکنت اظن ان یخرج من الشام	کریں گے، میں نے آپؐ کے قاصد کی عزت
وقد اکرمت رسولك وبعثت	کی، اور دو لڑکیاں بھیجتا ہوں، جن کی قبطیوں
الیك بجاریتین لهما مکان من	میں (مصر کی قوم) بہت عزت کی جاتی ہے۔
القبط عظیم وکسوة واهدیت الیك	اور میں آپ کے لئے کپڑا اور سواری کا ایک
بغلة لترکبها والسلام علیك	خچر بھیجتا ہوں۔

پاس ہمہ عزیز مصر اسلام نہیں لایا، دو لڑکیاں جو بھیجی تھیں، ان میں ایک ماریہؓ قبطیہ تھیں، جو حرم نبوی میں داخل ہوئیں، دوسری سیرین تھیں، جو حضرت حسانؓ کے ملک میں آئیں، خچر کا نام دلدل تھا جس کا ذکر اکثر حدیث کی کتابوں میں آتا ہے جنگ حنین میں آپؐ اسی پر سوار تھے، طبری نے لکھا ہے، کہ ماریہ اور سیرین حقیقی بہنیں تھیں، اور حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس کے پاس خط دے کر بھیجا تھا ان کی تعلیم سے دونوں خاتونیں خدمت نبوی میں پہنچنے سے پہلے اسلام قبول کر چکی تھیں، اس واقعہ کو اس حیثیت سے دیکھنا چاہیئے کہ یہ خاتونیں لونڈیاں نہ تھیں، اور اسلام قبول کر چکی تھیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماریہؓ سے نکاح کیا ہوگا، نہ کہ لونڈی کی حیثیت سے وہ آپؐ کے حرم میں آئیں،

(رؤسائے عرب کو جو خط لکھے گئے تھے ان کے بھی جواب مختلف آئے، ہوذہ بن علی

لہ ہم نے جاریہ کا ترجمہ لڑکی کیا ہے، عربی میں جاریہ لڑکی کو بھی کہتے ہیں، اور لونڈی کو بھی، ارباب سیرت ماریہ قبطیہ کو لونڈی کہتے ہیں، لیکن مقوقس نے جو لفظ ان کی نسبت لکھا ہے، یعنی کہ مصریوں میں بہت عزت ہے" یہ لونڈیوں کی شان میں استعمال نہیں کئے جا سکتے،

Marfat.com

رئیس یمامہ نے لکھا تم جو باتیں کہتے ہو، وہ نہایت اچھی ہیں، اگر حکومت میں کچھ میرا بھی حصہ ہو تو میں تمہاری اقتدار کے لئے تیار ہوں، اسلام ہوس ملک کے لئے نہیں آیا تھا، آپ نے فرمایا "زمین کا ایک ٹکڑا بھی ہو تو میں نہ دوں گا"

واقعات متفرقہ سنہ ۶ھ حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عمروؓ بن العاص کا اسلام لانا

حارث غسانی جو حدود شام کا رئیس تھا، اور رومیوں کے ماتحت اطراف کے علاقوں میں حکومت کرتا تھا خط پڑھ کر برہم ہوا، اور فوج کو تیاری کا حکم دیا، مسلمان اس جرم کی پاداش میں ہر وقت اس کے حملے کے منتظر رہتے تھے، اور آخر موتہ اور تبوک وغیرہ کی لڑائیاں پیش آئیں۔

حدیبیہ کی صلح کو خدا نے فتح کہا ہے لیکن اجسام کی نہیں قلوب کی، اسلام کو اپنی اشاعت کے لئے امن درکار تھا، اور وہ اس صلح سے حاصل ہو گیا، اس صلح کو خود دشمن فتح سمجھتے تھے، قریش اور مسلمانوں میں اب تک جو معرکے ہوئے، فوجی حیثیت سے قریش کی صف میں ہر جگہ خالد بن ولید کا نام ممتاز نظر آتا ہے جاہلیت میں رسالہ کی افسری ان ہی کے سپرد تھی، احد میں قریش کے اکھڑے ہوئے پاؤں ان ہی کی کوشش سے سنبھلے تھے، حدیبیہ کے موقع پر بھی قریش کا طلایہ انہی کی زیر افسری نظر آیا تھا، لیکن قریش کا یہ سپہ سالار اعظم بھی آخر اسلام کے حملہ کاری سے نہ بچ سکا۔

صلح حدیبیہ کے بعد حضرت خالدؓ نے مکہ سے نکل کر مدینہ کا رخ کیا، راستہ میں حضرت عمروؓ بن العاص ملے، پوچھا کدھر کا قصد ہے؟ بولے اسلام لانے جاتا ہوں، آخر کب تک!

[1] اردگرد رؤسائے قبائل اور امرائے عرب کو دعوتی خطوط لکھے گئے، ان کی تفصیل دوسری جلد کے تبلیغی واقعات میں آئے گی" س

حضرت عمروؓ بن العاص نے کہا، ہمارا بھی یہی ارادہ ہے، دونوں صاحب ایک ساتھ بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے[1]، اور اب وہ جوہر جو اسلام کی مخالفت میں صرف ہو رہا تھا، اسلام کی محبت میں صرف ہونے لگا،

فتح مکہ میں حضرت خالدؓ جب ایک مسلمان دستہ کے افسر بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گذرے، تو آپؐ نے پوچھا کون ہے؟ لوگوں نے کہا خالدؓ ہیں، آپ نے فرمایا "خدا کی تلوار ہے"[2]

غزوہ موتہ میں جب حضرت جعفرؓ، زیدؓ بن حارثہ، اور عبداللہؓ بن رواحہ کے بعد حضرت خالدؓ نے علم اپنے ہاتھ میں لیا، تو مسلمان خطرہ سے باہر تھے،

عہد خلافت میں ایک (خالدؓ) نے شام کا ملک قیصر سے چھین لیا، اور دوسرا (عمروؓ بن العاص) مصر کا فاتح ہوا،

---

[1] اصابہ ابن حجر بہ روایت ابن اسحاق (جلد اول صفحہ ۱۳۱ م ۲ س) [2] ترمذی، مناقب،

Marfat.com

سنہ ۷ھ

خیبر

(آخر سنہ ۶ھ یا اوائل سنہ ۷ھ)

خیبر غالباً عبرانی لفظ ہے، جس کے معنی قلعہ کے ہیں، یہ مقام مدینہ منورہ سے آٹھ منزل پر ہے، یورپین سیاحوں میں ڈاؤنی کئی مہینہ تک یہاں ۱۸۷۷ء میں مقیم رہا، اس سے مدینہ سے اس مقام کا فاصلہ ۲۰۰ میل لکھا ہے، وہ نخلستان جس کے کنارہ پر خیبر ہے، نہایت زرخیز ہے، یہاں یہود نے نہایت مضبوط متعدد قلعے بنائے تھے، جن میں سے بعض کے آثار اب تک باقی ہیں،

عرب میں یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز تھا، مدینہ سے جب رؤسائے بنو نضیر جلا وطن ہو کر خیبر میں آکر آباد ہوئے، تو انہوں نے تمام عرب کو اسلام کی مخالفت پر برانگیختہ کر دیا جس کا پہلا مظہر احزاب کا معرکہ تھا، ان رؤسا میں سے حیی بن اخطب جنگ قریظہ میں قتل ہوا جس کے بعد ابو رافع سلام بن ابی الحقیق اس کا جانشین ہوا، یہ بہت بڑا تاجر اور صاحب اثر تھا، قبیلہ غطفان جو عرب کا بہت بڑا صاحب اثر قبیلہ تھا، ان کی آبادی خیبر سے متصل تھی، اور ہمیشہ سے یہود خیبر کے حلیف اور ہم عہد تھے، سنہ ۶ھ میں سلام نے خود جا کر قبیلہ غطفان اور ان کے آس

لہ ارگیولس صفحہ ۳۵۶، ۲ ابن خلدون جلد ۲ ذکر قبائل عرب و تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۴۳ باب غزوہ خیبر۔ ۱۲ س

پاس کے قبیلوں کو اسلام کے مقابلہ کے لئے آمادہ کیا، یہاں تک کہ ایک عظیم الشان فوج لے کر مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبریں معلوم ہوئیں، تو آپ کے ایام میں رمضان ۶ھ میں حضرت عبداللہ بن عتیک ایک خزرجی انصاری کے ہاتھ سے اپنے قلعہ میں سوتا ہوا مارا گیا) سلام کے بعد یہودیوں نے اُسیر بن رزام کو مسند ریاست پر بٹھایا، اس نے قبائل یہود کو جمع کر کے تقریر کی اور کہا، کہ "میرے پیشروں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ میں جو تدبیریں اختیار کیں، وہ غلط تھیں، صحیح تدبیر یہ ہے، کہ خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دارالریاست پر حملہ کیا جائے، اور میں یہی طریقہ اختیار کروں گا۔" اس غرض سے اُسیر نے غطفان اور دیگر قبائل میں دورہ کیا، اور ایک فوج گراں تیار کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبریں پہنچیں، تو آپ نے اس افواہ پر اعتماد نہیں کیا، بلکہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو بھیجا کہ خود خیبر جا کر اس واقعہ کی تحقیق کریں، چنانچہ وہ چند آدمیوں کو لے کر خیبر گئے، اور چھپ کر خود اُسیر کی زبانی اس کے مشورے اور تدبیریں سنیں، یہ حالات آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کئے، آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو ۳۰ آدمی دے کر خیبر کو روانہ کیا، ان لوگوں نے اُسیر سے کہا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس لئے

لہ ابن سعد صفحہ ۶۶، اصلی الفاظ یہ ہیں کان ابو رافع بن ابی الحقیق قد اجلب فی غطفان ومن حولہ من مشرکی العرب وجعل لہم الجعل العظیم لحرب رسول اللہ۔ ابو رافع نے غطفان اور آس پاس کے مشرکین عرب کو جنگ پر آمادہ کیا اور ایک بہت بڑی جعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے جمع کی (صحیح بخاری باب قتل ابی رافع وکان ابو رافع یؤذی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویعین علیہ یعنی ابو رافع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچایا کرتا تھا اور آپ کے دشمنوں کو آپ کے مقابلہ میں مدد دیا کرتا تھا، اس امداد واعانت کی تفصیل بہ روایت عروہ فتح الباری (جلد ۷ صفحہ ۳۶۲) "س" میں مفصل مذکور ہے (لہ زرقانی علی المواہب جلد ۲ صفحہ ۱۹۶ مصر) "س"

Marfat.com

بھیجا ہے، کہ تم اگر آجاؤ، تو خیبر کی حکومت تم کو دے دی جائے، چنانچہ وہ ۳۰ آدمی لے کر خیبر سے نکلا، اور احتیاط کی بنا پر یہ مخلوط قافلہ اس طرح چلا، کہ دو، دو شخص ہمرکاب چلتے تھے، جن میں ایک یہودی دوسرا مسلمان ہوتا تھا، قرقرہ پہنچ کر اُسیر کے دل میں بدگمانی پیدا ہوئی، اس نے ہاتھ بڑھا کر حضرت عبداللہؓ بن انیس کی تلوار چھیننی چاہی، انہوں نے کہا، او دشمن خدا! بدعہدی کرنا چاہتا ہے، یہ کہہ کر سواری بڑھائی، اور جب اسیر زد پر آگیا، تو تلوار ماری، کہ اس کی ران کٹ گئی وہ گھوڑے سے گرا، گرتے گرتے اس نے حضرت عبداللہؓ کو زخمی کیا، اب مسلمان پیش دستی کر کے یہود پر ٹوٹ پڑے نتیجہ جنگ یہ تھا، کہ یہود میں ایک کے سوا کوئی نہیں بچا، یہ اخیر ۶ھ یا محرم ۷ھ کا واقعہ ہے،

خیبر اب اسلام کا سب سے بڑا حریف اور اسلام کے لئے سب سے زیادہ خطرناک تھا، ان لوگوں نے مکہ جا کر قریش کے ذریعہ سے تمام عرب میں بغاوت کی ایک عالمگیر جنبش پیدا کر دی جس نے واقعہ احزاب میں مرکز اسلام (مدینہ منورہ) کو متزلزل کر دیا تھا، یہ کوشش اگرچہ ناکام رہی لیکن جو دست و بازو کام کر رہے تھے، اب بھی موجود تھے،

جن لوگوں نے جنگ احزاب برپا کرائی تھی، ان میں زیادہ با اثر ابن ابی الحقیق کا خاندان تھا جو قبیلہ بنی نضیر سے تھا، اور مدینہ سے جلاوطن ہو کر آیا تھا، اس نے خیبر کے مشہور قلعہ قموص پر قبضہ کیا تھا، سلام بن ابی الحقیق جس کا ذکر ابھی اوپر گذر چکا ہے، اسی خاندان کا رئیس تھا، اس کے قتل کے بعد اس کا بھتیجا کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق خاندان کی ریاست پر ممتاز ہوا،

خیبر کے یہود ادھر تو غطفان سے اسلام کے مقابلے کے لئے سازش کر رہے تھے،

لہ یہ تمام واقعہ الطبقات ابن سعد سے منقول ہے، بہت سی کتابوں میں لکھا ہے، کہ عبداللہ بن انیس نے خود ابتدا کی، اور اسیر بن رزام کو قتل کر ڈالا، لیکن صحیح وہی ہے جو ابن سعد سے منقول ہے، اور وہی اس معرکہ کی وجہ ہو سکتا ہے،

Marfat.com

ادہر مدینہ کے منافقین ان کو مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے رہتے تھے، اور ان کو ہمت دلاتے تھے کہ مسلمان تم سے سربرا نہیں ہو سکتے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا، کہ ان لوگوں سے معاہدہ ہو جائے، اس بنا پر آپ نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو بھیجا تھا لیکن ادہر تو یہود خود سخت دل، اور ایک بدگمان قوم تھی، ادھر منافقین ان کو ابھارتے تھے، اسی زمانہ میں راس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے اہل خیبر کے پاس کہلا بھیجا، کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں لیکن تم ان سے نہ ڈرنا ان کی ہستی کیا ہے مٹھی بھر آدمی ہیں، جن کے پاس ہتھیار تک نہیں، یہود نے یہ سن کر کنانہ اور ہودہ ابن قیس کو غطفان کے پاس بھیجا، کہ ہمارے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرو، تو ہم نخلستان کی نصف پیداوار تم کو دیں گے (ایک روایت میں ہے) کہ غطفان نے اس کو منظور کیا[1]،

غطفان کا ایک قوت ور قبیلہ بنو فزارہ تھا، ان کو جب یہ معلوم ہوا، کہ خیبر والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، تو وہ خود خیبر میں آئے، کہ ہم تمہارے شریک ہو کر لڑیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا، تو آپ نے بنو فزارہ کو خط لکھا، کہ "تم خیبر والوں کی مدد سے باز آؤ، خیبر فتح ہو جائے گا، تو تم کو بھی حصہ دیا جائے گا" لیکن بنو فزارہ نے انکار کیا،

---

[1] تاریخ خمیس (جلد ۲ صفحہ ۴۴) عام روایتوں میں گو یہ ہے، کہ غطفان نے مسلمانوں کے خوف سے اس کو منظور نہیں کیا، تاہم یہ ظاہر ہے، کہ ان کی اس نامطرداری پر بروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا" س: [2] یہ واقعہ معجم البلدان لفظ حنفا کے ذیل میں موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے بالفاظہا نقل کیا ہے، اصل الفاظ یہ ہیں روی موسی بن عقبۃ عن ابن شہاب قال کانت بنو فزارۃ ممن قدم علی اہل خیبر لیعینوھم فارسل علیہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا یعینوھم وساد لھم ان یخرجوا عنھم (جلد ۳ صفحہ ۵۲ مصری)

Marfat.com

ذی قرد محرم ۷ھ | غطفان کی شرکت جنگ کا دیباچہ یہ تھا، کہ ذی قرد کی چراگاہ پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں کا چراگاہ تھا اس قبیلہ کے چند آدمیوں نے بہ سرداری عبدالرحمٰن بن عیینہ چھاپا مارا، اور ۲۰، اونٹنیاں پکڑ کر لے گئے، حضرت ابوذرؓ کے صاحبزادے کو جو اونٹنیوں کی حفاظت پر مقرر تھے قتل کر دیا، اور ان کی بیوی کو گرفتار کر کے لے گئے، مسلمانوں نے جب تعاقب کیا، تو وہ درہ میں گھس گئے، وہاں عیینہ بن حصن جو قبائل غطفان کا سپہ سالار تھا، ان کی امداد کو موجود تھا، مسلمانوں میں حضرت سلمہؓ بن اکوع ایک مشہور قدر انداز صحابی تھے، سب سے پہلے ان کو اس غارت گری کی خبر معلوم ہوئی، انہوں نے واصباحاہ کا نعرہ مارا، اور دوڑ کر حملہ آوروں کو جالیا، وہ اونٹوں کو پانی پلا رہے تھے، سلمہؓ نے تیر برسانے شروع کئے، حملہ آور بھاگ نکلے، انہوں نے تعاقب کیا، اور لڑ بھڑ کر تمام اونٹنیاں چھڑا لائے، دربار نبوت میں آکر عرض کی، کہ میں دشمنوں کو پیاسا چھوڑ کر آیا ہوں، اگر ۱۰۰، آدمی مل جائیں، تو ایک ایک کو گرفتار کر لاتا ہوں، آپ نے رحمت عام نے لحاظ سے فرمایا،

ملکت فاسجح — قابو پا جاؤ، تو عفو سے کام لو،

اس واقعہ کے تین دن بعد خیبر کی جنگ پیش آئی،

لہ یہ واقعہ بخاری و مسلم میں بھی مذکور ہے، لیکن زیادہ تفصیل ابن سعد و ابن اسحٰق سے لی گئی ہے ۲ ارباب سیر نے متفقاً اس واقعہ کو خیبر کے واقعہ سے ایک سال ماقبل بیان کیا ہے، لیکن طبری نے بروایت سلمہؓ جو اس غزوہ کے ہیرو تھے، اور نیز امام بخاری نے صاف تصریح کی ہے، کہ خیبر سے تین دن پہلے کا واقعہ ہے، حافظ ابن حجر نے ارباب سیر کا بیان لکھ کر لکھا ہے، کہ،

فعلی ھذا ما فی الصحیح من التاریخ لغزوۃ ذی قرد اصح مما ذکرہ اھل السیر — تو اس بنا پر جو کچھ صحیح بخاری میں غزوہ ذی قرد کے متعلق مذکور ہے وہ ارباب سیر کی روایت سے زیادہ صحیح ہے،

Marfat.com

خیبر کا آغاز اور غزوات کی بہ نسبت ایک خاص امتیاز رکھتا ہے، اور اگرچہ ارباب سیر کی نظر اس نکتہ پر نہیں پڑی، کہ اس امتیاز کے اسباب کیا تھے؟ تاہم واقعہ کی حیثیت سے امتیازی امور ان کی زبان سے بھی بلا قصد نکل گئے ہیں، سب سے مقدم یہ کہ جب آپؐ نے خیبر کا قصد کیا، تو اعلان عام کر دیا،

لا یخرجن معنا الا راغب فی الجہاد (ابن سعد) ہمارے ساتھ صرف وہ لوگ آئیں، جو طالب جہاد ہوں،

اب تک جو لڑائیاں وقوع میں آئیں محض دفاعی تھیں، یہ پہلا غزوہ ہے جس میں غیر مسلم رعایا بنائے گئے، اور طرز حکومت کی بنیاد قائم ہوئی، اسلام کا اصلی مقصد تبلیغ دعوت ہے، اب اگر کوئی قوم اس دعوت کی سد راہ نہ ہو، تو اسلام کو نہ تو اس سے جنگ ہے، نہ اس کے رعایا بنانے کی ضرورت ہے، صرف معاہدہ صلح کافی ہے جس کی بہت سی مثالیں اسلام میں موجود ہیں لیکن جب کوئی قوم خود اسلام کی مخالفت پر کمر بستہ ہو، اور اس کو مٹا دینا چاہے، تو اسلام کو مدافعت کے لئے تلوار ہاتھ میں لینا پڑتی ہے، اور اس کو اپنے زیر اثر رکھنا پڑتا ہے، خیبر ابن قاعدے کے موافق اسلام کا پہلا مفتوحہ ملک تھا،

غزوات کے خاتمہ کے بعد یہ بحث بہ تفصیل آئے گی، کہ ایک مدت تک لوگ جہاد کو عرب کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷۹) حافظ ابن حجر نے دو جگہ روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے، کہ عیینہ بن حصن نے ذو قرد پر دوبارہ حملہ کیا تھا، عام ارباب سیر جس کا ذکر کرتے ہیں، وہ پہلا حملہ تھا، اور یہ بالکل قرین قیاس ہے (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۳۵۲) باب غزوہ ذی قرد) "عام ارباب سیر کو غزوہ خیبر (بلکہ تمام غزوات کے متعلق چونکہ کسی سبب کی تشریح و تحقیق نہیں) اس لئے ان کو اس سے کچھ بحث نہیں، کہ واقعات کا تسلسل اور غزوات کے اسباب کیا ہیں، لیکن زیادہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے، کہ یہ سب واقعات ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، (۱) یہاں "لوگ" سے مراد منافقین ہیں، یہ لوگ غزوات میں محض غنیمت کے لالچ میں شریک ہوتے تھے، جہاں سخت مقابلہ پیش آتے اور مال غنیمت کے نہ ملنے کا گمان ہوتا، وہاں غزوات کی شرکت سے

Marfat.com

قدیم طریقہ کے موافق معاش کا ذریعہ سمجھتے رہے، اس لڑائی (خیبر) تک بھی یہ غلط فہمی رہی، یہ پہلا غزوہ ہے جس میں یہ پردہ اٹھا دیا گیا، اور اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اس لڑائی میں صرف وہ لوگ شریک ہوں، جن کا مقصد محض جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ ہو، غرض آپ غطفان اور یہود کے حملہ کی مدافعت کے لئے مدینہ سے محرم ۷ھ میں حضرت سباع بن عرفطہ غفاری کو مدینہ کا افسر مقرر کر کے مدینہ سے روانہ ہوئے ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہؓ ساتھ تھیں، فوج کی تعداد ۱۶۰۰ تھی جن میں دو سو سوار اور باقی پیدل تھے، اس وقت تک لڑائیوں میں علم کا رواج نہ تھا، چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں ہوتی تھیں، یہ پہلا مرتبہ ہے، کہ آپ نے تین علم تیار کرائے، دو حضرت حبابؓ بن منذر اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کو عنایت ہوئے، اور خاص علم نبوی جس کا پھریرا حضرت عائشہؓ کی چادر سے تیار ہوا تھا، جناب امیرؓ کو مرحمت ہوا، فوج جب روانہ ہوئی، تو حضرت عامرؓ بن الاکوع (جو مشہور شاعر تھے) یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے چلے،

اللھم لولا انت ما اھتدینا	اے خدا اگر تو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے
ولا تصدقنا ولا صلینا	نہ خیرات کرتے نہ روزہ رکھتے

(بقیہ حاشیہ ۴۸۰) کراتے تھے، چنانچہ انہیں دو وجوہ سے وہ حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے، اور اس پر سورۂ فتح میں اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی ناراضی ظاہر فرمائی، اور یہ ارشاد فرمایا کہ آئندہ غنیمت والے غزوہ میں بھی وہ شریک نہ کئے جائیں اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اعلان فرما دیا، کہ اس غزوہ میں بھی وہی شرکت کا ارادہ کریں، جن کی غرض محض جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ ہو دنیاوی مال و متاع نہ ہو زرقانی و ابن سعد باب غزوہ خیبر ص ۱۵۱ ابن سعد جزء مغازی صفحہ ۱۷۱ میں جمادی الاولیٰ ۷ھ ہے، جو تحقیق مذکورہ بالا صحیح نہیں ہے ۱۲ س

Marfat.com

فاغفر فداء لك ما اتقينا	ہم تجھ پر فدا ہوں، ہم جو احکام نہیں بجائے ان
والقين سكينة علينا	کو معاف کر دے اور ہم پر تسلی نازل کر
انا اذا صيح بنا اتينا	ہم جب فریاد میں پکارے جاتے تو پہنچ جاتے
وثبت الاقدام ان لاقينا	ہیں اور جب مڈبھیڑ ہو، تو ہم کو ثابت قدم رکھ
وبالصياح عولوا علينا	لوگوں نے پکار کر ہم سے استغاثہ چاہا ہے

یہ اشعار صحیح (مسلم و) بخاری میں نقل کئے ہیں، مسند ابن حنبل میں بعض اشعار زیادہ ہیں[1] (پہلے دو مصرع کسی قدر اختلاف کے ساتھ صحیح مسلم (خیبر) میں بھی ہیں)

ان الذين قد بغوا علينا	جن لوگوں نے ہم پر دست درازی کی ہے جب
اذا ارادوا فتنة ابينا	وہ کوئی فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں تو ہم ان سے
ونحن عن فضلك ما استغنينا	بچتے نہیں اور اے خدا ہم تیری عنایت سے بے نیاز نہیں

راہ میں ایک میدان آیا صحابہؓ نے تکبیر کے نعرے بلند کئے، چونکہ تعلیم و تلقین کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا، اور بات بات میں نکات شریعت کی تعلیم ہوتی رہتی تھی، ارشاد ہوا، کہ آہستہ، کیونکہ کسی بہرے اور دور از نظر کو نہیں پکار رہے ہو، تم جس کو پکارتے ہو، وہ تمہارے پاس ہی ہے[2]

اس غزوہ میں چند خاتونیں بھی اپنی خواہش سے فوج کے ساتھ ہو لی تھیں، آنحضرت

---

[1] ان اشعار میں صاف تصریح ہے، کہ تعدی اور حملہ کی ابتدا دشمنوں کی طرف سے تھی، اشعار کے بعض بعض الفاظ میں روایات کا اختلاف ہے، [2] صحیح بخاری غزوہ خیبر،

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا، تو آپ نے ان کو بلا بھیجا۔ اور غضب کے لہجہ میں فرمایا، تم کس کے ساتھ آئیں، اور کس کے حکم سے آئیں؟ بولیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اس لئے آئے ہیں کہ چرخہ کات کر کچھ پیدا کریں گے، اور اس کام میں مدد دیں گے، ہمارے پاس زخمیوں کے لئے دوائیں بھی ہیں، اس کے علاوہ ہم تیر اٹھا کر لائیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے بعد جب مال غنیمت تقسیم کیا، تو ان کا بھی حصہ لگایا، لیکن یہ حصہ کیا تھا؟ زر و جواہر نہ تھے، مال و اسباب نہ تھا، درہم و دینار نہ تھے، بلکہ صرف کھجوریں تھیں، تمام مجاہدین کو یہی ملا تھا، اور ان پردہ نشینوں نے بھی یہی پایا تھا،

یہ واقعہ ابو داؤد (باب فی المرأۃ والعبد یخذمان من الغنیمۃ) میں مذکور ہے، حدیث اور سیرت کی تمام کتابوں سے ثابت ہوتا ہے، کہ اکثر غزوات میں مستورات ساتھ رہتی تھیں جو زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی، اور پیاسوں کو پانی پلاتی تھیں، جنگ احد میں حضرت عائشہؓ کا مشک میں پانی بھر بھر کر لانا، اور زخمیوں کو پلانا اوپر گذر چکا ہے، لیکن یہ امر کہ عورتیں میدان جنگ سے تیر اٹھا اٹھا کر بھی لاتی، اور مجاہدین کو دیتی تھیں، صرف ابو داؤد نے ذکر کیا ہے، لیکن سند صحیح متصل سے ذکر کیا ہے، اس لئے شک کی گنجائش نہیں، یوں بھی عرب کی مستورات سے کم سے کم یہی توقع کی جا سکتی ہے،

چونکہ معلوم تھا، کہ غطفان اہل خیبر کی مدد کو آئیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام رجیع میں فوجیں اتاریں، جو غطفان اور خیبر کے بیچ میں ہے، اسباب باربرداری، خیمہ و خرگاہ اور مستورات یہاں چھوڑ دی گئیں، اور فوجیں خیبر کی طرف بڑھیں، غطفان یہ سنکر کہ اسلامی فوجیں

البلدان (جلد ۴ صفحہ ۲۲۹) ذکر رجیع میں ہے،

Marfat.com

خیبر کی طرف بڑھ رہی ہیں، ہتھیار سج کر نکلے لیکن آگے بڑھ کر جب ان کو معلوم ہوا، کہ خود ان کا گھر خطرہ میں ہے، تو واپس چلے گئے[1]،

خیبر میں چھ قلعے تھے، سالم، قموص، نطاۃ، قصارہ، شق، مرطبہ اور جیسا کہ یعقوبی نے تصریح کی ہے، اس میں بیس ہزار سپاہی موجود تھے، ان سب میں قموص نہایت مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا، مرحب عرب کا مشہور پہلوان جو ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا، اسی قلعہ کا رئیس تھا[2]، ابن ابی الحقیق کا خاندان جس نے مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر کی ریاست حاصل کر لی تھی، یہیں رہتا تھا،

لشکر اسلام جب خیبر کے قریب مقام صہبا میں پہنچا، تو نماز عصر کا وقت آچکا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ٹھہر کر نماز عصر ادا کی، پھر کھانا طلب فرمایا، رسد کا ذخیرہ صرف ستو تھا، وہی آپ نے بھی پانی میں گھول کر نوش فرمایا، رات ہوتے ہوتے فوج اسلام خیبر کے سواد میں پہنچ گئی، عمارتیں نظر آئیں، تو آپ نے صحابہ سے ارشاد فرمایا، کہ ٹھہر جاؤ پھر خدا کا نام لے کر یہ دعا مانگی،

انا نسالك خير هذه القرية	اے خدا! ہم تجھ سے اس گاؤں کی، اور گاؤں
وخير اهلها وخير ما فيها ونعوذ	والوں کی اور گاؤں کی چیزوں کی بھلائی
بك من شرها وشر اهلها وشر	چاہتے ہیں، اور ان سب کی برائیوں سے پناہ

[1] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۰۵، اصل عبارت یہ ہے فبلغنی ان غطفان لما سمعت بنزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر جمعوا لہ ثم خرجوا لیظاہروا الیہود علیہ حتی اذا ساروا الخ [2] تاریخ یعقوبی (جلد ۲ صفحہ ۵۶) [3] صحیح بخاری،

Marfat.com

مانیہا (ابن ہشام) مانگتے ہیں،

ابن ہشام نے لکھا ہے، کہ یہ آپؐ کا معمول عام تھا یعنی جب کسی مقام میں داخل ہوتے تھے، تو پہلے یہ دعا مانگ لیتے تھے چونکہ سنت نبوی یہ تھی، کہ رات کو کسی مقام پر حملہ نہیں کیا جاتا تھا، اس لئے رات یہیں بسر کی صبح کو خیبر میں داخلہ ہوا، یہودیوں نے مستورات کو ایک محفوظ مقام میں پہنچا دیا، رسد اور غلہ قلعہ ناعم میں یکجا کیا، اور فوجیں قلعہ نطاۃ اور قموص میں فراہم کیں، سلام بن مشکم نضری بیمار تھا تاہم اس نے سب سے زیادہ حصہ لیا، اور خود قلعہ نطاۃ میں آکر فوج کی شرکت کی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود جنگ نہ تھا لیکن جب یہود نے بڑے سروسامان کے ساتھ جنگ کی تیاری کی، تو آپؐ نے صحابہؓ کو مخاطب کرکے وعظ فرمایا، اور جہاد کی ترغیب دی، تاریخ خمیس میں اس موقع پر لکھا ہے،

ولما یتقن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان الیہود تحارب وعظ اصحابہ ونصحہم وحرضہم علی الجہاد	اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یقین ہوگیا کہ یہود لڑنے پر آمادہ ہیں، تو آپؐ نے صحابہ کو نصیحت کی اور جہاد کی ترغیب دی

سب سے پہلے قلعہ ناعم پر فوجیں بڑھیں، حضرت محمودؓ بن مسلمہ نے بڑی دلیری سے حملہ کیا، اور دیر تک لڑتے رہے، لیکن چونکہ سخت گرمی تھی، تھک کر دم لینے کے لئے قلعہ کی دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے، کنانہ بن ربیع نے قلعہ کی فصیل سے چکی کا پاٹ ان کے سر پر گرایا جس کے

---

[1] صحیح بخاری میں اصل عبارت یہ ہے اذا اتی قوما بلیل لم یغر بہم حتی یصبح (باب غزوہ خیبر)

صدمہ سے وفات پائی لیکن قلعہ بہت جلد فتح ہو گیا۔[1]

ناعم کے بعد اور قلعے بآسانی فتح ہونے لگے لیکن قلعہ قموص مرحب کا تخت گاہ تھا، اس مہم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھیجا لیکن دونوں ناکام واپس آئے، طبری میں روایت ہے، کہ جب خیبری قلعہ سے نکلے، تو حضرت عمرؓ کے پاؤں نہ جم سکے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر شکایت کی، کہ فوج نے نامردی کی، لیکن فوج نے ان کی نسبت خود یہی شکایت کی۔

اس روایت کو طبری نے جس سلسلہ سند سے نقل کیا ہے، اس کے راوی عوف ہیں، ان کو بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے لیکن بندار جب ان کی روایت بیان کرتے تھے، تو کہتے تھے "وہ رافضی اور شیطان تھا" یہ لفظ بہت سخت ہے لیکن ان کی شیعیت سب کو تسلیم ہے، اور گو شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں لیکن یہ ظاہر ہے، کہ جس روایت میں حضرت عمرؓ کے بھاگنے کا واقعہ بیان کیا جائے، شیعہ کی زبان سے اس روایت کا رتبہ کیا رہ جاتا ہے، اس کے علاوہ اوپر کے راوی عبداللہ بن بریدہ ہیں، جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں لیکن محدثین کو اس بات میں شبہ ہے، کہ ان کی جو روایتیں باپ کے سلسلہ سے منقول ہیں صحیح بھی ہیں یا نہیں،

تاہم اس قدر ضرور صحیح ہے، کہ اس مہم پر پہلے اور بڑے بڑے صحابہ بھیجے گئے تھے، لیکن فتح کا فخر کسی اور کی قسمت میں تھا، جب مہم میں زیادہ دیر ہوئی، تو ایک دن شام کو آنحضرت

[1] ابن ہشام نے دو موقعوں پر اس واقعہ کا الگ الگ ٹکڑا لکھا ہے، یہ تفصیل خمیس سے لی گئی ہے،

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ کل میں اس شخص کو علم دونگا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دیگا، اور جو خدا اور خدا کے رسول کو چاہتا ہے، اور خدا اور خدا کا رسول بھی اس کو چاہتے ہیں[1]، یہ رات نہایت امید اور انتظار کی رات تھی، صحابہؓ نے تمام رات اس بے قراری میں کاٹی، کہ دیکھیے، یہ تاج فخر کس کے ہاتھ آتا ہے، حضرت عمرؓ نے قناعت پسندی اور بلند نظری کی بنا پر کبھی حکومت اور سرداری کی تمنا نہیں کی لیکن جیسا کہ صحیح مسلم باب فضائل علیؓ میں مذکور ہے، ان کو خود اعتراف ہے، کہ اس موقع کی تمنا میں ان کی خودداری بھی قائم نہ رہ سکی،

صبح کو دفعتہً یہ آواز کانوں میں آئی، کہ علیؓ کہاں ہیں؟ یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی، کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا، اور سب کو معلوم تھا، کہ وہ جنگ سے معذور ہیں، غرض حسب طلب وہ حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا، اور دعا فرمائی، جب ان کو علم عنایت ہوا، تو انہوں نے عرض کی، کہ "کیا یہود کو لڑکر مسلمان بنالیں" ارشاد ہوا، کہ "یہ نرمی ان پر اسلام پیش کرو، اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے اسلام لائے، تو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے[2]"

لیکن یہود اسلام یا صلح کے قبول کرنے پر راضی نہیں ہوسکتے تھے، مرحب قلعہ سے یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا،

قد علمت خیبر انی مرحب	خیبر جانتا ہے، کہ میں مرحب ہوں
شاکی السلاح بطل مجرب	دلیر ہوں، تجربہ کار ہوں، سلاح پوش ہوں

[1] صحیح بخاری کے الفاظ ہیں، [2] یہ واقعہ بتفصیل مذکور صحیح بخاری میں منقول ہے،

مرحب کے سر پر پیتی زرد رنگ کا مغفر اور اس کے اوپر سنگی خود تھا، قدیم زمانہ میں گول پتھر بیچ سے خالی کر لیتے تھے، یہی خود کہلاتا تھا،

مرحب کے جواب میں حضرت علیؓ نے یہ پڑھا،

انا الذی سمتنی امی حیدرہ — میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا

کلیث غابات کریہ المنظرہ — میں شیر نیستاں کی طرح مہیب و بدمنظر ہوں،

مرحب بڑے طمطراق سے آیا لیکن حضرت علیؓ نے اس زور سے تلوار ماری، کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی، اور ضربت کی آواز فوج تک پہنچی، پہلوان کا مارا جانا عظیم الشان واقعہ تھا، اس لئے عجائب پسندی نے اس کے متعلق نہایت مبالغہ آمیز افواہیں پھیلا دیں معالم التنزیل میں ہے، کہ حضرت علیؓ نے جب تلوار ماری، تو مرحب نے سپر پر روکا لیکن ذوالفقار خود اور سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی، مرحب کے مارے جانے پر یہود نے جب عام حملہ کیا، تو اتفاق سے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے سپر چھوٹ کر گر پڑی، آپؓ نے قلعہ کا دروازہ جو سرتاپا، پارہ سنگ تھا، اکھاڑ کر اس سے سپر کا کام لیا، اس واقعہ کے بعد ابو رافع نے سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اس کو اٹھانا چاہا، تو جگہ سے بھی نہ ہل سکا، یہ روایتیں ابن اسحاق اور حاکم نے روایت کی ہیں لیکن بازاری قصے ہیں، علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ میں تصریح کی ہے، کہ

کُلُّهَا وَاهِيَةٌ — سب لغو روایتیں ہیں،

لہ طبری صفحہ ۹، ۱۵ (یہ اشعار اور مختصر واقعات صحیح مسلم غزوہ خیبر میں بھی ہیں)

Marfat.com

علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں علی بن احمد فروخ کے حال میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے، کہ "یہ روایت منکر ہے"۔ ابن ہشام نے جن سلسلوں سے یہ روایتیں نقل کی ہیں، ان میں سے ایک روایت میں توبیح کے ایک راوی کا نام سرے سے چھوڑ دیا ہے اور دوسرے میں اس مشترک نقص کے ساتھ بریدہ بن سفیان بھی ایک راوی ہیں جن کو امام بخاری اور ابوداؤد اور دارقطنی قابل اعتبار نہیں سمجھتے[1]،

ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا بیان ہے، کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے مارا تھا، مسند احمد بن حنبل اور نووی شرح صحیح مسلم میں بھی ایک روایت ہے لیکن صحیح مسلم (اور حاکم جلد ۲ صفحہ ۳۹) میں حضرت علیؓ ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا ہے، اور یہی اصح الروایات ہیں،

غرض یہ قلعہ (قموص) ۲۰ دن کے محاصرہ کے بعد فتح ہو گیا، ان معرکوں میں ۹۳ یہود مارے گئے، جن میں حارث، مرحب، اسیر، یاسر، عامر وغیرہ زیادہ مشہور ہیں، صحابہؓ میں ۱۸ بزرگوں نے شہادت حاصل کی، جن کے نام ابن سعد نے بہ تفصیل لکھے ہیں،

فتح کے بعد زمین مفتوحہ پر قبضہ کر لیا گیا لیکن یہود نے درخواست کی، کہ زمین ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائے، ہم پیداوار کا نصف حصہ ادا کریں گے، یہ درخواست منظور ہوئی، ثمانی کا وقت آیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن رواحہ کو بھیجتے تھے، وہ غلہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے یہود سے کہتے تھے، کہ اس سے جو حصہ چاہو لے لو، یہود اس عدل پر متحیر ہو کر

[1] میزان الاعتدال ترجمہ بریدہ بن سفیان،

کہتے تھے، کہ زمین و آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں، خیبر کی زمین تمام مجاہدین پر جو اس جنگ میں شریک تھے، تقسیم کر دی گئی، اسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خمس بھی تھا۔"

عام روایت ہے، کہ مال غنیمت میں سے خمس کے علاوہ ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص طور پر لیا جاتا تھا، جس کو "صفی" کہتے ہیں، اس بنا پر حضرت صفیہؓ (زوجہ کنانہ ابن الربیع) کو آپ نے لے لیا، اور آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا،

حضرت صفیہؓ کے واقعہ کی تحقیق،

حضرت صفیہؓ کی نسبت بعض کتب حدیث و سیر میں یہ واقعہ مذکور ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ان کو دحیہ کلبیؓ کو دیا تھا، پھر کسی نے ان کے حسن کی تعریف کی، تو ان سے مانگ لیا، اور اس کے معاوضہ میں ان کو سات لونڈیاں دیں، مخالفین نے اس روایت کو نہایت بدنما پیرایہ میں ادا کیا ہے، اور جب اصل روایت میں اتنی بات موجود ہے، تو ظاہر ہے، کہ مخالف اس سے کہاں تک کام لے سکتا ہے،

حقیقت یہ ہے، کہ حضرت صفیہؓ کا یہ واقعہ حضرت انسؓ سے منقول ہے، لیکن خود حضرت انسؓ سے متعدد روایتیں ہیں، اور وہ باہم مختلف ہیں، بخاری کی جو روایت غزوہ خیبر کے ذکر میں ہے، اس میں یہ تصریح ہے، کہ جب قلعہ خیبر فتح ہوا، تو لوگوں نے آپؐ کے سامنے حضرت صفیہؓ کے حسن کا ذکر کیا، آپؐ نے ان کو اپنے لئے لے لیا، اصلی الفاظ یہ ہیں:-

فلما فتح اللہ علیہ الحصن ذکر — جب خدا نے قلعہ فتح کرا دیا، تو لوگوں نے آپؐ

لہ فتوح البلدان بلاذری (صفحہ ۲۷) فتح خیبر و طبری ۱۵۸۰ (اصل روایت ابوداؤد باب الساقات میں موجود ہے)

لہ جمال صفیۃ بنت حیی بن اخطب وقد قتل زوجہا وکانت عروسا فاصطفاھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم لنفسہ

سے صفیہؓ بنت حیی بن اخطب کے حسن وجمال کی تعریف کی، اس کا شوہر اس جنگ میں مارا گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے لئے پسند کر لیا،

لیکن بخاری کتاب الصلوۃ (باب ما یذکر فی الفخذ) صحیح مسلم (باب فضل عتق الامۃ) میں خود حضرت انسؓ کی یہی روایت اس طریقہ سے منقول ہے، کہ جب لڑائی کے بعد قیدی جمع کئے گئے، تو حضرت دحیہ کلبیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان میں سے ایک لونڈی مجھ کو عنایت ہو، آپؐ نے ان کو اختیار دیا، کہ خود جا کر کوئی لونڈی لے لو، انہوں نے حضرت صفیہؓ کو انتخاب کیا، لیکن لوگوں کو اعتراض ہوا، ایک شخص نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہا،

یا نبی اللہ اعطیت دحیۃ صفیۃ بنت حیی سیدۃ قریظۃ والنضیر لا تصلح الا لک

اے پیغمبر خدا! آپ نے صفیہؓ کو دحیہؓ کے حوالہ کیا، وہ قریظہ اور نضیر کی رئیسہ ہے، اور آپ کے سوا اور کوئی اس کے لائق نہیں،

اس کے بعد آپ نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا، ابوداؤد میں یہ دونوں روایتیں ہیں، اور دونوں حضرت انسؓ سے مروی ہیں، ابوداؤد کی شرح میں مازری (شہور محدث) کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو اس لئے

لہ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۵۴ (باب فضل عتق الامۃ ثم التزوج بہا) ۲ابوداؤد (باب ما جاء فی سہم الصفی)

حضرت دحیہؓ سے لے کر ان سے عقد کیا تھا،

لما فیہ من انتھاکھا مع مرتبتھا و کونھا بنت سید ھم

چونکہ وہ عالی رتبہ اور رئیس یہود کی صاحبزادی تھیں، اس لئے ان کا کسی اور کے پاس جانا ان کی توہین تھی،

حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں اس کے قریب قریب لکھا ہے،

یہ ظاہر ہے، کہ حضرت صفیہؓ خاندان کے تباہ ہونے کے بعد خاندان سے باہر بیوی یا کنیز بن کر رہتیں، وہ رئیس خیبر کی بیٹی تھیں، ان کا شوہر بھی قبیلہ نضیر کا رئیس تھا، باپ اور شوہر دونوں قتل کئے جا چکے تھے، اس حالت میں ان کے پاس خاطر حفظ مراتب اور رفع غم کے لئے اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے عقد میں لے لیں، وہ کنیز ہو کر بھی رہ سکتی تھیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خاندانی عزت کے لحاظ سے ان کو آزاد کر دیا، اور پھر نکاح پڑھایا (بلکہ مسند ابن حنبل میں ہے، کہ آپ نے ان کو اختیار دیا، کہ وہ آزاد ہو کر اپنے گھر چلی جائیں، یا آپ کے نکاح میں آنا قبول کریں، انہوں نے دوسری صورت پسند کی یعنی یہ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آجائیں[1]) حسن خلق، رحم اور مصیبت زدہ کی چارہ نوازی کے علاوہ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے بھی یہ کارروائی نہایت موزوں اور بجا تھی، اس قسم کے طرز عمل سے عرب کو اسلام کی طرف رغبت اور کشش ہوتی تھی، کہ اسلام اپنے دشمنوں کے ورثہ کے ساتھ بھی کس قسم کا محسنانہ اور ہمدردانہ سلوک کرتا ہے،

غزوہ بنی المصطلق میں حضرت جویریہؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا، اور اس سلوک کا

[1] مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۱۳۸ مصر ۶ س

جو اثر ہوا، وہ اوپر گذر چکا ہے،

فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز خیبر میں قیام کیا، اگرچہ یہود کو کامل امن وامان دیا گیا، اور ان کے ساتھ ہر طرح کی مراعات کی گئی، تاہم ان کا طرز عمل مفسدانہ اور باغیانہ رہا، پہلا دیباچہ یہ تھا، کہ ایک دن زینب نے جو سلام بن مشکم کی بیوی اور مرحب کی بھاوج تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند صحابہ کے ساتھ دعوت کی، آپ نے فرط کرم سے قبول فرمایا زینب نے کھانے میں زہر ملا دیا تھا، آپ نے ایک لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا، لیکن حضرت بشرؓ بن براء نے پیٹ بھر کر کھایا، اور زہر کے اثر سے بالآخر ہلاک ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب کو بلا کر پوچھا، اس نے جرم کا اقبال کیا، یہود نے کہا، ہم نے اس لئے زہر دیا، کہ اگر آپ پیغمبر ہیں، تو زہر خود اثر نہ کرے گا، اور اگر پیغمبر نہیں ہیں، تو ہم کو آپ کے ہاتھ سے نجات مل جائے گی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے اس بنا پر آپ نے زینب سے تعرض نہیں فرمایا، لیکن جب دو تین دن کے بعد حضرت بشرؓ زہر کے اثر سے انتقال کر گئے، تو وہ قصاص میں قتل کر دی گئی،

ایک دفعہ صحابہؓ میں سے حضرت عبداللہؓ بن سہیل اور حضرت محیصہؓ قحط سالی کے زمانہ میں خیبر گئے، یہود نے حضرت عبداللہؓ کو دھوکہ سے قتل کر کے ایک نہر میں ڈال دیا، حضرت محیصہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا، کہ تم قسم کھا سکتے ہو، کہ یہودیوں نے قتل کیا؟ عرض کیا، کہ حضور، وہ تو پچاس مسلمانوں کو قتل کر کے بھی جھوٹی قسم کھا

Marfat.com

لیں گے، غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے تعرض نہیں کیا، اور بیت المال سے مقتولوں کا خوں بہا دلا دیا،

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں یہود نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو سوتے میں کھوٹے پر سے گرا دیا، کہ ان کا ہاتھ اور پاؤں ٹوٹ گیا، اس طرح ہمیشہ فساد انگیزیاں کرتے رہتے تھے، مجبور ہو کر حضرت عمرؓ کے ان کو شام کے اضلاع میں جلاوطن کر دیا[1] (یہ جملہ معترضہ سلسلۂ کلام میں آگیا تھا)

خیبر کے واقعات میں ارباب سیر نے ایک سخت غلط روایت نقل کی ہے، اور وہ اکثر کتابوں میں منقول ہو کر متداول ہو گئی ہے، یعنی یہ کہ اول آپ نے یہود کو اس شرط پر امن عام دیا تھا، کہ کوئی چیز نہ چھپائیں گے، لیکن جب کنانہ بن الربیع نے خزانہ بتانے سے انکار کیا تو آپ نے حضرت زبیرؓ کو حکم دیا، کہ سختی کر کے اس سے خزانہ کا پتہ لگائیں، حضرت زبیرؓ چقماق جلا کر اس کے سینے کو داغتے تھے، یہاں تک کہ اس کی جان نکلنے کے قریب ہو گئی[2]، بالآخر آپ نے کنانہ کو قتل کرا دیا، اور تمام یہودی غلام لونڈی بنا لئے گئے،

اس روایت کا اس قدر حصہ صحیح ہے، کہ کنانہ کو قتل کر دیا گیا، لیکن اس کی وجہ یہ نہیں، کہ وہ خزانہ بتانے سے انکار کرتا تھا، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے، کہ کنانہ نے محمودؓ بن مسلمہ کو قتل کیا تھا، طبری میں تصریح

---

[1] فتوح البلدان بلاذری (صفحہ ۲۸) اور صحیح بخاری مطبوعہ مصطفائی جلد اول صفحہ ۳۷۰ باب اذا اشترط فی المزارعۃ اذا شئت اخرجتک الخ

[2] پوری تفصیل تاریخ طبری میں مذکور ہے، ابن ہشام میں بھی اس کے قریب قریب ہے، فتوح البلدان بلاذری (صفحہ ۱۳۴)

ثم دفعه رسول اللہ الی محمد بن مسلمۃ فضرب عنقہ باخیہ محمود بن مسلمۃ (صفحہ ۱۵۸۲)	پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ کو محمد بن مسلمہؓ کے حوالہ کیا، انہوں نے اپنے بھائی محمود بن مسلمہؓ کے قصاص میں اس کو قتل کر دیا،

باقی روایت کا یہ حال ہے، کہ یہ روایت طبری اور ابن ہشام دونوں نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے، لیکن ابن اسحاق نے اوپر کے کسی راوی کا نام نہیں بتایا محدثین نے رجال کی کتابوں میں تصریح کی ہے، کہ ابن اسحاق یہودیوں سے مغازی نبوی کے واقعات روایت کرتے تھے، اس روایت کو بھی انہی روایتوں میں سمجھنا چاہیئے اور یہی وجہ ہے، کہ ابن اسحاق ان راویوں کے نام نہیں لیتے،

کسی شخص پر خزانہ بتانے کے لئے اس قدر سختی کرنا، کہ اس کے سینہ پر چقماق سے آگ جھاڑی جائے، رحمۃ للعالمین کی شان اس سے بہت ارفع ہے،

وہی شخص جو اپنے زہر دینے والے سے مطلق تعرض نہیں کرتا، کیا چند سکوں کے لئے کسی کو آگ سے جلانے کا حکم دے سکتا ہے،

اصل واقعہ اس قدر تھا، کہ کنانہ بن ابی الحقیق کو اس شرط پر امان دی گئی تھی، کہ کسی قسم کی بدعہدی اور خلاف بیانی نہ کرے گا (بلکہ ایک روایت میں ہے کہ) اس نے یہ بھی منظور کیا تھا، کہ اگر اس کے خلاف اس نے کچھ کیا، تو وہ قتل کا مستحق ہوگا[1]،

کنانہ نے بدعہدی کی، اور جو امن اس کو دیا گیا تھا، ٹوٹ گیا، کنانہ نے محمودؓ بن مسلمہؓ کو

---

[1] ابوداؤد باب حکم ارض خیبر، [2] طبقات ابن سعد غزوہ خیبر صفحہ ۸۱ سطر ۲۴،

Marfat.com

قتل کیا تھا اب اس کے قصاص میں وہ قتل کر دیا گیا جیسا کہ ابھی ہم نے طبری کی روایت سے نقل کیا ہے،

اب دیکھو، اس روایت میں کیا کیا واقعات اضافہ ہو گئے:۔

(۱) قتل کا واقعہ کنانہ کے ساتھ خاص تھا، خزانہ کے چھپانے کا وہی مجرم تھا، محمود ابن مسلمہ کو اسی نے قتل کیا تھا، اس لئے وہی قتل بھی کیا جا سکتا تھا، اضافہ کا پہلا قدم یہ ہے، کہ ابن سعد نے بکر بن عبد الرحمٰن سے جو روایت متصل نقل کی ہے، اس میں کنانہ کے ساتھ اس کے بھائی کا نام بھی بڑھا دیا ہے یعنی دونوں قتل کئے گئے،

فضرب اعناقهما وسبیٰ	تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو قتل کرا دیا،
اهلیهما	ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنایا،

(۲) یہاں تک بھی خیریت تھی لیکن ابن سعد نے عفان بن مسلم سے جو روایت نقل کی ہے، وہ اس سے بھی زیادہ وسیع ہو گئی ہے یعنی دونوں بھائیوں کے ساتھ تمام یہودی گرفتار اور لونڈی غلام بنا لئے گئے،

فلما وجد المال الذی	تو جب وہ خزانہ مل گیا جس کو انہوں نے اونٹ کی
غیبوه فی مسك الجمل سبیٰ	کھال میں چھپا رکھا تھا، تو ان کی عورتیں گرفتار کیں اور
نساءهم	لونڈیاں بنالیں،

لیکن جب یہ روایتیں محدثانہ اصول تنقید سے جانچی جاتی ہیں، تو چھلکے اترتے جاتے

لہ طبقات ابن سعد غزوہ خیبر صفحہ ۱۰ سطر ۲۷، لہ طبقات ابن سعد غزوہ خیبر صفحہ ۱۰،

Marfat.com

ہیں، اور اصل حقیقت رہ جاتی ہے، یہود کا قتل، اور زن و بچہ کا گرفتار ہونا، ایک طرف خود صحیح بخاری سے ثابت ہے، کہ کنانہ کا بھائی تک قتل نہیں کیا گیا، اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت تک موجود تھا،

صحیح بخاری میں ہے:۔

فلما اجمع عمر علی ذلک اتاہ	پھر جب حضرت عمرؓ نے یہ ارادہ کر لیا، تو
احد بنی ابی الحقیق فقال	ابو الحقیق کا ایک بیٹا ان کے پاس آیا، اور کہا
یا امیر المؤمنین اتخرجنا	کہ امیر المومنین! آپ ہم کو نکالتے ہیں، حالانکہ ہم
وقد اقرنا محمدؐ وعاملنا علی	کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنے دیا تھا، اور
الاموال[1]	خراج پر معاملہ کیا تھا،

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تصریح کی ہے، کہ یہ وہی کنانہ بن ابی الحقیق کا بھائی تھا

حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں عام روایتوں کی وسعت کو گھٹا کر اس حد تک پہنچایا، کہ

ولم یقتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کے بعد ابن
سلم بعد الصلح الا ابنی ابی الحقیق	ابی الحقیق کے دونوں بیٹوں کے سوا، اور کسی
(ذکر غزوہ خیبر)	کو قتل نہیں کیا،

لیکن حافظ صاحب موصوف کو اگر صحیح بخاری کی عبارت مذکورہ بالا پیش نظر ہوتی، تو غالباً یہ تعداد اور بھی گھٹ جاتی،

---

[1] صحیح بخاری جلد اول مطبع مصطفائی صفحہ ۳۷۷، باب اذا اشترط فی المزارعۃ اذا شئت اخرجتک،

Marfat.com

ابوداؤد میں جہاں ارض خیبر کا عنوان باندھا ہے، صرف ابن ابی الحقیق کا قتل کیا جانا لکھا ہے، یہ نکتہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ ابوداؤد میں لکھا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سبیتہ (حیی بن اخطب کے چچا) سے پوچھا تھا، کہ وہ خزانہ کیا ہوا، اس نے کہا، لڑائیوں میں صرف ہوگیا، باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف کنانہ کے قتل کا حکم دیا، یہ اس بات کی صاف دلیل ہے، کہ کنانہ کا قتل محمودؓ بن مسلمہ کے قصاص میں ہوا تھا، ورنہ اگر خزانہ کے چھپانے کا جرم قتل کا سبب ہوتا، تو اس جرم کے مجرم اور بھی تھے،

مورخین نے پہلی غلطی یہ کی، کہ کنانہ کے قتل کا سبب اخفائے خزانہ سمجھے، اور چونکہ اس جرم میں اور لوگ بھی شریک تھے، اس لئے یہ تعمیم خود بخود پیدا ہوگئی، کہ کنانہ کا تمام خاندان قتل کر دیا گیا،

ایک اور نکتہ اس قدر عموماً مسلم ہے، کہ خیبر کا واقعہ محرم میں پیش آیا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس ارادہ سے مدینہ سے نکلے، تو محرم کی اخیر تاریخیں تھیں، محرم میں لڑائی شرعاً ممنوع ہے اس لئے محدثین اور فقہا میں اس کی توجیہ کے متعلق اختلاف پیدا ہوا، بہت سے فقہا کا یہ مذہب ہے کہ اوائل میں البتہ ان مہینوں میں لڑائی شرعاً ممنوع تھی لیکن پھر وہ حکم منسوخ ہوگیا، علامہ ابن القیم نے لکھا ہے، کہ حرمت کا پہلا حکم جو نازل ہوا تھا، وہ سب اس آیت کے رو سے تھا،

قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ (بقرہ ۵ - ۲۷)	کہہ دو، کہ اس مہینہ میں لڑنا بڑا گناہ ہے، اور خدا کی راہ سے روکنا ہے،

پھر سورہ مائدہ میں یہ آیت اتری،

Marfat.com

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ (مائدہ ۱-۵) — مسلمانو! خدا کی حد بندیوں کی اور ماہ حرام کی بے حرمتی نہ کرو،

پچھلی آیت پہلی آیت کے آٹھ برس بعد نازل ہوئی، اس وسیع زمانہ تک تو حرمت کا حکم باقی رہا، اب وہ کونسی آیت یا حدیث ہے، جس سے یہ حکم منسوخ ہوگیا،

ولیس فی کتاب اللہ ولا سنۃ رسولہ ناسخ لحکمہا — اور خدا کی کتاب اور حدیث میں ان آیتوں کے حکم کا کوئی ناسخ نہیں،

مجوزین نے یہ استدلال کیا ہے، کہ فتح حرم، طائف کا محاصرہ، بیعۃ رضوان یہ سب ماہ حرام میں ہوئے تھے، اس لئے اگر ماہ حرام میں لڑائی جائز نہ ہوتی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کیونکر جائز رکھتے، حافظ ابن قیم نے جواب دیا ہے، کہ ماہ حرام میں ابتداً جنگ کرنا حرام ہے، لیکن اگر دشمن کا مدافعہ مقصود ہے، تو بالاتفاق جائز ہے، وہ سب واقعات دفاعی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش دستی نہیں کی، بلکہ دفاع کیا گیا تھا، بیعت رضوان اس لئے لی گئی تھی، کہ یہ خبر مشہور ہوگئی تھی، کہ کفار نے حضرت عثمانؓ کو (جو سفیر ہو کر گئے تھے) قتل کر دیا، طائف کا محاصرہ کوئی مستقل جنگ نہ تھی، بلکہ غزوہ حنین کا بقیہ تھا جس میں خود کفار ہر طرف سے جمع ہو کر حملہ آور ہوئے تھے، فتح حرم کا واقعہ حدیبیہ کی شکست کا نتیجہ تھا جس کی ابتدا قریش نے کی تھی،

حافظ ابن قیم نے نہایت صحیح جواب دیا، لیکن خاص خیبر کے معاملہ میں وہ اس گرہ کو

زاد المعاد، ذکر غزوہ خیبر،

Marfat.com

نہ کھول سکے، اور بحث نامنفصل رہ گئی، حافظ ابن القیم کے استاد علامہ ابن تیمیہؒ کو بھی اس موقع پر اشتباہ ہوا، انہوں نے الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح میں لکھا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر لڑائیاں کیں، سب دفاعی تھیں، صرف بدر اور خیبر اس سے مستثنیٰ ہیں، لیکن اگر علامہ موصوف زیادہ استقصار کرتے، تو ثابت ہوتا، کہ بدر اور خیبر بھی مستثنیٰ نہیں، بدر کا بیان اوپر گذر چکا ہے، خیبر کے ماسبق واقعات کو ترتیب دے کر دیکھو، تو صاف نظر آئے گا، کہ یہود اور غطفان مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر چکے تھے،

تقسیم زمین | خیبر کی زمین برابر دو حصوں میں تقسیم کی گئی، نصف بیت المال، مہمانی اور سفارت وغیرہ کے مصارف کے لئے خاص کر لیا گیا، باقی نصف مجاہدین پر جو اس غزوہ میں شریک تھے، مساوی حصوں میں تقسیم کیا گیا، کل فوج کی تعداد چودہ سو تھے، دو سو اسوار تھے، سواروں کو گھوڑوں کے مصارف کے لئے پیدل سے دگنا ملتا تھا، اس بنا پر یہ تعداد اٹھارہ سو کے برابر تھی اس حساب سے کل جائداد کے اٹھارہ سو حصے کئے گئے، اور ہر مجاہد کے حصہ میں ایک حصہ آیا، جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عام مجاہدین کے برابر ایک ہی حصہ ملا،

ولرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی عام لوگوں کی
مثل سہم واحد[1] منہم	طرح ایک حصہ تھا،

ملکی حالت اور احکام فقہی | خیبر کی فتح سے اسلام کی ملکی اور سیاسی حالت کا نیا دور شروع ہوتا ہے اسلام کے حقیقی دشمن صرف دو تھے، مشرکین اور یہود، عیسائی اگرچہ عرب میں موجود تھے، لیکن

[1] فتوح البلدان بلاذری ذکر غزوہ خیبر، ابوداؤد حکم ارض خیبر میں ہے النبی صلی اللہ علیہ وسلم معہم لہ سہم کسہم احدہم ۱۲ ص

وہ کچھ زور اور اثر نہیں رکھتے تھے مشرکین اور یہود اگرچہ مذہباً باہم مختلف تھے لیکن سیاسی اسباب کی بنا پر ان میں اتحاد پیدا ہو گیا تھا، مدینہ کے یہود عموماً انصار کے حلیف تھے اسی طرح خیبر کے یہود غطفان کے حلیف تھے، اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لئے مکہ اور مدینہ کے مشرکین اور منافقین سب مل کر کنفس واحدۃ ہو گئے خیبر کی فتح کے بعد یہود کی قوت بالکل ٹوٹ گئی، اور مشرکین کا ایک بازو ٹوٹ گیا،

اب تک اسلام چاروں طرف سے نرغہ کی حالت میں تھا، اس بنا پر بجز عقاید اور ضروری عبادات کے شریعت کے اور احکام کی تاسیس و تعلیم کا موقع نہ تھا شریعت کے احکام جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے، حالات کے اقتضا سے بتدریج آئے ہیں چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی خیبر کی فتح سے ادھر تو یہود کی فتنہ انگیزیوں سے نجات ملی، ادھر حدیبیہ کی صلح سے مشرکین کی طرف سے فی الجملہ اطمینان حاصل ہوا، اس بنا پر اب مسلمان جدید فقہی احکام کی تعمیل کے قابل ہو چکے تھے،

ارباب سیر نے غزوہ خیبر کے تذکرہ میں عموماً ذکر کیا ہے، کہ اس موقع پر متعدد جدید فقہی احکام نازل ہوئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی تبلیغ کی، ان کی تفصیل یہ ہے،

(۱) پنجہ دار پرند حرام ہو گئے،

(۲) درندہ جانور حرام کر دیئے گئے،

(۳) گدھا اور خچر حرام کر دیا گیا،

لہ یہاں نزول سے وحی متلو یعنی قرآن مراد نہیں ہے،

Marfat.com

(۴) اب تک معمول تھا، کہ لونڈیوں سے فوراً تمتع جائز سمجھا جاتا تھا، اب استبراء کی قید ہوگئی یعنی اگر وہ حاملہ ہے، تو وضع حمل تک، ورنہ ایک مہینہ تک تمتع جائز نہیں

(۵) چاندی سونے کا بہ تفاضل خریدنا حرام ہوگیا،

(۶) بعض روایتوں میں ہے، کہ متعہ بھی اسی غزوہ میں حرام ہوا،

وادی القریٰ اور فدک | تیماء اور خیبر کے درمیان ایک وادی ہے جس میں بہت سی بستیاں آباد ہیں، اس کو وادی القریٰ کہتے ہیں، قدیم زمانہ میں عاد و ثمود یہاں آباد تھے، یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے، کہ عاد و ثمود کے آثارات اب بھی باقی ہیں، اسلام سے پہلے ان بستیوں میں یہود آکر آباد ہوئے، اور زراعت و آب رسانی کو بہت ترقی دی، اور اب یہ یہود کا مخصوص مرکز بن گیا تھا،

خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی القریٰ کا رخ کیا لیکن لڑنا مقصود نہ تھا، مگر یہود پہلے سے تیار تھے، انہوں نے فوراً تیر اندازی شروع کردی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محمل آپ کے غلام (حضرت مدعمؓ) اتار رہے تھے، کہ ایک تیر آیا، اور جاں بحق ہوئے، عام مورخین نے یہود کی تیاری کا ذکر نہیں کیا ہے، لیکن امام بیہقی نے صاف تصریح کی ہے،

وقد استقبلتنا یھود بالرمی ولم	یہود ہمارے مقابلے کو تیر چلاتے ہوئے نکلے اور
نکن علی تعبیۃ[2]	ہم تیار نہ تھے،

بہرحال جنگ شروع ہوگئی، لیکن تھوڑے سے مقابلہ کے بعد یہود نے سپر ڈالدی،

---

[1] معجم البلدان لفظ قریٰ جلد ۷ صفحہ ۲۷۲ س ۹ [2] زرقانی بر مؤطا بہ حوالہ بیہقی باب الجہاد، ذکر غزوہ خیبر صفحہ ۲۰۰ س ۲

خیبر کے شرائط کے موافق صلح ہوگئی،

ادائے عمرہ | صلح حدیبیہ میں قریش سے معاہدہ ہوا تھا، کہ اگلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں آکر عمرہ ادا کریں گے، اور تین دن قیام کرکے واپس چلے جائیں گے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال عمرہ ادا کرنا چاہا، اور اعلان کرادیا، کہ جو لوگ واقعی حدیبیہ میں شریک تھے، ان میں سے کوئی رہ نہ جائے، چنانچہ بجز ان لوگوں کے جو اس اثنا میں مر چکے تھے، سب نے یہ سعادت حاصل کی،

معاہدہ میں شرط تھی، کہ مسلمان مکہ میں آئیں، تو ہتھیار ساتھ نہ لائیں، اس لئے اسلحہ جنگ بطن یاجج میں جو مکہ سے آٹھ میل ادھر ہے، چھوڑ دیئے گئے، اور دو سو سواروں کا ایک دستہ اسلحہ کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا گیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لبیک کہتے ہوئے حرم کی طرف بڑھے، حضرت عبداللہ بن رواحہ اونٹ کی مہار تھامے آگے آگے یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ	کافرو! آج سامنے سے ہٹ جاؤ
الیوم نضربکم علی تنزیلہ	آج جو تم نے اترنے سے روکا تو ہم تلوار کا وار کریں گے
ضربا یزیل الھام عن مقیلہ	وہ وار جو سر کو خوابگاہ سر سے الگ کر دے
ویذھل الخلیل عن خلیلہ	اور دوست کے دل سے دوست کی یاد بھلا دے

صحابہ کا جم غفیر ساتھ تھا، اور رسول کی دیرینہ تمنا، اور فرض مذہبی بڑے جوش کے ساتھ

[illegible] ترمذی نے شمائل میں نقل کیا ہے،

Marfat.com

ادا کر رہا تھا، اہل مکہ کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کی آب و ہوا نے کمزور کر دیا ہے، اس بنا پر آپ نے حکم دیا، کہ لوگ طواف کے تین پہلے پھیروں میں اکڑتے ہوئے چلیں، عربی زبان میں اس کو "رمل" کہتے ہیں، چنانچہ آج تک یہ سنت باقی ہے،

اہل مکہ نے اگرچہ چار و ناچار عمرہ کی اجازت دے دی تھی، تاہم ان کی آنکھیں اس منظر کے دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی تھیں، روسائے قریش نے عموماً شہر خالی کر دیا، اور پہاڑوں پر چلے گئے، تین دن کے بعد حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا کہ "محمدؐ سے کہدو، کہ شرط پوری ہو چکی اب مکہ سے نکل جائیں"، حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، آپ اسی وقت روانہ ہو گئے، چلتے وقت حضرت حمزہؓ کی صغیر السن صاحبزادی امامہؓ جو مکہ میں رہ گئی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چچا چچا کہتی دوڑی آئیں، حضرت علیؓ نے ہاتھوں میں اٹھا لیا، لیکن حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) اور زیدؓ بن حارثہ نے اپنے دعوے پیش کئے، حضرت جعفرؓ کہتے تھے، کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے، زیدؓ کہتے تھے، کہ حمزہؓ میرے مذہبی بھائی تھے اس رشتہ سے یہ میری بھتیجی ہے، حضرت علیؓ کو دعویٰ تھا، کہ میری ہمشیرہ بھی ہے، اور پہلے میری ہی گود میں آئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے دعوی مساوی الدرجہ دیکھ کر ان کو اسماءؓ کی گود میں دیا، وہ امامہ کی خالہ تھیں، پھر فرمایا، کہ "خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے"[1]

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رشتہ میں ان کے بھائی تھے، لیکن انہوں نے تعظیماً کہا دیا، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حمزہؓ دونوں رضاعی بھائی تھے) [2] اس واقعہ کا بڑا حصہ صحیح بخاری سے ماخوذ ہے، بعض زائد تفصیلیں زرقانی سے لی گئی ہیں، جو کتب حدیث کے حوالہ سے زرقانی نے نقل کی ہیں۔

Marfat.com

سنہ ۸ھ

غزوۂ مُوتہ

جمادی الاولیٰ ۸ھ

مُوتہ شام میں ایک مقام کا نام ہے جو بلقار سے اس طرف ہے، عرب میں جو مشرقی تلواریں مشہور ہیں، وہ یہیں بنتی تھیں[1]، کثیر شاعر کہتا ہے،

صَوَارِمُ یَجْلُوْھَا بِمُوْتَۃَ صَیْقَلٌ (وہ تلواریں جن کو موتہ میں صیقل گر جلا دیتا ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ بصریٰ یا قیصر روم کے نام ایک خط لکھا تھا، عرب اور شام کے سرحدی علاقوں میں جو عرب روسا حکمران تھے، ان میں ایک شرحبیل بن عمرو بھی تھا جو اسی علاقہ بلقار کا رئیس اور قیصر کا ماتحت تھا، یہ عربی خاندان ایک مدت سے عیسائی تھا، اور شام کے سرحدی مقامات میں حکمران تھا، یہ خط حارث بن عمیرؓ لے کر گئے تھے، شرحبیل نے ان کو قتل کر دیا، اس کے قصاص کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار فوج تیار کر کے شام کی طرف روانہ کی، زید بن حارثہؓ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، سپہ سالاری ملی، اور ارشاد ہوا، کہ اگر ان کو دولت شہادت نصیب ہو، تو جعفر طیارؓ، اور وہ بھی شہید ہو جائیں، تو عبداللہ بن رواحہؓ فوج کے سردار ہوں[2]، حضرت زیدؓ غلام تھے، گو آزاد ہو

[1] موتہ (جلد ۴ صفحہ ۱۹) [2] صحیح بخاری غزوہ موتہ،

Marfat.com

چکے تھے، حضرت جعفرؓ طیار، حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب خاص تھے، حضرت عبداللہ بنؓ رواحہ معزز انصاری اور مشہور شاعر تھے، اس بنا پر لوگوں کو تعجب ہوا، کہ حضرت جعفرؓ اور حضرت عبداللہ بنؓ رواحہ کے ہوتے حضرت زیدؓ کو افسر مقرر کرنا کس بنا پر ہے، چنانچہ لوگوں میں چرچے ہوئے، لیکن اسلام جس مساوات عام کے قائم کرنے کے لئے آیا تھا اس کے لئے اسی قسم کا ایثار درکار تھا، حضرت اسامہؓ کی مہم میں جس میں تمام مہاجرین کو شرکت کا حکم ہوا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زیدؓ کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ کو فوج کا افسر مقرر کیا تھا، اس وقت بھی لوگوں میں چرچے ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو خطبہ دیا، اور فرمایا، کہ تم لوگوں نے ان کے باپ کی افسری پر بھی اعتراض کیا تھا، حالانکہ یقیناً وہ افسری کے قابل تھے"۔ چنانچہ صحیح بخاری بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسامۃ بن زید فی مرضہ الذی توفی فیہ (باب المغازی) میں بہ تفصیل یہ واقعہ منقول ہے،

گو یہ مہم قصاص لینے کی غرض سے تھی، لیکن چونکہ تمام مہمات کا اصلی محور تبلیغ اسلام تھا، ارشاد ہوا، کہ پہلے ان کو دعوت اسلام دی جائے، اگر وہ اسلام قبول کریں، تو جنگ کی ضرورت نہیں، یہ حکم بھی ہوا، کہ اظہار ہمدردی کے لئے اس مقام پر جانا جہاں حارث بنؓ عمیر نے ادائے فرض میں جان دی ہے، ثنیۃ الوداع تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود فوج کی مشایعت کے لئے تشریف لے گئے، صحابہؓ نے پکار کر دعا کی، کہ خدا سلامت اور کامیاب لائے"۔

فوج مدینہ سے روانہ ہوئی، تو جاسوسوں نے شرحبیل کو خبر دی، جس نے مقابلہ کے لئے کم و بیش ایک لاکھ فوج تیار کی، ادھر خود قیصر روم (ہرقل) قبائل عرب کی بے شمار فوج لے کر

(۱) فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۳۹۲ س ۶ (۲) طبقات ابن سعد (جزء مغازی صفحہ ۶۹۲ س ۹)

Marfat.com

مآب میں خیمہ زن ہوا جو بلقار کے اضلاع میں ہے، حضرت زیدؓ نے یہ حالات سن کر چاہا کہ ان واقعات سے دربار رسالت کو اطلاع دی جائے اور حکم کا انتظار کیا جائے لیکن حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے کہا، ہمارا اصل مقصد فتح نہیں، بلکہ دولت شہادت[1] ہے جو ہر وقت حاصل ہو سکتی ہے، غرض یہ مختصر گروہ آگے بڑھا، اور ایک لاکھ فوج پر حملہ آور ہوا حضرت زیدؓ برچھیاں کھا کر شہید ہوئے، ان کے بعد حضرت جعفرؓ نے علم ہاتھ میں لیا، گھوڑے سے اتر کر پہلے خود اپنے گھوڑے کے پاؤں پر تلوار ماری، کہ اس کی کونچیں کٹ گئیں، پھر اس بے جگری سے لڑے کہ تلواروں سے چور ہو کر گر پڑے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان[2] ہے، کہ میں نے ان کی لاش دیکھی تھی تلواروں اور برچھیوں کے نوے زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے، پشت نے یہ داغ نہیں اٹھایا تھا، حضرت جعفرؓ کے بعد حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے علم ہاتھ میں لیا، اور وہ بھی داد شجاعت دے کر شہید ہوئے، اب حضرت خالدؓ سردار بنے، اور نہایت بہادری سے لڑے، صحیح بخاری میں ہے، کہ آٹھ تلواریں ان کے ہاتھ سے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں[3] لیکن ایک لاکھ سے تین ہزار کا کیا مقابلہ تھا، بڑی کامیابی یہی تھی، کہ فوجوں کو دشمن کی زد سے بچا لائے، جب یہ شکست خوردہ فوج مدینہ کے قریب پہنچی، اور اہل شہر ان کی مشایعت کو نکلے، تو لوگ غمخواری کے بجائے ان کے چہروں پر خاک پھینکتے تھے، کہ او فرار یو! تم خدا کی راہ سے بھاگ آئے،

---

[1] ابن ہشام غزوہ موتہ ۶ س [2] صحیح بخاری (۳) صحیح بخاری غزوہ موتہ ۲ س (۳) مصنف نے یہاں ابن اسحاق کی روایت پر اعتماد کر کے اس فوج کو شکست خوردہ لکھا ہے، اور ان کی واپسی پر ان سب کو بلا امتیاز فراری ہونے کا مستحق ظاہر کیا ہے لیکن جیسا کہ صحیح بخاری غزوہ موتہ میں ہے، کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے از روئے وحی فرمایا، کہ پھر اللہ کی ایک تلوار یعنی خالد بن ولید نے مسلمانوں کے علم کو اپنے ہاتھ میں لیا، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دشمن پر غلبہ دیا (فتح اللہ علیہم) ارباب سیر اور اہل روایت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا سخت صدمہ ہوا حضرت جعفرؓ سے آپ کو خاص محبت تھی، ان کی شہادت کا نہایت قلق تھا، آپ مسجد میں جا کر غمزدہ بیٹھے، اسی حالت میں ایک شخص نے آکر کہا، کہ جعفرؓ کی مستورات رو رہی ہیں، اور ماتم کر رہی ہیں، آپ نے منع کرا بھیجا، وہ گئے اور واپس آکر کہا، کہ میں نے منع کیا، لیکن وہ باز نہیں آتیں، آپ نے دوبارہ بھیجا، وہ پھر گئے، اور واپس آکر عرض کی کہ ہم لوگوں کی نہیں چلتی، آپ نے ارشاد فرمایا، کہ "تو ان کے منہ میں خاک بھر دو" یہ واقعہ حضرت عائشہؓ سے صحیح بخاری میں منقول ہے، صحیح بخاری میں یہ بھی ہے، کہ حضرت عائشہؓ نے اس شخص سے کہا کہ "خدا کی قسم! تم یہ نہ کرو گے (منہ میں خاک ڈالنا) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف سے نجات نہ ملے گی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۷) اور شراح حدیث اس غلبہ یا فتح کی تشریح میں مختلف ہیں، ایک فریق کا بیان ہے، کہ مسلمانوں کو پوری فتح حاصل ہوئی، دوسرے کا خیال ہے، کہ مسلمانوں کا غلبہ اور فتح یہ ہے، کہ مسلمان اس قلت تعداد اور کفار اپنی کثرت کے باوجود تھک کر غیر منفصل جنگ کی صورت میں ایک دوسرے کے مقابلہ سے ہٹ آئے، تیسرا فریق یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں کو فتح کفار کے ایک خاص دستہ کے مقابلہ میں حاصل ہوئی، اور اس سے مال غنیمت بھی حاصل کیا، چوتھا بیان یہ ہے، کہ مسلمانوں کا غلبہ یہ ہے کہ حضرت خالد کی قیادت میں اتنے بڑے لشکر کے حملوں کو روک دیا، اور یہ بسلامت پیچھے ہٹ آئے، اس مقام پر فتح الباری، روض الانف سہیلی اور البدایۃ ابن کثیر ملاحظہ کرنا چاہیے، اسی طرح مسلمانوں کی جس فوج کو اپنے فراری ہونے کا گمان تھا یا مسلمانوں نے انکو فراری کہا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو تسلی دی کہ نہیں فراری بلکہ دوبارہ حملہ کرنے کی نیت سے پیچھے ہٹ آنے والے ہو، اس کی مخاطب پوری اسلامی فوج نہیں، بلکہ انکی فوج کا ایک خاص دستہ تھا جو جلدی کر کے پہلے مدینہ چلا آیا تھا، تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباری و روض الانف، سہیلی و البدایہ ابن کثیر باب غزوہ موتہ ۱۲ س

فتح مکہ

رمضان ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا

جانشین ابراہیم (علیہما الصلوٰۃ والسلام) کا سب سے مقدم فرض توحید خالص کا احیاء اور حرم کعبہ کا آلائش سے پاک کرنا تھا لیکن قریش کے پے در پے حملوں اور عرب کی مخالفت عام نے پورے اکیس برس تک اس فرض کو روک رکھا، صلح حدیبیہ کی بدولت اتنا ہوا کہ چند روز کے لئے امن وامان قائم ہوگیا، اور دلدادگان حرم ایک دفعہ یادگار ابراہیمی کو غلط انداز نظر سے دیکھ آئے، لیکن معاہدہ حدیبیہ بھی قریش سے نہ نبھ سکا، حلم وعفو وتحمل کی حد ہوچکی، اب وقت آگیا، کہ آفتاب حق حجابہائے حائل کو چاک کرکے باہر نکل آئے،

صلح حدیبیہ کی بنا پر قبائل عرب میں خزاعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف ہوگئے تھے، اور ان کے حریف بنو بکر نے قریش سے محالفت کا معاہدہ کرلیا تھا، ان دونوں حریفوں میں مدت سے لڑائیاں چلی آتی تھیں، اسلام کے ظہور نے عرب کو ادھر متوجہ کیا، تو وہ لڑائیاں رک گئیں، اور اب تک رکی رہیں، کیونکہ قریش اور عرب کا ساز از در اسلام کے مقابلہ میں صرف ہو رہا تھا، صلح حدیبیہ نے لوگوں کو مطمئن کیا، تو بنو بکر سمجھے، کہ اب انتقام کا وقت آگیا، دفعۃً

وہ خزاعہ پر حملہ آور ہوئے، اور روسائے قریش نے علانیہ ان کی مدد کی، عکرمہ بن ابی جہل صفوان بن امیہ سہیل بن عمرو وغیرہ نے راتوں کو صورتیں[1] بدل کر بنو بکر کے ساتھ تلواریں چلائیں، خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی، بنو بکر رک گئے، کہ حرم کا احترام ضرور ہے، لیکن ان کے رئیس اعظم نوفل نے کہا، یہ موقع پھر کبھی ہاتھ نہیں آسکتا، غرض عین حدود حرم میں خزاعہ کا خون بہایا گیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، کہ دفعۃً یہ صدا بلند ہوئی،

لاھم انی ناشد محمدا	اے خدا! میں محمد کو وہ وعدہ یاد دلاؤں گا،
حلف ابینا وابیہ الاتلدا	جو ہمارے اور انکے قدیم خاندان میں ہوا ہے
فانصر رسول اللہ نصرا عتدا	اے پیغمبر خدا ہماری اعانت کر، اور خدا کے بندوں
وادع عباد اللہ یاتوا مددا	کو بلا، سب اعانت کے لئے حاضر ہوں گے،

معلوم ہوا، کہ خزاعہ کے چالیس ناقہ سوار[2] جن کا پیشرو عمرو بن سالم ہے، فریاد لے کر آئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعات سنے، تو آپؐ کو سخت رنج ہوا، تاہم آپؐ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا، اور تین شرطیں پیش کیں، کہ ان میں سے کوئی منظور کی جائے،

(۱) مقتولوں کا خونبہا دیا جائے،

(۲) قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں،

---

[1] طبری صفحہ ۱۶۲۰ (جلد ۳) (ابن سعد، جزء مغازی صفحہ ۹۷ میں کچھ اور نام بھی ہیں) [2] طبقات ابن سعد جزء مغازی صفحہ ۹۷ س

(۳) اعلان کر دیا جائے، کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا،

مکرز بن عمرو نے قریش کی زبان سے کہا، کہ "صرف تیسری شرط منظور ہے"[1] لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی، انہوں نے ابوسفیان کو سفیر بنا کر بھیجا، کہ حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کرا لائیں، ابوسفیان نے مدینہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی، بارگاہ رسالت سے کچھ جواب نہ ملا، ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بیچ میں ڈالنا چاہا لیکن سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا، ہر طرف سے مجبور ہو کر جناب فاطمہؓ زہرا کے پاس آیا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ پانچ برس کے بچے تھے، ابوسفیان نے انکی طرف اشارہ کر کے کہا، اگر یہ بچہ اتنا زبان سے کہدے، کہ میں نے دونوں فریقوں میں بیچ بچاؤ کرا دیا، تو آج سے عرب کا سردار پکارا جائے گا" جناب سیدہ نے فرمایا "بچوں کو ان معاملات میں کیا دخل" بالآخر ابوسفیان نے حضرت علیؓ کے کے ایما سے مسجد نبوی میں جا کر اعلان کر دیا، کہ "میں نے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دی"[2]

ابوسفیان نے مکہ میں جا کر لوگوں سے یہ واقعہ بیان کیا، تو سب نے کہا، کہ یہ نہ صلح ہے کہ ہم اطمینان سے بیٹھ جائیں، نہ جنگ ہے، کہ لڑائی کا سامان کیا جائے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی تیاریاں کیں، اتحادی قبائل کے پاس قاصد بھیجے کہ تیار ہو کر آئیں، احتیاط کی گئی، کہ اہل مکہ کو خبر نہ ہونے پائے،

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ ایک معزز صحابی تھے، انہوں نے قریش کو مخفی خط لکھ بھیجا،

---

[1] زرقانی جلد ۲ صفحہ ۳۲۶) نے یہ واقعہ مغازی ابن عائذ سے نقل کیا ہے، تعجب ہے کہ اور مورخین اور ارباب سیر ایسے ضروری واقعہ کو قلم انداز کر گئے، [2] زرقانی علی المواہب جلد ۲ صفحہ ۳۲۷)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی تیاریاں کر رہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوگئی، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت مقدادؓ اور حضرت ابو مرثد غنویؓ) کو بھیجا، کہ قاصد سے خط چھین لائیں، خط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا، تمام لوگوں کو حاطبؓ کے افشائے راز پر حیرت ہوئی، حضرت عمرؓ بے تاب ہوگئے، اور عرض کی، کہ "حکم ہو، تو انکی گردن اڑا دوں"؛ لیکن جبین رحمت پر شکن نہ تھی، ارشاد ہوا، کہ "عمر! تم کو کیا معلوم ہے، کہ خدا نے اہل بدر کو مخاطب کر کے کہہ دیا ہو، کہ تم سے مواخذہ نہیں ہے"

حضرت حاطبؓ کے عزیز و اقارب اب تک مکہ میں تھے، اور ان کا کوئی حامی نہ تھا اس لئے انہوں نے قریش پر احسان رکھنا چاہا، کہ اس کے صلہ میں ان کے عزیزوں کو ضرر نہ پہنچائیں گے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہی عذر پیش کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا،

غرض ۱۰ رمضان ۸ھ کو کوکبہ نبویؐ نہایت عظمت و شان سے مکہ معظمہ کی طرف بڑھا دس ہزار آراستہ فوجیں رکاب میں تھیں، قبائل عرب راہ میں آ آ کر ملتے جاتے تھے، مرالظہران پہنچ کر لشکر نے پڑاؤ ڈالا، اور فوجیں دور دور تک پھیل گئیں، یہ مقام مکہ معظمہ سے ایک منزل یا اس سے بھی کم فاصلہ پر ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تمام فوج نے الگ الگ آگ روشن کی، جس سے تمام صحرا وادی ایمن بن گیا، فوج کی آمد کی بھنک قریش کے کانوں میں پڑ چکی تھی، تحقیق کے لئے

لہ زرقانی علی المواہب جلد ۲ صفحہ ۳۲۹ "س"

Marfat.com

انہوں نے حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) ابوسفیان اور بدیل بن ورقا کو بھیجا، خیمہ نبویؐ کی دربانی پر جو دستہ متعین تھا، اس نے ابوسفیان کو دیکھ لیا، حضرت عمرؓ جذبہ انتقام کو ضبط نہ کر سکے، تیز قدمی سے آگے بڑھے، اور بارگاہ رسالت میں آکر عرض کی، کہ کفر کے استیصال کا وقت آگیا، لیکن حضرت عباسؓ نے جان بخشی کی درخواست کی، حضرت عمرؓ نے دوبارہ عرض کیا، حضرت عباسؓ نے کہا "عمرؓ! اگر یہ شخص تمہارے قبیلہ کا آدمی ہوتا، تو تم اس قدر سخت دلی نہ کرتے"، حضرت عمرؓ نے کہا "یہ آپ نہ فرمائیں، آپ جس دن اسلام لائے تھے، مجھ کو جو مسرت ہوئی تھی، خود میرا باپ خطاب اسلام لاتا، تو مجھ کو اس قدر خوشی نہ ہوتی"[1]

ابوسفیان کے تمام پچھلے کارنامے اب سب کے سامنے تھے، اور ایک ایک چیز اس کے قتل کی دعویدار تھی، اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خفیہ قتل کرانے کی سازش، ان میں ہر چیز اس کے خون کی قیمت ہو سکتی تھی، لیکن ان سب سے بالاتر ایک اور چیز (عفو نبوی) تھی، اس نے ابوسفیان کے کان میں آہستہ سے کہا، کہ "خوف کا مقام نہیں"

صحیح بخاری میں ہے، کہ گرفتار ہونے کے ساتھ ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا، لیکن طبری وغیرہ نے اس اجمال کی تفصیل میں حسب ذیل مکالمہ لکھا ہے،

---

[1] اصل واقعہ صحیح بخاری میں کافی تفصیل کے ساتھ موجود ہے، لیکن مزید تفصیل اور جزئیات حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں موسیٰ بن عقبہ اور ابن عائذ وغیرہ سے نقل کئے ہیں، میں نے ان کو بھی لیا ہے، بعض واقعات طبری سے ماخوذ ہیں (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۳۲) "س"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — کیوں ابوسفیان کیا اب بھی تم کو یقین نہیں آیا، کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں؟

ابوسفیان — کوئی اور خدا ہوتا، تو آج ہمارے کام آتا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — کیا اس میں کچھ شک ہے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں؟

ابوسفیان — اس میں تو ذرا شبہ ہے،

بہرحال ابوسفیان نے اسلام کا اظہار کیا، اور اس وقت گو ان کا ایمان متزلزل تھا، لیکن مورخین لکھتے ہیں، کہ بالآخر وہ سچے مسلمان بن گئے، چنانچہ غزوہ طائف میں ان کی ایک آنکھ زخمی ہوئی، اور یرموک میں وہ بھی جاتی رہی،

لشکر اسلام جب مکہ کی طرف بڑھا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس سے ارشاد فرمایا، کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو، کہ افواج الٰہی کا جلال آنکھوں سے دیکھیں، کچھ دیر کے بعد دریائے اسلام میں تلاطم شروع ہوا، قبائل عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی بڑھیں، سب سے پہلے غفار کا پرچم نظر آیا، پھر جہینہ (سعد بن) ہذیم سلیم ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے، تکبیر کے نعرے مارتے ہوئے نکل گئے، ابوسفیان ہر دفعہ مرعوب ہو ہو جاتے تھے، سب کے بعد انصار کا قبیلہ اس سروسامان سے آیا، کہ آنکھیں خیرہ ہو گئیں، ابوسفیان نے متحیر ہو کر پوچھا یہ کون لشکر ہے؟ حضرت عباسؓ نے نام بتایا، دفعۃً سردار فوج حضرت سعدؓ بن عبادہ ہاتھ میں علم لئے ہوئے برابر سے گذرے، اور ابوسفیان کو دیکھ کر پکار اٹھے،

الیوم یوم الملحمۃ الیوم — آج گھمسان کا دن ہے، آج کعبہ حلال

Marfat.com

تستحل الکعبۃ[1] کر دیا جائے گا،

سب سے اخیر کو کبۂ نبوی نمایاں ہوا جس کے پرتو سے سطح خاک پر نور کا فرش بچھتا جاتا تھا،

حضرت زبیرؓ بن العوام علمبردار تھے، ابوسفیان کی نظر جمال مبارک پر پڑی تو پکار اٹھے کہ "حضور نے سنا؟ عبادہ کیا کہتے ہوئے گئے؟" ارشاد ہوا کہ "عبادہ نے غلط کہا، آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے" یہ کہہ کر حکم دیا، کہ فوج کا علم عبادہ سے لے کر ان کے بیٹے کو دے دیا جائے،

مکہ پہنچ کر آپ نے حکم دیا، کہ علم نبوی مقام حجون پر نصب کیا جائے، حضرت خالدؓ کو حکم ہوا، کہ فوجوں کے ساتھ بالائی حصہ کی طرف آئیں[2]،

اعلان کر دیا گیا، کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا، یا ابوسفیان کے ہاں پناہ لے گا، یا دروازہ بند کر لے گا (یا خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے گا) اس کو امن دیا جائے گا، تاہم قریش کے ایک گروہ نے مقابلہ کا قصد کیا، اور خالدؓ کی فوج پر تیر برسائے، چنانچہ تین صاحب (یعنی کرزؓ بن جابر فہری، اور حضرت حبیشؓ بن اشعر اور حضرت سلمہؓ بن المیلا) نے شہادت پائی، حضرت خالدؓ نے مجبور ہو کر حملہ کیا، یہ لوگ ۱۳، لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلواروں کا چمکنا دیکھا، تو حضرت خالد سے باز پرس کی لیکن جب یہ معلوم ہوا، کہ ابتدا مخالفین نے کی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ "قضائے الٰہی یہی تھی"

---

[1] یہ خاص صحیح بخاری کی روایت ہے [2] مصنف نے یہاں حضرت عروہ کی روایت لی ہے، جو گو صحیح بخاری میں ہے مگر مرسل ہے، صحیح و مرفوع روایات جو صحیح بخاری میں ہیں، ان کے مطابق صورت حال یہ ہے، کہ حضرت خالدؓ مکہ کے زیریں حصے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بالائی حصہ سے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے، فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۶۸ س ۱۵ [3] انکی شہادت کا ذکر صحیح بخاری میں بھی ہے،

Marfat.com

لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، کہ "حضور قیام کہاں فرمائیں گے؟" کیا اپنے قدیم مکان میں؟ شریعت میں مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا، ابوطالب (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم) نے جب انتقال کیا تھا، تو ان کے صاحبزادے عقیل اس وقت کافر تھے، اس لئے وہی وارث ہوئے، انہوں نے یہ مکانات ابوسفیان کے ہاتھ بیچ ڈالے تھے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ "عقیل نے گھر کہاں چھوڑا، کہ اس میں اتروں" اس لئے مقام خیف میں ٹھہروں گا جہاں قریش نے (ہمارے خلاف کفر کی تائید پر باہم عہد و پیمان کیا تھا)

خدا کی شان حرم محترم، جو خلیل بت شکن کی یادگار تھا، اس کے آغوش میں ۳۶۰ بت جاگزین تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک کو لکڑی کی نوک سے ٹھوکے دیتے جاتے اور یہ پڑھتے جاتے تھے،

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ) إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا	حق آ گیا، اور باطل مٹ گیا، اور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی،

(لہ) صحیح بخاری فتح مکہ میں حضرت اسامہ بن زید سے جو روایت ہے، اس میں تصریح ہے، کہ حضور نے یہ ارشاد فتح مکہ کے موقع پر کیا، لیکن اس میں خیف کے قیام کا ذکر نہیں، لیکن جو روایت حضرت ابوہریرہؓ سے ہے، اس میں یہ تصریح ہے، کہ یہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ارشاد فرمایا، اور اس میں خیف کی تصریح ہے، ابن حجر نے یہ تطبیق کی ہے، کہ ممکن ہے، کہ دونوں موقعوں پر لوگوں کے سوال پر ارشاد فرمایا ہو (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۱۳ و جلد ۲ صفحہ ۱۳۶) "س" (۵۲) اس موقعہ پر اس پوری آیت کے پڑھنے کا ذکر ابن سعد فتح مکہ ہے، صحیح بخاری فتح مکہ میں یہ الفاظ آئے ہیں جاء الحق وزهق الباطل وما يبدئ الباطل وما يعيد یعنی حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، اور اب باطل پھر نہ آئے گا" "س"

Marfat.com

عین کعبہ کے اندر بہت سے بت تھے جن کو قریش خدا مانتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں داخل ہونے سے پہلے حکم دیا، کہ سب نکلوا دیئے جائیں[1]، حضرت عمرؓ نے اندر جا کر جس قدر تصویریں تھیں، وہ بھی مٹا دیں، حرم ان آلائشوں سے پاک ہو چکا، تو آپ نے عثمان بن طلحہ سے جو کعبہ کے کلید بردار تھے کنجی طلب کی اور دروازہ کھلوایا، آپ حضرت بلالؓ اور طلحہؓ کے ساتھ اندر داخل ہوئے، اور نماز ادا کی، بخاری کی ایک روایت میں ہے، کہ آپ نے کعبہ کے اندر تکبیریں کہیں، لیکن نماز نہیں ادا کی،

خطبہ فتح: شاہنشاہی اسلام کا یہ پہلا دربار عام تھا، خطبہ سلطنت یعنی بارگاہ احدیت کی تقریر خلافت الٰہی کے منصب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کی جس کا خطاب صرف اہل مکہ سے نہیں، بلکہ تمام عالم سے تھا،

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک	ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے، اس
لہ صدق وعدہ ونصر عبدہ	کا کوئی شریک نہیں ہے، اس نے اپنا وعدہ سچا
وھزم الاحزاب وحدہ الا کل	کیا، اس نے اپنے بندہ کی مدد کی، اور تمام
ماثرۃ او دم او مال یدعی	جتھوں کو تنہا توڑ دیا، ہاں تمام مفاخر، تمام
فھو تحت قدمی ھاتین الا	انتقامات، خونہائے قدیم، تمام خونہا سب میرے
سدانۃ البیت وسقایۃ	قدموں کے نیچے ہیں، صرف حرم کعبہ تولیت
الحجاج	اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں،

[1] صحیح بخاری، فتح مکہ،

یا معشر قریش ان اللہ قد	اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور
اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ	نسبت کا افتخار خدا نے مٹا دیا۔ تمام
وتعظمھا بالاباء الناس من ادم	لوگ آدم کی نسل سے ہیں، اور آدم مٹی
وادم من تراب	سے بنے ہیں۔

پھر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی، جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ	لوگو! میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا،
ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا	اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس
وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ	میں ایک دوسرے سے پہچان لئے جاؤ، لیکن
عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ	خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار
خَبِیْرٌ (ابن ھشام مختصراً)	ہو، خدا دانا اور واقف کار ہے،
اِنَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ حَرَّمَ بَیْعَ الْخَمْرِ (بخاری)	خدا نے شراب کی خرید و فروخت حرام کر دی ہے

تمام عقاید اور اعمال کا اصل الاصول اور دعوت اسلام کا اصلی پیغام ہے، اس لئے سب سے پہلے اسی سے ابتدا کی گئی،

خطبہ کے اصولی مطالب عرب میں دستور تھا، کہ کوئی شخص کسی کو قتل کر دیتا تھا، تو اس کے خون کا انتقام لینا خاندانی فرض قرار پاجاتا تھا، یعنی اگر اس وقت قاتل ہاتھ نہ آسکا، تو خاندانی دفتر میں مقتول کا نام لکھا جاتا، اور سیکڑوں برس گزرنے کے بعد بھی انتقام کا فرض ادا کیا جاتا تھا، قاتل اگر مرچکا ہے، تو اس کے خاندان یا قبیلہ کے آدمی کو قتل کرتے تھے اسی طرح

خونہا کا مطالبہ بھی اَبَاعَنْ جَدٍّ چلا آتا تھا، یہ خون کا انتقام عرب میں سب سے بڑے فخر کی بات تھی، اس طرح اور بہت سی لغو باتیں مفاخر قومی میں داخل ہوگئی تھیں، اسلام ان سب کے مٹانے کے لئے آیا تھا، اور اس بنا پر آپ نے (اس طرح) انتقام اور خونہا اور نیز تمام غلط مفاخر کی نسبت فرمایا، کہ "میں نے ان کو پاؤں سے کچل دیا"

عرب اور تمام دنیا میں نسل اور قوم وخاندان کے امتیاز کی بنا پر ہر قوم میں فرق مراتب قائم کئے گئے تھے جس طرح ہندوؤں نے چار ذاتیں قائم کیں، اور شودر کو وہ درجہ دیا جو جانوروں کا درجہ ہے، اور اس کے ساتھ یہ قید کر دی، کہ وہ کبھی اپنے رتبہ سے ایک ذرہ آگے نہ بڑھنے پائے،

اسلام کا سب سے بڑا احسان جو اس نے تمام دنیا پر کیا، مساوات عام کا قائم کرنا تھا یعنی عرب وعجم، شریف ورذیل، شاہ وگدا سب برابر ہیں، ہر شخص ترقی کرکے انتہائی درجہ پر پہنچ سکتا ہے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی آیت پڑھی، اور پھر توضیح فرمائی، کہ تم سب اولاد آدم ہو، اور آدم مٹی سے بنے تھے،

خطبہ کے بعد آپ نے مجمع کی طرف دیکھا، تو جباران قریش سامنے تھے، ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے، جو اسلام کے مٹانے میں سب سے پیشرو تھے، وہ بھی تھے جن کی زبانیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں، وہ بھی تھے، جن کی تیغ دسنان نے پیکر قدسی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں، وہ بھی تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے، جو وعظ کے وقت آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑیوں کو لہولہان کر دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خون نبوت کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی، وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آ آ کر ٹکراتا تھا، وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریگ پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے،

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا، اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا "تم کو کچھ معلوم ہے، میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟"

یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، بے رحم تھے لیکن مزاج شناس تھے پکار اٹھے کہ

اَخٌ کَرِیْمٌ وَابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ — تو شریف بھائی ہے، اور شریف برادر زادہ ہے،

ارشاد ہوا،

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ — تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو،

کفار مکہ نے تمام مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کر لیا تھا، اب وہ وقت تھا، کہ ان کو ان کے حقوق دلائے جاتے، لیکن آپ نے مہاجرین کو حکم دیا، کہ وہ بھی اپنی مملوکات سے دست بردار ہو جائیں،

نماز کا وقت آیا، تو حضرت بلالؓ نے بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دی، وہی سرکش جو ابھی رام ہو چکے تھے، ان کی آتش غیرت پھر مشتعل تھی، عتاب بن اسید نے کہا "خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی، کہ اس آواز کے سننے سے پہلے اس کو دنیا سے اٹھا لیا"[1]

[1] ابن ہشام (عتابؓ بعد کو مسلمان ہوئے) "س"

Marfat.com

ایک اور سردار قریش نے کہا "اب جینا بیکار ہے"[1]

مقام صفا میں آپؐ ایک بلند مقام پر بیٹھے، جو لوگ اسلام قبول کرنے آتے تھے، آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے، مردوں کی باری ہو چکی، تو مستورات آئیں، عورتوں سے بیعت لینے کا یہ طریقہ تھا، کہ ان سے ارکان اسلام اور محاسن اخلاق کا اقرار لیا جاتا تھا پھر پانی سے ایک لبریز پیالہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک ڈبو کر نکال لیتے تھے آپؐ کے بعد عورتیں اسی پیالہ میں ہاتھ ڈالتی تھیں، اور بیعت کا معاہدہ پختہ ہو جاتا تھا،

ان مستورات میں ہند بھی آئی، یہ وہی ہند ہے، جو رئیس العرب عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہؓ کی ماں تھی، حضرت حمزہؓ کو اسی نے قتل کرایا تھا، اور ان کا سینہ چاک کر کے کلیجہ چبا گئی تھی، وہ نقاب پہن کر آئی، شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتی تھیں، لیکن اس وقت یہ غرض بھی تھی، کہ کوئی اس کو پہچاننے نہ پائے، بیعت کے وقت اس نے (نہایت دلیری بلکہ گستاخی سے) باتیں کیں، جو حسب ذیل ہیں[2]،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا،
ہند	یہ اقرار آپؐ نے مردوں سے تو نہیں لیا لیکن بہرحال ہم کو منظور ہے،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	چوری نہ کرنا،
ہند	میں اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال میں سے

[1] اصابہ تذکرہ عتاب بن اسید جلد ۲ صفحہ ۴۸۱ [2] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۳۶۴ [3] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۳۶۴ مختصراً

دو چار آنے کبھی لے لیا کرتی ہوں معلوم نہیں
یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — اولاد کو قتل نہ کرنا،

ہند — رَبَّيْنَاهُمْ صِغَارًا وَقَتَلْتَهُمْ كِبَارًا فَأَنْتَ وَهُمْ أَعْلَمُ

ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا بڑے ہوئے تو جنگ بدر میں
آپ نے ان کو مار ڈالا، اب آپ اور وہ باہم سمجھ لیں،

رؤسائے عرب میں دس شخص تھے جو قریش کے سرتاج تھے، ان میں صفوان بن امیہ جدہ بھاگ گئے، عمیر بن وہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کی، کہ رئیس عرب مکہ سے جلاوطن ہوا جاتا ہے، آپ نے علامتِ امان کے طور پر اپنا عمامہ عنایت کیا، عمیر جدہ پہنچ کر ان کو واپس لائے، حنین کے معرکہ تک یہ اسلام نہیں[2] لائے (بعد کو مسلمان ہو گئے)

عبداللہ بن زبعری، عرب کے مشہور شاعر جو (پہلے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجویں کہا کرتے تھے، اور قرآن مجید پر نکتہ چینیاں کرتے تھے، نجران بھاگ گئے، لیکن پھر آکر اسلام لائے[2] ابوجہل کے بیٹے عکرمہ یمن چلے گئے، لیکن ان کی حرم (ام حکیم) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امان لی اور جا کر یمن سے لائیں[2]، یہ واقعہ ابوجہل سے کہنے کے قابل نہیں کہ اس کا

---

[1] جنگ بدر میں ہند کے لڑکے کافروں کے ساتھ شریک ہو کر لڑے تھے اور لڑکر مارے گئے تھے [2] طبری (جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۱) س
(اصابہ ذکر صفوان بن امیہ، جلد ۲ صفحہ ۱۸۷) س [2] ابن ہشام س، زرقانی طبری جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۱) س

جگر نے کفر کی گود سے نکل کر اسلام کی آغوش میں آگیا، اور اب ہم ان کو حضرت عکرمہؓ کہتے ہیں،

اشتہاریان قتل ارباب سیر کا بیان ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گو اہل مکہ کو امن عطا کیا تھا، تاہم دس شخصوں[1] کی نسبت حکم دیا، کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں، ان میں سے بعض مثلاً عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ خونی مجرم تھے، اور قصاص میں قتل کئے گئے لیکن متعدد ایسے تھے کہ ان کا صرف یہ جرم تھا، کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا کرتے تھے، یا آپؐ کی ہجو میں اشعار کہا کرتے تھے، ان میں سے ایک عورت اس جرم پر قتل کی گئی، کہ وہ آپؐ کے ہجویہ اشعار گایا کرتی تھی،

---

[1] حافظ علائی نے بدر تمام مخالف حوالوں سے جمع کئے ہیں، جو خود محدثین کے نزدیک غیر محتاط ہیں، عام ارباب سیرت نے دس شخصوں کے نام لئے ہیں، ابن اسحاق نے آٹھ نام گنائے ہیں، ابوداؤد اور دارقطنی کی روایت میں صرف چھ ہیں، بخاری میں صرف ابن خطل کا واقعہ مذکور ہے، اس سے ظاہر ہوگا، کہ تحقیق کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا جاتا ہے اسی قدر تعداد کم ہوتی جاتی ہے،

عام روایات کی رو سے جن دس شخصوں کی سزائے موت کا اعلان کیا گیا تھا، ان کا حال یہ ہے، کہ وہ شدید مجرم تھے، تاہم سات اشخاص خلوص سے ایمان لائے، اور ان کو معافی دے دی گئی، صرف چار شخص قتل ہوئے تین مرد اور ایک عورت، عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ، حویرث بن نقید اور ابن خطل کی لونڈی قریبہ، ابن خطل اور ابن صبابہ یہ دونوں خونی مجرم تھے، ابن خطل جو اسلام لا چکا تھا، اپنے ایک مسلمان خادم کو قتل کر کے مرتد ہو گیا، مقیس بن صبابہ کا واقعہ یہ ہے، کہ اس کا ایک بھائی ایک انصاری کے ہاتھ سے غلطی سے مارا گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت ادا کر دی تھی، تاہم مقیس منافقانہ اسلام آیا، اور غدر سے اس انصاری کو قتل کر دیا، اور حویرث نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کے ساتھ جب وہ ہجرت کر رہی تھیں شرارت کی تھی، اور ان دونوں کو اونٹوں سے گرا دیا چاہتا تھا، حضرت علی بن ابی طالب نے اس کو قتل کر دیا،

قریبہ جو ابن خطل کی لونڈی تھی، مکہ کی ایک مغنیہ تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں گیت گایا کرتی تھی (دیکھو زرقانی اور ابن ہشام، ذکر فتح مکہ)

Marfat.com

لیکن محدثانہ تنقید کی رو سے یہ بیان صحیح نہیں، اس جرم کا مجرم تو سارا مکہ تھا، کفار قریش میں سے (بجز دو چار کے) کون تھا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت سے سخت ایذائیں نہیں دیں؟ بایں ہمہ انہی لوگوں کو یہ مژدہ سنایا گیا، کہ انتم الطلقاء جن لوگوں کا قتل بیان کیا جاتا ہے، وہ تو نسبتہً کم درجہ کے مجرم تھے، حضرت عائشہؓ صدیقہ کی یہ روایت صحاح ستہ میں موجود ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا، خیبر میں جس یہودی عورت نے آپؐ کو زہر دیا، اس کی نسبت لوگوں نے دریافت بھی کیا، کہ اس کے قتل کا حکم ہوگا، ارشاد ہوا، کہ نہیں، خیبر کے کفرستان میں ایک یہودیہ زہر دے کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے جانبر ہو سکتی ہے، تو حرم میں اس سے کم درجہ کے مجرم عفو نبوی سے کیونکر محروم رہ سکتے ہیں،

اگر درایت پر قناعت نہ کی جائے، تو روایت کے لحاظ سے بھی یہ واقعہ بالکل ناقابل اعتبار رہ جاتا ہے، صحیح بخاری میں صرف ابن خطل کا قتل مذکور ہے[1]، اور یہ عموماً مسلم ہے کہ وہ قصاص میں قتل کیا گیا، مقیس کا قتل بھی شرعی قصاص تھا، باقی جن لوگوں کی نسبت حکم قتل کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے، کہ وہ کسی زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا کرتے تھے، وہ روایتیں صرف ابن اسحاق تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہیں یعنی اصول حدیث کی رو سے وہ روایت منقطع ہے، جو قابل اعتبار نہیں، ابن اسحاق کا فی نفسہ جو درجہ ہے، وہ ہم کتاب کے دیباچہ میں لکھ آئے ہیں،

---

[1] بخاری فتح مکہ ج ۲ ص

سب سے زیادہ معتبر روایت جو اس بارہ میں پیش کی جا سکتی ہے، وہ ابوداؤد کی روایت[1] ہے جس میں مذکور ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ چار شخصوں کو کہیں امن نہیں دیا جا سکتا لیکن ابوداؤد نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے، کہ اس روایت کی سند جیسی چاہیے مجھ کو نہیں ملی، پھر اس کے بعد ابن خطل کی روایت نقل کی ہے (اور شروع میں جو روایت ہے) اس کا ایک راوی احمد بن المفضل ہے جس کو ازدی نے منکر الحدیث لکھا ہے، اور ایک راوی اسباط بن نصر ہے جس کی نسبت نسائی کا قول ہے کہ "قوی نہیں ہے"۔ اگرچہ صرف اس قدر جرح کسی روایت کے نامعتبر ہونے کے لئے کافی نہیں لیکن واقعہ جس درجہ اہم ہے، اس کے لحاظ سے راوی کی اس قدر جرح بھی روایت کے مشکوک ہونے کے لئے کافی ہے،

---

[1] ابوداؤد باب قتل الاسیر [2] ابوداؤد نے باب قتل الاسیر میں اس معنی کی تین روایتیں درج کی ہیں، پہلی وہ روایت ہے، جس کا ذکر مصنف نے اخیر میں کیا ہے، یہ روایت احمد بن المفضل، اسباط بن نصر، سدی کبیر، مصعب بن سعد اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ہے، اس میں چار مرد اور دو عورتوں کے قتل کا حکم مذکور ہے، جن میں سے ایک ابن ابی سرح ہے، جس کو حضرت عثمانؓ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے بغیر آپ کی خدمت میں لا کر پیش کیا اور اس کو کچھ دیر کے تامل کے بعد پناہ دی اور وہ مسلمان ہوا۔ اس روایت میں احمد بن مفضل اور اسباط بن نصر اور سدی کبیر تینوں پر علمائے رجال نے جرحیں کی ہیں، اور خصوصاً اسباط بن نصر پر اور زیادہ جرحیں ہیں، یہ روایت اسی سلسلہ سے نسائی نے باب قتل المرتد میں اور حاکم نے مستدرک کتاب المغازی میں اس کو نقل کیا ہے، اس سلسلہ کے یہ تینوں راوی شیعہ ہیں، اور حاکم نے مستدرک میں اس پہلو سے اپنا اظہار خیال کر دیا ہے، ابوداؤد کی دوسری روایت عمرو بن عثمان بن عبدالرحمن بن سعید مخزومی سے ہے، کہ انہوں نے اپنے دادا سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار مردوں اور دو عورتوں کے بارہ میں فرمایا، کہ ان کو پناہ نہیں دی جا سکتی، ان دو عورتوں میں سے جو دونوں مغنیہ لونڈیاں تھیں، ایک مسلمان ہو گئی، اور ایک قتل کی گئی، اس روایت کے متعلق ابوداؤد نے لکھا ہے، کہ میں نے اپنے شیخ ابوالعلاء سے اس کی سند اچھی طرح سمجھی نہیں

اس میں شبہ نہیں، کہ بعض سرداران قریش جو مخالفین اسلام کے پیشرو تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر سنکر مکہ سے بھاگ گئے لیکن یہ صرف ابن اسحٰق کا قیاس ہے، کہ اس وجہ سے بھاگے تھے، کہ ان کے قتل کا حکم دیا گیا تھا، ان اشتہاری مفرورین میں ابن اسحاق نے عکرمہ کو بھی شمار کیا ہے جو ابوجہل کے فرزند تھے لیکن موطائے امام مالک میں جسکی نسبت امام شافعی کا قول ہے، کہ آسمان کے نیچے (قرآن کے علاوہ) کوئی کتاب اس سے زیادہ صحیح نہیں، یہ واقعہ جسطرح منقول ہے اس کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے

"حارث بن ہشام کی صاحبزادی، ام حکیم، عکرمہ بن ابوجہل کی زوجہ تھیں، وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائیں لیکن ان کے شوہر عکرمہ بن ابوجہل مکہ سے بھاگ کر یمن چلے گئے، ام حکیم یمن گئیں، اور ان کو اسلام کی دعوت دی، اور وہ مسلمان ہوگئے، اور مکہ میں آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو دیکھا، تو فرط مسرت سے اٹھ کھڑے ہوئے، اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے، کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی، پھر ان سے بیعت لی" (کتاب النکاح)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲۵) یہی روایت اسی سلسلہ سے دارقطنی اور آخر کتاب الحج میں ہے، اس میں سند کے آخر میں یوں ہے، عمرو بن عثمان نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا سے یہ روایت سنی، اس سے ظاہر ہے کہ سند کے اسی حصہ میں ابوداؤد کو شک ہے، ابوداؤد کی تیسری روایت میں صرف ابن خطل کے قتل کا ذکر ہے، جو صحیح بخاری وغیرہ کی روایت سے بھی ثابت ہے، بیہقی نے حکم بن عبدالملک، قتادہ اور حضرت انس بن مالک سے ایک روایت کی ہے جس میں تین مرد اور ایک عورت یعنی چار شخصوں کے قتل کا حکم ہے، تین مرد یہ ہیں، ابن خطل، مقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور عورت کا نام ام سارہ تھا، عبداللہ بن سعد کے قتل کی ایک انصاری نے نندمانی تھی، مگر حضرت عثمانؓ کی سفارش سے ان کی جان بخشی ہوئی، اور ام سارہ وہی عورت ہے جو فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں کے مکہ پر حملہ کرنے کا خط خفیہ لے چلی تھی، اس روایت میں حکم بن عبدالملک متفقاً ناقابل اعتبار ہے، اور اس کی اس روایت کی نسبت عقیلی نے لکھا ہے، کہ کوئی تائید اس کے رفقاء میں سے کسی نے نہیں کی ہے، تہذیب ابن حجر ۱۲ س"

Marfat.com

یہ بات بھی اس موقع پر خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں کو امن دیا جاتا تھا، وہ اسلام پر مجبور نہیں کئے جاتے تھے، تمام مورخین اور ارباب سیر نے تصریح کی ہے کہ حنین کی لڑائی میں جو فتح مکہ کے بعد پیش آئی، لشکر اسلام میں مکہ کے بہت سے کفار بھی شامل تھے جو اس وقت تک کافر تھے، اور شکست بھی زیادہ تر اسی وجہ سے ہوئی، کہ پہلے حملہ میں انہی کافروں کے قدم اکھڑے، اور اس ابتری کی وجہ سے مسلمانوں کے قدم بھی نہ ٹھہر سکے،

خزائن حرم | حرم میں نذر اور ہدایا کا خزانہ ایک مدت سے جمع ہوتا چلا آتا تھا، وہ محفوظ رکھا گیا، لیکن مجسمہ جات اور تصویریں برباد کر دی گئیں، ان میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے مجسمے بھی تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر بھی تھی، جس سے لوگوں نے قیاس کیا، کہ کسی زمانہ میں عیسائیت کا اثر زیادہ غالب ہو گیا تھا، رنگین تصویریں جو دیواروں پر تھیں، مٹا دی گئیں، ان کے صرف نشان رہ گئے تھے، اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی تحریک باقی رہی،

مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام چند دن تک صحابہ کے ساتھ رہا، جب روانہ ہوئے، تو حضرت معاذ بن جبلؓ کو اس غرض سے مقرر کر گئے کہ لوگوں کو اسلام کے مسائل اور احکام سکھائیں،

فتح مکہ اور بت شکنی | فتح مکہ کا اصلی مقصد اشاعت توحید اور اعلاء کلمۃ اللہ تھا، کعبہ میں سیکڑوں بت تھے، جن میں ہبل بھی تھا، جو بت پرستوں کا سب سے اعظم تھا، یہ انسان کی صورت کا تھا، اور

لہ فتح الباری ذکر فتح مکہ۔ ۲ فتح الباری ذکر فتح مکہ (اخبار مکہ ازرقی میں بہ تفصیل یہ واقعات مذکور ہیں)

یاقوت احمر سے بنا تھا سب سے پہلے جس نے اس کو کعبہ میں لاکر رکھا تھا خزیمہ بن مدرکہ تھا جو مضر کا پوتا اور عدنان کا پڑپوتا تھا ہبل کے سامنے سات تیر رہتے تھے جن پر "لا" و "نعم" لکھا ہوا تھا عرب جب کوئی کام کرنا چاہتے تھے، تو ان تیروں پر قرعہ ڈالتے اور "ہاں" یا "ناں" جو کچھ نکلتا اس پر عمل کرتے جنگ احد میں نے ابوسفیان نے اسی ہبل کی جے پکاری تھی، وہ عین کعبہ کے اندر تھا، چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو اور بتوں کے ساتھ وہ بھی برباد کر دیا گیا

مکہ کے اطراف میں اور بہت سے بڑے بڑے بت تھے جن کے لئے حج کی رسمیں ادا کی جاتی تھیں، ان میں سب سے بڑے لات، منات اور عزیٰ تھے، عزیٰ قریش کا اور لات اہل طائف کا معبود تھا مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر نخلہ ایک مقام ہے، عزیٰ یہیں منصوب تھا، بنو شیبان اس کے متولی تھے، اہل عرب کا اعتقاد تھا، کہ خدا جاڑوں میں لات کے ہاں اور گرمیوں میں عزیٰ کے ہاں بسر کرتا ہے، عزیٰ کے سامنے عرب وہ تمام مناسک اور رسوم بجالاتے تھے جو کعبہ میں بجالاتے تھے، اس کا طواف کرتے، اور اس پر قربانیاں چڑھاتے۔

منات کا تخت گاہ مشلل تھا، جو قدید کے پاس مدینہ منورہ سے سات میل ادھر ہے وہ ایک بن گھڑا پتھر تھا، ازد، غسان، اوس اور خزرج اس کا حج کرتے تھے، عمرو بن لحی نے جو اصنام قائم کئے تھے، یہ ان سب میں بالاتر تھا، اوس اور خزرج جب کعبہ کا حج کرتے،

لہ معجم البلدان ذکر ہبل بحوالہ ہشام بن محمد کلبی، ۱۲ تا تفصیل زرقانی جلد دوم صفحہ ۲۰۰ میں ہے۔

Marfat.com

تو احرام اُتارنے کی رسم (بال منڈانا) اسی کے پاس آکر ادا کرتے تھے[1]،

قبیلہ ہذیل کا بت سُواع تھا جو ینبع کے اطراف رہاط میں تھا، یہ ایک پتھر تھا اس کے متولی بنو لحیان تھے،

بُت پرستی کے یہ وہ طلسم تھے جن میں سارا عرب گرفتار تھا، اب ان کی بربادی کا وقت آچکا تھا، اور دفعۃً ہر جگہ خاک اڑنے لگی،

---

[1] معجم البلدان، ذکر منات،

Marfat.com

ہوازن و ثقیف

غزوہ حنین، واوطاس، وطائف

شوال ۸ھ

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ

حنین | حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے، ذوالمجاز عرب کا مشہور بازار اور عرفہ سے تین میل[1] ہے، یہ اس کے دامن میں ہے، اس مقام کو اوطاس بھی کہتے ہیں[2]، ہوازن ایک بڑے قبیلہ کا نام ہے، جس کی بہت سی شاخیں ہیں،

اسلام کی فتوحات کا دائرہ گو وسیع ہوتا جاتا تھا لیکن اہل عرب یہ دیکھ رہے تھے کہ ان کا قبلۂ اعظم یعنی مکہ اب تک محفوظ ہے، ان کا خیال تھا، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر قریش پر غالب آگئے اور مکہ فتح ہوگیا، تو بے شبہ وہ سچے پیغمبر ہیں، مکہ جب فتح ہوا، تو تمام قبائل نے خود پیش قدمی کی، اور اسلام قبول کرنا شروع کیا[3] لیکن ہوازن اور ثقیف پر اس کا الٹا اثر پڑا یہ قبیلے نہایت

---

(۱) یہاں مصنف کی عبارت میں کچھ اغلاق ہے، مطلب یہ ہے، کہ حنین زرقانی کی تصریح کے مطابق مکہ اور طائف کے درمیان عرب کے مشہور بازار ذوالمجاز کے پاس ہے، جو عرفہ سے تین میل ہے، ابن سعد نے تصریح کی ہے، کہ یہ مکہ سے تین دن کے سفر کی مسافت پر واقع ہے" س" (۲) قاضی عیاض کی یہی رائے ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن اسحاق کی تصریح کے مطابق یہ حنین کے علاوہ دیار ہوازن میں دوسری وادی کا نام ہے، فتح الباری و زرقانی ذکر غزوہ ہوازن واوطاس" س" (۳) صحیح بخاری ذکر فتح مکہ (بعد) باب مقام النبی بمکۃ،

Marfat.com

جنگجو اور فنون حرب سے واقف تھے، اسلام کو جس قدر غلبہ ہوتا جاتا تھا، یہ زیادہ مضطر ہوتے تھے[1]، کہ ان کی ریاست اور امتیاز کا خاتمہ ہوا جاتا ہے، اس بنا پر فتح مکہ (کے بعد) ہوازن (اور ثقیف) کے رؤسا نے (یہ سمجھ لیا، کہ اب ان کی باری ہے، اس لئے انہوں نے ایک دوسرے سے مل کر مشورہ کیا، اور آپس میں) قرارداد ہوگئی، کہ (مسلمانوں کے خلاف جو اس وقت مکہ میں جمع ہیں) ایک عام حملہ کر دیا جائے

(اس قرارداد کے مطابق یہ قبائل) بڑے زور شور کے ساتھ خود حملہ کے لئے بڑھے، جوش کا یہ عالم تھا، کہ ہر قبیلہ اپنا تمام اہل وعیال لے کر آیا تھا، کہ بچے اور عورتیں ساتھ ہوں گی، تو ان کی حفاظت کی غرض سے لوگ جانیں دیدیں گے،

اس معرکہ میں اگرچہ ثقیف اور ہوازن کی تمام شاخیں شریک تھیں، تاہم کعب اور کلاب الگ رہے، فوج کی سرداری کے لئے انتخاب (تو) مالک[2] بن عوف (کیا گیا جو قبیلہ ہوازن کا رئیس اعظم تھا لیکن مشیر کی حیثیت سے) دُرید بن الصمۃ (کو بھی ساتھ لے لیا گیا جو) عرب کا مشہور شاعر اور قبیلہ جشم کا سردار تھا، اس کی شاعری اور بہادری کے معرکے اب تک عرب کی تاریخ میں یادگار ہیں لیکن اس کی عمر سو برس سے زیادہ ہو چکی تھی، اور صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا، تاہم چونکہ عرب اس کو مانتا تھا، اور اس کی رائے و تدبیر پر تمام ملک کو اعتماد تھا، خود مالک بن عوف نے اس سے شرکت کی درخواست کی، پلنگ پر اٹھا کر اس کو میدان جنگ

---

[1] مارگولیوس صاحب لکھتے ہیں: "حکومت اسلامی کی وسعت اور استحکام سے بدوی قبائل جن کو رگستان کی آزادی بہت عزیز تھی، نہایت خائف تھے"۔ [2] مالک بن عوف غزوہ طائف کے بعد مسلمان ہو گئے تھے، اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں، جنگ قادسیہ میں شریک اور دمشق کے حاکم ہوئے، زرقانی جلد ۴ صفحہ ۶۶ س۔

میں لائے، اس نے پوچھا، یہ کون سا مقام ہے، لوگوں نے کہا" اوطاس" بولا، کہ ہاں یہ مقام جنگ کے لئے موزوں ہے، اس کی زمین نہ بہت سخت ہے، نہ اس قدر نرم کہ پاؤں دھنس جائیں" پھر پوچھا، کہ" یہ بچوں کے رونے کی آوازیں کیسی آرہی ہیں" لوگوں نے کہا، کہ" بچے اور عورتیں ساتھ آئی ہیں، کہ کوئی شخص پاؤں پیچھے نہ ہٹائے" بولا کہ" جب پاؤں اکھڑ جاتے ہیں، تو کوئی چیز روک نہیں سکتی، میدان جنگ میں صرف تلوار کام دیتی ہے، بدقسمتی سے اگر شکست ہوئی، تو عورتوں کی وجہ سے اور بھی ذلت ہوگی"

پھر پوچھا، کہ" کعب اور کلاب بھی شریک ہیں یا نہیں" اور جب یہ معلوم ہوا، کہ ان معزز قبیلوں کا ایک شخص بھی میدان جنگ میں نہیں، تو کہا" اگر آج کا دن عزت و شرف کا دن ہوتا تو کعب و کلاب غیر حاضر نہ ہوتے" اس کی رائے تھی، کہ میدان سے ہٹ کر کسی محفوظ مقام میں فوجیں جمع کی جائیں، اور وہیں اعلان جنگ کیا جائے، لیکن مالک بن عوف نے جو سنّ ۲۰ سالہ نوجوان تھا، جوش شباب میں اس رائے کے قبول کرنے سے انکار کیا، اور کہا کہ آپ خرف ہو چکے، آپ کی عقل بے کار ہو چکی[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (مکہ میں) ان واقعات کی خبر پہنچی، تو آپ نے تصدیق کے لئے حضرت عبداللہؓ بن ابی حدرد کو بھیجا، وہ جاسوس بن کر حنین میں آئے، اور کئی دن تک فوج میں رہ کر تمام حالات تحقیق کئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبوراً مقابلہ کی تیاریاں کیں، رسد اور سامان جنگ کے لئے قرض کی ضرورت پیش آئی، عبداللہ بن ربیعہ جو ابوجہل کے بھائی

---

[1] یہ تمام تفصیل طبری میں ہے (جلد ۲ صفحہ ۱۶۵۵ تا ۱۶۵۷ ص)

بھائی تھے، نہایت دولت مند تھے، ان سے تیس ہزار درہم قرض[1] لئے، صفوان بن امیہ جو مکہ کا رئیس اعظم اور مہمان نوازی میں مشہور تھا، لیکن اب تک اسلام نہیں لایا تھا، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلحہ جنگ مستعار مانگے، اس نے سو زرہیں اور ان کے لوازمات پیش کئے[2]،

شوال ۸ھ مطابق جنوری و فروری ۶۳۰ء میں اسلامی فوجیں جن کی تعداد بارہ ہزار تھی اس سروسامان سے حنین پر بڑھیں، کہ (بعض) صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل گیا کہ آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے، لیکن بارگاہِ ایزدی میں یہ نازش پسند نہ تھی،

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ	اور حنین کا دن یاد کرو، جب تم اپنی کثرت
فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ	پر نازاں تھے، لیکن وہ کچھ کام نہیں آئی
عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ	اور زمین باوجود وسعت کے تنگی کرنے
وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ۝ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ	لگی، پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے، پھر
سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى	اللہ نے اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر تسلی
الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا	نازل کی، اور ایسی فوجیں بھیجیں، جو تم نے
وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَٰلِكَ جَزَاءُ	نہیں دیکھیں، اور کافروں کو عذاب دیا، اور
الْكَافِرِينَ ۝ (توبۃ - ۴)	کافروں کی یہی سزا ہے،

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۹۰، اصابہ میں امام بخاری سے بھی یہ روایت نقل کی گئی ہے، لیکن اس میں دس ہزار کی تعداد ہے

[2] مولفا میں ہے، کہ جب آپ نے اس ہتھیار مانگے، تو اس نے کہا جبراً یا طوعاً (یعنی جبراً مانگتے ہو، تو میں نہیں دیتا، آپ نے فرمایا جبراً نہیں طوعاً (ابوداؤد باب الضمانۃ میں بھی اس قسم کی روایت ہے،)

فتح کے بجائے دہلہ اول میں مطلع صاف تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر دیکھا، تو رفقائے خاص میں سے بھی کوئی پہلو میں نہ تھا، حضرت ابو قتادہؓ جو شریک جنگ تھے، ان بیان ہے کہ جب لوگ بھاگ نکلے، تو میں نے ایک کافر کو دیکھا، کہ ایک مسلمان کے سینہ پر سوار ہے

لہ لیکن اور روایتوں میں چند اصحاب کا ثابت قدم رہنا مذکور ہے، ان دونوں روایتوں کی تطبیق یہ ہے، کہ یہ دو مختلف وقفوں کے حالات ہیں، راوی نے اپنا مشاہدہ لکھا ہے، تفصیل آگے آئے گی، مصنف نے آیندہ تفصیل کا جو وعدہ کیا تھا، وہ پورا نہیں ہو سکا، اس لئے تفصیل کی ضرورت ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں چند باتیں قابل تشریح ہیں،

(۱) پہلی یہ کہ مصنف نے دہلہ اول میں مسلمانوں کی شکست تسلیم کی ہے، یہ ابن اسحاق وغیرہ اہل سیر کی رائے ہے، لیکن حدیث صحیح کا بیان ہے، کہ مسلمانوں کو پہلے کامیابی ہوئی، لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے، دشمن کے تیر اندازوں نے موقع پا کر تیر اندازی شروع کر دی، جس سے مسلمانوں کی صفوں میں بے ترتیبی، انتشار اور پراگندگی پیدا ہو گئی، بخاری میں حضرت براءؓ کے الفاظ یہ ہیں،

وانا لمّا حملنا علیھم انکشفوا فاکببنا علی الغنائم فاستقبلنا بالسھام، (بخاری غزوہ حنین)	اور ہم نے جب ان پر حملہ کیا، تو وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے، تو ہم لوگ، مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے، تو انہوں نے ہم کو تیروں پر دھر لیا

(۲) دوسری بات یہ ہے، کہ شکست کے ظاہری اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا، کہ اس جنگ میں کچھ لوگ محض اس غرض سے ہی شریک ہوئے تھے، کہ مسلمانوں کو عین جنگ میں دھوکہ دیں، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ام سلیمؓ نے جو اس جنگ میں شریک تھیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، کہ یا رسول اللہ! ان طلقاء کو قتل کر دیجئے، انہی کی وجہ سے شکست ہوئی ہے، الفاظ یہ ہیں،

اقتل من بعدنا من الطلقاء انھزموا بك (غزوۃ النساء مع الرجال)	ہمارے سوا ان طلقاء کو قتل کر دیجئے، انہی نے آپ کو شکست دلوائی،

میں نے عقب سے اس کے شانہ پر تلوار ماری، جو زرہ کو کاٹ کر اندر اتر گئی، اس نے مڑ کر مجھ کو اس زور سے دیوچا، کہ میری جان پر بن گئی، لیکن پھر وہ ٹھنڈا ہو کر گر پڑا، اسی اثنا میں میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا، پوچھا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے، بولے کہ "قضائے الٰہی یہی تھی"[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۴) امام نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:-

لم یحصل الفرار من جمیعھم وانما	سب لوگ نہیں بھاگے تھے بلکہ مکہ کے مؤلفۃ
فتح علیھم من فی قلبہ مرض من	القلوب میں جو منافق تھے اور مکہ کے مشرکین جو
مسلمۃ اھل مکۃ المولفۃ ومشرکیھا	اس جنگ میں شریک ہو گئے تھے، اور جو اب
الذین لم یکونوا اسلموا وانما کانت	تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) انہوں نے بھاگنا
ھزیمتھم فجأۃ لانصابھم علیھم	شروع کیا، اور یہ ناگہانی ہزیمت اس وجہ سے
دفعۃ واحدۃ ورشقھم بالسھام	ہوئی کہ انہوں نے ایک ساتھ تیروں کی
ولاختلاط اھل مکۃ معھم ممن	بارش شروع کر دی تھی، اور فوج میں ایسے
لم یستقر الایمان فی قلبہ وممن	اہل مکہ بھی تھے جن کے دلوں میں ایمان راسخ
یتربص بالمسلمین الدوائر وفیھم	نہیں ہوا تھا، اور مسلمانوں پر مصائب کے منتظر
نساء وصبیان خرجوا للغنیمۃ	تھے، اس میں عورتیں اور بچے بھی تھے، جو
(غزوہ حنین)	غنیمت کے لئے آئے تھے،

مورخ طبری نے اس موقع پر مکہ کے ان طلقاء کی زبان سے جو فقرے نقل کئے ہیں، وہ بھی اسی راز کی پردہ کشائی کرتے ہیں، کہ اہل مکہ اس جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ دل سے نہ تھے (جلد ۲ صفحہ ۱۶۶، لائیڈن)

متقدم مفسروں میں سے ابن جریر طبری نے لکھا ہے ان الطلقاء انجلفوا یومئذ بالناس وخلوا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ابن جریر طبری جلد ۱ صفحہ ۶۲)

عہد متوسط کے مفسروں میں سے ابو حیان اندلسی کے الفاظ یہ ہیں،

[1] صحیح بخاری غزوہ حنین (جلد ۱ صفحہ ۶۱۸) س"

Marfat.com

شکست کے مختلف اسباب تھے، مقدمۃ الجیش میں جو حضرت خالدؓ کی افسری میں تھا، زیادہ تر فتح مکہ کے جدید الاسلام نوجوان تھے، وہ جوانی کے غرور میں اسلحہ جنگ پہن کر بھی نہیں آئے تھے[1]، فوج میں دو ہزار طلقاء یعنی وہ لوگ تھے، جو اب تک اسلام نہیں لائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۵)

یقال ان الطلقاء من اھل مکۃ فروا وقصدوا القاء الھزیمۃ فی المسلمین (بحر المحیط ج ۵ ص ۲۴)	کہا جاتا ہے، کہ مکہ کے طلقاء بھاگے تھے اور ان کا مقصد یہ تھا، کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے،

متاخر مفسروں میں سے صاحب روح المعانی نے تفسیر سورۂ توبہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں:-

وکان اول من انھزم الطلقاء مکرا منھم وکان ذلک سببا لوقوع الخلل وھزیمۃ غیرھم (جلد ۱۰ ص ۳۶)	سب سے پہلے طلقاء مکہ فریب سے شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے، اس سے مسلمانوں میں بے ترتیبی اور پسپائی کی صورت پیدا ہوئی،

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ پسپائی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت ثابت قدم رہی،

اس سلسلہ میں بنائے اشتباہ بخاری کی حضرت انسؓ والی روایت ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:-

"فادبروا عنہ حتی بقی وحدہ" (لوگ پیچھے ہٹ گئے یہاں تک کہ آپؐ تنہا رہ گئے) مصنف نے ان الفاظ کو اپنے پیش نظر رکھا ہے، لیکن ظاہر ہے، کہ اس کا مقصد یہ ہے، کہ جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، وہاں کوئی نہ تھا، اسی لئے اس روایت میں حضرت انسؓ ارشاد فرماتے ہیں، کہ جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو آواز دی، تو انصار نے یہ الفاظ کہے لبیک یا رسول اللہ ابشر نحن معک (ہم حاضر ہیں یا رسول اللہ! آپ خوش ہیں، کہ ہم آپ کے پاس ہیں) اسی باب میں حضرت انسؓ کی ایک روایت اس سے پہلے ہے، جس میں انصار کے الفاظ یہ ہیں، لبیک یا رسول اللہ! وسعدیک نحن بین یدیک (بخاری غزوہ طائف) ہم حاضر ہیں، یا رسول اللہ! ہم آپ کے سامنے ہیں،

حافظ ابن حجر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہائی اور رفقائے خاص کے پاس رہنے کی تطبیق ان الفاظ میں کی ہے:-

ویجمع بین قولہ حتی بقی وحدہ	اور اس قول میں کہ حضور تنہا رہ گئے، اور ان

[1] بخاری باب الجہاد، باب من صف اصحابہ عند الھزیمۃ ونزول عن دابتہ" س"

Marfat.com

تھے[1]، ہوازن تیراندازی میں تمام عرب میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، میدان جنگ میں ان کا ایک تیر بھی خالی نہیں جاتا تھا[2]، کفار نے معرکہ گاہ میں پہلے پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا تھا، اور تیراندازوں کے دستے پہاڑ کی گھاٹیوں، کھوؤں اور دروں میں جابجا جما

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۶)

وبین الاخبار الدالۃ علی انہ بقی	واقعات میں جو اس پر دال ہیں کہ حضورؐ کے ساتھ
معہ جماعۃ بان المراد بقی	صحابہؓ کی ایک جماعت تھی، تطبیق یہ ہے کہ حضورؐ
وحدہ متقدما علی العدو	دشمن کے سامنے سب سے آگے مقام میں تھے
والذین ثبتوا معہ کانوا	اور جو آپؐ کے ساتھ ثابت قدم تھے، وہ آپؐ
وراءہ (ج ۸ ص۲۴ مصری)	کے پیچھے تھے۔

دوسرے یہ کہ بخاری ہی میں حضرت براءؓ کی جو روایت ہے، اس میں حضرت براءؓ تصریح کرتے ہیں کہ ابوسفیان بن حارث اس وقت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے، اور آپؐ کی سواری کی لگام تھامے تھے (غزوہ حنین، بخاری)

مسلم میں حضرت عباسؓ کے پر زور الفاظ یہ ہیں، کہ میں نے اور ابوسفیان بن حارث نے حضورؐ سے علیحدگی اختیار نہیں کی،

فلزمت انا وابوسفیان بن الحارث بن عبد المطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم نفارقہ (مسلم غزوہ حنین) صحیحین کی ان روایات کے سوا روایات ذیل بھی پیش رہنا ضرور ہے

(۱) ابن ابی شیبہ کی ایک مرسل روایت میں جو حکم بن عتیبہ سے مروی ہے، چار آدمیوں کا حضورؐ کی خدمت میں حاضر رہنا بتایا گیا ہے (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۲۳)

(۲) ترمذی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے، کہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سو آدمی بھی باقی نہیں رہ گئے تھے (ترمذی ابواب الجہاد، باب ما جاء فی الثبات عند القتال)

[1] مصنف کا یہ فقرہ واضح نہیں ہے، مقصود یہ ہے، کہ گو وہ کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو چکے تھے، جیسا کہ عمدۃ القاری جلد ہشتم صفحہ ۳۵۹ مصر اور شرح مسلم نووی غزوۃ النساء مع الرجال میں ہے، لیکن منورہ تازہ مسلمان تھے، راسخ الاسلام نہیں ہوئے تھے، اس لئے مہاجرین و انصار جیسا استقلال و ثبات ان میں اس وقت پیدا نہیں ہوا تھا" س"

[2] بخاری باب الجہاد (باب مذکور) "س"

دیئے تھے، فوج اسلام نے صبح کے وقت جب خوب اجالا بھی نہیں ہوا تھا حملہ کیا، میدان جنگ اس قدر نشیب میں تھا، کہ پاؤں جم نہیں سکتے تھے، حملہ آوروں کا بڑھنا تھا کہ سامنے سے ہزاروں فوجیں ٹوٹ پڑیں، ادھر کمینگاہوں سے قدر اندازوں کے دستے نکل آئے اور تیروں کا مینہ برسا دیا، مفدمۃ الجیش ابتری کے ساتھ بے قابو ہو کر پیچھے ہٹا، اور پھر تمام فوج کے پاؤں اکھڑ گئے صحیح بخاری میں ہے فادبر واعنہ حتی بقی وحدہ یعنی سب لوگ ٹل گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۷) (۳) مسند احمد جلد اول صفحہ ۴۵۳) وحاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے، کہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اسی آدمی باقی رہ گئے تھے (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۲۳)

(۴) بیہقی نے حارثہ بن نعمان سے روایت کیا ہے، کہ سو آدمی باقی رہ گئے تھے (زرقانی جلد ۳ صفحہ ۲۴) ابونعیم نے دلائل میں سو کی تفصیل بتائی ہے، کہ تیس سے کچھ زائد مہاجرین تھے، بقیہ انصار تھے (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۲۳)

(۵) ابن اسحاق کی روایت ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت مہاجرین، انصار اور اہل بیت میں سے حسب ذیل اصحاب موجود تھے،

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب، حضرت ابوسفیانؓ بن حارث، حضرت جعفرؓ بن ابی سفیانؓ بن حارث، حضرت فضل بن عباسؓ، حضرت ربیعہؓ بن حارث، حضرت اسامہؓ بن زید، حضرت ایمنؓ بن ام ایمن

اس تفصیل کا حال یہ ہے، کہ حضرت انسؓ کے الفاظ "بقی وحدہ" اپنے ظاہری معنی پر باقی نہیں رہ سکتے، حافظ ابن حجر نے اس کی توجیہ یہ کی ہے، کہ ان الفاظ کا مطلب یہ ہے، کہ حضورؐ آگے اور بقیہ لوگ پیچھے تھے، لیکن اس کی صاف توجیہ یہ ہے، کہ ان الفاظ سے ثابت قدم رہنے والوں کی کمی کا ظاہر کرنا مقصود ہے، ورنہ حقیقت یہ نہ تھی،

دوسری روایات میں ثابت قدم رہنے والوں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، اس کی مختلف توجیہیں کی گئی ہیں ملاحظہ ہو زرقانی جلد ۳ صفحہ ۲۴) لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ لوگ حضرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس تھے، اور تھوڑی تھوڑی تعداد میں حضور کے پاس پہنچنے لگے، یہاں تک کہ خاصی جماعت حضور کے گرد جمع ہو گئی، اسی وجہ سے مختلف لوگوں نے مختلف تعداد بتلائی ہے" س" (۱) بخاری غزوہ طائف)

تیروں کا مینہ برس رہا تھا، بارہ ہزار فوجیں ہوا ہو گئی تھیں لیکن ایک پیکر مقدس پا برجا تھا جو تنہا ایک فوج، ایک ملک، ایک اقلیم، ایک عالم، بلکہ مجموعہ کائنات تھا صلی اللہ علیہ وسلم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنی جانب دیکھا، اور پکارا یا معشر الانصار! آواز کے ساتھ صدا آئی "ہم حاضر ہیں" پھر آپ نے بائیں جانب مڑ کر پکارا، اب بھی وہی آواز آئی، آپ سواری سے اتر پڑے، اور جلال نبوت کے لہجہ میں فرمایا "میں خدا کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں"[1]

بخاری کی دوسری روایت میں ہے،

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ	میں پیغمبر ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے
اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ	میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں

حضرت عباسؓ نہایت بلند آواز تھے آپ نے ان کو حکم دیا، کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو، انہوں نے نعرہ مارا،

یا معشر الانصار!	او گروہ انصار!
یا اصحاب الشجرۃ!	او اصحاب الشجرۃ (بیعت رضوان والے)

اس پر اثر آواز کا کانوں میں پڑنا تھا، کہ دفعۃً تمام فوج پلٹ پڑی جن لوگوں کے گھوڑے کشمکش اور گھمسان کی وجہ سے مڑ نہ سکے، انہوں نے زرہیں پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے، دفعۃً لڑائی کا رنگ بدل گیا، کفار بھاگ نکلے، اور جو رہ گئے، ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں، بنو مالک (ثقیف کی ایک شاخ تھی) جم کر لڑے لیکن ان کے ستر آدمی

[1] صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۲۱ غزوہ (طائف)

Marfat.com

مارے گئے، اور جب ان کا علمبردار عثمان بن عبداللہ مارا گیا، تو وہ بھی ثابت قدم نہ رہ سکے، شکست خوردہ فوج ٹوٹ پھوٹ کر (کچھ اوطاس میں جمع ہوئی اور کچھ) طائف میں جاکر پناہ گزین ہوئی جس کے ساتھ یہ سالار لشکر (مالک بن عوف) بھی تھا،

اوطاس | درید بن الصمہ کئی ہزار کی جمعیت لے کر اوطاس میں آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت ابوعامرؓ اشعری کے ماتحت) تھوڑی سی فوج اس کے استیصال کے لئے بھیجدی (حضرت ابوعامرؓ) درید کے بیٹے کے ہاتھ سے مارے گئے، اور علم اسلام اس کے ہاتھ میں تھا، یہ حالت دیکھ کر حضرت ابوموسیٰؓ اشعری نے آگے بڑھ کر حملہ کیا، دشمن کو قتل کرکے علم اس کے ہاتھ سے چھین لیا، درید ایک خچر پر ہودج میں سوار تھا، ربیعہ بن رفیعؓ نے اس پر تلوار کا وار کیا لیکن اچٹ کر رہ گئی، اس نے کہا "تیری ماں نے تجھ کو اچھے ہتھیار نہیں دیئے" پھر کہا کہ "میرے محل میں تلوار ہے نکال لو، اور جب اپنی ماں کے پاس واپس جانا، تو کہنا میں نے درید کو قتل کر دیا" ربیعہؓ نے جاکر ماں کو اس کے قتل کی خبر دی، تو اس نے کہا، خدا کی قسم درید نے تیری تین ماؤں کو آزاد کیا تھا،

اسیران جنگ کی تعداد ہزاروں سے زیادہ تھی، ان میں حضرت شیماؓ بھی تھیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن تھیں، لوگوں نے جب ان کو گرفتار کیا، تو انہوں نے کہا "میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں" لوگ تصدیق کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے انہوں نے پیٹھ کھول کر دکھائی، ایک دفعہ بچپن میں آپؐ نے دانت سے کاٹا تھا یہ

لہ مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۹۹ ؎ طبری (جلد ۳) صفحہ ۱۶۶۶ مطبوعہ یورپ،

Marfat.com

اس کا نشان ہے، فرط محبت سے آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، ان کے بیٹھنے کے لئے خود ردائے مبارک بچھائی، محبت کی باتیں کیں، چند شتر اور بکریاں عنایت فرمائیں، اور ارشاد کیا، کہ جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو، اور گھر جانا چاہو، تو وہاں پہنچا دیا جائے، انہوں نے خاندان کی محبت سے وطن جانا چاہا، چنانچہ عزت و احترام کے ساتھ پہنچا دی گئیں

محاصرہ طائف | حنین کی بقیہ شکست خوردہ فوج طائف میں جا کر پناہ گزین ہوئی، اور جنگ کی تیاریاں شروع کیں، طائف نہایت محفوظ مقام تھا، طائف اس کو اس لئے کہتے ہیں، کہ اس کے گرد شہر پناہ کے طور پر چار دیواری تھی، یہاں ثقیف کا جو قبیلہ آباد تھا، نہایت شجاع تمام عرب میں ممتاز اور قریش کا گویا ہمسر تھا، عروہ بن مسعود جو یہاں کا رئیس تھا، ابوسفیان (حضرت امیر معاویہؓ کے باپ) کی لڑکی اس کو بیاہی تھی، کفار مکہ کہتے تھے، کہ قرآن اگر اترتا، تو مکہ یا طائف کے رؤسا پر اترتا، یہاں کے لوگ فن جنگ سے بھی واقف تھے، طبری اور ابن اسحاق نے لکھا ہے، کہ عروہ بن مسعود اور غیلان بن سلمہ نے جرش (یمن کا ایک ضلع) میں جا کر قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ، ضبور اور منجنیق کے بنانے اور استعمال کرنے کا فن سیکھا تھا[۲]،

یہاں ایک محفوظ قلعہ تھا، اہل شہر اور حنین کی شکست خوردہ فوج نے اس کی مرمت کی، سال بھر کا رسد کا سامان جمع کیا، چاروں طرف منجنیق اور جا بجا قدر انداز متعین کئے[۳]،

---

[۱] طبقات ابن سعد و اصابہ و طبری (جلد ۳ صفحہ ۱۶۶۸) [۲] طبری (جلد ۳) صفحہ ۱۶۶۹، مطبوعہ یورپ [۳] تاریخ خمیس جلد دوم صفحہ ۱۲۲ و ابن سعد،

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے مال غنیمت اور اسیران جنگ کے متعلق حکم دیا، کہ جعرانہ میں محفوظ رکھے جائیں، اور خود طائف کا عزم کیا حضرت خالدؓ مقدمۃ الجیش کے طور پر پہلے روانہ کر دیئے گئے تھے، غرض محاصرہ ہوا، اور اسلام میں یہ پہلا موقعہ تھا، کہ قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ اور منجنیق استعمال کئے گئے، دبابہ پر اہل قلعہ نے لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں اور اس شدت کی تیر باری کی، کہ حملہ آوروں کو ہٹنا پڑا، بہت سے لوگ زخمی ہوئے، بیس دن تک محاصرہ رہا، لیکن شہر فتح نہ ہو سکا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل بن معاویہ کو بلا کر پوچھا، کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا، لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے، اگر کوشش جاری رہی، تو پکڑ لی جائے گی، لیکن چھوڑ دی جائے، تب بھی کچھ اندیشہ نہیں،

چونکہ صرف مدافعت مقصود تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے، صحابہؓ نے عرض کی، آپؐ ان کو بددعا دیں، آپؐ نے یہ دعا دی[1]،

اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَّ ائْتِ بِھِمْ — اے خدا، ثقیف کو ہدایت کر، اور توفیق دے، کہ میرے پاس حاضر ہو جائیں،

تقسیم غنائم محاصرہ چھوڑ کر آپؐ جعرانہ تشریف لائے، غنیمت کا بیشمار ذخیرہ تھا، چھ ہزار اسیران جنگ، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار (سے زیادہ) بکریاں، اور چار ہزار اوقیہ چاندی[2] اسیران جنگ کے متعلق آپؐ نے انتظار کیا، ان کے عزیز و اقارب آئیں، تو ان سے گفتگو کی جائے، لیکن کئی دن گذرنے پر کوئی نہ آیا، مال غنیمت کے پانچ حصے کئے گئے، چار حصے حسب قاعدہ

---

[1] ابن سعد (جزء مغازی صفحہ ۱۱۵) س [2] طبقات ابن سعد (جزء مغازی صفحہ ۱۱۰) س

اہل فوج کو تقسیم کئے گئے خمس بیت المال اور غربا و مساکین کے لئے رکھا گیا،

مکہ کے اکثر رؤسا جنہوں نے حال میں اسلام قبول کیا تھا، ابھی تک مذبذب الاعتقاد تھے، انہی کو قرآن مجید میں مؤلفۃ القلوب کہا ہے، قرآن مجید میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف بیان کئے ہیں، ان لوگوں کا نام بھی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو نہایت فیاضانہ انعامات دیئے جن کی تفصیل یہ ہے،

ابوسفیان مع اولاد	۳۰۰، اونٹ اور ۱۲، اوقیہ چاندی
حکیم بن حزام	۲۰۰، اونٹ،
نُضیر بن حارث بن کلدہ ثقفی	۱۰۰، اونٹ،
صفوان بن امیہ	۱۰۰، اونٹ،
قیس بن عدی	۱۰۰، اونٹ،
سہیل بن عمرو	۱۰۰، اونٹ،
حویطب بن عبدالعزیٰ	۱۰۰، اونٹ،
(ان کے علاوہ تین غیر مکی نومسلم رئیس بھی ان انعامات کے مستحق ٹھہرے)	
اقرع بن حابس (تمیمی)	۱۰۰، اونٹ،
عیینہ بن حصن فزاری،	۱۰۰، اونٹ،
مالک بن عوف نصری،	۱۰۰، اونٹ،
ان کے سوا بہت سے لوگوں کو پچاس پچاس اونٹ عطا فرمائے، عام تقسیم کی رُو سے	

Marfat.com

فوج کے حصہ میں جو آیا، وہ فی کس چار اونٹ اور چالیس بکریاں تھیں لیکن چونکہ سواروں کو تگنا، حصہ ملتا تھا، اس لئے ہر سوار کے حصہ میں بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں آئیں،

جن لوگوں پر انعام کی بارش ہوئی، عموماً اہل مکہ اور اکثر جدید الاسلام تھے اس پر انصار کو رنج ہوا، بعضوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو انعام دیا، اور ہم کو محروم رکھا، حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں[1] بعض بولے، کہ مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے، اور غنیمت اوروں کو ملتی ہے[2]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چرچے سنے، تو انصار کو طلب فرمایا، ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا، جس میں لوگ جمع ہوئے، آپ نے انصار کی طرف خطاب کیا، کہ تم نے ایسا کہا؟ لوگوں نے عرض کی، کہ "حضور! ہمارے سربرآوردہ لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا، نوخیز نوجوانوں نے یہ فقرے کہے تھے"[3] صحیح بخاری باب مناقب الانصار میں حضرت انسؓ سے روایت ہے، کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر پوچھا، کہ یہ کیا واقعہ ہے، تو چونکہ انصار جھوٹ نہیں بولتے تھے، انہوں نے کہا "آپ نے جو سنا صحیح ہے"۔

آپ نے ایک خطبہ دیا، جس کی نظیر فن بلاغت میں نہیں مل سکتی، انصار کی طرف خطاب فرما کر کہا:۔

"کیا یہ سچ نہیں ہے، کہ تم پہلے گمراہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو ہدایت کی، تم منتشر

---

[1] طبقات ابن سعد، جزء مغازی صفحہ ۱۰۱ و زرقانی علی المواہب جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ س [2] صحیح بخاری غزوہ طائف، [3] صحیح بخاری مطبوعہ مطبع نظامی صفحہ ۶۲۱ [4] صحیح بخاری صفحہ ۶۲۰ باب غزوہ طائف ۶ س

اور پراگندہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا، تم مفلس تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولت مند کیا۔"

آپؐ یہ فرماتے جاتے تھے، اور ہر فقرہ پر انصار کہتے جاتے تھے، کہ "خدا اور رسول کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔"[1]

آپؐ نے فرمایا، نہیں تم یہ جواب دو، کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تجھ کو جب لوگوں نے جھٹلایا، تو ہم نے تیری تصدیق کی، تجھ کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا، تو ہم نے پناہ دی، تو مفلس تھا، ہم نے ہر طرح کی مدد کی،

یہ کہہ کر آپؐ نے فرمایا، کہ "تم یہ جواب دیتے جاؤ، اور میں یہ کہتا جاؤں گا، کہ تم سچ کہتے ہو، لیکن اے انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں، کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں، اور تم محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے گھر آؤ۔"

انصار بے اختیار چیخ اٹھے، کہ "ہم کو صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم درکار ہیں۔" اکثروں کا یہ حال ہوا، کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں، آپؐ نے انصار کو سمجھایا، کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں، میں نے ان کو جو کچھ دیا، حق کی بنا پر نہیں، بلکہ تالیفِ قلب[2] کے لئے دیا،

حنین کے اسیرانِ جنگ اب تک جعرانہ میں محفوظ تھے، ایک معزز سفارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، کہ اسیرانِ جنگ رہا کر دیئے جائیں، یہ وہ قبیلہ تھا، کہ آپ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہؓ اسی قبیلہ کی تھیں، رئیس قبیلہ (زہیر بن صُرد) نے

---

[1] صحیح بخاری صفحہ ۶۲۰ باب غزوہ طائف و فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۴۱ [2] صحیح بخاری و فتح الباری، پوری تفصیل فتح الباری

کھڑے ہو کر تقریر کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہو کر کہا "جو عورتیں چھپروں میں محبوس ہیں، انہی میں تیری پھوپھیاں اور تیری خالائیں ہیں، خدا کی قسم! اگر سلاطین عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا، تو ان سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں، اور تجھ سے تو اور بھی زیادہ توقعات ہیں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ "خاندان عبدالمطلب کا جس قدر حصہ ہے، وہ تمہارا ہے لیکن عام رہائی کی تدبیر یہ ہے، کہ نماز کے بعد جب مجمع ہو، تو سب کے سامنے یہ درخواست پیش کرو" نماز ظہر کے بعد ان لوگوں نے یہ درخواست مجمع کے سامنے پیش کی، آپ نے فرمایا "مجھ کو صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے لیکن میں تمام مسلمانوں سے ان کے لئے سفارش کرتا ہوں" مہاجرین اور انصار بول اٹھے "ہمارا حصہ بھی حاضر ہے" اس طرح چھ ہزار دفعۃً آزاد ہوئے[1]،

واقعات متفرقہ | حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے اسی سال ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم رکھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بچہ سے نہایت محبت تھی ڈیڑھ سال (سترہ یا اٹھارہ مہینے) زندہ رہا، جس دن ابراہیمؓ نے وفات پائی، سورج گرہن ہوا، عرب کا عقیدہ تھا، کہ سورج گرہن کسی عظیم الشان انسان کی موت کی علامت ہے، لوگوں نے سمجھا، کہ یہ ابراہیم کی موت کا نتیجہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا، کہ "سورج اور چاند خدا کی قدرت ہیں، کسی کے مرنے اور جینے سے ان میں گرہن نہیں لگتا" اس کے بعد آپ نے کسوف کی نماز باجماعت ادا فرمائی[2]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا بھی اسی سال انتقال ہوا،

[1] طبری جلد ۳ صفحہ ۲۱۶ [2] بخاری باب کسوف،

سنہ ۹ھ

واقعہ ایلاء، و تخییر و غزوۂ تبوک

ایلاء اور تخییر سنہ ۹ھ[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زاہدانہ اور تمام زخارفِ دنیوی سے بیگانہ زندگی بسر کرتے تھے، دو، دو مہینے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی، آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے، مدت العمر دو وقت برابر سیر ہو کر کھانا نصیب نہیں ہوا،

ازواج مطہراتؓ اس جنس لطیف میں شامل تھیں، جن کی مرغوب ترین چیز عموماً زیب و زینت اور ناز و نعمت ہے، اور گو شرف صحبت نے ان کو تمام ابنائے جنس سے ممتاز کر دیا تھا، تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہو سکتی تھی، خصوصاً وہ دیکھتی تھیں، کہ فتوحات اسلام کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے، اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچ گیا ہے، کہ اس کا ادنیٰ حصہ بھی ان کی راحت و آرام کے لئے کافی ہو سکتا ہے، ان واقعات کا اقتضا تھا، کہ ان کے صبر و قناعت کا جام لبریز ہو جاتا،

---

[1] بعض محدثین کی رائے ہے، کہ یہ ذی الحجہ ۵ھ کا واقعہ ہے، اس اشتباہ کا سبب یہ ہے کہ بعض روایتوں میں مذکور ہوا ہے کہ یہ زلزلہ بجائے پہلے کا واقعہ ہے لیکن آگے چل کر حضرت عمرؓ کی روایت میں مذکور ہے کہ جب اس حادثہ کی مبہم خبر سے مسلمانوں میں اضطراب دیکھا تو سمجھے کہ غسان کا بادشاہ حملہ آور ہوا، جس کی اطلاع پہلے ہو چکی تھی، غسان کا حملہ ۹ھ میں ہونے والا تھا، حافظ ابن حجر اور محدث دمیاطی نے بدلائل ثابت کیا ہے، کہ یہ اوائل ۹ھ کا واقعہ ہے (دیکھو فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۵۲۰) س"

Marfat.com

ازواج مطہرات میں بڑے بڑے گھرانوں کی خاتونیں تھیں، حضرت ام حبیبہؓ تھیں، جو رئیس قریش کی صاحبزادی تھیں، حضرت جویریہؓ تھیں، جو قبیلہ بنی المصطلق کے رئیس کی بیٹی تھیں، حضرت صفیہؓ تھیں، جن کا باپ خیبر کا رئیس اعظم تھا، حضرت عائشہؓ تھیں، جو حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھیں، حضرت حفصہؓ تھیں، جن کے والد فاروقؓ اعظم بشریت کے اقتضاء سے ان میں منافست بھی تھی اور حریف کے مقابلہ میں اپنے رتبہ اور شان کا خیال رہتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر ایک کو جو شدید محبت تھی وہ ع باسایہ ترا می پسندم کی حد تک تھی،

ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے، جس کی وجہ یہ تھی، کہ حضرت زینبؓ کے پاس کہیں سے شہد آگیا تھا، انہوں نے آپ کے سامنے پیش کیا، آپؐ کو شہد بہت مرغوب تھا، آپ نے نوش فرمایا، اس میں وقت مقررہ سے دیر ہوگئی، حضرت عائشہؓ کو رشک ہوا، حضرت حفصہؓ سے کہا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہمارے یا تمہارے گھر میں آئیں، تو کہنا چاہیئے، کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے (مغافیر کے پھولوں سے شہد کی مکھیاں رس چوستی ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی، کہ میں شہد نہ کھاؤں گا، اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ	اے پیغمبر! اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے تم خدا کی
تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ (تحریم ۔ ۱)	حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو،

لہ صحیح بخاری تفسیر سورہ تحریم، اس واقعہ کو بخاری کتاب الطلاق میں زیادہ تفصیل سے لکھا ہے، جس میں یہ بھی ہے کہ اس تدبیر میں اور ازواج مطہرات بھی شریک کر لی گئیں، اور جس نے اول اس کا اظہار کیا، وہ حضرت سودہ تھیں،

Marfat.com

علامہ عینی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے،

فان قلت کیف جاز لعائشة	اگر کوئی یہ کہے، کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت
وحفصة الکذب والمواطاة	حفصہؓ کو جھوٹ بولنا، اور آنحضرت صلی اللہ
التی فیھا ایذاء رسول اللہ	علیہ وسلم کے خلاف سازش کرنا کیونکر
صلی اللہ علیہ وسلم قلت کانت	جائز تھا، تو جواب یہ ہے، کہ حضرت عائشہؓ
عائشة صغیرة مع انھا وقعت	کمسن تھیں، اور اس کے علاوہ ان کا مقصود آنحضرت
منھا من غیر قصد الایذاء بل	صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینا نہیں تھا، بلکہ جیسا
علی ما ھو من جبلة النساء	کہ عورتیں اپنی سوکنوں کے مقابلہ میں رشک
فی الغیرة علی الضرائر	سے تدبیریں اختیار کرتی ہیں، اس طرح
(تفسیر سورہ تحریم)	کی ایک تدبیر تھی،

لیکن علامہ موصوف کا جواب تسلیم کرنا مشکل ہے، اول تو یہ واقعہ ایلاء کے واقعہ کے سلسلہ میں ہے، جو ۹ھ میں واقع ہوا تھا، اس وقت حضرت عائشہؓ سترہ برس کی ہو چکی تھیں، دوسرے حضرت عائشہؓ کمسن تھیں، لیکن اور ازواج مطہرات جو اس میں شریک ہوئیں، وہ تو پوری عمر کی تھیں، خود حضرت حفصہؓ کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے وقت ۳۵ برس کی تھی،

ہمارے نزدیک مغافیر کی بو کا اظہار کرنا، کوئی جھوٹ بات نہ تھی، تمام روایتوں سے ثابت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لطیف المزاج تھے، اور رائحہ کی ذراسی ناگواری کو برداشت

Marfat.com

نہیں فرما سکتے تھے[1]، مغافیر کے پھولوں میں اگر کسی قسم کی کرختگی ہو، تو تعجب[2] کی بات نہیں البتہ ازواج مطہرات کا ایکا کرنا بہ ظاہر محل اعتراض ہو سکتا ہے، لیکن یہ کسی کا اعتقاد نہیں، کہ ازواج مطہرات معصوم تھیں، یا اپنے انجاح مقصد کے لئے جائز وسائل نہیں اختیار کرتی تھیں، اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی راز کی بات حضرت حفصہؓ سے فرمائی، اور تاکید کر دی، کہ کسی سے نہ کہنا لیکن انہوں نے حضرت عائشہؓ سے کہدیا، اس پر یہ آیت اتری،

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ (تحریم-۱)	اور جب کہ پیغمبر نے اپنی بعض بیویوں سے راز کی بات کہی، اور انہوں نے فاش کر دی اور خدا نے پیغمبر کو اس کی خبر کر دی، تو پیغمبر نے اس کا کچھ حصہ ان سے کہا، اور کچھ چھوڑ دیا، پھر جب ان سے کہا، تو انہوں نے کہا کہ آپ کو کس نے خبر دی، پیغمبر نے کہا مجھ کو خدائے عالم خبیر نے خبر دی،

شکر رنجیاں بڑھتی گئیں، اور حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ نے باہم مظاہرہ کیا یعنی دونوں نے اس پر اتفاق کیا، کہ دونوں مل کر زور ڈالیں، اس حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ کی شان میں یہ آیتیں اتریں،

[1] مسند احمد، جلد ۶ صفحہ ۴۹۲ "س"، [2] عمدۃ القاری جلد ۹ صفحہ ۲۲۶ "س"

Marfat.com

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ	اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو، تو تمہارے
قُلُوْبُكُمَا وَاِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ	دل مائل ہو چکے ہیں، اور اگر ان کے (یعنی
اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ	رسول اللہ) کے مقابلہ میں ایکا کرو، تو خدا اور
الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ	جبریل اور نیک مسلمان اور سب کے بعد
ظَهِيْرٌ (سورہ تحریم-۱)	فرشتے رسول اللہ کے مددگار ہیں،

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے جن معاملات کی وجہ سے ایکا کیا تھا، وہ خاص تھے لیکن توسیع نفقہ کے تقاضے میں تمام ازواج مطہرات شریک تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سکون خاطر میں یہ تنگ طلبی اس قدر خلل انداز ہوئی، کہ آپ نے عہد فرمایا، کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہراتؓ سے نہ ملیں گے، اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں آپ گھوڑے سے گر پڑے اور ساق مبارک پر زخم آیا، آپ نے بالاخانہ[1] پر تنہا نشینی اختیار کی، واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا، کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دی، اس کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کو ہم حضرت عمرؓ کی زبان سے نقل کرتے ہیں، کہ انہوں نے دلچسپ اور پر اثر تفصیل

---

[1] بالاخانہ کے لئے احادیث میں مشربۃ کا لفظ آیا ہے، مشربہ کے نام سے زیادہ تر مشربہ ام ابراہیم (ماریہؓ) مشہور ہے، اسی لئے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہے، کہ یہ وہی بالاخانہ تھا، لیکن یہ قطعاً غلط ہے، مشربہ ام ابراہیم مدینہ سے باہر واقع تھا، حضرت عمرؓ کی جو روایت تمام صحاح میں موجود ہے، اور جس کو مصنف نے آگے نقل کیا ہے، اس سے بھی متبادر ہوتا ہے، کہ یہ وہ مقام تھا، جو حضرت حفصہؓ کے گھر اور مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا، کہ حضرت عمرؓ دوڑ دوڑ کر جلدی جلدی کبھی ادھر کبھی ادھر جاتے تھے، ابوداؤد میں تصریح ہے، کہ یہ مشربہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کا بالاخانہ تھا، جو مسجد نبوی ہی سے متصل دیگر ازواج مطہرات کے حجروں کے برابر تھا، ابوداؤد باب الامام یصلی من قعود ۲ س"

Marfat.com

کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کیا ہے، اس بیان میں کچھ ابتدائی واقعات بھی آگئے ہیں، جن سے اصل معاملہ پر زیادہ روشنی پڑتی ہے[1]

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں، کہ میں اور ایک انصاری (اوس بن خولی یا عتبان بن مالک) ہمسایہ تھے، اور معمول تھا، کہ باری باری سے ایک دن بیچ دے کر ہم دونوں خدمت اقدس میں حاضر ہوا کرتے تھے،

قریش کے لوگ عورتوں پر قابو رکھتے تھے اور ان پر غالب رہتے تھے لیکن جب مدینہ میں آئے، تو یہاں انصار کی عورتیں مردوں پر غالب تھیں، ان کا انداز دیکھ کر ہماری عورتوں نے بھی ان کی تقلید شروع کی، ایک دن میں نے کسی بات پر اپنی بیوی کو ڈانٹا انہوں نے الٹ کر جواب دیا، میں نے کہا تم میری بات کا جواب دیتی ہو، بولیں تم کیا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ان کو برابر کا جواب دیتی ہیں، یہاں تک کہ دن بھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روٹھی رہتی ہیں، میں نے دل میں کہا غضب ہو گیا، اُٹھ کر حفصہؓ (حضرت عمرؓ کی صاحبزادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ) کے پاس آیا، اور پوچھا، کہ کیا تو واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رات بھر روٹھی رہتی ہے حفصہؓ نے اقرار کیا، میں نے کہا تجھ کو یہ خیال نہیں، کہ رسول اللہ کی ناراضی خدا کی ناراضی ہے، بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا خیال فرماتے ہیں، ورنہ تجھ کو طلاق دے چکے ہوتے پھر حضرت ام سلمہؓ

[1] یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب یعنی کتاب النکاح، طلاق، کتاب العلم میں باختلاف عبارت منقول ہے، صحیح مسلم باب النکاح میں بھی کئی طرق سے منقول ہے، ان راویوں میں باہم جزئیات میں اختلاف ہے، ہم نے تا امکان سب روایتوں کو جمع کیا ہے،

Marfat.com

کے پاس گیا، اور ان سے بھی یہی شکایت کی، بولیں، کہ عمر! تم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے، یہاں تک کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ازواج کے معاملات میں بھی دخل دیتے ہو، میں چپ رہ گیا، اور اٹھ کر چلا آیا۔"

"کچھ رات گئی، میرے ہمسایہ انصاری باہر سے آئے، اور بڑے زور سے دروازہ کھٹ کھٹایا، میں گھبرا کر اٹھا، اور دروازہ کھول کر پوچھا خیر ہے؟ انہوں نے کہا غضب ہو گیا، میں نے کہا، کیا غسانی[1] مدینہ پر چڑھ آئے، بولے کہ نہیں، اس سے بھی بڑھ کر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دیدی، میں صبح کو مدینہ آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز فجر ادا کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر بالاخانہ میں تنہا جا کر بیٹھ گئے میں حفصہؓ کے پاس آیا، تو دیکھا وہ بیٹھی رو رہی ہے، میں نے کہا، میں نے تجھ سے پہلے ہی کہا تھا، حفصہؓ کے پاس سے اٹھ کر مسجد نبوی میں آیا، دیکھا تو صحابہ منبر کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں، میں ان کے پاس بیٹھ گیا، لیکن طبیعت کو سکون نہیں ہوتا تھا، اٹھ کر بالاخانہ کے پاس آیا، اور رباح (خادم خاص) سے کہا، اطلاع کر دو، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا، میں اٹھ کر پھر مسجد میں چلا آیا، اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بے تاب ہو کر بالاخانہ کے نیچے آیا، اور دربان سے دوبارہ اذن طلبی کی درخواست کی، جب کچھ جواب نہیں ملا، تو میں نے پکار کر کہا، رباح! میرے لئے اذن مانگ، شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہے کہ

---

[1] غسانی عرب کا ایک خاندان تھا جو شام میں رومیوں کے ماتحت بادشاہی کرتا تھا، وہ رومیوں کی تحریک سے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

Marfat.com

میں حفصہؓ کی سفارش کرنے آیا ہوں، خدا کی قسم! رسول اللہ فرمائیں، تو حفصہؓ کی گردن اڑا دوں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی، اندر گیا، تو دیکھا، کہ آپؐ کھری چارپائی پر لیٹے ہیں
اور جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں، ادھر ادھر نظر اٹھا کر دیکھا، تو ایک طرف مٹھی بھر
جو رکھے ہوئے تھے، ایک کونے میں کسی جانور کی کھال کھونٹی پر لٹک رہی تھی، میری آنکھوں
سے آنسو جاری ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب پوچھا، میں نے عرض کی، اس سے
بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہو گیا، قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں،
اور آپؐ پیغمبر ہو کر آپ کی یہ حالت ہے، آپؐ نے ارشاد فرمایا، کہ تم اس پر راضی نہیں
کہ قیصر و کسریٰ دنیا لیں اور ہم آخرت؟

میں نے عرض کی، کیا آپؐ نے ازواج کو طلاق دیدی؟ آپؐ نے فرمایا "نہیں" میں اللہ
اکبر پکار اٹھا، پھر عرض کی، کہ مسجد میں تمام صحابہ مغموم بیٹھے ہیں، اجازت ہو تو جا کر خبر کر دوں،
کہ واقعہ غلط ہے، چونکہ ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گذر چکا تھا، آپؐ بالاخانہ سے اتر آئے
اور عام باریابی کی اجازت ہو گئی، اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی،

لہ بعض روایتوں میں حصیر (چٹائی) کا لفظ آیا ہے۔ اور بعض میں سریر (چارپائی) ابن حجر نے یہ تطبیق دی ہے، کہ وہ تھی
چارپائی، لیکن چٹائی جس سے بنی جاتی ہے، اس سے بنی ہوئی تھی (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۵۱) (۲) آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم بالاتفاق ۲۹ روز بالاخانہ پر تشریف فرما رہے، حضرت عمرؓ کا یہ مکالمہ پہلے روز کا واقعہ ہے، یا آخر روز کا، اس
روایت کے جتنے طرق ہیں، ان کا ابتدائی ٹکڑا ظاہر کرتا ہے، کہ یہ پہلے ہی دن کا واقعہ ہے۔ اور آخر کے الفاظ سے
ثابت ہوتا ہے، کہ یہ انتیسویں روز کا واقعہ ہے، مصنف مرحوم نے آخری فقروں کا لحاظ کیا ہے، اور بظاہر اس کو انتیسویں
روز کا واقعہ سمجھا ہے، لیکن اس بنا پر لازم آتا ہے، کہ ۲۸ دن تک گویا حضرت عمرؓ اور صحابہ کو واقعہ ایلاء کی اطلاع ہی نہ ہوئی

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ	(اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہہ دے، کہ اگر
إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	تم کو دنیاوی زندگی اور دنیا کا زیب و
وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَ	آرائش مطلوب ہے، تو آؤ، میں تم کو رخصتی
أُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا وَإِنْ	جوڑے دے کر بطریق احسن رخصت کردوں
كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ	اور اگر خدا، خدا کا رسول اور آخرت مطلوب
الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ	ہے، تو خدا نے تم میں سے نیکوکاروں کیلئے
مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيْمًا (الاحزاب - ۴)	بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے)

اس آیت کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ازواج مطہرات رضی کو مطلع فرمادیں، کہ دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں، دنیا اور آخرت، اگر تم چاہتی ہو، تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کردوں، اور اگر تم خدا اور رسول اور زندگانی ابدی کی طلب گار ہو، تو خدا نے نیکوکاروں کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے،

مہینہ ختم ہو چکا تھا، آپ بالاخانہ سے اترے، اور چونکہ ان تمام معاملات حضرت عائشہ رضی پیش پیش تھیں، ان کے پاس تشریف لے گئے، اور مطلع فرمایا، انہوں نے کہا میں

(بقیہ حاشیہ ۵۵۴) حالانکہ اس کو کوئی تسلیم نہیں کرسکتا، اس بنا پر محدثین نے یہ تاویل کی ہے، کہ اس مکالمہ کا اکثر حصہ پہلے روز کا واقعہ ہے، لیکن صرف اترنے کا بیان آخر روز کا واقعہ ہے، راوی نے بیچ کا سلسلہ چھوڑ دیا، بخاری کی اس روایت سے جو کتاب النکاح باب موعظۃ الرجل ابنتہ لحال زوجہا اور کتاب اللباس باب ما کان یتجوز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اللباس میں مذکور ہے، یہ صاف تصریح موجود ہے، اس بنا پر اس فقرہ کو یوں پڑھنا چاہیئے جب ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گذر چکا، (س)"

سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسول کو لیتی ہوں، تمام اور ازواج مطہراتؓ نے بھی یہی جواب دیا،

ایلاء تخییر مظاہرہ حفصہؓ و عائشہؓ یہ واقعات عام طور پر اس طرح بیان کئے گئے ہیں، کہ گویا مختلف زمانوں کے واقعات ہیں، اور ان سے ایک ظاہر بین یہ دھوکا کھا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہراتؓ کے ساتھ ہمیشہ ناگواری کے ساتھ بسر کرتے تھے، لیکن واقعہ یہ ہے، کہ یہ تینوں واقعے ہم زمان، اور ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، صحیح بخاری باب النکاح (باب موعظۃ الرجل ابنتہ) میں حضرت ابن عباسؓ کی زبانی جو نہایت تفصیلی روایت ہے، اس میں صاف تصریح ہے، کہ مظاہرۂ ازواج مطہراتؓ سے انعزال، افشائے راز، آیت تخییر کا نزول سب ایک ہی سلسلہ کے واقعات ہیں،

حافظ ابن حجر انعزال کے متعدد اسباب لکھ کر لکھتے ہیں:۔

وھذا ھو اللائق بمکارم اخلاقہ	(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق،
صلی اللہ علیہ وسلم وسعۃ صدرہ	کشادہ دلی اور کثرت عفو کے یہی مناسب ہے،
وکثرۃ صفحہ وان ذلک لم یقع	اور آپؐ نے اس وقت تک ایسا نہیں کیا
منہ حتی تکرر موجبہ منھن	ہوگا، جب تک ان سے اس قسم کی حرکتیں متعدد
(فتح الباری جلد ۹، ص ۲۵۴)	بار ظہور پذیر نہ ہوئیں)

مظاہرہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی، اس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے، کہ کوئی بہت بڑی ضرر رساں سازش تھی جس کا اثر بہت پر خطر تھا، آیت مذکور یہ ہے،

وَاِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ — اور اگر تم دونوں (حضرت عائشہؓ و حضرت

Marfat.com

هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ (تحریم-۱)

حفصہؓ) رسول کے برخلاف ایکا کرو، تو خدا اس کا مولا ہے، اور جبریل اور نیک مسلمان اور ان سب کے ساتھ فرشتے بھی مددگار ہیں،

اس آیت میں تصریح ہے کہ اگر ان دونوں کا ایکا قائم رہا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کو خدا اور جبریل اور نیک مسلمان موجود ہیں، اور اسی پر بس نہیں، بلکہ فرشتے بھی اعانت کے لئے تیار ہیں،

روایتوں سے مظاہرہ کا جو سبب معلوم ہوتا ہے، وہ صرف یہی ہے کہ اس کے ذریعہ سے نفقہ کی توسیع چاہتی تھیں، اور اگر ماریہ قبطیہ کی روایت تسلیم کرلی جائے، تو صرف یہ کہ وہ الگ کردی جائیں، لیکن یہ ایسی کیا اہم باتیں ہیں، اور حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ کی کسی قسم کی سازش ایسی کیا پرخطر ہوسکتی ہے، جس کی مدافعت کے لئے ملأ اعلیٰ کی اعانت کی ضرورت ہو،

اس بنا پر بعضوں نے قیاس کیا ہے، کہ یہ مظاہرہ کوئی معمولی نہ تھا، مدینہ منورہ میں منافقین کا ایک گروہ کثیر موجود تھا، جن کی تعداد (۴۰۰) تک بیان کی گئی ہے، یہ شریر النفس ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے، کہ کسی تدبیر سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور رفقائے خاص میں پھوٹ ڈلوادیں (ابن حجر نے اصابہ میں ام جلدح کے حال میں لکھا ہے وکانت تحرش بین ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ ازواج مطہرات کو باہم بھڑکایا کرتی تھیں) افک کے واقعہ میں ان کو کامیابی کی جھلک نظر آچکی تھی، رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ دن تک حضرت عائشہؓ سے کبیدہ خاطر رہے، حضرت حسانؓ افک میں شریک ہو گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی حمنہ جو حضرت زینبؓ کی بہن تھیں سازش میں آگئی تھیں، چنانچہ اس روایت کو علانیہ شہرت دیتی تھیں، حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ایک قریبی عزیز (مسطح) کو جو شریک تہمت تھے، مالی اعانت سے محروم کر دیا تھا، غرض حضرت عائشہؓ کی برأت پر وحی نہ آجاتی، تو ایک فتنہ عظیم برپا ہو چکا تھا،

معلوم ہوتا ہے، کہ جب ازواج مطہراتؓ کی کشش خاطر اور کبیدگی اور تنگ طلبی کا حال منافقوں کو معلوم ہوا، تو ان بدنفسوں نے اشتعال دے کر بھڑکانا چاہا ہوگا، چونکہ مظاہرہ کے ارکان اعظم حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ تھیں، ان کو خیال ہوا ہوگا، کہ ان کے ذریعہ سے ان کے والدین (حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ) کو اس سازش میں شریک کر لینا ممکن ہے، لیکن ان کو یہ معلوم نہ تھا، کہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو رسول کی خاک پر قربان کر سکتے تھے، چنانچہ جب حضرت عمرؓ کو اذن نہ ملا، تو انہوں نے پکار کر کہا، کہ ارشاد ہو، تو حفصہ کا سر لے کر آؤں،

آیت میں روئے سخن منافقین کی طرف ہے، یعنی اگر عائشہؓ و حفصہؓ سازش بھی کریں گی، اور منافقین اس سے کام لیں گے، تو خدا پیغمبر کی اعانت کے لئے موجود ہے، اور خدا کے ساتھ جبریلؑ و ملائکہ بلکہ تمام عالم ہے،

روایات کا ذیہ | ان واقعات میں کذابین رواۃ نے اس قدر تلبیسات، اور خدا عیاں کی ہیں، کہ بڑے بڑے مورخین اور ارباب سیر نے یہ روایتیں اپنی تصانیف میں استدلالاً

درج کردیں، اس لئے ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں،

اس قدر عموماً مسلم ہے، اور خود قرآن مجید میں مذکور ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کی خاطر سے کوئی چیز اپنے اوپر حرام کر لی تھی، اختلاف اس میں ہے، کہ وہ کیا چیز تھی؟ بہت سی روایتوں میں ہے، کہ وہ ماریہ قبطیہ ایک کنیز تھیں جن کو عزیز مصر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحفۃً بھیجا تھا، ماریہ قبطیہؓ کی روایت تفصیل کے ساتھ مختلف طریقوں سے بیان کی گئی ہے، جن میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا راز جو حضرت حفصہؓ نے فاش کر دیا تھا، ان ہی ماریہؓ قبطیہ کا راز تھا،

اگرچہ یہ روایتیں بالکل موضوع اور ناقابل ذکر ہیں، لیکن چونکہ یورپ کے اکثر مورخوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معیار اخلاق پر جو حرف گیریاں کی ہیں، ان کا کُل سرسبد یہی ہیں، اس لئے ان سے تعرض کرنا ضروری ہے،

ان روایتوں میں واقعہ کی تفصیل کے متعلق اگرچہ نہایت اختلاف ہے لیکن اس قدر سب کا قدر مشترک ہے، کہ ماریہؓ قبطیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موطوءۃ کنیزوں میں تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کی ناراضی کی وجہ سے ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا،

حافظ ابن حجر شرح صحیح بخاری تفسیر سورہ تحریم میں لکھتے ہیں:۔

وقع عند سعید بن منصور اور سعید بن منصور نے سند صحیح کے ساتھ

Marfat.com

باسناد صحیح الی مسروق قال حلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحفصۃ لا یقرب امتہ الخ (صفحہ ۵۰۳ ج ۸)

جو مسروق تک پہنچی ہوتی ہے یہ روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کے سامنے قسم کھائی کہ اپنی کنیز سے مقاربت نہ کریں گے،

اس کے بعد حافظ موصوف نے مسند (ہیثم بن کلیب) اور طبرانی سے متعدد روایتیں نقل کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے،

وللطبرانی من طریق الضحاک عن ابن عباس قال دخلت حفصۃ بیتہا فوجدتہ یطاء ماریۃ بعاتبتہ (فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۸، صفحہ ۵۰۳)

اور طبرانی نے ضحاک کے سلسلہ میں حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے، کہ حضرت حفصہؓ اپنے گھر میں گئیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ماریہؓ کے ساتھ ہم بستر دیکھا، اس پر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معاتب کیا،

ابن سعد اور واقدی نے اس روایت کو زیادہ بڑھا پیرایوں میں نقل کیا ہے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے، کہ یہ تمام روایتیں محض افترا اور بہتان ہیں،

علامہ عینی شرح صحیح بخاری باب النکاح جلد ۹ صفحہ ۴۴۵ میں لکھتے ہیں،

والصحیح فی سبب نزول الآیۃ انہ فی قصۃ العسل لا فی قصۃ ماریۃ المروی فی غیر الصحیحین وقال النووی و

اور آیت کی شان نزول کے باب میں صحیح روایت یہ ہے، کہ وہ شہد کے واقعہ میں ہے، ماریہ کے قصہ کے باب میں نہیں ہے جو صحیحین کے سوا اور کتابوں میں مذکور ہے

Marfat.com

لم تات قصة ماریة من طریق صحیح — نووی نے کہا ہے، کہ ماریہ کا واقعہ کسی صحیح طریقہ سے مروی نہیں ہے،

یہ حدیث تفسیر ابن جریر، طبرانی، مسند ہیثم میں مختلف طریقوں سے مروی ہے ان کتابوں میں عموماً جس قسم کی رطب ویابس روایتیں مذکور ہیں، اس کے لحاظ جب تک ان کی صحت کے متعلق کوئی خاص تصریح نہ ہو، لائق التفات نہیں، حافظ ابن حجر نے ان میں ایک طریقہ کی توثیق کی ہے یعنی وہ روایت جس کے راوی اخیر مسروق ہیں،

لیکن اولاً تو اس روایت میں ماریہ قبطیہ کا نام مطلق نہیں، صرف اس قدر ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کے سامنے قسم کھائی تھی، کہ میں اپنی کنیز کے پاس نہ جاؤں گا، اور وہ مجھ پر حرام ہے، اس کے علاوہ مسروق تابعی ہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا، اس لئے یہ روایت اصول حدیث کی رو سے منقطع ہے، یعنی اس کا سلسلہ سند صحابی تک نہیں پہنچتا،

اس حدیث کے ایک اور طریقہ کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں صحیح کہا ہے لیکن اس طریقہ کے ایک راوی عبدالملک رقاشی ہیں جن کی نسبت دارقطنی نے لکھا ہے

کثیر الخطأ فی الاسانید والمتون یحدث عن حفظہ — سندوں میں اور اصل الفاظ حدیث میں بہت خطا کرتے ہیں،

یہ امر مسلم ہے، کہ ماریہ کی روایت صحاح ستہ کی کتاب میں مذکور نہیں[2] ہے، یہ بھی تسلیم ہے

---

[1] فتح الباری تفسیر سورہ تحریم (۲) یعنی ماریہ کے نام سے اور مشہور لغو واقعات کے شمول کے ساتھ نہیں، ورنہ نسائی باب

Marfat.com

کہ سورہ تحریم کا شان نزول جو صحیح بخاری اور مسلم میں مذکور ہے یعنی شہد کا واقعہ قطعی طریقہ سے ثابت ہے، امام نووی نے جو ائمہ محدثین میں سے ہیں، صاف تصریح کی ہے، کہ ماریہؓ کے باب میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں، حافظ ابن حجر اور ابن کثیر نے جن طریقوں کو صحیح کہا ہے، ان میں سے ایک منقطع اور دوسرے کا راوی کثیر الخطا ہے، ان واقعات کے بعد کون کہہ سکتا ہے، کہ یہ روایت استناد کے قابل ہے،

یہ بحث اصول روایت کی بنا پر تھی، درایت کا لحاظ کیا جائے، تو مطلق کدو کاوش کی حاجت نہیں، جو رکیک واقعہ ان روایتوں میں بیان کیا گیا ہے، اور خصوصاً طبری وغیرہ میں جو جزئیات مذکور ہیں، وہ ایک معمولی آدمی کی طرف منسوب نہیں کئے جا سکتے نہ کہ اس ذات پاک کی طرف جو تقدس و نزاہت کا پیکر تھا صلی اللہ علیہ وسلم،

(بقیہ حاشیہ ۵۶۱) الغیر میں اس قدر مذکور ہے، کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے اصرار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر ایک لونڈی کو حرام کر لیا، لیکن اس کا ایک راوی مجروح ہے" س"

Marfat.com

غزوۂ تبوک

رجب ۹ھ مطابق نومبر ۶۳۵ء

تبوک ایک مشہور مقام ہے، جو مدینہ اور دمشق کے وسط میں نصف راہ پر، مدینہ سے ۱۴ منزل ہے،

جنگ موتہ کے بعد سے رومی سلطنت نے عرب پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، غسانی خاندان جو شام میں رومیوں کے زیر اثر حکومت کر رہا تھا، مذہباً عیسائی تھا، اس لئے قیصر روم نے اسی کو اس مہم پر متعین کیا، مدینہ میں یہ خبریں اکثر مشہور ہوتی رہتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلاء کے واقعہ میں حضرت عمرؓ سے جب عتبان بن مالکؓ نے دفعۃً آکر یہ کہا، کہ "غضب ہوگیا" تو انہوں نے کہا، کیوں خیر ہے؟ کیا غسانی[1] آگئے؟

شام کے نبطی سوداگر مدینہ میں روغن زیتون بیچنے آیا کرتے تھے، انہوں نے خبر دی[2] کہ رومیوں نے شام میں لشکر گراں جمع کیا ہے، اور فوج کو سال بھر کی تنخواہیں تقسیم کر دی ہیں، اس فوج میں لخم، جذام اور غسان کے تمام عرب شامل ہیں، اور مقدمۃ الجیش بلقا تک آگیا ہے، مواہب لدنیہ میں طبرانی سے روایت نقل کی ہے، کہ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل کو لکھ

---

[1] بخاری ذکر واقعہ ایلاء، [2] مواہب لدنیہ مع زرقانی جلد ۳ صفحہ ۷۲،

Marfat.com

بھیجا تھا، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کیا، اور عرب سخت قحط کی وجہ سے بھوکوں مر رہے ہیں، اس بنا پر ہرقل نے چالیس ہزار فوجیں روانہ کیں،

بہر حال یہ خبریں تمام عرب میں پھیل گئیں، اور قرائن اس قدر قوی تھے، کہ غلط ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کی تیاری کا حکم دیا، سو اتفاقاً یہ کہ سخت قحط اور شدت کی گرمیاں تھیں، ان اسباب سے لوگوں کو گھر سے نکلنا نہایت شاق[1] تھا، منافقین جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے، ان کا پردہ فاش ہو چلا، وہ خود بھی جی چراتے[2] تھے، اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے، کہ

لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ — گرمی میں نہ نکلو،

سُوَیلم ایک یہودی تھا، اس کے گھر پر منافقین جمع ہوتے، اور لوگوں کو لڑائی پر جانے سے روکتے، چونکہ ملک پر رومیوں کے حملہ کا اندیشہ تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قبائل عرب سے فوجیں اور مالی اعانت طلب[3] کی، صحابہ میں سے حضرت عثمانؓ نے دو سو اوقیہ چاندی، اور دو سو اونٹ پیش[4] کئے، اکثر صحابہؓ نے بڑی بڑی رقمیں لاکر حاضر کیں، تاہم بہت سے مسلمان اس بنا پر جانے سے رہ گئے، کہ سفر کا سامان نہیں رکھتے تھے، یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، اور اس درد سے روئے،

---

[1] مارگولوس صاحب فرماتے ہیں، کہ "چونکہ حنین میں انصار مال غنیمت سے محروم رہے تھے، اس لئے دو بلے دل ہو گئے تھے، کہ ہم کیا لڑیں، جب فوائد جنگ دوسروں کو حاصل ہوں گے" لیکن یہ مارگولوس صاحب کا حسن ظن ہے (قرآن نے خود بتا دیا ہے، تو قیاس کی کیا حاجت ہے) "س" [2] ابن ہشام [3] ابن سعد جزء المغازی صفحہ ۱۱۹ "س" [4] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۷۲ "س"

Marfat.com

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر رحم آیا، تاہم ان کے چلنے کا کچھ سامان نہ ہو سکا، انہی کی شان میں سورہ توبہ کی یہ آیتیں اتری ہیں،

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ	اور نہ ان لوگوں پر کچھ اعتراض ہے کہ جب تمہارے
لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ	پاس آئے کہ ہم کو سواری دیجئے اور تم نے کہا کہ میرے
عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ	پاس سواری کہاں ہے جس پر تم کو سوار کر سکوں تو
الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا	وہ واپس گئے، اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے
يُنْفِقُوْنَ ۝ (توبہ - ۱۲)	کہ افسوس! ہمارے پاس خرچ نہیں ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا جب آپ مدینہ سے تشریف لے جاتے، تو کسی کو شہر کا حاکم مقرر فرما کر جاتے، چونکہ اس غزوہ میں نجاف اور معرکوں کے ازواج مطہرات رضی ساتھ نہیں گئی تھیں، اہل حرم کی حفاظت کے لئے کسی عزیز خاص کا رہنا ضرور تھا، اس لئے اب کی یہ منصب جناب امیرؓ کو ملا لیکن انہوں نے شکایت کی کہ آپ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا، کہ تم اس پر راضی نہیں ہو، کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ کے ساتھ تھی[1]

غرض آپ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے جس میں دس ہزار گھوڑے[2] تھے راہ میں وہ عبرتناک مقامات تھے، جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے یعنی قوم ثمود کے مکانات جو پہاڑوں میں تراش کر بنائے گئے تھے، چونکہ اس مقام پر عذاب الٰہی نازل ہو چکا تھا

---

[1] صحیح بخاری غزوہ تبوک، [2] طبقات ابن سعد (جز مغازی صفحہ ۱۱۹) "س"

Marfat.com

آپ نے حکم دیا، کہ کوئی شخص یہاں قیام نہ کرے، نہ پانی پیئے، اور نہ کسی کام میں لائے،

تبوک پہنچ کر معلوم ہوا، کہ وہ خبر صحیح نہ تھی لیکن اصلیت سے بالکل خالی بھی نہ تھی غسانی رئیس عرب میں ریشہ دوانیاں کر رہا تھا، صحیح بخاری (غزوہ تبوک) میں جہاں حضرت کعبؓ بن مالک کا واقعہ مذکور ہے، لکھا ہے، کہ شام سے ایک قاصد آیا، اور حضرت کعبؓ بن مالک کو رئیس غسان کا ایک خط دیا جس میں لکھا تھا، کہ میں نے سنا ہے، کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہاری قدر نہ کی، اس لئے تم میرے پاس چلے آؤ، میں تمہاری شان کے موافق تم سے برتاؤ کروں گا۔" حضرت کعبؓ گو معتوب نبوی تھے، لیکن انہوں نے اس خط کو تنور میں ڈال دیا،

تبوک پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن تک قیام کیا، ایلہ[1] کے سردار نے جس کا نام یوحنا تھا، حاضر خدمت ہو کر جزیہ دینا منظور کیا، ایک سفید خچر بھی نذر میں پیش کیا جس کے صلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ردائے مبارک عنایت[2] فرمائی، جربا اور اذرح کے عیسائی بھی حاضر ہوئے، اور جزیہ پر رضامندی ظاہر کی، دومۃ الجندل جو دمشق سے پانچ منزل ہے، وہاں ایک عربی سردار جس کا نام اکیدر تھا قیصر کے زیر اثر تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو چار سو (بیس) کی جمعیت کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا، حضرت خالدؓ نے اس کو گرفتار کیا، اور اس شرط پر رہائی دی، کہ خود دربار رسالت میں حاضر ہو کر شرائط صلح پیش کرے، چنانچہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ میں آیا،

---

[1] یہ مقام خلیج عقبہ کے پاس ہے (مارگولوس) [2] زرقانی بحوالہ ابن ابی شیبہ (جلد ۳ صفحہ ۶۸۶ س)"

Marfat.com

آپ نے اس کو امان دی،

تبوک سے جب آپ واپس پھرے، اور مدینہ کے قریب پہنچے، تو لوگ عالم شوق میں استقبال کو نکلے، یہاں تک کہ پردہ نشینان حرم بھی جوش میں گھروں سے نکل پڑیں، اور لڑکیاں یہ اشعار گاتی تھیں[1]،

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چاند طلوع ہوا

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

جب تک خدا کا پکارنے والا دنیا میں کوئی باقی ہے، ہم پر خدا کا شکر فرض ہے

مسجد ضرار منافقین ہمیشہ اس فکر میں رہتے تھے، کہ مسلمانوں میں کسی طرح پھوٹ ڈالدیں ایک مدت سے وہ اس خیال میں تھے، کہ مسجد قبا کے توڑ پر وہیں ایک اور مسجد اس حیلہ سے بنائیں، کہ جو لوگ ضعف یا کسی اور وجہ سے مسجد نبوی میں نہ پہنچ سکیں، یہاں آکر نماز ادا کر لیا کریں، ابو عامر جو انصار میں سے عیسائی ہو گیا تھا، اس نے منافقین سے کہا، کہ تم سامان کرو میں قیصر کے پاس جا کر وہاں سے فوجیں لاتا ہوں، کہ اس ملک کو اسلام سے پاک کر دوں[2]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک تشریف لے جانے لگے، تو منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کی، کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے

---

[1] زرقانی جلد ۳، صفحہ ۹۲ "س" [2] زرقانی بحوالہ ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۹۱ "س"

Marfat.com

لئے ایک مسجد تیار کی ہے، آپ چل کر اس میں ایک دفعہ نماز پڑھا دیں، تو مقبول ہو جائے آپ نے فرمایا، اس وقت میں مہم پر جا رہا ہوں، جب تبوک سے واپس پھرے، تو مالکؓ اور معنؓ بن عدی کو حکم دیا، کہ جا کر مسجد میں آگ لگا دیں، اسی مسجد کی شان میں یہ آیتیں اتری ہیں:-

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ط وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ط فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ج وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (توبہ - ۱۳)

اور وہ لوگ جنہوں نے ایک مسجد ضرار اور جھوٹ ڈالنے اور کفر کی غرض سے تیار کی ہے اور اس غرض سے کہ جو لوگ پہلے سے خدا اور رسول سے لڑتے ہیں ان کو ایک کمین گاہ ہاتھ آئے، اور وہ قسم کھاتے ہیں کہ ہم نے صرف بھلائی کے لحاظ سے ایسا کیا، اور خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹ کہتے ہیں (محمدؐ) تو کبھی اس مسجد میں جا کر کھڑا نہ ہو، وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے، وہ اس بات کی زیادہ تحق ہے، کہ تو اس میں نماز پڑھے، وہاں ایسے لوگ ہیں جن کو صفائی محبوب ہے، اور خدا صفائی پسند کرنے والوں کو چاہتا ہے،

حج اسلام اور اعلان برأت (مکہ ۸ھ میں فتح ہوا لیکن چونکہ ابھی تک ملک میں اچھی طرح امن وامان قائم نہیں ہوا تھا، اس لئے اس سال مشرکین ہی کے اہتمام سے ارکان حج انجام

پائے مسلمانوں نے حضرت عتاب بن اسید کے ساتھ جو مکہ کے امیر مقرر ہوئے تھے، فریضہ حج ادا کیا، اب ۹ھ پہلا موقع ہے، کہ کعبہ کفر و شرک کی ظلمت سے پاک ہو کر عبادت ابراہیمی کا مرکز قرار پاتا ہے، غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ذی قعدہ یا ذوالحجہ ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے لئے روانہ فرمایا، ان میں حضرت ابوبکرؓ قافلہ سالار، حضرت علیؓ نقیب اسلام اور حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جابرؓ، حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ معلم تھے، قربانی کے لئے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) بیس اونٹ ساتھ تھے،

قرآن نے اس حج کو حج اکبر کہا ہے، کہ یہ پہلا موقع تھا کہ رسم حج اصل ابراہیمی سنت میں جلوہ گر ہوئی، اس حج کا مقصد یہ تھا، کہ خانہ خلیل میں عہد جاہلیت کے اختتام اور حکومت اسلام کی ابتداء کا اعلان کیا جائے، مناسک و رسوم حج کی عام طور سے تعلیم دی جائے، زمانہ جاہلیت کے رسوم و عادات کا ابطال کیا جائے،

حضرت ابوبکرؓ نے مناسک حج کی لوگوں کو تعلیم دی، یوم النحر میں خطبہ دیا جس میں حج کے مسائل بیان کئے، اس کے بعد حضرت علیؓ کھڑے ہوئے، سورہ برأت کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں، اور اعلان کر دیا، کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں نہ داخل ہو سکے گا، نہ کوئی برہنہ

(۱) بخاری کتاب المناسک باب لا یحج البیت مشرک و ما بعث ابوبکرؓ فی الحاج و تفسیر سورۃ البراءۃ ۱۲ سورہ توبہ میں ہے، یوم الحج الاکبر، مصنف نے اس حج کو حج اکبر کہنے کی جو توجیہ لکھی ہے، اس کو بھی گو بعض علماء نے اختیار کیا ہے لیکن عام خیال یہ ہے، کہ خاص اسی سال کے حج کو حج اکبر نہیں کہا گیا ہے، بلکہ ہر حج، عمرہ کے مقابلہ میں حج اکبر ہے اور عمرہ حج اصغر ہے، ملاحظہ ہو روح المعانی جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۴ س ۹

Marfat.com

اب حج کرنے پائے گا، اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے تھے، ان کے نقض عہد کے سبب سے آج سے چار مہینے کے بعد ٹوٹ جائیں گے، حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ نے اس اعلان کی اس زور زور سے منادی کی، کہ گلا پڑ پڑ گیا[1]

سورت برأت کی ابتدائی آیتیں جس میں خدا نے اس اعلان کا حکم فرمایا، یہ ہیں[2]

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى	اے مسلمانو! جن مشرکین سے تم نے معاہدہ
الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ	کیا تھا (اور انہوں نے اپنا معاہدہ توڑ دیا)
فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ	ان کی خدا اور خدا کے رسول کی طرف
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ	سے کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اب
وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ وَ	(اے معاہدہ شکن مشرکو! چار مہینے
اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى	کی تم کو مہلت ہے، اس میں تم ملک
النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ	میں چلو پھرو، اور جان لو کہ تم خدا کو عاجز

[1] ابن جنبل صفحہ ۲۹۹ جلد ۲، عام تفصیل زرقانی جلد ۳ صفحہ ۱۰۲ وغیرہ میں موجود ہے" س" (۲) ان آیات میں یہ بیان ہے، کہ مسجد حرام کے پاس (صلح حدیبیہ میں) جو معاہدے ہوئے تھے، وہ ٹوٹ گئے، لیکن وہ معاہدے تو فتح مکہ سے پہلے ہی ٹوٹ گیا تھا، اور اس کے بعد کفار سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا، مصنف نے اس بنا پر اپنے ایک مکتوب ۴-۲-۷ میں یہ خیال ظاہر کیا ہے، کہ یہ آیتیں ۸ھ میں فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی ہونگی اور شاید اسی لئے مصنف نے یہ واقعات قلم انداز کر دیئے ہیں، لیکن خاکسار جامع کا خیال یہ ہے، کہ ممکن ہے، کہ معاہدہ کے متعلق یہ آیتیں گو ۸ھ میں نازل ہوئی ہوں، لیکن ان کا عام اعلان مع دیگر ضروری احکام کے جیسا کہ صحاح ستہ کے مستند روایات میں مذکور ہے، ۹ھ کے موسم حج میں ہوا ہو" س"

Marfat.com

اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ	نہ کرسکوگے، حج اکبر کے دن لوگوں کو اعلان
وَرَسُوْلُهٗ ط فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ	عام ہے، کہ خدا اور اس کا رسول ان مشرکین
خَیْرٌ لَّکُمْ وَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ	کا اب ذمہ دار نہیں، اگر تم نے اے
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی	مشرکین) توبہ کرلی، تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے
اللّٰهِ ط وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا	اور اگر اب بھی پھرے رہو، تو یقین کرو
بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ	کہ تم خدا کو ہرا نہ سکوگے، اے پیغمبر تو کافروں
عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ثُمَّ	کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا
لَمْ یَنْقُصُوْکُمْ شَیْئًا وَّلَمْ	دے، لیکن وہ مشرکین جن سے تم نے معاہدہ
یُظَاهِرُوْا عَلَیْکُمْ اَحَدًا	کیا، اور انہوں نے اس کے ایفا میں تمہارے
فَاَتِمُّوْٓا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰی	ساتھ کچھ کمی نہ کی، اور نہ تمہارے مقابلہ میں انہوں
مُدَّتِهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ	نے تمہارے دشمنوں کی مدد کی، تو تم انہ معاہدہ
(توبۃ - ۱)	کو تم پورا کرو، خدا پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے،
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا	اے مسلمانو! مشرکین تو ناپاک ہیں
الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ	اب وہ اس سال کے بعد کعبہ کے
الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (توبۃ - ۴)	قریب نہ آئیں،

طبری نے بواسطہ سدی روایت کی ہے، کہ اس اعلان کے بعد کفار عام طور سے مسلمان ہوگئے،

(ر ۱ جلد ۲ صفحہ ۱۷۲)

Marfat.com

واقعات متفرقہ | دو سال کے بعد اب تک میں امن وامان کا دور شروع ہوا، اب حصول دولت کے مواقع حاصل تھے، اس بنا پر زکوٰۃ کا حکم اس سال نازل ہوا، اور تحصیل زکوٰۃ کے لئے عمال قبائل میں مقرر ہوئے[۲]،

اسلام کے سایہ میں بعض غیر مسلم قومیں بھی داخل ہو چکی تھیں، ان کے لئے جزیہ کی یہ آیت اتری

حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ (توبہ ۴) تا آنکہ وہ چھوٹے بن کر جزیہ نہ ادا کریں،

سود کی تحریم بھی اسی سال نازل ہوئی، اور اس کے ایک سال بعد ۱۰ھ میں حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اعلان عام فرمایا،

نجاشی جس کے ظل حمایت میں مسلمانوں نے چند سال حبشہ میں بسر کئے، اس نے انتقال کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وفات کا خود اعلان فرمایا، کہ "مسلمانو! آج تمہارے برادر صالح اصحمہ نے وفات پائی، اس کے لئے دعائے مغفرت مانگو" اس کے بعد نجاشی کے لئے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی)

---

[۲] طبری جلد دوم صفحہ ۱۷۲۲ ا ۱۷۲۳ س

غزوات پر دوبارہ نظر

کتاب کا یہ حصہ سادہ سوانح حیات زندگی پر محدود ہے، بحث و تدقیقات اور رفع شکوک کے لئے دوسرے حصے ہیں، اس بنا پر مناسب یہ تھا کہ غزوات کے متعلق جو مباحث ہیں، انہی حصوں میں لکھے جاتے، لیکن کتب سیر میں کثرت اور اہمیت دونوں حیثیتوں سے جو واقعات زیادہ تر نمایاں ہیں، صرف غزوات ہیں، اگر صرف تصانیف سیرت کو پیش نظر رکھا جائے، تو نظر آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر سوانحعمری غزوات ہی کا نام ہے، چنانچہ پہلے سیرت پر جو کتابیں لکھی گئیں، وہ سیرت نہیں، بلکہ مغازی ہی کے نام سے مشہور ہیں، مثلاً مغازی ابن عقبہ، مغازی ابن اسحاق، مغازی واقدی یہ انداز تحریر آج تک چلا آیا، اس لئے اگر یہ طرز بالکل بدل دیا جائے، تو جو شخص کوئی قدیم تصنیف پہلے پڑھ چکا ہوگا، وہ اس جدید تصنیف کو پڑھ کر سمجھے گا، کہ سیرت کے بجائے کوئی اور چیز پڑھ رہا ہے،

ان اسباب سے ہم کو بھی غزوات کو تفصیل سے لکھنا پڑا، لیکن غزوات کو پڑھ کر جو سوالات دلوں میں پیدا ہو جاتے ہیں، ان کو دوسرے موقع کے لئے اٹھا رکھنا ناظرین کے اضطراب کا باعث ہوگا،

غیر مذہب والوں نے غزوات کے مقاصد اور اسباب کے سمجھنے میں سخت غلطیاں

Marfat.com

کی ہیں، نہ صرف بدنیتوں نے بلکہ نیک دلوں نے بھی لیکن یہ تعجب کی بات نہیں، اسباب ایسے جمع ہیں، کہ اس قسم کی غلطیوں پر نہ صرف دوستوں کو بلکہ دشمنوں کو بھی معذور رکھ سکتے ہیں،

عرب اور جنگ و غارتگری اس باب میں سب سے مقدم اور سب سے اہم اس حقیقت کا معلوم کرنا ہے، کہ عرب کی قومیت کو جنگ و غارتگری سے کیا تعلق ہے، ہر قوم کے اخلاق و عادات رسوم و معاملات، محاسن اوصاف، معائب و مثالب، غرض اس کی کل قومی زندگی کا ایک خاص اساس الامر ہوتا ہے، کہ سب چیزیں اسی سے بنتی اور اسی سے نشو و نما پاتی ہیں عرب میں یہ چیز جنگ و غارت گری تھی، اس کی ابتدا یوں ہوئی، کہ عرب ایک ویران ملک تھا کسی قسم کی پیداوار وہاں نہیں ہوتی تھی، لوگ ان پڑھ اور جاہل تھے، خورش اور پوشش کا قدرتی سامان صرف بھیڑ بکریاں اور اونٹ تھے، کہ ان کا دودھ اور گوشت، کھاتے، اور بالوں کو بن کر کمبل بناتے تھے، لیکن یہ جائداد بھی ہر شخص کو نصیب نہ تھی یا تھی تو بقدر ضرورت نہ تھی، اس لئے حملہ اور غارت گری شروع ہوئی، اور معاش کا سب سے بڑا بلکہ تنہا ذریعہ غارت گری قرار پایا، علی قالی نے کتاب الامالی میں لکھا ہے،

(وذلك انهم كانوا يكرهون	(یہ اس لئے کہ وہ ناپسند کرتے تھے، کہ ان
ان تتوالى عليهم ثلاثة اشهر	پر تین ماہ متواتر اس طرح گذر جائیں کہ ان
لا تمكنهم الاغارة فيها لان	میں وہ غارت گری نہ کر سکیں، کیونکہ ان کی
معاشهم كان من الاغارة)	معاش کا ذریعہ یہی تھا،

[1] کتاب الامالی جلد اول صفحہ ۹ مطبوعہ مصر

Marfat.com

چونکہ لوٹ میں زیادہ تر بکریاں ہاتھ آتی تھیں، اور بکری کو عربی میں "غنم" کہتے ہیں اس لئے لوٹ کے مال کو عربی میں "غنیمت" کہنے لگے، اس لئے پھر یہ وسعت حاصل کی، کہ قیصر و کسریٰ کا تاج و تخت لٹ کر آیا، تو اسی نام سے پکارا گیا،

رفتہ رفتہ یہی لفظ عربی قوم، عربی زبان، عربی تاریخ کا سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ نمایاں، سب سے زیادہ وسیع الاثر لفظ بن گیا، آج بھی ایک سلطان ایک رئیس، ایک شیخ القبائل اپنے عزیز و اقارب کو سفر کرتے وقت رخصت کرتا ہے، تو کہتا ہے سَالِمًا غَانِمًا یعنی سلامت آنا، اور لوٹ کر لانا، ہماری زبان میں سب سے عزیز چیز کو جو "غنیمت" کہتے ہیں، (مثلاً آپ کا تشریف لانا نہایت ہی غنیمت ہے) یہ وہی لفظ ہے، اور عربی زبان سے آیا ہے،

ضرورت معاش کی وجہ سے تمام عرب میں غارت گری اور جنگ عام ہو گئی تھی تمام قبائل ایک دوسرے پر ڈاکہ ڈالتے، اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے، صرف حج کے زمانہ میں مذہبی خیال سے چار مہینے مخصوص کر دیئے تھے، جن کو "اشہر حرم" کہتے تھے، ان مہینوں میں لڑائیاں بند ہو جاتی تھیں، لیکن متصل تین تین مہینہ تک معاش کا معطل رہنا سخت گراں تھا، اس لئے نسئی ایک رسم ایجاد کر لی تھی یعنی ان مہینوں کو حسب ضرورت دوسرے مہینوں سے بدل لیتے تھے،

حافظ ابن حجر صحیح بخاری کی شرح (تفسیر سورہ توبہ) میں لکھتے ہیں:۔

---

(۱) یہ مصنف کی ذاتی تحقیق ہے، جس کی تائید کتب لغت سے ہاتھ نہیں آئی "س"

Marfat.com

کانوا یجعلون المحرم صفرا ویحلون صفرا المحرم لئلا یتوالی علیهم ثلثة اشهر لایتقاتلون فیها القتال (ج ۸ صفحہ ۲۴۴)	وہ محرم کو صفر اور صفر کو محرم کر دیا کرتے تھے تاکہ پے بہ پے تین مہینے تک لڑائی سے محروم نہ ہو جائیں،

ثار کا عقیدہ لڑائی کا اصلی ابتدائی سبب یہ تھا لیکن جب یہ سلسلہ چھڑا، تو اور اور اسباب بھی پیدا ہو گئے، اور یہ اسباب اہمیت اور وسعت کے لحاظ سے اصلی سبب سے کم نہ تھے، ان میں سب سے مقدم اور شدید الاثر ثار کا قانون تھا یعنی جب کسی قبیلہ کا کوئی شخص کسی موقع پر قتل ہو جاتا تھا، تو مقتول کے قبیلہ کو اس کا انتقام لینا فرض ہو جاتا تھا، گو سینکڑوں برس گذر جاتے تھے، اور قاتل بلکہ اس کے خاندان کا نام و نشان مٹ جاتا تھا، تاہم جب تک قاتل کے قبیلے کے ایک آدمی کو قتل نہیں کر لیتا تھا، قومی فرض ادا نہیں ہو سکتا تھا، اسی کو ثار کہتے ہیں، اور اسی کا نتیجہ تھا، کہ ایک معمولی قتل پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں برس تک مسلسل لڑائیاں قائم ہو جاتی تھیں، اسی طریقہ کے ابطال کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اعلان کیا تھا، اور اپنے قبیلہ کے قاتلوں کا خون معاف کر دیا جائے لیکن صحرا نشین عربوں میں آج تک یہ طریقہ قائم، اور ان کے قومی خصائص کا جزو اعظم ہے،

ثار کے متعلق عجیب عجیب قسم کے معتقدات پیدا ہو گئے تھے مثلاً یہ کہ مقتول جب مرجاتا ہے، تو اس کی روح پرند بن جاتی ہے، اور جب تک اس کا انتقام نہیں لیا جاتا مقام قتل پر شور کرتی رہتی ہے، کہ "مجھ کو پلاؤ میں پیاسی ہوں" اس پرند کو صدیٰ

یا ہامہ کہتے تھے،

ابوداؤد ایادی کہتا ہے،

سلط الموت والمنون علیہم　　فلہم فی صدی المقابر ہام

ان پر موت مسلط ہوگئی، اور مقبروں کے "صدی" میں ان کے لئے "ہام" ہے،

ذوالاصبع العدوانی کا شعر ہے،

یاعمرو ان لاتدع شتمی ومنقصتی　　اضربک حیث تقول الہامۃ اسقونی

اے عمرو! اگر تو مجھ کو گالیاں دینا اور میری تحقیر کرنا نہ چھوڑیگا، تو میں تجھ کو اس طرح ماروں گا، کہ ہامہ کہے گی کہ مجھ کو سیراب کرو،

ایک خیال یہ تھا، کہ جس مقتول کا انتقام نہیں لیا جاتا، اس کی قبر میں ہمیشہ اندھیرا رہتا ہے، عمرو بن معد یکرب کی بہن مقتول کی زبان سے کہتی ہے،

واترک فی قبر بصعدۃ مظلم　　خونبہا لوگے، تو میں اندھیری قبر میں پڑا رہوں گا،

اسی بنا پر خونبہا لینے کو عیب سمجھتے تھے، اسی شاعرہ کا مصرع ہے:۔

ومشوا باذان النعام المصلم　　اور خونبہا لینا ہے، تو بوچے شتر مرغ کا کان پکڑ کر لیجاؤ

غیرت اور حمیت کی بنا پر اس بات کو عیب سمجھتے تھے، کہ مقتول پر نوحہ کیا جائے،

ولاتراہم وان جلت مصیبتہم　　مع البکات علی من مات یبکونا

گو کتنی ہی بڑی مصیبت ہو، لیکن ان کو مرنے والے پر روتا ہوا نہ دیکھو گے؛

عمرو بن کلثوم

معاذ الالہ ان یتوم نساءنا　　علی ہالک وان نضج من القتل

Marfat.com

خدا نہ کرے، کہ ہماری عورتیں مقتول پر نوحہ کریں، یا ہم قتل سے گھبرا جائیں،

مقتول پر نوحہ کرتے تھے، تو اس وقت کرتے تھے جب خون کا انتقام لے لیتے تھے،

من کان مسرورا بمقتل مالك　　فلیات نسوتنا بوجه نهار

جو شخص مالک کے قتل سے خوش تھا　　وہ دن کو ہماری عورتوں کے پاس آئے

یجد النساء حواسرا یندبنه　　یلطمن اوجههن بالاسحار

وہ دیکھے گا، کہ عورتیں ننگے سر نوحہ کر رہی ہیں　　اور صبح کو اپنے چہروں پر دو ہتڑ مار رہی ہیں،

ایک خیال یہ تھا، کہ جو شخص زخم کھا کر مرتا ہے، اس کی روح زخم کی راہ سے نکلتی ہے ورنہ ناک کی راہ سے نکلتی ہے، اور یہ نہایت عیب سمجھا جاتا تھا، اسی بنا پر بیماری سے مرنے کو "حتف انف" کہتے ہیں یعنی ناک کی موت، اور ایسے مرنے کو نہایت عار سمجھتے تھے،

وما مات منا سید حتف انفه　　ولا طل منا حیث کان قتیل

ہمارا کوئی سردار ناک کی راہ سے نہیں مرا　　اور نہ ہمارے کسی مقتول کا خون ہدر ہوا

رفتہ رفتہ عرب کے تمام قومی مفاخر اور اخلاق و عادات کا اصلی محور جنگ بن گیا تھا یعنی ان کے اوصاف و اخلاق میں جس چیز کا اصلی سبب تلاش کیا جائے، یہی چیز نکلتی ہے یہی چیز تھی جس نے ایک مدت تک قبائل عرب کو اسلام لانے سے باز رکھا حضرت عمروؓ بن مالک جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام لا کر اپنے قبیلہ میں واپس گئے، اور اسلام کی دعوت دی، تو انہوں نے کہا "بنو عقیل پر ہمارا اثر باقی ہے، وہ لے لیں تو اسلام لائیں، چنانچہ اسی وقت بنو عقیل پر جو اسلام لا چکے تھے، حملہ آور ہوئے، اور خود

Marfat.com

حضرت عمروؓ بن مالک نے اس میں شرکت کی، گو پھر ان کو بہت ندامت ہوئی، کہ ان کے ہاتھ سے ایک مسلمان[1] مارا گیا،

لوٹ کا مال | چونکہ، جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، لڑائیوں کی اصل بنیاد ضرورت معاش سے شروع ہوئی تھی، اس لئے عرب کے نزدیک مال غنیمت سے بڑھ کر کوئی شے محبوب نہ تھی، اور ذرایع معاش میں سب سے زیادہ حلال وطیب اسی کو سمجھتے تھے، یہ خیال اس قدر دلوں میں راسخ تھا، اور رگ وپے میں سرایت کر گیا تھا، کہ اسلام کے بعد بھی ایک مدت تک قائم رہا، اور جس طرح شارع نے ممنوعات شرع کو بتدریج حرام اور ممنوع کیا تھا، غنیمت کے متعلق نہایت تدریج اور آہستگی سے کام لینا پڑا،

شراب کو جب شارع نے حرام کرنا چاہا، تو پہلے یہ آیت اتری،

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ (بقرہ ۲۷-۸)	لوگ تجھ سے شراب اور قمار کی بابت پوچھتے ہیں، کہہ دے، کہ دونوں میں بڑا گناہ ہے،

اس پر حضرت عمرؓ نے کہا،

اللهم بين لنا في الخمر بيانا شافيا	اے خدا، شراب کے متعلق ہم کو صاف احکام بتا،

پھر یہ آیت اتری،

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (نساء ۷)	نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو،

[1] اسابہ فی احوال الصحابہ، ذکر عمرو بن مالک (جلد ۳ صفحہ ۱۳) س

Marfat.com

چنانچہ نماز کا وقت آتا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک شخص منادی پکارتا کہ کوئی شخص نشہ میں نماز کو نہ آئے، پھر یہ آیت اتری،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ (مائدہ - ۱۲)

مسلمانو! شراب، جوا، انصاب، فال کے تیر، یہ سب ناپاک اور شیطان کے کام ہیں، تو ان سے بچو، کہ غالباً تم فلاح پاؤ گے، شیطان تو صرف یہ چاہتا ہے، کہ شراب اور قمار کے ذریعہ سے تم لوگوں میں عداوت اور بغض ڈالے، اور تم کو خدا کی یاد سے اور نماز سے روکے، تو تم باز آؤ گے،

باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی حرمت کے متعلق اس قدر تاکید و تصریح کی ضرورت خیال کی، کہ جس قسم کے برتنوں میں شراب پیتے تھے، تڑوا دیئے، لوگوں نے عرض کی، کہ شراب کا سرکہ بنالیں، اس سے بھی منع فرمایا، ان سب باتوں پر بھی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بعض لوگوں نے شرابیں پیں، اور جب ان سے باز پرس کی گئی تو انہوں نے نیک نیتی سے کہا، کہ نیک اور اچھے آدمیوں کے لئے شراب کہاں حرام ہے؟ قرآن مجید میں خود شراب کی حرمت کے بعد یہ تصریح موجود ہے،

لہ مسند امام احمد بن حنبل مطبوعہ مصر (جلد ۱) صفحہ ۵۳ و ابوداؤد کتاب الاشربہ باب تحریم الخمر" س"

Marfat.com

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا (مائدہ ۵-۱۲)

جو لوگ ایمان لائے، اور اچھے کام کئے، انہوں نے جو کچھ کھایا (یعنی شراب پی) ان پر کچھ الزام نہیں،

اس موقعہ پر بہت سے صحابہ موجود تھے حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف دیکھا، کہ اس آیت سے کیا مراد ہے، انہوں نے کہا، یہ ان صحابہ کی نسبت ہے، جو شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے مر گئے، حضرت عمرؓ نے تصدیق کی، اور ان لوگوں کو سزا دی، چنانچہ یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ تاریخ طبری میں مذکور ہے،

اس تفصیل سے مقصود یہ ہے، کہ جب کوئی چیز زمانہ دراز سے رسم و عادت میں داخل ہو جاتی ہے، تو اس کے آثار اور مخفی نتائج مدتوں تک قائم رہتے ہیں، اور غنیمت کا بھی یہی حال ہے، سب سے پہلے جنگ بدر میں قبل اس کے کہ مال غنیمت یکجا جمع کیا جاتا، لوگ غنیمت میں مصروف ہو گئے، اس پر یہ آیت اتری،

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (الانفال-۹)

اگر خدا کی طرف سے پہلے حکم نہ ہو چکا ہوتا، تو جو کچھ لیا، اس پر تم کو عذاب ہوتا،

چنانچہ صحیح ترمذی تفسیر سورہ انفال میں یہ واقعہ بتصریح مذکور ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا، کہ جو شخص کسی کافر کو قتل کرے گا، اس کا مال و اسباب قاتل کو ملے گا، اس بنا پر لوگوں نے مسلوبہ مال کا دعوی کیا جو صحابہ خود نہ لڑے تھے، بلکہ علم اور رایت کے محافظ تھے، ان کا دعوی تھا، کہ اس میں ہمارا بھی حق ہے[1]، اس پر یہ آیت اتری،

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (انفال)

لوگ تجھ سے مال غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں کہدے غنیمت خدا اور رسول کیلئے ہے

[1] سنن ابی داؤد، باب النفل،

Marfat.com

اس آیت سے مقصود یہ ہے، کہ مجاہدین مال غنیمت کا خود دعویٰ نہیں کر سکتے اس کی تقسیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہے جس طرح آپ چاہیں تقسیم فرمائیں، اس سے اتنا ہوا، کہ لڑائیوں میں ہر شخص خود لوٹ کر جو چیز چاہتا تھا لیتا تھا، بند ہو گیا لیکن میدان جنگ کے علاوہ اور موقعوں پر لوٹنا مدتوں موقوف نہیں ہوا، سنن ابی داؤد میں ایک انصاری سے روایت ہے، کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں شریک تھے بھوک کی سخت تکلیف ہوئی، اتفاقاً سامنے بکریاں نظر پڑیں، ان کو لوٹ لائے، اور ذبح کر کے ہانڈیاں چڑھا دیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی، تو آپ تشریف لائے، اور کمان جو ہاتھ میں تھی، اس سے دیگچیاں الٹ دیں، اور فرمایا، کہ "لوٹ کی چیز مردہ سے بڑھ کر حلال نہیں"

خیبر کی لڑائی ۷ھ میں ہوئی، اس وقت تک یہ حال تھا، کہ امن کے بعد لوگوں نے یہودیوں کے جانور اور پھل لوٹ لئے، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت غصہ آیا، آپ نے تمام صحابہؓ کو جمع کیا، اور فرمایا،

ان اللہ تعالیٰ لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اھل الکتاب الا باذن و لا ضرب نسائھم ولا اکل ثمارھم اذا اعطوکم الذی علیھم (سنن ابی داؤد باب تعشیر الذمۃ اذا اختلفوا فی التجارۃ)	خدا نے تم لوگوں کے لئے یہ نہیں جائز کیا ہے، کہ اہل کتاب کے گھروں میں گھس جاؤ، مگر بہ اجازت) اور نہ یہ کہ ان کی عورتوں کو مارو، نہ یہ کہ ان کے پھل کھا جاؤ، جب کہ وہ تم کو وہ ادا کریں، جو ان پر فرض ہے،

لہ کتاب الجہاد، باب فی النہی عن النہی

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے، کہ غنیمت کے ساتھ لوگوں کا جو شغف ہے، کم ہو جائے، لیکن مدت تک غنیمت کی محبت اور وارفتگی نہ گئی، غزوہ احد میں صرف اس وجہ سے شکست ہوئی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ تیر اندازوں کو سخت تاکید فرما دی تھی، کہ گو لڑائی کی حالت کچھ ہو تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، تاہم جب فتح ہوئی، تو لوگ بے اختیار لوٹ میں مصروف ہو گئے، ان کا ہٹنا تھا، کہ دشمن نے موقع پا کر پشت کی طرف سے حملہ کر دیا حنین میں بھی شکست کی اصلی وجہ یہی تھی، کہ قبل از وقت لوگوں نے غنیمت لوٹنی شروع کر دی تھی

"غنیمت" اس قدر محبوب تھی، کہ بعض صاحبوں کو کسی کافر کے مسلمان ہونے پر اس بنا پر رنج ہوا، کہ اسلام لانے کی وجہ سے، اس کا مال نہ مل سکا، سنن ابی داؤد میں ہے، کہ ایک صحابی نے ایک سریہ میں حملہ کرنا چاہا، قبیلہ والے روتے ہوئے آئے، انہوں نے کہا لا الہ الا اللہ کہو، تو تمہاری جان اور مال بچ جائے گا، انہوں نے لا الہ الا اللہ کہا، تو ان کو امن دے دیا گیا، جب یہ اپنے ساتھیوں میں آئے، تو لوگوں نے ان کو ملامت کی،

أَحْرَمْتَنَا الْغَنِيمَةَ	تم نے ہم کو غنیمت سے محروم کر دیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب یہ لوگ آئے، تو آپؐ نے ان صحابی کی تحسین کی، اور فرمایا، کہ تم کو ایک ایک آدمی کے بدلے (جس کو تم نے چھوڑا ہے) اس اس قدر ثواب ملے گا،

---

[1] ابوداؤد، باب مایقول اذا اصبح، کتاب الادب،

Marfat.com

سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ تھی، کہ مدت تک لوگ یہ سمجھا کئے، کہ غنیمت کا حاصل کرنا ثواب کا کام ہے، سنن ابی داؤد میں ہے، کہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، کہ یا رسول اللہ! ایک شخص جہاد پر جانا چاہتا ہے، اور چاہتا ہے، کہ کچھ مال ہاتھ آئے، آپ نے فرمایا، کہ "اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا" یہ جواب آکر انہوں نے لوگوں سے بیان کیا، تو لوگوں کو بہت تعجب ہوا، اور ان سے کہا، کہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب نہیں سمجھا پھر جاکر پوچھو، انہوں نے دوبارہ پوچھا، اور وہی جواب ملا، لوگوں نے پھر ان کو بھیجا، اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا، کہ اس کو کچھ ثواب نہیں[1] ملے گا،

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں،

وحشیانہ افعال | عرب میں لڑائیوں کی شدت اور وسعت نے نہایت وحشیانہ رسمیں قائم کر دی تھیں، جن میں سے چند کی تفصیل یہ ہے،

(۱) اسیران جنگ کو جب قتل کرتے تھے، تو چھوٹے چھوٹے بچوں اور عورتوں کو بھی قتل کرتے، بلکہ آگ میں جلا دیتے[2] تھے

(۲) غفلت یا نیند کی حالت میں دفعۃً دشمن پر جا پڑتے تھے، اور قتل و غارت گری شروع کر دیتے تھے، یہ طریقہ عام اور کثرت سے رائج تھا، بہت سے بہادر اس خاص طریقہ میں زیادہ ممتاز تھے، اور ان کو فاتک یا فتاک کہتے تھے، تابط شرا، سلیک بن السلکہ اسی قسم کے لوگ تھے،

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد باب فیمن یغزو ویلتمس الدنیا [2] مجمع الامثال کرمانی مطبوعہ ایران، صفحہ ۳۴۲،

(۳) زندوں کو آگ میں جلا دیتے تھے، عمرو بن ہند عرب کا ایک بادشاہ تھا، کے بھائی کو جب بنو تمیم نے قتل کر دیا، تو اس نے منت مانی کہ ایک کے بدلے سو آدمیوں کو قتل کروں گا، چنانچہ بنو تمیم پر حملہ کیا، وہ لوگ بھاگ گئے صرف ایک بڑھیا رہ گئی تھی جس کا نام حمار تھا، اس کو گرفتار کر کے زندہ آگ میں ڈالدیا، اتفاق یہ کہ ایک سوار جس کا نام عمار تھا آنکلا، عمرو نے پوچھا تو کیوں آیا، اس نے کہا میں کئی دن کا بھوکا تھا، دھواں اٹھتے دیکھا، تو سمجھا کھانا ہوگا، عمرو نے حکم دیا، کہ وہ بھی آگ میں ڈالدیا جائے، چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی، جریر نے اپنے شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے

واخزاکم عمرو کما قد خزیتم ۔۔۔ وادرک عمارا شقی الیراجم

(۴) بچوں کو نشانہ بنا کر تیروں سے مارتے تھے، داحس اور غبرا کی لڑائی میں قیس نے بنو ذبیان کے پاس اپنے بچے ضمانت کے طور پر رکھے تھے، حذیفہ نے جو بنو ذبیان کا رئیس تھا، ان بچوں کو لے جا کر ایک وادی میں کھڑا کیا، اور ان کو نشانہ بنا کر تیر اندازی کرتا تھا، اتفاق سے کوئی لڑکا نہ مرا، تو دوسرے دن پر اٹھا رکھا جاتا تھا، چنانچہ دوسرے دن یہ تفریح انگیز چاندماری پھر شروع ہوتی تھی، اور لوگ یہ تماشا دیکھتے تھے،[1]

(۵) قتل کا ایک طریقہ یہ تھا، کہ ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضا کاٹ کر چھوڑ دیتے تھے، وہ تڑپ تڑپ کر مرجاتا، غطفان اور عامر کی لڑائی میں اسی خوف سے حکم بن الطفیل نے اپنے آپ کو خود گلا گھونٹ کر مار ڈالا تھا، جیسا کہ عقد الفرید میں بہ تفصیل مذکور ہے،

---

[1] مجمع الامثال صفحہ ۷۷ ج ۱،

عرنیہ کے لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بظاہر اسلام لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کو پکڑ کر لے گئے، تو ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے پھر ان کی آنکھوں اور زبان میں کانٹے چبھوئے، یہاں تک کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر گئے،[1]

(۶) مرنے کے بعد بھی انتقام کا جوش طرح طرح کی نفرت انگیز صورتوں میں ظاہر ہوتا تھا، مردوں کے ہاتھ، پاؤں، کان، ناک وغیرہ کاٹ لیتے تھے، ہند نے جنگ احد میں اسی رسم کے موافق حضرت حمزہؓ اور دیگر شہداء کے اعضاء کاٹ کر ہار بنایا، اور گلے میں پہنا تھا،

(۷) منت مانتے تھے، کہ دشمن پر قابو ہاتھ آئے گا، تو اس کی کھوپڑی میں شراب پئیں گے، سلافہ کے دو بیٹے جنگ احد میں عاصم کے ہاتھ سے مارے گئے تھے، اس بنا پر سلافہ نے منت مانی، کہ عاصم کی کھوپڑی میں شراب ڈال کر پئے گی،[2] یہ بھی معمول تھا، کہ مقتول کا کلیجہ نکال کر کھا جاتے تھے، ہند نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ جو نکال کر چبا لیا تھا اس کا حال اوپر گذر چکا ہے،

(۸) حاملہ عورتوں کا پیٹ چاک کر ڈالتے، اور اس پر فخر کرتے تھے، عامر بن طفیل عرب کا مشہور بہادر اور رئیس ہوازن کہتا ہے،

---

[1] یہ واقعہ تمام کتب حدیث میں مذکور ہے لیکن بہ تفصیل طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم اول صفحہ ۶۰ سے ماخوذ ہے مسلم میں صرف آنکھوں کا اندھا کرنا مذکور ہے [2] طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۳۹ سریہ مرثد بن ابی مرثد ۳ س"

Marfat.com

غزوات نبوی کے اسباب[1] و انواع

تفصیل مذکورہ بالا کے بعد اب ہم اس واقعہ کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، کہ غزوات نبوی کن اسباب سے وجود میں آئے، اور شارع علیہ السلام نے طریقہ قدیم میں کیا اصلاحیں فرمائیں

مورخین نے "غزوہ" کے لفظ کو اس قدر وسعت دی ہے، کہ امن وامان قائم رکھنے کے لئے دو چار آدمی بھی کہیں بھیجدیئے گئے، تو اس کو بھی انہوں نے غزوہ میں شمار کر لیا، غزوہ کے علاوہ ایک اور لفظ ہے "یعنی سریہ" غزوہ اور سریہ میں لوگوں کے نزدیک یہ فرق ہے کہ غزوہ میں کم سے کم آدمیوں کی ایک خاص تعداد ضروری ہے، سریہ میں کوئی قید نہیں ایک آدمی بھی کہیں لڑائی دیکھ بھال کو بھیج دیا گیا، تو یہ بھی "سریہ" ہے، بعضوں کے نزدیک غزوہ کے لئے یہ شرط ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس اس میں شرکت کی ہو،

حقیقت یہ ہے، کہ جن واقعات کو مورخین سریہ کہتے ہیں، وہ چند قسموں پر منقسم ہے،

(۱) محکمہ تفتیش یعنی دشمنوں کی نقل وحرکت کی خبر رسانی

(۲) دشمنوں کے حملہ کی خبر سنکر مدافعت کے لئے پیش قدمی کرنا

(۳) قریش کی تجارت کی روک ٹوک، تاکہ وہ مجبور ہو کر مسلمانوں کو حج وعمرہ کی اجازت دیں۔

---

[1] یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے، کہ یہ بحث تمامتر تاریخی حیثیت سے ہے، جہاد کی اصل حقیقت پر بحث کتاب کی دوسری جلد میں آئے گی،

Marfat.com

(۴) امن وامان قائم کرنے کے لئے تعزیری فوجیں بھیجنا،

(۵) اشاعت اسلام کے لئے لوگ بھیجے گئے، اور حفاظت کے خیال سے کچھ فوج ساتھ کردی گئی، اس صورت میں تاکید کردی جاتی تھی، کہ تلوار سے کام نہ لیا جائے،

(غزوہ کی صرف دو صورتیں تھیں)

(۱) دشمنوں نے دارالاسلام پر حملہ کیا، اور ان کا مقابلہ کیا گیا،

(۲) یہ معلوم ہوا، کہ دشمن مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں، اور پیش قدمی کی گئی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو لڑائیاں واقع ہوئیں، یا اس قسم کے جو واقعات پیش آئے، انہی مختلف اغراض سے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے چلے آئے، تو قریش نے فیصلہ کرلیا، کہ اسلام کو مٹا دیا جائے، کیونکہ وہ جانتے تھے، کہ اگر اسلامی تحریک قائم رہی، تو ایک طرف ان کے مذہب کو صدمہ پہنچے گا، دوسری طرف تمام عرب میں انکا جو تفوق اور اثر اور مرجعیت عام ہے سب جاتا رہے گا، اس بنا پر ایک طرف تو قریش نے خود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں، دوسری طرف تمام قبائل عرب کو بھڑکا دیا، کہ یہ نیا گروہ اگر کامیاب ہوگیا، تو تمہاری آزادی بلکہ ہستی بھی فنا ہو جائے گی،

بیعت عقبہ میں جب انصار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے، تو ایک انصاری نے کہا" برادران من! جانتے ہو کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب وعجم سے اعلان جنگ ہے" اور ہم مسند دارمی کے حوالہ سے نقل کر آئے ہیں، کہ آنحضرت

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے، تو تمام عرب مدینہ پر حملہ کے لئے تیار ہوگیا، تو بات یہاں تک پہنچی، کہ مدینہ میں مہاجرین اور انصار رات کو سوتے تھے، تو ہتھیار باندھ کر سوتے تھے، اوپر گذر چکا ہے (بحوالہ ابوداؤد) قریش نے عبداللہ بن ابی کو پیغام بھیجا تھا، کہ محمدؐ کو وہاں سے نکالدو، ورنہ ہم خود مدینہ آکر تمہارا اور محمدؐ دونوں کا فیصلہ کردیں گے،

محکمہ تفتیش | ان واقعات کی بنا پر ضرور تھا، کہ اسلام اور دارالاسلام کی حفاظت کے لئے ضروری تدبیریں اختیار کی جائیں، اس سلسلہ کا سب سے پہلا کام یہ تھا، کہ خبر رسانی اور جاسوسی کا انتظام وسیع پیمانہ پر کیا جائے، چنانچہ ابتدا ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انتظام پر توجہ کی، وقتاً فوقتاً کثرت سے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں بنا کر مختلف مقامات پر بھیجتے رہتے تھے، یہ ٹکڑیاں گو محض خبر رسانی کے لئے جاتی تھیں لیکن حفاظت کی غرض سے مسلح اور جمعیت کی صورت میں جاتی تھیں،

یہی واقعات ہیں جن کو مورخین "سرایا" سے تعبیر کرتے ہیں، اور ان کے نزدیک اس کا مقصد کسی قافلہ کا لوٹنا یا کسی جماعت پر بے خبری کی حالت میں جا پڑنا ہوتا تھا،

ایک بڑا قرینہ اس بات کا کہ ان دستوں کے بھیجنے سے حملہ کرنا مقصود نہیں ہوتا تھا، یہ ہے، کہ دستے اکثر دس دس بارہ بارہ آدمیوں سے زیادہ نہیں ہوتے تھے، اور یہ ظاہر ہے، کہ اتنے تھوڑے سے آدمی لڑنے کے لئے نہیں بھیجے جا سکتے تھے مثلاً ۲ھ میں

سریہ ابن جحش | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش کو بارہ آدمیوں کے ساتھ مکہ کی

لہ باب فی خبر النفیر،

طرف بھیجا، اور ایک سربہ مہر تحریر دی، کہ دو دن کے بعد اس خط کو کھولنا، دو دن کے بعد انہوں نے کھولا، تو اس میں یہ الفاظ تھے،

فسِر حتی تنزل نخل بین مکۃ	برابر چلے جاؤ، یہاں تک کہ نخلہ میں جاکر
والطائف نترصد بھا قریشا و	ٹھہرو، جو مکہ اور طائف کے بیچ میں ہے اور
تعلم لنا من اخبارھم	قریش کی دیکھ بھال کرتے رہو، اور ان کی خبریں
(طبری صفحہ ۱۲۷۴)	دریافت کرو،

مدافعت | اس انتظام کا یہ نتیجہ تھا، کہ جب کوئی مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتا، تو فوراً خبر ہو جاتی اور پیش دستی کرکے فوجیں بھیجدی جاتیں، اکثر سرایا اسی قسم کے تھے، اور چونکہ ہم سرایا کا ذکر زیادہ قلم انداز کر آرہے ہیں، اس لئے مثال کے طور پر چند سرایا کا ذکر کرتے ہیں اور قدمائے اہل سیر کی تصریحات سے یہ ثابت کرتے ہیں، کہ یہ مہمیں مدافعت کی غرض سے تھیں،

سریہ غطفان

سریہ غطفان ۲ھ

وذلك انه بلغ رسول الله صلی	اس غزوہ کا سبب یہ تھا، کہ آنحضرت
الله علیه وسلم ان جمعا من بنی	صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی، کہ قبیلہ بنو ثعلبہ
ثعلبۃ ومحارب بنی امرقدا	اور محارب کی ایک فوج ذوامر میں اس
تجمعوا یرون ان یصیبوا من	غرض سے جمع ہوئی ہے، کہ آنحضرت صلی
اطراف رسول الله صلی الله علیه وسلم	اللہ علیہ وسلم کی طرف حملہ کرے، اس فوج

Marfat.com

جمعهم رجل منهم يقال له دعثور بن الحارث الخ (طبقات صفحہ ۲۳)

کو ایک شخص نے جمع کیا ہے، جس کا نام دعثور ہے،

سریہ ابوسلمہ

سریہ ابوسلمہ ۲ھ

وذلك انه بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم ان طليحة وسلمة ابنى خويلد قد سارا فى قومهما ومن اطاعهما يدعونهم الى حرب رسول الله صلى الله عليه وسلم (ابن سعد ص۳۵)

اس سریہ کی وجہ یہ تھی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر لگی، کہ طلیحہ اور سلمہ (پسران خویلد) دونوں اپنی قوم اور اپنے پیروؤں کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے ہیں،

سریہ عبداللہ بن انیس

سریہ عبداللہ بن انیس، بغرض قتل سفیان بن خالد ۳ھ

وذلك انه بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم ان سفيان بن خالد الهذلى اللحيانى وكان ينزل عرنة وما والاها فى ناس من قومه وغيرهم قد جمع الجموع لرسول الله صلى الله عليه وسلم

ابن انیس اس لئے بھیجے گئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر لگی، کہ ابوسفیان بن خالد اپنے قبیلہ کو اور باہر کے لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے جمع کر رہا ہے،

غزوہ ذات الرقاع

غزوہ ذات الرقاع ۴ھ

فاخبر اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ان انمارا وثعلبة قد جمعوا

ایک جاسوس نے آکر صحابہ کو اطلاع دی، کہ انمار اور ثعلبہ وغیرہ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے

Marfat.com

لهم المجموع ..... فمضى

غزوہ دومۃ الجندل ۵ھ

غزوہ دومۃ الجندل

قالوا بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم ان بدومة الجندل جمعا كثيرا ..... واظهر يريدون ان يغزوا من المدينة (ابن سعد ص۴۲)

رواۃ بیان کرتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر لگی، کہ دومۃ الجندل میں ایک گروہ کثیر جمع ہے، اور مدینہ پر بڑھنا چاہتا ہے،

غزوہ مریسیع ۵ھ

غزوہ مریسیع

ان بني المصطلق من خزاعة و هم من حلفها بني مدلج وكان رأسهم وسيدهم الحارث بن ابي ضرار فسار الى قومه ومن قدر عليه من العرب فدعاهم الى حرب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاجابوه

(ابن سعد. صفحہ ۴۵)

قبیلہ بنو مصطلق خزاعہ کی شاخ ہے اور یہ لوگ بنو مدلج کے حلیف ہیں اور ان کا سردار حارث بن ابی ضرار تھا، وہ اپنی قوم کو اور نیز اور لوگوں کو جو اس کے تابع میں تھے، لے کر چلا، اور لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کی دعوت دی، اور لوگوں نے منظور کی ہے،

سریہ فدک ۶ھ

سریہ فدک

بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا، کہ

ان لرهم جمعا یریدون ان یمدوا یهود خیبر

بنو سعد فدک میں یہود خیبر کی کمک کے لئے فوج جمع کر رہے ہیں،

سریہ بشیر بن سعد

سریہ بشیر بن سعد شوال ۷ھ

بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان جمعا من غطفان بالجناب قد واعدوهم عیینة بن حصن لیکونن معهم لیزحفوا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی، کہ غطفان کا ایک گروہ مقام جناب میں جمع ہے اور ان سے عیینہ بن حصن نے وعدہ کیا ہے کہ ان کے ساتھ مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوگا

سریہ عمرو بن العاص

سریہ عمرو بن العاص ذات سلاسل ۸ھ، یہ مقام مدینہ سے ۸ منزل ہے،

بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان جمعا من قضاعة قد تجمعوا یریدون ان یدلفوا الی اطراف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی، کہ قضاعہ کا ایک گروہ جمع ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے،

قریش کی تجارت کی روک ٹوک

بخاری کے حوالہ سے ہم اوپر نقل کر آئے ہیں، کہ (قریش اور مسلمانوں میں جنگ چھڑنے سے پہلے) ابوجہل نے حضرت معاذ انصاری رضؓ سے کعبہ میں یہ کہا تھا، کہ اگر تم لوگ محمدؐ کو نکال نہ دوگے، تو تم کعبہ کا طواف نہیں کر سکتے، انہوں نے جواب دیا تھا، کہ تم نے اگر ہم کو کعبہ میں آنے سے روکا، تو ہم تمہاری شام کی تجارت روک دیں گے، (مکہ سے شام کو جو قافلہ جاتا تھا، مدینہ اس کی راہ میں پڑتا تھا) کعبہ مسلمانوں

Marfat.com

کی خاص چیز تھی، کیونکہ کعبہ جس نے تعمیر کیا تھا مسلمان اسی کے دین (ابراہیمی) کے پیرو تھے، باوجود اس کے قریش نے مسلمانوں کو عموماً حج اور عمرہ سے روک دیا، اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، کہ ان کا کاروان تجارت روک دیا جائے، کہ وہ مجبور ہو کر مسلمانوں کو کعبہ کے اندر جانے کی اجازت دیں،

بعض سرایا قبل حدیبیہ

سرایا کے ذکر میں اکثر جگہ اہل سیر لکھتے ہیں، کہ "یتعرض لعیر قریش" یعنی اس لئے فوجیں بھیجی گئیں، یا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، کہ کاروان قریش کی روک ٹوک کی جائے"، یہ تمام مہمات اسی غرض کے لئے تھیں، لیکن چونکہ قریش تجارت کے لئے بھی ہتھیار بند ہو کر نکلتے تھے، اور کم از کم سو دو سو کی جمعیت ساتھ لے کر جاتے تھے اس لئے روک ٹوک میں کبھی کبھی مقابلہ پیش آجاتا تھا، اور جب قریش شکست کھا کر بھاگ جاتے تھے، تو مال تجارت غنیمت میں ہاتھ آتا تھا، اہل سیر غلطی سے ان واقعات کو اس پیرایہ میں لکھتے ہیں، کہ قافلہ کا لوٹنا ہی اصل مقصد تھا،

یہی روک ٹوک تھی جس کی بنا پر قریش نے بالآخر حدیبیہ کی صلح کر لی جس کی رو سے مسلمانوں کو چند خاص پابندیوں کے ساتھ حج کی اجازت مل گئی، قریش پر کاروان تجارت کی روک ٹوک کا اس قدر اثر پڑتا تھا، کہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے مکہ میں جب اپنے اسلام کا اعلان کیا، اور قریش نے اس جرم میں ان کو مارنا پیٹنا شروع کیا، اور حضرت عباسؓ نے کہا، کہ غفار کا قبیلہ تمہارے کاروان تجارت کے سر راہ واقع ہے، تمہاری اس حرکت سے برہم ہو کر وہ راستہ نہ روک دے، تو یہ تدبیر پوری کارگر ہوئی، اور انہوں نے

Marfat.com

ڈر کر حضرت ابوذرؓ کو چھوڑ دیا، صلح حدیبیہ کے بعد قریش کی خواہش کے مطابق جب طے ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے نومسلموں کو واپس دیدیں گے، اور ان نومسلموں نے مکہ سے بھاگ کر شام کی راہ میں اپنا ایک مستقر قائم کر لیا، اور قریش کی تجارت کی راہ کو غیر مامون کر دیا، تو قریش نے بالآخر اجازت دیدی، کہ جو مسلمان چاہے، مکہ سے مدینہ چلا جائے، ان کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہ ہوگی، پھر آئندہ سال انہوں نے مسلمانوں کو حج و عمرہ کی بھی اجازت دیدی، اس کے بعد پھر کبھی مسلمانوں نے قریش کے کاروان تجارت سے تعرض نہیں کیا، بلکہ خود اس کی حفاظت کے لئے فوج بھیجتے تھے[1]

امن وامان قائم کرنا اوپر گذر چکا ہے، کہ عرب میں اس سرے سے اس سرے تک مطلق امن وامان نہ تھا، تمام قبائل باہم لڑتے رہتے تھے، یہاں تک کہ محترم مہینوں میں بھی بہانے نکال کر مہینوں کے نام بدل دیتے تھے، اور لڑتے تھے، تجارت بالکل غیر محفوظ تھی، قافلوں کا لوٹ لینا عام بات تھی، جیسا کہ بدقسمتی سے آج بھی بدو قافلوں کو لوٹتے رہتے ہیں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے اس لئے بھیجا تھا، کہ نہ صرف وعظ و پند بلکہ دست و بازو سے بھی تمام عرب بلکہ تمام دنیا میں امن وامان قائم کریں، کیونکہ خونریزی اور قتل سے زیادہ کوئی چیز خدا کو پسند نہیں،

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ	اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل کو لکھ دیا تھا،
اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا	کہ جس شخص نے ایک جان کو بغیر معاوضہ

[1] فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۱۲۶۱،

بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ	(یا زمین میں فساد) کے قتل کر دیا، اس نے
فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا (مائدہ ۵ - ۵)	تمام عالم کو قتل کر دیا،
وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ	اور جب وہ پھر کر جاتا ہے، تو کوشش
لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ	کرتا ہے، کہ زمین میں فساد برپا کرے، اور
النَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ	کھیتی اور نسل کو برباد کرے، اور فساد کو پسند
(بقرہ ۲ - ۲۵)	نہیں کرتا،
اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ	جو لوگ خدا اور رسول سے لڑتے ہیں، اور زمین
رَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا	میں فساد مچاتے ہیں، ان کی سزا یہ ہے، کہ وہ
اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ	قتل کر دیئے جائیں، یا پھانسی دیئے جائیں، یا ان
اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ	کا ایک ہاتھ اور دوسرے طرف کا پاؤں کاٹ
يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (مائدہ ۵ - ۵)	ڈالا جائے، یا جلا وطن کر دیئے جائیں،

احادیث میں ہے، کہ جب حضرت عدیؓ (حاتم طائی کے بیٹے) اسلام لائے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا، کہ "خدا اس کام کو اس طرح پورا کرے گا، کہ ایک شتر سوار صنعا سے لے کر حضر موت تک سفر کرے گا، اور اس کو خدا کے سوا یا بھیڑیئے کے سوا (کہ اس کی بکریاں نہ اٹھا لے جائے) اور کسی کا ڈر نہ ہوگا، یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں، صحیح بخاری میں[1] ہے، کہ "خدا اس کام کو اس طرح پورا کرے گا، کہ ایک عورت حیرہ

[1] صحیح بخاری باب ما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من المشرکین بمکۃ ص ۵۲۰ باب علامات النبوۃ،

Marfat.com

سے چلے گی، اور آکر کعبہ کی زیارت کرے گی، اور اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا حضرت عدی کہتے ہیں، کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، کہ ایک عورت حیرہ سے سفر کر کے حرم تک آتی ہے، اور اس کو کسی کا ڈر نہیں ہوتا،

بہت سے واقعات ہیں جن کو اہل سیر سرایا میں شمار کرتے ہیں، وہ محض تجارت کی آزادی اور عام امن وامان قائم کرنے کی غرض سے تھے، دو تین مثالیں ہم درج کرتے ہیں،

سریہ زید بن حارثہ

۶ھ میں حضرت زیدؓ مال تجارت لے کر شام گئے، واپس آتے ہوئے جب وادی قریٰ کے قریب پہنچے، تو بنو فزارہ کے لوگوں نے آکر ان کو مار پیٹا، اور تمام مال و اسباب چھین لے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تدارک کے لئے تھوڑی سی فوج بھیجی، جس نے ان لوگوں کو سزا دی[1]،

اسی سنہ میں اس سے پہلے حضرت دحیہ کلبیؓ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خط دے کر قیصر کے پاس بھیجا تھا، شام سے واپس آرہے تھے جب حسمی پہنچے، تو ہنید نے چند آدمیوں کے ساتھ ان پر ڈاکہ ڈالا، اور جو کچھ ان کے پاس تھا سب چھین لیا، صرف بدن کے کپڑے (وہ بھی جو پرانے اور پھٹے تھے) چھوڑ دیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تدارک کے لئے حضرت زیدؓ کو بھیجا[2]

سریہ دومۃ الجندل

۴ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر لگی، کہ دومۃ الجندل میں جو مدینہ منورہ سے شام کی جانب پندرہ منزل پر ہے، ایک بڑا گروہ جمع ہو گیا ہے، جو تاجروں کو ستاتا ہے

---

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۶۵ جلد غزوات، [2] ابن سعد صفحہ ۶۳،

Marfat.com

اس کے تدارک کے لئے آپ خود تشریف لے گئے، مجمع منتشر ہو چکا تھا لیکن آپ نے چند روز تک وہاں قیام کیا، اور انتظام کے لئے تمام اطراف میں فوج کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں بھیجدیں،

سریہ خبط یا سیف البحر

(یہ حالت کچھ مسلمان تاجروں کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ صلح حدیبیہ کے بعد کفار قریش کے کاروان تجارت کی بھی اسی طرح حفاظت کی جاتی تھی، ۸ھ میں قریش کا کاروان تجارت شام سے واپس آرہا تھا قبیلہ جہینہ کی طرف سے اطمینان نہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہؓ بن جراح کی سرداری میں تین سو مسلمانوں کی جمعیت جس میں حضرت عمرؓ بھی داخل تھے، مدینہ سے ۵ دن کی مسافت پر روانہ فرمایا، مسلمانوں نے اس فرض کو اس طرح انجام دیا، کہ کھانے کو کچھ نہ رہا، تو ایک ایک چھوہارے پر دن دن بھر گذار دیا[۱]،

صحیح مسلم[۳] میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے، لیکن اس سریہ کی غرض مختلف راویوں نے مختلف بیان کی ہے، اصل راوی حضرت جابرؓ ہیں، جو اس واقعہ میں شریک تھے، ایک روایت میں ہے، کہ جہینہ سے لڑنے کو یہ مہم بھیجی گئی تھی، کتب مغازی میں بھی یہی مذکور ہے، دوسری روایتوں کے الفاظ یہ ہیں،

(۱) لنلقی عیر قریش، قافلہ قریش سے ملنے کیلئے (۲) نرصد عیر قریش، قافلہ قریش کی دیکھ بھال کے لئے

اس سے مقصود عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے، کہ قافلہ قریش کے لوٹنے کے لئے لیکن یہ صریح غلطی ہے، کیونکہ یہ زمانہ تو صلح حدیبیہ کا تھا، اس بنا پر ان الفاظ کے صاف معنی یہ ہیں، کہ یہ مہم قافلہ

---

[۱] ابن سعد صفحہ ۴۴ جلد غزوات، [۲] ابن سعد جز مغازی سریہ خبط، [۳] صحیح مسلم باب اصابۃ میتۃ البحر صحیح بخاری باب غزوہ سیف البحر میں بھی یہ روایتیں ہیں)

Marfat.com

قریش کی حفاظت اور جہینہ کو روکنے کیلئے بھیجی گئی تھی، حافظ ابن حجر کی بھی یہی تحقیق ہے[1]

غزوہ غابہ

عرب کی جسارت اور رہزنی کی عادت کا یہ حال تھا، کہ اگرچہ ہر دفعہ ان کو سخت سے سخت سزائیں ملتی تھیں، تاہم وہ کسی طرح جرائم سے باز نہیں آتے تھے، یہاں تک کہ غابہ پر جو مدینہ کا چراگاہ تھا، ڈاکے ڈالتے تھے، ۴ھ میں قبیلہ فزارہ کی آبادی میں قحط پڑا، عیینہ بن حصن جو یہاں کا رئیس تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرط کرم سے اس کو اجازت دی، کہ اسلامی حدود میں جو سیراب تھے، مویشی چرائے، لیکن ۶ھ میں اسی عیینہ نے غابہ پر جو مدینہ کا چراگاہ تھا، حملہ کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس اونٹنیاں لوٹ لیں حضرت ابوذرؓ کے بیٹے جو چراگاہ کے محافظ تھے، ان کو قتل کر دیا چنانچہ ارباب سیر اس واقعہ کو غزوہ غابہ سے تعبیر کرتے ہیں،

عرب کا تمام ملک جو اسلام کا دشمن ہو گیا، اور اخیر فتح مکہ تک کفار سے جو لڑائیاں جاری رہیں، اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی، کہ عرب کی معاش کا بڑا ذریعہ رہزنی، قطاع الطریقی اور قتل و تاراج تھا، اسلام ان چیزوں کو مٹاتا تھا۔ اس لئے عرب اسلام سے بڑھ کر کسی کو اپنا دشمن نہیں سمجھ سکتے تھے،

بیخبری میں حملہ کرنے کا سبب

عرب کے قبائل دو قسم کے تھے، ایک وہ جو کسی خاص مقام پر مستقل سکونت رکھتے تھے، دوسرے، وہ جو خیمہ نشین اور بادیہ گرد تھے، ان کا کوئی خاص مستقر نہ تھا، جہاں چشمہ یا سبزہ زار دیکھا خیمے ڈال دیئے، جب وہاں بھی پانی نہ رہا، تو خبر رساں

[1] فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۶۱ و ۶۲،

Marfat.com

کسی اور مقام کی خبر لائے، اور وہاں چلے گئے، ان قبائل کو عربی میں اصحاب الوبر کہتے ہیں، زیادہ تر جو قبائل ڈاکے ڈالا کرتے، اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے، اسی قسم کے قبائل تھے، ان کا انتظام اور ان کی روک ٹوک سخت مشکل تھی، ان کی تعزیر کے لئے فوجیں جاتی تھیں تو یہ پہاڑوں پر بھاگ جاتے تھے، اور قابو میں نہیں آتے تھے، اس لئے مجبوراً جو فوجیں ان پر بھیجی جاتی تھیں غفلت میں بھیجی جاتی تھیں، کہ وہ بھاگ نہ جانے پائیں،

اکثر سرایا کے بیان میں اہل سیر نے لکھا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فوجیں بھیجیں جو راتوں کو چلتی تھیں، اور بے خبری کی حالت میں موقع پر پہنچ کر حملہ کرتی تھیں اور قبائل کو لوٹ لیتی تھیں، اس قسم کے تمام واقعات تمام کتابوں میں کثرت سے منقول ہیں، اور انہی واقعات سے یورپ کے لوگوں نے یہ خیال قائم کیا ہے، کہ اسلام نے دشمن پر ڈاکہ ڈالنا، اور لوٹ مار کرنا جائز رکھا ہے، اسی بنا پر مارگولیوس نے یہ استدلال کیا ہے، کہ چونکہ بہت دنوں تک مسلمانوں کے پاس معاش کا کوئی ذریعہ نہ تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا، کہ قبائل پر بے خبری میں حملہ کرکے مال و اسباب لوٹ لایا کرتے تھے،

لیکن جب زیادہ تفحص اور استقرار اور کد و کاوش سے تمام واقعات بہم پہنچائے جائیں، تو ثابت ہوگا، کہ اچانک حملہ انہی قوموں پر کیا جاتا تھا جن کی نسبت یہ احتمال ہوتا تھا، کہ ان کو خبر ہوگی، تو پہاڑوں کی چوٹیوں پر یا کسی اور مقام پر بھاگ جائیں گے، چنانچہ اکثر ایسا ہوا، کہ ان قوموں کو خبر ہوئی، اور وہ کسی طرف چل دیئے، اس قسم کے چند واقعات ہم اس موقعہ پر نقل کرتے

Marfat.com

ہیں، ان میں سے بعض میں آپ خود تشریف لے گئے، اور بعض میں کچھ دستے بھیجدیئے،

غزوہ بنو سلیم

غزوہ بنو سلیم ۳ھ (ابن سعد صفحہ ۴۲)

واغذ السیر . . . فوجدھم قد تفرقوا فی میاھھم فرجع

اور بہت تیزی سے بگ ٹٹ گئے لیکن وہ لوگ اپنے چشموں کی طرف چلدیئے تھے (اس لئے لوٹ آئے)

غزوہ ذات الرقاع

غزوہ ذات الرقاع ۴ھ،

وھربت الاعراب الی رءوس الجبال

اور اعراب پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھاگ گئے،

سریہ عکاشہ

سریہ عکاشہ ۶ھ،

وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عکاشۃ بن محصن الی الغمر فی اربعین رجلا فخرج سریعا یُغِذُّ السیر . . . فھربوا (صفحہ ۶۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاشہ بن محصن کو ۴۰ آدمیوں کے ساتھ بھیجا، وہ بگ ٹٹ گئے . . . . . لیکن وہ لوگ بھاگ گئے،

سریہ علی رضی اللہ عنہ ابی طالب

سریہ علی رضی اللہ عنہ ابی طالب الی بنی سعد ۶ھ

فبعث الیھم علی بن ابی طالب فی مائۃ رجل فسار اللیل وکمن النھار حتی انتھی الی الھمج فاغار واعلیھم فاخذ واخمس

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سو آدمیوں کے ساتھ بھیجا، وہ راتوں کو چلتے تھے، اور دن کو چھپ رہتے تھے، یہاں تک کہ مقام ہمج پہنچ گئے، پھر ان لوگ

Marfat.com

مائة بعیر والفی شاة وهربت بنو سعد بالظعن (صفحہ - ۶۵)

حملہ کیا، اور پانسو اونٹ اور دو ہزار بکریاں لوٹیں، اور بنو سعد مستورات کو لے کر بھاگ گئے،

غزوہ بنو لحیان ۶ھ

غزوہ بنو لحیان

فسمعت بهم بنو لحیان فهربوا فی رءوس الجبال

بنو لحیان نے ان کی آمد سنی، تو پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھاگ گئے،

سریہ عمر بن خطاب بطرف ثریہ ۷ھ

سریہ عمر بن خطاب

فکان یسیر اللیل ویکمن النهار فاتی الخبر هوازن فهربوا و جاء عمر بن الخطاب مجلهم فلم یلق منهم احدا

راتوں کو چلتے تھے، اور دن کو چھپ جاتے تھے، ہوازن کو خبر لگ گئی، تو وہ فرار ہو گئے، حضرت عمرؓ ان کے پڑاؤ پہ پہنچے، تو کسی کو نہ پایا،

سریہ کعب بن عمیر ربیع الاول ۸ھ

سریہ کعب بن عمیر

اس سریہ کا یہ واقعہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ شخصوں کو شام کی طرف بھیجا، ذات اطلاح پہنچ کر ان لوگوں کو ایک بڑی جماعت نظر آئی، ان لوگوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے انکار کیا، اور ان پر تیر اندازی شروع کی، مجبور ہو کر یہ لوگ بھی لڑے، اور بالآخر سب شہید ہوئے، صرف ایک صاحب بچے انہوں نے آکر خبر کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے انتقام لینا چاہا، لیکن وہ لوگ یہ مقام

چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے، ابن سعد میں یہ الفاظ ہیں،

وھم بالبعث الیھم فبلغہ انھم قد ساروا الی موضع اخر — ان پر فوج بھیجنے کا ارادہ کیا، پھر معلوم ہوا کہ وہ کہیں اور چلے گئے،

اشاعتِ اسلام

(ان اغراض کے علاوہ اور جو سرایا بھیجے گئے، ان کی غرض اشاعت اسلام ہوتی تھی، لیکن چونکہ ملک میں امن وامان نہ تھا، اور نیز دشمنوں نے اس سرے سے اس سرے تک آگ لگا رکھی تھی، لیکن دعوت اسلام کے لئے جو سرایا جاتے تھے انکی زندگی ہمیشہ معرض خطر میں رہتی تھی،

سریہ بیر معونہ

صفر ۳ھ میں ستر داعیانِ اسلام کی جماعت قبیلہ کلاب میں رئیس قبیلہ کی دعوت پر اشاعت اسلام کی غرض سے بھیجی گئی، لیکن بیر معونہ کے قریب قبائل رعل و ذکوان کے ہاتھ سے کل کی کل شہید ہوئی، صرف ایک صاحب بچ گئے تھے، جنہوں نے مدینہ آکر خبر کی،

سریہ مرثد

اسی زمانہ میں یعنی صفر ۳ھ میں قبیلہ عضل وقارہ نے تعلیم وارشاد کے لئے دعاۃ اسلام کے بھیجنے کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عاصمؓ حضرت خبیبؓ حضرت مرثد بن ابی مرثدؓ وغیرہ دس صاحبوں کو اس غرض کے لئے روانہ فرمایا، مقام رجیع میں پہنچکر بنو لحیان نے ان پر حملہ کیا، اور ایک کے سوا کل صاحب شہید کر دیئے گئے،

غزوہ بنی لحیان

۶ھ میں بنو لحیان کی تعزیر کے لئے مہم گئی، لیکن کامیابی نہ ہوئی، وہ سن گن پاکر بھاگ گئے تھے،

شر ابن ابی العوجاء

۷ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داعیوں کی ایک جماعت جس میں پچاس

آدمی شامل تھے قبیلہ بنی سلیم کے پاس بھیجی، اس گروہ کے سردار ابن ابی العوجاء تھے انہوں نے بنو سلیم کو دعوت دی لیکن ان لوگوں نے انکار کیا، اور تیر اندازی شروع کی، یہ لوگ بھی لڑے لیکن پچاس آدمی قبیلہ کے قبیلہ کا کیا مقابلہ کر سکتے تھے نتیجہ یہ ہوا، کہ رئیس فوج یعنی ابن ابی العوجاء کے سوا سب شہید ہوئے،

سریہ کعب بن عمیر

ربیع الاول ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن عمیر غفاری کو پندرہ آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ دعوت اسلام کے لئے ذات اطلاح کی طرف روانہ کیا، یہ مقام شام کے حدود میں وادی القریٰ سے اس طرف ہے، ان لوگوں نے اسلام کی تبلیغ کی، لیکن جواب وہی تیغ و سنان تھا، یہاں تک کہ یہ جماعت بھی کل کی کل شہید ہوئی صرف ایک صاحب بچ گئے جنہوں نے آکر مدینہ میں خبر کی،

(اس بنا پر اکثر دعوت اسلام کے لئے جو سرایا بھیجے جاتے تھے، ان کے ساتھ حفاظت کی غرض سے کچھ فوج بھی ساتھ کر دی جاتی تھی، لیکن اس صورت میں بہ تصریح افسروں کو کہدیا جاتا تھا، کہ صرف اشاعت اسلام مقصود ہے، لڑائی بھڑائی کی اجازت نہیں، مثلاً فتح مکہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا، اور ۳۰، آدمیوں کی جمعیت) ساتھ کر دی، تو صاف فرما دیا، کہ صرف دعوت اسلام مقصود ہے، لڑائی مقصود نہیں، چنانچہ ابن سعد لکھتے ہیں،

بعثہ الی بنی جذیمۃ داعیا الی الاسلام ولم یبعثہ مقاتلا (ص۱۰۶)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا، دعوت اسلام کے لئے، لڑنے کے لئے،

Marfat.com

علامہ طبری اس موقعہ پر لکھتے ہیں:۔

قد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے اطراف میں
بعث فیما حول مکۃ السرایا تدعوا	سرایا بھیجے، دعوت اسلام کے لئے، اور انکو
الی اللہ عزوجل ولم یامرھم بقتال	لڑائی کا حکم نہیں دیا،

باوجود اس کے بھی حضرت خالدؓ نے تلوار سے کام لیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا، تو آپؐ کھڑے ہو گئے، اور قبلہ رو ہو کر کہا "اے خدا، خالد نے جو کچھ کیا ہے اس سے بری ہوں" تین دفعہ اسی طرح یہ الفاظ فرمائے پھر حضرت علیؓ کو بھیجا، جنہوں نے ایک ایک بچہ کا یہاں تک کہ کتوں کا خوں بہا ادا کیا، اور اس پر مزید رقم دی۔ یہ واقعہ باختلاف الفاظ حدیث کی کتابوں میں بھی مذکور ہے،

(اسی طرح ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو جب ۳۰۰ سواروں کے ساتھ یمن بھیجا، تو آپؐ نے فرمایا،

فاذا نزلت بساحتھم فلا تقاتلھم	جب تم وہاں پہنچ جاؤ، تو جب تک تم پر کوئی
حتی یقاتلوک (ابن سعد مغازی ص۱۲۶)	حملہ نہ کرے، تم نہ لڑنا،

(اسی سلسلہ میں وہ سرایا بھی داخل ہیں، جو فتح مکہ کے بعد بت شکنی کے لئے اطراف ملک میں روانہ کئے گئے، اس کی تفصیل یہ ہے، کہ تمام عرب میں مختلف قبیلوں کے الگ الگ بتخانے تھے فتح مکہ کے بعد جب عام طور سے قبائل نے اسلام قبول کر لیا، تو بتوں کی عظمت اور جباری کا جاہلانہ اور وہم پرستانہ تخیل بعض قبائل سے دفعۃً نہ مٹ سکا، اب

[1] تاریخ طبری صفحہ ۱۶۵ (جلد ۳)

Marfat.com

گو وہ ان کو لائق پرستش نہیں سمجھتے تھے، تاہم ان کے دلوں پر ان اصنام کی وراثتہً ایک مدت سے جو ہیبت بیٹھی ہوئی تھی، اس سے یہ ہمت نہیں پڑتی تھی، کہ ان باطل پرستیوں کے مرکز کو خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیں، جاہلوں کو یقین تھا، کہ ان مقدس پتھروں کا ایک ریزہ بھی اپنی جگہ سے ہٹا، تو آسمان ٹوٹ پڑے گا، زمین پھٹ جائے گی، مصائب اور بلاؤں کا ایک طوفان برپا ہو جائے گا،

اہل طائف نے بیعت کرتے ہوئے شرط کی تھی، کہ ان کا بت خانہ ایک سال تک ڈھایا نہ جائے، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظور نہ فرمایا، تو دوسری شرط یہ پیش کی، کہ ہم ان کو اپنے ہاتھ سے نہ توڑیں گے، بعض اور نو مسلم قبائل بھی اس ادائے فرض میں جھجکتے تھے، اس بنا پر ان مقامات میں چند راسخ العقیدہ اور صحیح الفہم مسلمان بھیجے گئے کہ وہ ان کی طرف سے اس فرض کو انجام دیں، چنانچہ سریہ خالد بن ولیدؓ بت خانہ عزیٰ، سریہ عمرو بن العاصؓ بتخانہ سواع، سریہ سعد بن زیدؓ اشہلی بتخانہ مناۃ، سریہ ابو سفیانؓ و مغیرہ بن شعبہؓ بتخانہ لات، سریہ جریر بتخانہ ذی الخلصہ، سریہ طفیل بن عمرو دوسی بتخانہ ذی الکفین اور سریہ علی بن ابی طالبؓ بتخانہ فلس کے توڑنے کو روانہ کئے گئے[1]

جنگی اصلاحات جنگ افعال انسانی کا بدترین منظر ہے، عرب کی جنگ تو ظلم، توحش، قساوت سفاکی، بے دردی، اور درندہ پن کا تماشا گاہ تھی، لیکن اعجاز نبوت سے یہی چیز تمام نقائص سے پاک ہو کر ایک مقدس فرض انسانی بن گئی،

---

[1] صحیح بخاری غزوہ ذی الخلصہ ۵۲ اس باب میں تمام تر واقعات ابن سعد جز مغازی سے ماخوذ ہیں

کسی ملک میں جب ہزاروں برس سے ظلم وغارت گری متوارث چلی آتی ہے تو شروع شروع میں مہذّب سے مہذّب حکومت کو بھی چند روز قدیم اصول اور طرز عمل کو اختیار کرنا پڑتا ہے، جس کو طبی اصطلاح میں علاج بالمثل کہہ سکتے ہیں، آغاز اسلام میں حملہ آور جنگ کے متعلق بعض اوقات اس قسم کے ملتے ہیں، جو پہلے سے رائج تھے مثلاً جاہلیت میں دستور تھا کہ دشمن پر بے خبری کی حالت میں جا پڑتے تھے، اور قتل وقید کرتے تھے، اسلام نے اس طریقہ کو مٹایا لیکن ابتدا ہی میں اگر اس پر عمل کیا جاتا، تو نتیجہ یہ ہوتا، کہ دشمن ہمیشہ دفعۃً حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو قتل کیا کرتے، اور مسلمان اس کے مقابلہ میں کچھ نہ کر سکتے، یا کرتے تو پہلے ان کو خبر کرتے جس کے بعد وہ کہیں ٹل جاتے، یا اپنی حفاظت کا سامان کر لیتے لیکن جس قدر اسلام کو زور وقوت حاصل ہوتی گئی، اسی قدر وہ قدیم طریقے مٹتے گئے، یہاں تک کہ ایک ایک کر کے سب کا خاتمہ ہو گیا،

اسلام سے پہلے جنگ کا جو طریقہ تھا، اور جس قسم کے وحشیانہ افعال عمل میں آتے تھے، ان کو ہم تفصیل سے اوپر لکھ آئے ہیں، ان صفحات کو دوبارہ سامنے رکھ لو، اور اس کے مقابلہ میں دیکھو، اسلام نے کیا کیا اصلاحیں کیں؟

اس بات کو قطعاً روک دیا، کہ عورتیں، بوڑھے بچے صغیر السن، نوکر، خادم، لڑائیوں میں قتل کئے جائیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب کسی مہم پر فوج بھیجی جاتی، تو سردار فوج کو جو احکام دیئے جاتے، ان میں ایک یہ لازمی حکم بھی ہوتا، ابوداؤد میں یہ حکم ان الفاظ میں مذکور ہے،

[1] صحیح مسلم باب الجہاد،

لاتقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا ولا صغیرا ولا امرأۃ — کسی کہن سال کو، بچے کو، کمسن کو، عورت کو قتل نہ کرو،

غزوات میں کبھی کسی عورت کی لاش آپؐ کی نظر سے گذرتی، تو آپ نہایت سختی سے منع فرماتے، صحیح مسلم میں متعدد حدیثیں اس کے متعلق مذکور ہیں،

اسلام سے پہلے معمول تھا، کہ دشمن کو گرفتار کر لیتے، تو کسی چیز سے باندھ کر اس کو تیروں کا نشانہ بناتے یا تلوار سے قتل کرتے، عربی میں اس طریقہ کو صبر کہتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی سے اس کو روک دیا،

ایک دفعہ حضرت خالدؓ کے صاحبزادے (عبدالرحمٰن) نے ایک لڑائی میں چند آدمیوں کو گرفتار کر کے اسی طرح قتل کرایا تھا، حضرت ابو ایوبؓ انصاری نے سنا تو کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، وہ اس سے منع فرماتے تھے، خدا کی قسم! میں مرغ کو بھی اس طرح مارنا جائز نہیں رکھتا" عبدالرحمٰن نے اسی وقت کفارہ گناہ کے طور پر چار غلام آزاد کئے[2]،

لڑائیوں میں عہد کی کچھ پابندی نہ تھی، جنگ معونہ وغیرہ میں کفار نے مسلمانوں کے ساتھ یہی معاملہ کیا یعنی قول و قسم لے کر مسلمانوں کو ساتھ لوا گئے، اور گھر لے جا کر قتل کر ڈالا، قرآن مجید میں انہی واقعات کی طرف اشارہ ہے،

لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّۃً — کسی مسلمان کے متعلق وہ نہ قسم کا لحاظ رکھتے ہیں، نہ ذمہ

[1] کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین ابوداؤد میں یہ کتاب کتاب الجہاد میں مکرر ہے یہاں پہلا باب مراد ہے ۱۲ س [2] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱، باب قتل الاسیر بالنبل ۱۲ س"

Marfat.com

إِنَّهُمْ لَآ أَيْمَانَ لَهُمْ (توبۃ-۲) داری کا، ان کی قسم قسم نہیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت تاکید کی، کہ جو عہد کیا جائے، ہر حال میں اس کی پابندی کیجائے، قرآن مجید میں اس کے متعلق جابجا تاکیدی اور صاف احکام ہیں، عہد نبوت اور خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں پابندی عہد کی حیرت انگیز مثالیں ملتی ہیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کرکے مدینہ چلے آئے تھے، تو بہت سے صحابہؓ مجبوریوں کی وجہ سے مکہ ہی میں رہ گئے تھے، ان میں حضرت حذیفہؓ بن یمان اور ان کے والد بھی تھے، جنگ بدر کے موقع پر حضرت حذیفہؓ بن یمان اور ان کے والد کہیں سے آرہے تھے کفار نے انکو پکڑ لیا، کہ تم مدینہ جاکر پھر ہمارے مقابلہ کو آؤ گے، انہوں نے کہا ہمارا مقصد صرف مدینہ جانا ہے، کفار نے ان سے عہد لے کر چھوڑ دیا، یہ لوگ مقام بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، اور یہ دیکھ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے مصروف جنگ ہیں، خود بھی اس سعادت کی آرزو کی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو باز رکھا، کہ تم معاہدہ کر چکے ہو،

ابورافع کو قریش نے قاصد بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا، بارگاہ نبوت میں آکر ان پر یہ اثر ہوا، کہ مسلمان ہو گئے، اور عرض کی، اب میں کافروں میں واپس نہ جاؤں گا، آپؐ نے فرمایا، تم قاصد ہو، اور قاصد کو روک لینا عہد کے خلاف ہے اس وقت واپس جاؤ، پھر آجانا[1]۔

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۳ باب فی الامام یستجن بہ فی العہود (س)

صلح حدیبیہ میں جب حضرت ابو جندلؓ پا بزنجیر آئے اور بدن کے داغ دکھائے کہ قریش مجھ کو قید کر کے اس طرح ستاتے ہیں، آپ نے فرمایا، ہاں! لیکن قریش سے معاہدہ ہو چکا ہے، کہ کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ آئے گا، تو ہم قریش کے پاس بھیجدیں گے، اس پر حضرت ابو جندلؓ نے رو کر تمام مسلمانوں کو مخاطب کیا، لوگ جوش رقت سے بیقرار ہو گئے اور قریب تھا، کہ قابو سے باہر ہو جائیں، حضرت عمرؓ بیتاب ہو گئے حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بار بار جاتے تھے، یہ سب کچھ تھا لیکن پابندی عہد کی قیمت ان سب خطرات سے زیادہ تھی، حضرت ابو جندلؓ کو پا بہ زنجیر واپس جانا پڑا،

اسلام سے پہلے قاصدوں کا قتل کر دینا ممنوع نہ تھا، صلح حدیبیہ سے پہلے آنحضرت اللہ علیہ وسلم نے قریش کے پاس جو قاصد بھیجا، قریش نے اس کی سواری کے اونٹ کو مار ڈالا، اور قاصد کو بھی قتل کر دینا چاہا، لیکن باہر والوں نے بچا لیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، کہ قاصد کبھی قتل نہ کئے جائیں، مسیلمہ نے جب قاصد بھیجا، اور اس نے گستاخانہ گفتگو کی، تو آپ نے فرمایا، کہ قاصد کا قتل کرنا دستور نہیں، ورنہ تو قتل کر دیا جاتا، مورخین اس واقعہ کو لکھ کر لکھتے ہیں، کہ اس دن سے یہ ایک قاعدہ بن گیا، کہ قاصد قتل نہیں کئے جاتے تھے،

اسیران جنگ کے ساتھ عرب نہایت برا سلوک کرتے تھے، اور تمام قوموں میں بھی یہی طریقہ جاری تھا، جنگ صلیبی میں یورپین سلطنتیں جب مسلمانوں کو لڑائیوں میں گرفتار کرتی تھیں، تو ان سے جانوروں کی طرح کام لیتی تھیں،

Marfat.com

علامہ ابن جبیر جب حروبِ صلیبیہ کے زمانہ میں سسلی میں گذرے ہیں، تو یہ حالت دیکھ کر تڑپ گئے، چنانچہ لکھتے ہیں:۔

ومن الفجائع التی یعاینہا من	اور من جملہ ان درد انگیز حالات کے جو ان شہروں
حل بلادھم اسری المسلمین	میں نظر آتے ہیں، اسیران اسلام ہیں، جو بیڑیاں
یرسفون فی القیود ویصرفون	پہنے نظر آتے ہیں، اور جن سے سخت محنت
فی الخدمۃ الشاقۃ والاسیرات	شاقہ لی جاتی ہے، اور اسی طرح مسلمان
المسلمات کذلک فی اسوقہم من	عورتیں پنڈلیوں میں لوہے کے کڑے پہنے،
خلاخیل الحدید فتنفطر	سخت محنت شاقہ سے کام کرتی ہیں، جن کو
لہم الافئدۃ[1]	دیکھ کر دل پھٹا جاتا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران جنگ کی نسبت تاکید کی، کہ ان کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچنے پائے، اسیران بدر کو جب آپ نے صحابہ کے حوالہ کیا، تو تاکید کی، کہ کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے پائے، چنانچہ صحابہؓ خود کھجور وغیرہ کھا کر بسر کر لیتے تھے، اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے، غزوہ حنین میں چھ ہزار اسیر تھے، سب چھوڑ دیئے گئے، اور آپ نے ان کے پہننے کے لئے چھ ہزار جوڑے (مصر کے کپڑے کے) عنایت فرمائے، چنانچہ ابن سعد نے اس واقعہ کی تصریح کی ہے،

حاتم طائی کی بیٹی جب گرفتار ہو کر آئی، تو آپ نے عزت و حرمت سے مسجد کے

---

[1] رحلہ ابن جبیر مطبوعہ لیڈن ۱۹۰۷ء صفحہ ۳۰۷،

ایک گوشہ میں اس کو مقیم کیا، اور فرمایا، کہ کوئی تمہارے شہر کا آجائے، تو میں اس کے ساتھ تم کو رخصت کردوں، چنانچہ چند روز کے بعد سفر کا سامان کرکے ایک شخص کے ساتھ یمن بھجوادیا،

قرآن مجید میں جہاں خدا نے بندگان خاص کے اوصاف بتائے ہیں، وہاں فرمایا ہے

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (دھر)

اور یہ لوگ خدا کی محبت میں مسکین کو، یتیم کو، اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں،

معمول تھا، کہ جب کسی قوم پر حملہ ہوتا، تو اہل فوج چاروں طرف دور، دور پھیل جاتے جس سے راستے بند ہوجاتے، گھروں میں آنا جانا مشکل ہوجاتا، راہ گیروں کا مال ومتاع لٹ جاتا، یہ طریقہ ایک مدت سے چلا آتا تھا، ایک لڑائی میں قدیم دستور کے مطابق یہی حرکتیں لوگوں سے سرزد ہوئیں، آپ نے منادی کرادی، کہ جو شخص ایسا کریگا، اس کا جہاد جہاد نہیں،

ابوداؤد میں (حضرت معاذ بن انس) سے روایت ہے،

غزوت مع نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃ کذا وکذا فضیق الناس المنازل وقطعوا الطریق فبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم منادیا ینادی فی الناس ان من ضیق منزلا وقطع طریقا فلا جہاد لہ[1]	میں فلاں غزوہ میں آپ کے ساتھ تھا، لوگوں نے دوسروں کے پڑاؤ پر جاکر ان کو تنگ کیا، لوٹا، مارا، آپ نے ایک شخص کو بھیجا جس نے منادی کی، کہ جو دوسروں کو گھروں میں تنگ کرے، یا لوٹے مارے، اس کا جہاد قبول نہیں،

[1] ابوداؤد، کتاب الجہاد جلد اول صفحہ ۳۵۴ باب مایؤمر من انضمام العسکر ص

ابوداؤد میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ حکم دیا، کہ لوگ ادھر ادھر پھیل نہ جایا کریں، تو لوگ اس طرح سمٹ کر پڑاؤ ڈالتے تھے، کہ ایک چادر تان دی جاتی، تو سب اس کے نیچے آجاتے،

سب سے بڑی مشکل یہ تھی، کہ مال غنیمت کے ساتھ لوگوں کو اس قدر شغف تھا، کہ لڑائیوں کا بہت بڑا سبب یہی ہوتا تھا، اس کی اصلاح میں نہایت تدریج سے کام لینا پڑا، جاہلیت میں تو غنیمت محبوب ترین چیز تھی، تعجب یہ ہے، کہ اسلام میں بھی ایک مدت تک اس کو ثواب کی چیز سمجھتے تھے، ابوداؤد میں ہے، کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا،

رجل یرید الجهاد فی سبیل الله	ایک شخص خدا کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے،
وهو یبتغی عرضا من عرض الدنیا	لیکن کچھ دنیاوی فائدہ بھی چاہتا ہے، آپ
فقال النبی صلی الله علیه وسلم لا اجر	نے فرمایا، اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا، یہ
له فاعظم ذلك الناس وقالوا للرجل	امر لوگوں کو بہت عجیب معلوم ہوا، اور لوگوں
عد لرسول الله صلی الله علیه وسلم	نے اس شخص سے کہا، کہ پھر جا کر پوچھو، غالباً
فلعلك لم تفهمه (ابوداؤد جلد ۱۔ ص ۳۴۲	تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب
باب فیمن یغزو ویلتمس الدنیا) "س"	نہیں سمجھا،

بار بار لوگ دوبارہ دریافت کرنے کے لئے بھیجتے تھے، اور ان کو یقین نہیں آتا تھا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہوگا، بالآخر جب آپ نے تیسری دفعہ بھی یہی فرمایا، کہ

لہ ابوداؤد کتاب الجہاد باب ما یومر من انضمام العسکر "س"

لَا اَجْرَ لَہٗ یعنی اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا، تب لوگوں کو یقین آیا،

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کو ایک قبیلہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا، ان میں سے ایک صاحب صف سے آگے نکل گئے، قبیلہ والے روتے ہوئے آئے انہوں نے کہا، کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو، تو بچ جاؤ گے، لوگوں نے اسلام قبول کر لیا، اور حملہ سے بچ گئے، اس پر ساتھیوں نے ان کو ملامت کی، کہ تم نے ہم لوگوں کو غنیمت سے محروم کر دیا، ابوداؤد میں صحابی کا قول ان الفاظ میں مذکور ہے،

فلامنی اصحابی وقالوا حرمتنا الغنیمۃ (ابوداؤد باب مایقول اذا اصبح کتاب الادب)	مجھ کو میرے ساتھیوں نے ملامت کی، تم نے ہم لوگوں کو غنیمت سے محروم کر دیا،

جب لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر انکی شکایت کی، تو آپ نے انکی تحسین کی، اور فرمایا، کہ تم کو ایک ایک آدمی (جو چھوڑ دیئے گئے) کے بدلے اتنا اتنا ثواب ملے گا، (ابوداؤد)

قرآن مجید میں غنیمت کی نسبت "متاع دنیوی" کا لفظ آتا تھا، اور اس کی طرف انہماک و وارفتگی پر ملامت کی جاتی تھی، جنگ احد میں جب اس بنا پر شکست ہوئی، کہ کچھ لوگ کفار کا مقابلہ چھوڑ کر غنیمت میں مصروف ہو گئے، تو یہ آیت اتری،

مِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ (آل عمران-۱۶)	تم میں کچھ لوگ دنیا کے طلب گار تھے، اور کچھ آخرت،

Marfat.com

جنگ بدر میں لوگوں نے جب اجازت سے پہلے غنیمت لوٹنی شروع کر دی (یا) بقول بعض مفسرین فدیہ کی خواہش سے لوگوں کو گرفتار کیا، تو یہ آیت اتری،

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْاٰخِرَةَ (الانفال-۹) — تم لوگ دنیا کی پونجی چاہتے ہو، اور خدا آخرت چاہتا ہے،

باوجود ان تمام تصریحات اور بار بار کی تاکید کے غزوہ حنین میں جو ۸ھ میں واقع ہوا تھا، اس وجہ سے شکست ہوئی، کہ لوگ غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہو گئے، صحیح بخاری غزوۂ حنین کے ذکر میں ہے،

فاقبل المسلمون علی الغنائم — تو مسلمان غنیمت پر ٹوٹ پڑے، اور کافروں نے

واستقبلونا بالسہام — ہم کو تیروں پر رکھ لیا،

اس بنا پر موقع بہ موقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مسئلہ کو زیادہ تر تصریح سے بیان فرماتے تھے، ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کوئی شخص غنیمت کے لئے، کوئی نام کے لئے، کوئی اظہار شجاعت کے لئے جہاد کرتا ہے، کس کا جہاد خدا کی راہ میں سمجھا جائے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا[1] — جو شخص اس لئے لڑتا ہے، کہ خدا کا بول بالا ہو،

بالآخر آپ نے یہ فرما دیا، کہ گو جہاد کسی نیت سے کیا جائے لیکن اگر مجاہد مال غنیمت قبول کرتا ہے، تو دو تہائی ثواب کم ہو جاتا ہے، پورا ثواب اسی وقت ملتا ہے جب غنیمت کو

---

[1] بخاری کتاب الجہاد، باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ہی العلیا و صحیح مسلم کتاب الامارۃ "س"

Marfat.com

مطلق ہاتھ نہ لگائے، صحیح مسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص الفاظ یہ ہیں:۔

ما من غازیۃ تغزو فی سبیل اللہ	جو غازی خدا کی راہ میں لڑتا ہے، اور مال غنیمت لیتا
فیصیبون الغنیمۃ الا تعجلوا	ہے، وہ آخرت کے ثواب کا دو ثلث یہیں لے
ثلثی اجرھم من الاخرۃ ویبقی	لیتا ہے، اور آخرت میں اس کا حصہ صرف ایک
لھم الثلث وان لم یصیبوا غنیمۃ	تہائی رہ جاتا ہے، البتہ اگر غنیمت مطلق نہ لے
تم لھم اجرھم[1]	تو اس کو آخرت میں پورا اجر ملے گا،

ان تعلیمات کا یہ اثر ہوا، کہ غنیمت جو سب سے محبوب چیز تھی، دلوں سے اتر گئی، اور جہاد سے صرف اعلائے کلمۃ اللہ مقصود رہ گیا، واقعہ ذیل سے اس کا اندازہ ہو سکے گا،

حضرت واثلہ بن الاسقع ایک صحابی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک کی مہم پر روانہ ہوئے، تو ان کے پاس سامان نہ تھا، مدینہ میں آواز دیتے پھرے، کہ "کوئی ہے جو ایسے شخص کو سواری دے، کہ جو کچھ مال غنیمت ہاتھ آئے گا، اس میں وہ برابر کا شریک ہوگا" ایک انصاری نے سواری اور خوراک سب اپنے ذمہ لی، اس مہم میں کئی اونٹ ہاتھ آئے، حضرت واثلہؓ واپس آکر انصاری کے پاس سب اونٹ لے گئے، اور کہا "یہ وہ اونٹ ہیں، جن کی نسبت میں نے شرط کی تھی، کہ آپ بھی اس میں حصہ دار ہوں گے" انہوں نے کہا "ان کو تم ہی لو، میرا شرکت سے کچھ اور ارادہ تھا" (یعنی اونٹ میں نہیں بلکہ جہاد کے ثواب میں شرکت مقصود تھی[2])

---

[1] صحیح مسلم کتاب الامارۃ، باب بیان ثواب من غزا فغنم وابوداؤد باب فی السریۃ ج۲ ص۲۷ [2] ابوداؤد کتاب الجہاد جلد ثانی باب الرجل یحری دابتہ علی النصف او السہم ج۲ ص۲۷

Marfat.com

دوران جنگ میں دشمن کے مال اور جائداد کا لوٹنا بھی عام رواج تھا خصوصاً جب کہ رسد ٹھہر جاتی تھی، اور کھانے پینے کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا، تو ہر حال میں یہ فعل جائز سمجھا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سخت ممانعت کی، اور سرے سے اس طریقہ کو روک دیا، ابو داؤد میں ایک انصاری سے روایت ہے، کہ ایک دفعہ ہم لوگ مہم پر گئے، اور غایت تنگ حالی اور مصیبت پیش آئی، اتفاق سے بکریوں کا ریوڑ نظر آیا، سب ٹوٹ پڑے، اور بکریاں لوٹ لیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی، آپ موقع پر تشریف لائے، تو گوشت پک رہا تھا، اور ہانڈیاں ابال کھا رہی تھیں، آپ کے ہاتھ میں کمان تھی آپ نے اس سے ہانڈیاں الٹ دیں، اور سارا گوشت خاک میں مل گیا، پھر فرمایا، "لوٹ کا مال مردار کے گوشت کے برابر ہے"[1]

لڑائی عبادت بن گئی اسلام نے جہاد کو جو بظاہر ایک ظالمانہ کام ہے، اس قدر پاک اور منزہ کر دیا، کہ وہ افضل ترین عبادت بن گئی، جہاد کا مقصد یہ قرار دیا، کہ مظلوموں کو ظلم سے بچائے جابر اور ظالم، کمزور آدمیوں پر دست ستم دراز نہ کرنے پائیں،

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ	جن لوگوں سے لوگ لڑائی کرتے ہیں، ان کو اس
ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ	بنا پر لڑنے کی اجازت دی گئی، کہ ان پر ظلم کیا
لَقَدِيْرُ ۙ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ	گیا، اور خدا ان کی مدد پر قادر ہے، وہ لوگ جو
دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا	اپنے گھروں سے صرف اس بنا پر نکال دیئے

[1] ابو داؤد کتاب الجہاد جلد ثانی باب فی النہی عن النہبی اذا کان فی الطعام قلۃ" س"

Marfat.com

رَبُّنَا اللّٰهُ (حج ۔ ۶) گئے، کہ وہ کہتے تھے، کہ ہمارا رب خدا ہے،

ملک میں جو ہمیشہ فتنہ و فساد برپا رہتا تھا، اور لوگ امن و امان سے بسر نہیں کر سکتے تھے، جہاد اس غرض سے تھا، کہ فساد کو مٹا دے، اور امن قائم کر دے،

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ (انفال ۔ ۵) اور ان سے لڑو، تاکہ فتنہ نہ رہے،

جو لوگ خدا پر اور جزا و سزا پر اعتقاد نہیں رکھتے، اور اس وجہ سے ان کے نزدیک ہر قسم کے ظلم و ستم جائز تھے، اور ان کو جائز و ناجائز کی کچھ تمیز نہ تھی، جہاد سے ان کا زیر کرنا اور ان لوگوں کو ان کے ظلم سے بچانا مقصود قرار دیا گیا،

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ (توبہ ۔ ۴) ان لوگوں سے لڑو، جو نہ خدا پر اعتقاد رکھتے ہیں، نہ قیامت پر، اور جن کاموں کو خدا اور رسول نے حرام قرار دیا ہے، اس کو حرام نہیں سمجھتے،

جہاد میں فتح پانے، اور زمین پر قبضہ حاصل کرنے کا مقصد یہ نہیں قرار دیا گیا کہ فاتح دولت و مال اور حکومت کا لطف اٹھائیں، بلکہ یہ غرض قرار دی گئی، کہ لوگوں کو عبادت، و ریاضت اور فقراء کی دستگیری کی تلقین کریں، اور اچھی باتیں پھیلائیں اور برے کاموں سے لوگوں کو روک دیں،

اَلَّذِينَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو زمین پر قبضہ دیں، تو وہ نماز کے پابند ہوں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، اچھی باتوں کا حکم دیں گے، اور

عَنِ الْمُنْكَرِ (حج - ۶) بری باتوں سے روکیں گے،

کسی ملک کی فتح سے جو دولت و مال ہاتھ آتا تھا، وہ فاتح کا خاص حصہ ہوتا تھا، جس کو وہ اپنے مصارف عیش میں استعمال کرتا تھا، اور دربار کے امراء درجہ بدرجہ اس سے مستفید ہوتے تھے لیکن اس کا مصرف یہ قرار دیا،

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (الانفال - ۵)

اور جان لو کہ تم کو جو کچھ مال غنیمت ملے تو اس کا پانچواں حصہ خدا کا ہے اور رسول کا اور رشتہ داروں کا اور یتیموں کا اور غریبوں کا، اور مسافروں کا،

جہاد نہ صرف حقیقت کے لحاظ سے بلکہ صورۃً بھی عبادت بنا دیا گیا، مجاہدین کو تاکید تھی، کہ عین جنگ کے وقت بھی خدا کا نام لیتے رہیں،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الانفال - ۶)

مسلمانو جب کسی گروہ سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو، اور بار بار خدا کا نام لیتے جاؤ، تم کامیاب ہو گے،

نماز میں جس طرح اٹھتے بیٹھتے تکبیر و تسبیح یعنی اللہ اکبر اور سبحان ربی الاعلیٰ کہتے رہنا ہے یہی حکم تھا حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں، کہ ہم جب کسی بلندی پر چڑھتے تھے تو اللہ اکبر کہتے تھے، اور جب نیچے اترتے تو سبحان اللہ کہتے تھے، بخاری میں روایت ہے کہ

لہ اس پانچویں حصہ کے سوا باقی تمام مال غنیمت مجاہدین کا حق ہے،

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں جب کسی ٹیکرے پر چڑھتے تھے، تو تین دفعہ اللہ اکبر کہتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد پر جا رہے تھے، صحابہ زور زور سے تہلیل و تکبیر کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس قدر شور سے نہیں کہنا چاہیے، کیونکہ خدا جس کو تم پکارتے ہو، وہ بہرا نہیں[1] ہے" بعینہٖ اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو نماز میں پکار کر قرآن پڑھنے سے منع فرمایا تھا،

نکتہ، ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، کہ جہاد[2] میں دستور تھا، کہ چڑھائیاں آتی تھیں، تو تکبیر کہتے تھے، اور اتار آتا تھا، تو تسبیح پڑھتے تھے، نماز بھی اسی اصول پر قائم کی گئی یعنی سر اٹھاتے ہیں، تو اللہ اکبر اور سجدہ میں جاتے ہیں، تو سبحان اللہ کہتے ہیں، اس روایت میں ادائے مطلب میں ذرا فرق آگیا ہے جہاد کے اصول پر نماز نہیں قائم کی گئی بلکہ جہاد میں نماز کا طریقہ ملحوظ رکھا گیا ہے، کیونکہ یہ ظاہر ہے، کہ نماز ابتدائے اسلام سے وجود میں آئی، اور جہاد کی تاریخ ہجرت کے بعد سے شروع ہوتی ہے، بہرحال اس روایت سے اس قدر قطعی ثابت ہوتا ہے، کہ نماز اور جہاد دونوں میں ایسی مشابہت تھی، کہ ایک کو اصل اور دوسرے کو اس کی نقل سمجھتے تھے،

غرض وہی جنگ جو ہر طرح کے ظلم و ستم اور جہالت و وحشت کا مجموعہ تھی، اسلام کی تعلیم ربانی نے اس کو اعلائے کلمۃ اللہ، قیام امن، رفع مفاسد، نصرت مظلوم اور تسبیح و تہلیل

---

[1] کتاب الجہاد، باب التکبیر عند الحرب، [2] ابوداؤد کتاب الجہاد، باب مایقول اذا سافر، جلد ۱ صفحہ ۳۵۷، مطبوعہ مجتبائی، اصل عبارت یہ ہے، (وکان) النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجیوشہ اذا علوا الثنایا کبروا واذا ھبطوا سبحوا فوضعت الصلوٰۃ علی ذلک،

Marfat.com

کی صورت میں بدل دیا،

فاتح اور پیغمبر کا امتیاز | جہاد کے معرکوں میں آپ کے ہاتھ میں گو تیغ و سپر اور جسم مبارک پر خود و مغفر ہوتا تھا لیکن اس وقت بھی پیغمبر اور سپہ سالار کا فرق صاف نظر آتا تھا،

عین اس وقت جب کہ معرکہ کارزار گرم ہے، تیروں کا مینہ برس رہا تھا، تمام میدان لالہ زار بن گیا ہے، ہاتھ اور پاؤں اس طرح کٹ کٹ کر گر رہے ہیں جس طرح موسم خزاں میں پتے جھڑتے ہیں، دشمن کی فوجیں سیلاب کی طرح بڑھی آ رہی ہیں عین اسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست دعا آسمان کی طرف بلند ہے، جنگ آور باہم نبرد آزما ہیں، اور سر مبارک سجدہ نیاز میں ہے، معرکہ بدر میں حضرت علیؓ عین شدت جنگ میں تین بار خبر لینے آئے اور ہر دفعہ دیکھا کہ وہ مقدس پیشانی خاک پر ہے، فوجیں تیروں کا مینہ برسا رہی ہیں، اور لڑائی کا فیصلہ نہیں ہوتا، فاتح بے سلاح زمین سے مٹھی بھر خاک اٹھا لیتا ہے، اور دشمن کی طرف پھینکتا ہے، دفعۃً فوجوں کا بادل پھٹ کر مطلع صاف ہو جاتا ہے،

حنین میں دشمن نے دفعۃً اس زور سے حملہ کیا، کہ تمام فوج کے پاؤں اکھڑ گئے، ۱۲۰۰۰ ہزار آدمیوں میں سے ایک[1] بھی پہلو میں نہیں، سامنے [illegible] دس ہزار قدر انداز تیر برساتے آ رہے ہیں لیکن مرکز حق اپنی جگہ پر قائم ہے، اور ایک [illegible] آ رہی ہے،

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ — میں پیغمبر ہوں، اور جھوٹا پیغمبر نہیں ہوں

عین اس وقت جبکہ صفیں باہم معرکہ آرا ہیں، ہر طرف تلواریں برس رہی ہیں، ہاتھ پاؤں کٹ کٹ کر زمین پر بچھے جاتے ہیں، موت کی تصویریں ہر طرف نظر آ رہی ہیں اتفاق

(۱) چند خاص رفقاء کے سوا" س"

سے نماز کا وقت آجاتا ہے، دفعۃً نماز کی صفیں قائم ہو جاتی ہیں، سپہ سالار امام نماز ہے، فوجیں صفوف نماز ہیں، رجز کے بجائے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہیں، جوش و خروش، تہور و جانبازی غیظ و غضب، اب عجز و نیاز، تضرع و زاری اور خضوع و خشوع بن جاتا ہے، صفیں دو دو رکعتیں ادا کر کے دشمن کے مقابلہ پر چلی جاتی ہیں، ان کے بجائے لڑنے والے نماز میں شامل ہو جاتے ہیں، یہ دو رکعتیں ادا کر کے پھر اپنی اپنی خدمت پر واپس چلے جاتے ہیں اور مشغولیت جنگ کا کر نفلہ نماز پوری کر لیتے ہیں، لیکن یہ تبدیلیاں فوجوں میں ہوتی ہیں امام (رسولؐ) اول سے آخر تک عبادت الٰہی میں مصروف ہے،

تعلیم و ارشاد، ہدایت و تلقین، تہذیب و تزکیہ کا کام ہر وقت جاری ہے، عین فتح کے وقت جب کہ مجاہدین فتح کے نشہ میں چور ہیں، مال غنیمت فروخت ہو رہا ہے، ایک ایک کو ہزاروں کی رقمیں وصول ہو رہی ہیں، ایک صحابی خوش خوش آتے ہیں، اور جوش مسرت میں کہتے ہیں "یا رسول اللہ آج میں نے مال غنیمت سے جس قدر نفع اٹھایا کبھی نہیں اٹھایا تھا، پورے تین سو اوقیہ ہاتھ آئے" (اوقیہ دس روپے کے برابر ہوتا ہے) آپؐ فرماتے ہیں کہ میں اس سے بھی زیادہ نفع بتاؤں؟ وہ بڑے شوق سے پوچھتے ہیں کیا؟ ارشاد ہوتا ہے "فرض نماز کے بعد دو رکعتیں"[1]

تم المجلد الاول من سیرۃ النبویۃ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ

---

[1] ابوداؤد کتاب التجارۃ، فی الغزو،

محمد رمضان شیخ ناظم

ذخیرہ محمد صابر مجددی

Marfat.com